شرارہ
ایم الیاس

## شرارہ ○ 5

اویس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس شخص سے لفافہ لے لیا جو اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس نے لفافہ لینے کے بعد اس شخص سے کہا۔ "اب آپ جاسکتے ہیں۔" وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اویس سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ پھر اس نے بڑی ممنونیت سے کہا۔ "میں امید رکھوں میرا کام ہوجائے گا؟"

"میں کام کے پیسے لیتا ہوں مسٹر اظہر۔" اویس نے ناگواری سے کہا۔ "اب آپ بالکل بے فکر ہوکر جائیں۔ اس قسم کی باتیں مجھے بالکل پسند نہیں ہیں۔"

"آئی ایم سوری سر!" اس شخص نے بڑی خفت سے اویس کی طرف دیکھا۔ "آپ میری باتوں کا کچھ خیال نہ کریں مجھے آپ سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ میں نے جو بات آپ سے کہی اس میں میرا کوئی قصور بھی نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں پیسے دینے کے بعد کوئی کام نہیں ہوتا۔"

اتنا کہہ کر وہ شخص کمرے سے نکل گیا۔ دروازہ بند ہونے کے بعد اویس نے لفافہ کھول کر اس میں سے نوٹ نکالے۔ وہ ہزار ہزار روپے کے نوٹ تھے۔ نئے اور کرارے۔ اس نے انہیں گنا۔ پورے دس ہزار روپے تھے۔ اس نے ایک ایک نوٹ کو خوب اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اس پر اسے کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ نشان بھی ہوتا تو اس کے لئے ڈر اور خوف کی کوئی بات نہ تھی۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوئی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ اتنا آسان بھی نہ تھا۔ اب تک اس کے پکڑے جانے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ اس لئے کہ وہ محتاط ہوکر اور سنبھل کے کام کرتا تھا۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا۔

پھر اس نے ہپ پاکٹ سے اپنا خوب صورت سیاہ رنگ کا چرمی پرس نکال کر اس کی زپ کھول کر اس میں دس ہزار روپے اس طرح رکھ لئے جیسے یہ اس کے لئے دس روپے کا نوٹ ہو۔ اب اس کے نزدیک دس ہزار روپے کی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ وہ بہت ہی چھوٹے کام کے دس ہزار روپے لیتا تھا۔ اسے اس وقت خوشی ہوتی تھی جب

چالیس پچاس ہزار روپے ملتے تھے۔ ایک مہینے میں اس کی بالائی آمدنی ساٹھ سے نوے ہزار روپے تک ہوجاتی تھی۔ وہ کئی دنوں سے اپنی آمدنی کو بڑھانے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ وہ اسے دو لاکھ روپے تک لے جانا چاہتا تھا۔

وہ آج کی شام کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف رضوان تھا۔ "یار اویس! آج تم گھر والوں کے ساتھ مہندی میں آرہے ہونا؟"

"یار! مہندی میں نہیں شادی میں شریک ہوجاؤں گا۔ مہندی کی تقریب میں میرا کیا کام؟ امی اور بہنیں آجائیں گی۔" اس نے جواب دیا۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں اپنی بہن کی مہندی کی تقریب کس شاندار طریقے سے کر رہا ہوں۔" رضوان نے کہا۔ "میں نے چار پانچ ڈشوں کا بندوبست کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ حسینوں کا جھرمٹ ہوگا۔ بہت سارے شاندار مکھڑے ہوں گے۔ شام بڑی حسین اور رنگین ہوگی۔"

"گھر والے تو خود ہی پہنچ جائیں گے۔" اویس نے کہا۔ "میں رات دس بجے تک پہنچ جاؤں گا۔ اس سے پہلے آکر کیا کروں؟"

اویس ٹھیک دس بجے رضوان کے ہاں پہنچا۔ لڑکے والے مہندی لے کر آچکے تھے۔ ان کے درمیان گیتوں اور گانوں کا مقابلہ شروع ہوچکا تھا۔ محفل اپنے پورے شباب پر تھی۔ رضوان اسے ہال میں لے کر پہنچا تو وہاں شباب ہی شباب تھا۔ حسن تھا۔ ماحول بڑا رنگین تھا۔ نوجوان لڑکیاں اور شادی شدہ عورتیں بھی دلہنوں کی طرح سج دھج کر آئی ہوئی تھیں۔ بھڑکیلے لباسوں میں ان کا حسن و سراپا دو آتشہ بن گیا تھا۔ ایک سے ایک بڑھ کر تھیں۔ کسی ایک پر نگاہ ٹھہرتی نہ تھی۔ وہ ان کے حسن و جمال کی نمائش سے محظوظ تو ہو رہا تھا لیکن ان میں کوئی شکار اس کے لئے نہیں تھا۔ اس انبوہ میں اسے ایسی کوئی لڑکی نہیں دکھائی دی جسے وہ اپنے جال میں پھانس سکے۔

لڑکے والوں کی طرف سے جو لڑکیاں مہندی لے کر آئی تھیں وہ لڈی ڈال رہی تھیں۔ ان کے نازک' خوبصورت اور شاخِ گل جیسے بدن لچک رہے تھے' تھرک رہے تھے' بل کھا رہے تھے۔ اس ہال میں مرد اور نوجوان لڑکے بھی تھے۔ بڑی بوڑھیاں بھی تھیں۔ ہر کوئی پُرشوق نگاہوں سے ان لڑکیوں کو تھرکتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ایک سماں بندھ گیا تھا۔ حسن اور رنگینی میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

معاً اس کی نگاہ ایک کونے میں پڑی جہاں صوفے رکھے تھے اس کی پشت پر گھر کی



عورتیں کھڑی تھیں۔ ان کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر کی عورت کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ ایک دراز قد کی نوجوان لڑکی تھی۔ وہ عورت اور لڑکی ماں بیٹی لگ رہی تھیں۔ ان کے معمولی لباس سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ ماسیاں ہیں۔ برتن دھونے اور دوسرے کام کاج کے لئے انہیں اس وقت بلایا گیا ہے۔

اس کا یہ شکار تھا جس کی اسے تلاش تھی۔ اس نے اپنے شکار کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ اس کی عمر بمشکل سولہ برس کی ہوگی۔ وہ بہت حسین نہ تھی البتہ جوانی کے خمار نے اسے حسین بنا دیا تھا۔ وہ اس قدر پُرکشش تھی کہ اتنی ساری لڑکیوں اور عورتوں میں کوئی بھی اس کے مقابلے کا نہ تھا۔ وہ معمولی لباس میں ہی قیامت ڈھا رہی تھی۔ اویس نے سوچا کہ یہ لڑکی بھڑکیلا لباس پہن لے۔ بیوٹی پارلر سے سج دھج کر آئے تو شعلہ مجسم بن جائے۔ اس وقت بھی وہ شعلہ ساماں تھی۔ اس کے خدوخال بھی غضب کے تھے۔ اس کی آنکھیں بہت بڑی بڑی روشن اور سیاہ تھیں۔ اس کی آنکھیں رقص و موسیقی کو اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر سرخی سی چھائی ہوئی تھی جس نے اسے اور حسین بنا دیا تھا۔ اس کے بال لانبے' سیاہ اور چمکیلے تھے۔ وہ اِدھر اُدھر حرکت کرتی تو اس کی چوٹی بار بار کسی بل کھاتی ہوئی ناگن کی طرح اس کی کمر لہراتی تھی۔ پوری محفل میں صرف وہ ایک شخص تھا جو اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے اور دلکش سراپا میں کھویا ہوا تھا۔ اس کی نگاہ تھی کہ ہٹتی نہ تھی۔

اویس نے محفل ختم ہونے اور کھانا کھانے کے بعد کسی نہ کسی طرح ماں بیٹی کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں جھوٹے برتن دھو رہی تھیں۔ اس نے رضوان کی چھوٹی بہن سے ماں بیٹی کا نام اور پتا دریافت کرلیا تھا۔ اس کے پاس گاڑی ہوتی تو وہ آخری وقت تک رکتا تاکہ اپنی گاڑی میں انہیں لفٹ دے۔ اس کے پاس موٹر سائیکل تھی۔ اس نے موٹر سائیکل دانستہ لے رکھی تھی۔ اس میں اتنی سکت تھی کہ وہ ایک گاڑی لے لیتا لیکن وہ افسروں کی نظروں میں آنا نہیں چاہتا تھا اور پھر رضوان کی بہن نے اسے بتایا تھا کہ اب صبح ہی جائیں گی۔

رات وہ سونے کے لئے بستر پر لیٹا تو وہ لڑکی اس کے ذہن و دل پر چھائی ہوئی تھی۔ اس کا نام فاخرہ تھا۔ اس کی ماں کا نام سلطانہ تھا۔ اس نے صبح بیدار ہو کر فیصلہ کیا کہ وہ آج ہی لڑکی کی ماں سے ملاقات کرے گا۔ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ صبح دس بجے وہ دفتر جانے کے لئے نکلا۔ دفتر جانے کے بجائے اس نے اپنی موٹر سائیکل کا رخ نئی

آبادی کی طرف کرلیا۔ اسے دفتر جانے کی ایسی جلدی نہیں تھی۔ سرکاری دفتر تھا۔ سبھی دیر سے آتے اور جلدی چلے جاتے تھے۔ صرف وہی رکتے تھے جنہیں پیدا کرنی ہوتی تھی۔

اویس کو فاخرہ کا گھر تلاش کرنے میں زیادہ دشواری کا سامنا کرنا نہیں پڑا تھا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل کھڑی کرکے اس مکان کا جائزہ لیا۔ یہ ایک چھوٹا سا کوارٹر نما مکان تھا۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا۔ دروازے پر فاخرہ کا چہرہ اور سراپا دکھائی دیا۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار بھرا ہوا تھا جس نے ان آنکھوں کو نشیلا بنا دیا تھا۔ اس کے چہرے پر کسل مندی اور تھکن سی چھائی ہوئی تھی۔

اس نے چونک کر حیرت سے اویس کو دیکھا۔ اپنے چہرے سے بکھرے بالوں کو ہٹاتے ہوئے بولی۔ "آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"یہ مکان ممتاز صاحب کا ہے نا.........؟" اس نے فاخرہ کے حسین چہرے پر نظریں مرکوز کرکے پوچھا۔ "میں ان سے ملنے آیا ہوں۔"

"میرے ابو دفتر گئے ہوئے ہیں۔" اس نے مترنم آواز میں جواب دیا۔ "وہ چھ بجے گھر آتے ہیں۔ آپ ان سے دفتر جاکر ملاقات کرلیں۔"

"مجھے ان کے دفتر کے بارے میں بتا دیں میں ان سے مل لوں گا۔" اس نے کہا۔ "آپ کی امی کیا گھر پر ہی ہیں؟ میں ان سے مل سکتا ہوں؟"

"میرے ابو علی انٹرنیشنل کارپوریشن میں چپراسی ہیں جو صدر میں ہے۔ امی سو رہی ہیں۔ میں انہیں جاکر جگاتی ہوں۔" فاخرہ بولی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے جو چارپائی تھی اس پر سلطانہ بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر حیرت تھی۔ اس نے بغیر کسی تمہید کے کہنا شروع کیا۔ "رات میں نے آپ دونوں کو رضوان کے ہاں دیکھا تھا۔ رضوان کی بہن نے مجھے آپ کا پتا دیا تھا۔ ایک کام کے سلسلے میں ملنے آیا ہوں۔"

"ہم ماں بیٹی نے آج سے اس کے ہاں کام چھوڑ دیا ہے۔" سلطانہ نے کہا۔ "ایک تو وہ لوگ کام بہت زیادہ لیتے ہیں۔ تنخواہ بھی رُلا رُلا کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ مہندی کی رات اور شادی والے دن جو کام ہوگا اس کے الگ پیسے دیں گے۔ بیگم صاحبہ نے صرف بیس روپے دیئے۔ ہم ماں بیٹی نے پانچ سو بڑی اور چھوٹی چھ سو پلیٹیں دھوئی تھیں۔ اس کے علاوہ صبح سے شام تک جھوٹے برتن دھوتی رہی تھیں۔ مہندی پر ایک



لاکھ روپے خرچ کر دیئے۔ ہم نوکرانیوں کو سو روپے دیتے ہوئے ان کا دل دکھ رہا تھا۔ وہ بیس روپے ہم نے ان کے منہ پر دے مارے۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا......... یہ بڑے دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ غریب کا حق مارا جائے۔" اس نے توقف کرکے اپنے بٹوے میں سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر سلطانہ کی طرف بڑھائے۔ "رضوان صاحب کو یہ بات صبح معلوم ہوئی۔ آپ یہ رقم رکھ لیں میں ان سے وصول کرلوں گا۔"

سلطانہ کو یہ رقم لیتے ہوئے کچھ تذبذب سا ہوا۔ پھر اس کی مجبوریوں نے لینے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ رقم لے کر بولی۔ "آپ کا بہت شکریہ......... لیکن اب ہم ان کے ہاں کسی قیمت پر کام کرنے نہیں جائیں گی۔ کیونکہ یہ لوگ ہمیں پیسے اس طرح دیتے ہیں جیسے بھیک دے رہے ہوں۔"

"میں ان کی سفارش کرنے یا ان کے ہاں کام کرنے پر مجبور کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ میں اور کام سے آیا ہوں۔" اویس نے کہا۔

"فاخرہ بیٹی!" ماں نے بیٹی کی طرف گردن گھما کر دیکھا۔ "جاؤ......... اویس صاحب کے لئے اچھی سی چائے بنا لاؤ........." فاخرہ گئی تو سلطانہ نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا آپ کو ہماری ضرورت ہے؟ آپ کا گھر کہاں ہے؟ بتادیں ہم آجائیں گی۔"

"یہ میرا پتا ہے۔" اویس نے پہلے سے کاغذ پر لکھا ہوا پتا نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ "آپ اور آپ کے شوہر شام سات بجے اس پتے پر آکر مجھ سے ضرور ملیں۔ آپ دونوں سے مجھے ضروری کام ہے۔ کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔ یہ باتیں آپ دونوں کی موجودگی میں ہی ہوسکتی ہیں۔"

سلطانہ نے بہت کریدنے کی کوشش کی لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا۔ تھوڑی دیر میں فاخرہ اس کے لئے چائے بنا کر لے آئی۔ وہ فاخرہ کے سراپا کو نظروں میں جذب کرتا رہا۔ پھر اس نے چلتے ہوئے تاکید کی۔ "آج ضرور آکر ملیں۔ اس میں آپ کا فائدہ ہے۔ پھر کبھی ایسا موقع نہیں ملے گا۔"

ٹھیک سات بجے سلطانہ اور اس کا شوہر صادق اس کے فلیٹ پر پہنچے۔ ان دونوں نے اس کے آراستہ و پیراستہ فلیٹ کو حیرت سے دیکھا۔ سلطانہ کی زندگی گھروں میں کام کرتے ہوئے گزری تھی۔ اس نے بڑے بڑے گھر دیکھے تھے لیکن اس فلیٹ میں جو آرائش جو

زیبائش، راحت اور آسائش کے لوازمات تھے اس نے بہت کم گھروں میں دیکھے تھے۔ ہر کمرے میں ایئر کنڈیشنر اور قالین تھا۔ میاں بیوی اس کے سحر میں کھو کر رہ گئے تھے۔

اویس نے پہلے تو ان کی ٹھنڈے شربت سے خاطر تواضع کی پھران سے بات کرنے بیٹھا تو سلطانہ نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ کے گھر والے کہاں ہیں؟"

"میرے گھر والے نہیں ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "اس گھر اور اتنی بڑی دنیا میں، میں اکیلا ہوں۔ اکیلے ہی زندگی گزارتا چلا آرہا ہوں۔"

"آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی..........؟" صادق نے گھر کی سجاوٹ کو رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "ابھی تک کنوارے ہیں؟"

"اس لئے کہ مجھے اب تک اپنی پسند کی لڑکی نہیں ملی۔" اویس نے کہا۔ "شادی چونکہ ایک بار ہی کی جاتی ہے اس لئے لڑکی اچھی ہونا ضروری ہے۔"

"کیا آپ بہت ہی حسین و جمیل لڑکی کی تلاش میں ہیں؟" سلطانہ نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کردیں۔ "آپ کو کیسی لڑکی چاہئے؟"

"جی نہیں.......... بہت حسین و جمیل لڑکی کی تلاش نہیں ہے۔ مجھے ایسی لڑکی چاہئے جو بہت حسین نہ ہو لیکن نیک سیرت ضرور ہو۔" وہ بولا۔

"اس بڑے شہر میں نیک سیرت اور حسین لڑکیوں کی کیا کمی ہے؟" سلطانہ نے کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں چاہتے کہ آپ کو جہیز میں کار اور کوٹھی ملے؟"

"ایسی لڑکی ملنا شرط ہے۔" اویس کہنے لگا۔ "سوال یہ ہے کہ ایسی لڑکی کون ڈھونڈے؟ کیونکہ میرے رشتہ دار نہیں ہیں۔ جو دور کے رشتہ دار ہیں وہ مجھ سے مخلص نہیں ہیں۔ ان کی لڑکیاں اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے کوئی بھی شادی کرسکے۔ آج کل لوگ لڑکیوں کو بہت پڑھا رہے ہیں لیکن ان کی تربیت پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ اس لئے لڑکیوں میں بے راہ روی بہت بڑھ گئی ہے۔ مجھے جہیز میں کچھ نہیں چاہئے۔ صرف ایک شریف لڑکی چاہئے۔ اللہ نے مجھے اتنا کچھ دیا ہے کہ میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔"

"آپ نے ہم میاں بیوی کو یہاں کس لئے بلایا ہے؟" صادق نے ان باتوں سے اکتا کر پوچھا۔ "آپ کو ہم سے کیا خدمت لینا ہے؟"

"میں نے اس لئے آپ دونوں کو زحمت دی ہے کہ مجھے اپنا گھر بسانے کے لئے نیک سیرت اور سلیقہ مند لڑکی کی ضرورت ہے۔"



"میری نظر میں دو تین بڑے گھرانوں کی لڑکیاں ہیں۔" سلطانہ نے کہا۔ "میں وہاں آپ کا رشتہ لے کر جاسکتی ہوں۔ آپ کی بات چلا سکتی ہوں۔"

"میں کسی بڑے گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنا نہیں چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "مجھے کسی بہت غریب اور شریف گھرانے کی لڑکی چاہئے۔"

"جی.......... آپ کسی غریب گھرانے کی لڑکی سے شادی کریں گے؟ وہ کس لئے؟ اس لڑکی کا اور آپ کا کیا جوڑ ہوگا؟"

"اس لئے کہ غریب لوگوں کے پاس جو دولت ہوتی ہے وہ ان کی عزت ہوتی ہے۔" اویس کہنے لگا۔ "میں آپ لوگوں سے زیادہ گھما پھرا کے بات کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ میرا کوئی بزرگ اور ایسا دوست نہیں ہے جو میرے رشتے کی بات کرسکے۔ میں دراصل آپ کی بیٹی فاخرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا..........؟" دونوں میاں بیوی حیرت سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ سلطانہ نے پوچھا۔ "آپ ہماری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟"

"جی ہاں.........." اویس نے اپنا سر جھکا لیا۔ پھر وہ بڑی آہستگی سے بولا۔ "مجھے آپ کی بیٹی فاخرہ بہت پسند ہے۔ رضوان کی بہن اور اس کی بیوی نے آپ کی بیٹی کی سیرت، سلیقہ مندی کی بہت تعریف کی مجھے دراصل ایسی ہی سگھڑ لڑکی کی برسوں سے تلاش تھی۔"

"مگر.........." سلطانہ پر کئی لمحے تک سکتہ سا طاری رہا۔ پھر وہ بولی۔ "ہم بہت غریب ہیں۔ میں ماسی ہوں۔ فاخرہ کا باپ چپراسی ہے۔"

"میرے نزدیک امیر غریب کا سوال نہیں ہے۔ مجھے ایک ایسی بیوی کی ضرورت ہے جو گھر کو سنبھال سکے۔ آپ کی بیٹی میں وہ خوبیاں موجود ہیں جو میں چاہتا ہوں۔ آپ کے ماسی ہونے اور آپ کے شوہر کے چپراسی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ آپ اس طرح کیوں سوچتی ہیں؟"

"صرف میں ہی نہیں سوچتی۔" سلطانہ نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس انداز سے ساری دنیا سوچتی ہے۔ میں کیا کروں..........؟"

"دیکھئے.......... اللہ کی نظروں میں سب انسان برابر ہوتے ہیں۔ میں اس انداز سے نہیں سوچتا۔" اویس نے میاں بیوی کو سمجھایا۔

"ہماری اتنی حیثیت نہیں ہے کہ اپنی بچی کی شادی میں کچھ دے سکیں۔" سلطانہ نے افسردگی سے کہا۔ "ہم لوگ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ اس مہنگائی میں کس

طرح گزارہ کر رہے ہیں یہ تو ہم جانتے ہیں یا پھر ہمارا اللہ جانتا ہے۔ ہماری بیٹی کے لئے کبھی رشتوں کی کمی نہیں رہی۔ پھوٹی کوڑی نہ ہونے کی وجہ سے اب تک اس کے ہاتھ پیلے نہ کرسکے۔ کوئی بھی بغیر لین دین اور جہیز کے شادی کے لئے تیار نہیں ہوتا ہے۔"

"آپ اتنی سی بات کے لئے پریشان ہو رہی ہیں.........؟" اویس ہنسا۔ "میں آپ سے کب لین دین اور جہیز کی بات کر رہا ہوں؟"

"آپ کچھ بھی کہہ لیں........." صادق نے کہا۔ "ماں باپ کتنے ہی غریب کیوں نہ ہوں۔ انہیں کچھ نہ کچھ بیٹی کی شادی کے موقع پر کرنا پڑتا ہے۔ ہم تہی دست ہیں۔ لڑکی کو ایسے ہی اٹھا کر دینے سے رہے۔ آپ دو تین مہینے کی مہلت دیں۔ کہیں نہ کہیں سے کچھ بندوبست کرلیں گے۔"

"میں دو تین مہینے کی مہلت اس لئے نہیں دے سکتا کہ تنہائی سے اور ہوٹلوں میں کھانا کھا کر تنگ آچکا ہوں۔" اویس کہنے لگا۔ "آپ دونوں میری باتیں غور سے سنیں۔ شادی بڑی سادگی سے اور شرعیت پر ہوگی۔ آپ اپنی بیٹی کو صرف ایک جوڑے میں رخصت کردیں۔ وہ جوڑا بھی میں دوں گا۔ میں اپنے ساتھ صرف قاضی صاحب اور دو تین دوستوں کو لے کر آؤں گا۔ آپ بیس پچیس مہمانوں سے زیادہ نہ بلائیں۔ شربت وغیرہ کے اخراجات برداشت کرلیں۔ کسی کو یہ بات بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ شادی کے اخراجات بھی میں نے اٹھائے ہیں۔"

"آپ شادی کے لئے بہت جلدی کر رہے ہیں۔" صادق نے کہا۔ "کم از کم ایک ماہ کی مہلت دیں تاکہ ہم رشتہ داروں سے صلاح مشورہ کرسکیں۔"

"آپ شاید میرے بارے میں دریافت اور معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں؟" اویس نے کہا۔ "آپ کو میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ ایک ماہ میں تیس دن ہوتے ہیں۔ آپ صرف تین گھنٹوں میں میرے بارے میں بہت کچھ معلوم کرسکتے ہیں۔ میں آپ کو اپنے دفتر کے بارے میں بتاتا ہوں۔ میرے دفتر جاکر آپ کسی سے بھی میرے بارے میں پوچھ سکتے ہیں۔ پھر آپ فیصلہ کریں کہ رشتہ دینا ہے یا نہیں۔ انکار کردیں گے تو میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔"

"نہیں......... نہیں......... ہمیں کچھ سوچنا اور آپ کے بارے میں پتا کرنا نہیں ہے۔" صادق فوراً بول اٹھا۔ "میں ایک ماہ کی مہلت اس لئے مانگ رہا تھا کہ رشتہ دار اعتراض نہ کریں۔ بس یہی بات تھی۔ ہماری ایک ہی بیٹی ہے۔ ہمیں اس کی خوشی جان



سے زیادہ عزیز ہے۔"

"ویسے آپ ہمارے بارے میں جاننا چاہیں تو معلوم کرسکتے ہیں۔ ہم اس محلے میں بارہ برس سے رہ رہے ہیں۔ ہمیں سبھی جانتے ہیں۔" سلطانہ نے کہا۔

اویس نے اپنے بٹوے میں سے ہزار ہزار روپے کے دو نوٹ نکال کر سلطانہ کے ہاتھ پر یہ کہہ کر رکھ دیئے کہ شادی کے دن اخراجات کے لئے ہیں۔ پھر اس نے اپنے بیڈروم میں جاکر الماری میں سے سونے کے زیورات کا ایک سیٹ نکالا جو تین تولے کا تھا۔ ایک عروسی جوڑا بھی دیا جو ایک گتے کے بڑے ڈبے میں پیک کیا ہوا تھا۔ پھر ایک برقع بھی دیا جو نیا تھا۔ پھر ان کے درمیان یہ طے پایا نکاح جمعہ کے دن بعد نماز مغرب ہوگا۔ حق مہر تین ہزار روپے طے پایا۔ جبکہ باپ دس ہزار روپے پر اصرار کر رہا تھا۔ اویس چونکہ شادی کے تمام اخراجات برداشت کر رہا تھا' اس لئے سلطانہ نے تین ہزار روپے حق مہر پر اپنی رضامندی دے دی۔ پھر اس نے اپنے شوہر کو بھی راضی کرلیا۔ اویس نے ایک سو روپے کا نوٹ بھی دیا تاکہ وہ رکشہ میں گھر جائیں۔

میاں بیوی نے باہر آکر رکشہ لیا۔ گھر کی طرف جاتے ہوئے انہیں یقین نہیں آرہا تھا۔ انہیں یہ سب کچھ کسی سہانے خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں کر ہوگیا۔ سلطانہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی بیٹی کو لکھ پتی شوہر مل جائے گا۔ اس کی نوجوان بیٹی لاکھ حسین اور پُرشباب سہی۔ غریب کی حسین بیٹیاں تو جاڑے کی چاندنی ہوتی ہیں۔ اس کے بھاگ ایک دم سے کیسے جاگ گئے؟ اور پھر شادی کے اخراجات کے اسباب بھی بن گئے تھے۔ اس نے اپنے بدن میں کئی بار چٹکی لی تھی۔ اپنے شوہر سے پوچھا بھی تھا کہ کہیں یہ خواب تو نہیں ہے؟ غریبوں کے خواب بھی ایسے حسین نہیں ہوتے ہیں۔ حقیقت اتنی حسین کیسے ہوگئی؟

گھر پہنچ کر سلطانہ سے صبر نہ ہوسکا۔ اس نے ڈبے سے عروسی جوڑا نکال کر دیکھا تو سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ یہ جوڑا اتنا قیمتی' شاندار اور دیدہ زیب ہوگا سلطانہ کو اندازہ نہ تھا۔ اس جوڑے میں اس کی بیٹی چاند کا ٹکڑا دکھائی دے گی۔ پھر سونے کے زیورات کے سیٹ کو دیکھا گیا۔ وہ بالکل اصلی تھا۔ برقع بھی بالکل نیا اور قیمتی کپڑے کا سلا ہوا تھا۔ اویس نے مہمانوں کی خاطر تواضع کے لئے جو دو ہزار روپے دیئے تھے وہ بھی بہت زیادہ تھے۔

ان تمام باتوں سے بڑھ کر جو بات افضل تھی وہ یہ کہ ان کا ہونے والا داماد نہ صرف بہت اسمارٹ بلکہ بااخلاق، ملنسار اور شائستہ مزاج بھی تھا۔ وہ عمر میں فاخرہ سے بارہ تیرہ برس بڑا دکھائی دیتا تھا مگر ان کے نزدیک اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ کیونکہ فاخرہ کے لئے ڈرائیوروں، چپراسیوں اور خانساماؤں کے جو رشتے آرہے تھے وہ بھی تیس برس سے کم نہیں تھے۔ خوبصورت بھی نہ تھے۔ اس کے علاوہ لین دین اور جہیز کے بھوکے بھی تھے۔ اس لئے فاخرہ کا رشتہ طے نہ ہوسکا تھا۔

فاخرہ نے جب اپنی ماں کی زبانی سنا کہ اس کا رشتہ اویس سے طے پاگیا ہے جو آج صبح کسی کام کے بہانے اس کے ہاں آیا تھا تو وہ ششدر رہ گئی۔ اسے اپنی سماعت پر فتور کا احساس ہوا تھا کہ ماں جھوٹ بول رہی ہے۔ جب اسے یقین آیا تو وہ عجیب سی خوشی اور حیرت کے جذبات اور احساسات میں مبتلا ہوگئی تھی۔ بہت دیر تک اس پر خواب کی سی کیفیت طاری رہی تھی۔ جب اس نے عروسی جوڑا، برقع اور سونے کے زیورات کا سیٹ دیکھا تو آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرنے لگی۔ اسے ایسا لگا تھا کہ ویرانے میں چپکے سے بہار آگئی ہو۔ اس کے چاروں طرف رنگین سپنا بکھرا ہوا ہے۔ کیا وہ یہی خواب ہیں جو وہ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد دیکھتی چلی آرہی ہے۔

فاخرہ کو یاد آیا کہ رضوان صاحب کے ہاں مہندی کی رات اس نے اویس کو اپنے قریب کسی نہ کسی حیلے بہانے سے منڈلاتے دیکھا تھا۔ اس نے اویس کو بہت ہی قریب سے دیکھا بھی تھا۔ اسے اویس کی نگاہوں کی زبان کچھ کہتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے بڑی کوشش کی تھی کہ اس کی نظریں اویس کی نظروں سے چار نہ ہوں لیکن نظریں ضدی بچے کی طرح مچل جاتی تھیں۔ اسے اویس خوابوں کے شہزادے کی طرح لگا تھا۔ مگر اس نے اویس کا خواب نہیں دیکھا اور نہ ہی اس کے بارے میں کچھ سوچا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ خواب دغا باز ہوتے ہیں۔ اسے اپنی حقیقت اور اوقات کا علم تھا۔ وہ آسمان کی بلندیوں کو چھونے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی مگر آسمان اس کے قدموں میں جھک آیا تھا۔

فاخرہ کا خیال تھا کہ اس کی جب کبھی شادی ہوگی روایتی انداز سے ہوگی لیکن اس کی شادی انتہائی سادگی سے ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھوں پیروں میں مہندی لگی تھی لیکن مہندی کی تقریب نہیں ہوئی تھی جو آج ہر غریب سے غریب لڑکی کی ہوتی تھی۔ وڈیو فلم بھی نہیں بنائی تھی۔ تصویریں بھی نہیں کھینچی گئی تھیں۔ یہ شادی جیسے روایتی اور شریف لڑکی کی نہ ہو بلکہ گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کی ہو۔ صرف رات کے وقت پڑوس اور گلی کی



لڑکیوں نے مل کر ڈھولک پر شادی بیاہ کے گیت گائے تھے لیکن اس کی رخصتی روایتی انداز سے ہوئی تھی۔ ماں باپ نے رو کر اور دعائیں دے کر اسے رخصت کیا تھا۔ ایک لمبی اور خوبصورت سی گاڑی میں اویس اسے لے کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا تھا۔ اس گاڑی کو ایک ڈرائیور چلاتا ہوا فلیٹ پر لایا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس عمارت میں کوئی چہل پہل اور رونق نہ تھی۔ حجلۂ عروسی میں آئی تو یہ دیکھ کر اس کے دل پر چوٹ لگی کہ وہ سجا ہوا نہیں تھا لیکن اس قدر خوبصورت اور شاندار تھا کہ وہ تصور تک نہیں کر سکتی تھی۔ یہ کمرہ شاہی خلوت گاہ جیسا تھا۔

اویس نے اپنے ہاتھوں سے اس کا برقع اتار کر کرسی پر ڈال دیا۔ اس نے فاخرہ کے شانے تھام کر اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کردیں تو فاخرہ نے سرخ ہوکر اپنی حسین آنکھوں کی چلمن گرالی اور سر جھکا لیا۔ حیا نے اس کے رخساروں پر جیسے نور بکھیر دیا تھا۔ فاخرہ دلہن بنی ہوئی بہت حسین دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے شاید ہی کوئی دلہن اس قدر دلکش اور رعنائی سے بھرپور دیکھی تھی۔ اسے اس بات کا علم تھا کہ محلے کی عورتوں نے مل کر فاخرہ کو دلہن بنایا اور اس کا سنگھار کیا تھا۔ کسی بیوٹی پارلر میں وہ سجی نہیں تھی۔ اس نے دل میں سوچا۔ جب کوئی عورت دلہن بنتی ہے تو اس میں کیسا عجیب سا حسن سمٹ آتا ہے۔ رنگ روپ نکھر جاتا ہے.......... فاخرہ اس کے لئے انمول نگینہ تھا جو اتفاق سے ہاتھ لگ گیا تھا۔ ایسے نگینے ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے تھے۔

فاخرہ اسے پاکر بہت خوش تھی۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ قدرت نے اسے ذرے سے آفتاب بنا دیا ہے۔ بعض اوقات اسے ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ سب کچھ رنگین سپنا ہے۔ حقیقت نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اس کی سوچ اور خیالوں کی دنیا ہے۔ وہ جاگتے میں دنیا کا ایک نیا جلوہ دیکھ رہی ہے۔ پھر اسے ایک انجانا سا خوف ہوتا تھا کہ کہیں اس کا یہ حسین سپنا ٹوٹ نہ جائے۔

اویس نے اسے سختی سے تاکید کی ہوئی تھی کہ وہ اس عمارت میں کسی عورت سے بات کرے نہ دوستی۔ کوئی بھی عورت اس سے ملنے آئے تو وہ اس عورت سے معذرت کرلے۔ کیونکہ کسی سے دوستی کرنے سے نہ صرف آزادی میں خلل پڑے گا بلکہ وہ تنہائی سے محظوظ نہ ہوسکیں گے۔ اس عمارت کی ہر منزل پر دو فلیٹ تھے۔ پڑوس کا فلیٹ مقفل تھا۔ اویس نے بتایا کہ اس کا مالک سعودی عرب میں رہتا ہے۔ پڑوس میں کوئی ہوتا تو پھر اس پڑوسی عورت سے بات کئے بغیر رہنا مشکل ہو جاتا۔ تاہم اس سے راہ رسم بڑھانے

کے لئے کوئی عورت نہیں آئی تھی۔

اویس نے فلیٹ میں اس کی تفریح کا سامان مہیا کر رکھا تھا۔ اس کا بیشتر وقت اویس کی معیت ہی میں گزرتا تھا۔ وہ دونوں رات کے تیسرے پہر تک جاگتے رہتے۔ باتیں کرتے، وی سی آر پر فلم دیکھتے۔ رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے ان کی آنکھ دیر سے کھلتی تھی۔ اویس نہا کر تیار ہو کر گھر سے نکلتا تو گیارہ بج رہے ہوتے تھے۔ فاخرہ دوپہر کے وقت کچھ نہیں پکاتی تھی۔ اس لئے کہ ناشتا دیر سے کرنے کی وجہ سے اسے بھوک نہیں لگتی تھی۔ وہ رات کی نیند پوری کرنے، کسل مندی اور تھکن دور کرنے کے لئے سو جاتی تھی۔ سہ پہر سے پہلے بیدار ہو کر نہاتی۔ سنگھار میز کے بڑے آئینے کے سامنے بیٹھ کر ایک گھنٹے تک بالوں میں کنگھی کرتی۔ پھر میک اپ کرتی۔ پھر الماری میں سے نیا جوڑا نکال کر پہنتی۔ سہ پہر ڈھلتے ہی اویس آجاتا۔ وہ اس کا بڑی محبت اور گرم جوشی سے استقبال کرتی۔ ان دونوں کی شامیں باہر گزرتی تھیں۔ وہ رات کا کھانا کسی ہوٹل میں کھا کر لوٹتے تھے۔ اسے ہوٹل بازی بہت اچھی لگتی تھی۔

فاخرہ کو ہفتے میں تین چار راتیں اپنے میکے میں گزارنا پڑتی تھیں۔ وہ اسے شام کے وقت میکے لے جاتا۔ پھر وہ دس بجے چھوڑ کر چلا جاتا تھا۔ اس نے فاخرہ کو اس کی وجہ یہ بتائی تھی کہ اسے ہفتے میں تین چار راتیں دفتر میں بیٹھ کر کچھ خفیہ رپورٹیں تیار کر کے اسلام آباد بھیجنا پڑتی ہیں۔ یہ کام دن میں نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فاخرہ نے اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ اور پھر اسے اویس پر بہت اعتماد تھا۔ بہت محبت تھی۔

☆=====☆=====☆

اویس کے گھر والوں کو کیا ان کے فرشتوں تک کو خبر نہ تھی کہ وہ دہری زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے ایک لگژری فلیٹ خرید رکھا ہے۔ اس کا بینک بیلنس کیا ہے۔ اس کی ماہانہ بالائی آمدنی کتنی ہے۔ یہ تو ان کے علم میں تھا کہ وہ رشوت لیتا ہے۔ کیونکہ بغیر رشوت لئے ایسی پر تعیش زندگی گزاری نہیں جاسکتی تھی۔ وہ گھر کے ماہانہ اخراجات کے لئے دل کھول کر رقم دیتا تھا۔ جس چیز کی فرمائش کی جاتی پوری ہوجاتی تھی۔ اس کا گھر، رہن سہن اور زندگی کسی رئیس زادے سے کم نہ تھی۔ اس لئے کوئی اس کے راتوں کو گھر سے باہر رہنے اور کئی کئی دن گھر نہ آنے کی وجہ پوچھتا نہیں تھا۔ ماں نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ باپ ہوتا تو شاید باز پرس کرتا۔ اس نے گھر والوں سے بھی یہ کہہ رکھا تھا کہ



وہ اپنی راتیں دفتر کے ضروری امور نمٹانے کے لئے دفتر میں گزارتا ہے۔ ماں جہاں دیدہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ باز پرس اور زیادہ سختی کرنے سے ایسا کماؤ بیٹا اور یہ خواب ناک زندگی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ مگر وہ اپنے گھر ضرور آتا تھا۔ تین چار راتیں گزارتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے گھر والے کبھی مشکوک ہوجائیں اور اس کا اصل چہرہ سامنے آجائے۔

اویس کے لئے کراچی شہر ایک نخلستان کی طرح تھا۔ ہر غریب، نوجوان اور حسین لڑکی اس کے لئے کسی کلی کی طرح تھی جسے ایک دن کھلانے اور پھول بنا کر سجانے کے بعد روند اور مسل کر پھینک دیا جائے۔ وہ تو ایک بھنورا تھا۔ مگر ان کلیوں کا حصول اتنا آسان نہ تھا۔ اس کے لئے اسے کچھ دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑتا تھا۔ کیونکہ غریب اور شریف گھرانے کی لڑکیاں حلوہ نہیں ہوتی تھیں جو اسے پلیٹ میں رکھ کر پیش کر دی جائیں۔ کسی بھی کلی کو حاصل کرنے کے لئے اسے باقاعدہ منصوبہ بندی کرنا پڑتی تھی۔ اس نے کبھی سولہ برس سے زیادہ عمر کی لڑکی کو پسند نہیں کیا تھا۔

فاخرہ ایک پھول بن کر مہک رہی تھی۔ پورے گلاب کی طرح کھل گئی تھی۔ اس میں ابھی خوشبو بھی تھی۔ ترو تازگی بھی تھی۔ صرف چار پانچ مہینے ہی تو گزرے تھے مگر اب وہ اسے باسی روٹی کی طرح بے مزا لگنے لگی تھی۔ کیونکہ اس کا ہرجائی پن عود آیا تھا۔ اب اسے نئی کلی کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ نئی کلی کہاں مل سکتی ہے۔ کہاں کی خاک چھاننا پڑے گی۔ وہ باغ کہاں ہے جہاں کلیاں مہک رہی ہیں۔ نئی کلی کیسے توڑی جاتی ہے۔

لیکن اس کے لئے فاخرہ سے چھٹکارہ حاصل کرنا ضروری تھا۔ پھر اس نے اپنے اس ڈرامے کی ابتداء کردی جو اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ وہ ہر لڑکی کے ساتھ ہر مرتبہ یہی ڈراما کھیلتا رہتا تھا۔ وہ فاخرہ سے کھنچنے لگا۔ اس کی محبت میں وہ گرم جوشی اور طلب نہ رہی تھی جس نے فاخرہ کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ فاخرہ نے اس بات کو محسوس کر کے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ہے۔ دفتر میں کام کرتے وقت وہ چکر اور گھبراہٹ سی محسوس کرتا ہے۔ وہ کسی دن کسی اسپیشلسٹ سے جا کر اپنا فل چیک اپ کرائے گا۔ تشویش اور پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔

فاخرہ اس روز اپنے میکے میں تھی۔ اس نے فاخرہ سے کہا تھا کہ وہ آج اپنے ڈاکٹر سے چیک اپ کرا کے اور اس کی رپورٹیں لے کر اس کے ہاں آئے گا۔ پھر وہ دونوں سیر

وتفریح کے لئے باہر جائیں گے۔ وہ تیار رہے۔ جس وقت وہ فاخرہ کے ہاں پہنچا تو دن ڈوب چکا تھا۔ فاخرہ اس کے انتظار میں تیار بیٹھی تھی۔ بے چین بھی ہو رہی تھی۔ اس کے دیر ہونے پر تشویش بھی ہو رہی تھی۔ کیونکہ وہ سورج ڈوبنے سے پہلے پہنچ جاتا تھا۔

گھر کے باہر موٹر سائیکل رکنے کی آواز سن کر وہ خوشی سے کِھل اٹھی۔ اس کا چہرہ دمک اٹھا۔ وہ اندر داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا لفافہ تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر فاخرہ کا چہرہ فق ہوگیا۔ اس کا چہرہ کسی مُردے سے بھی بدتر ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ویرانی اور آنسو تھے۔ اس کا سینہ دھک سا ہوگیا۔ فاخرہ نے اپنی ماں اور باپ کو آواز دے کر بلایا جو دوسرے کمرے میں موجود تھے۔ ان کے آنے تک اویس نے بستر پر اپنے آپ کو گرا دیا تھا۔ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ فاخرہ نے اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔ "خیریت تو ہے۔ یہ آپ کی کیا حالت ہو رہی ہے؟"

اویس نے فوری طور پر اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے ساس سسر کو سلام کرنے کے بعد کہا۔ "رپورٹ بہت خراب ہے۔"

"کیا رپورٹ ہے بیٹے!" سلطانہ نے لرزیدہ سی آواز میں پوچھا۔ "ہمیں بھی بتاؤ۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میں آپ لوگوں کو کیسے بتاؤں؟" اویس نے زخم خوردہ لہجے میں کہا۔ "میری خود کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ مجھے یہ بیماری کیسے لاحق ہو گئی ہے؟"

"کیسی بیماری..........؟" صادق نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔ اس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ "کوئی بیماری ایسی نہیں ہے جس کی دوا نہ ہو۔"

"میں اپنی بیماری کی رپورٹیں لے کر دو بڑے ڈاکٹروں کے پاس گیا تھا۔" اویس نے مُردہ لہجے میں کہا۔ "ان دونوں بڑے ڈاکٹروں نے ان رپورٹوں کی تصدیق کی ہے۔ مجھے کینسر ہوگیا ہے۔ میری زندگی تین ماہ کی یا زیادہ سے زیادہ ایک سال کی ہوگی۔ شاید کوئی معجزہ مجھے ایک دو سال زندہ رکھ سکے۔"

"کیا..........؟" فاخرہ کا دل اچھل کر حلق میں دھڑکنے لگا۔ "آپ کو کینسر ہوگیا ہے۔ اللہ نہ کرے۔ یہ جھوٹ ہے۔ غلط ہے۔" اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

ماں باپ پر جیسے کوئی بجلی آگری تھی۔ ان پر سکتہ سا چھا گیا۔ وہ گنگ کھڑے اویس کو دیکھ رہے تھے جو برسوں کا مریض لگ رہا تھا۔

"اللہ کرے یہ جھوٹ ہو فاخرہ!" اویس کی آواز بھرا سی گئی۔ "لیکن یہ ایک بھیانک



حقیقت ہے۔ ہم اس سے آنکھیں نہیں چرا سکتے ہیں۔"

"مگر.........." فاخرہ غش کھا کر بستر پر گر گئی۔ اس کا دل سینے میں کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔

اویس نے فوراً اٹھ کر اسے بستر پر ٹھیک سے لٹا دیا۔ پھر وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ماں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کے بالوں کو سہلایا تو ماں کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ ماں کی آنکھوں سے بھی زار و قطار آنسو بہنے لگے تھے۔ صادق اپنا سر پکڑ کر فرش پر بیٹھ گیا تھا۔ ماں سوچ رہی تھی کہ کیا یہ در آج ہی کھلنے کو رہ گیا تھا۔ خوشیوں کا در یکایک بند ہو گیا تھا۔ یہ سب کچھ کیسے اور کیوں کر ہوگیا۔ اس کی بیٹی کو خوشیاں پوری طرح دیکھنا بھی نصیب نہ ہوئی تھیں۔ اسے اپنے داماد کی عجیب سی شکل دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی کے لئے کیا سوچا تھا۔ کیا چاہا تھا۔ ایک کہرام سا مچ گیا تھا۔ فاخرہ روتے روتے ایک دم سے بے ہوش سی ہو گئی تھی۔ جب وہ ہوش میں آئی تو اس کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اویس نے رپورٹوں کا لفافہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "فاخرہ! تم میرے ساتھ گھر چل رہی ہو۔ میں گھر چل کر آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں بیٹے!" فاخرہ کے بجائے سلطانہ فوراً بول پڑی۔ "اس وقت اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ صبح میں اسے خود گھر چھوڑ دوں گی.........."

وہ موٹر سائیکل پر اپنے فلیٹ جاتے ہوئے اپنی اس شان دار اداکاری پر دل میں عش عش کر رہا تھا۔ یہ اداکاری آج اس نے پہلی بار نہیں کی تھی۔ وہ اس اداکاری میں اس قدر منجھ گیا تھا کہ کوئی اس پر ذرہ برابر بھی شک نہیں کر سکتا تھا۔ آج تک کسی کو اس پر شک بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ خود حیران ہو جاتا تھا کہ وہ اتنی اچھی اداکاری کیسے کر لیتا ہے۔

اس نے اپنے فلیٹ میں پہنچ کر اس لفافے کو اپنی الماری میں بڑی حفاظت سے رکھ دیا۔ وہ ان رپورٹوں کو برسوں سے ایک ٹرمپ کارڈ کی طرح استعمال کرتا چلا آرہا تھا۔ آج تک کسی لڑکی کے گھر والوں نے ان رپورٹوں کو چھو کر دیکھا تک نہیں تھا۔ پڑھا تک نہیں تھا۔ کسی ڈاکٹر کو لے جا کر دکھایا تک نہیں تھا۔ وہ پڑھ نہیں سکتے تھے اور نہ ہی کسی کو دکھا سکتے تھے۔ کیونکہ وہ اَن پڑھ اور نچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی ہر بات کا یقین کر لیتے تھے۔ اس نے آج جو ڈراما کیا وہ بڑا کامیاب گیا تھا۔ اس کا فوری نتیجہ سامنے آنے والا تھا۔

اویس نے صبح نو بجے فاخرہ کی ماں کو آتے ہوئے اپنے بیڈ روم کی کھڑکی سے دیکھ لیا تھا۔ آج اب اس وقت اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہوجائے گا۔ اس نے سوچا اور فوراً ہی آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے سر کے بالوں کو بے ترتیب کرلیا۔ رونی سی صورت بنالی۔ آنکھوں کو غم زدہ سا کرلیا۔

تھوڑی دیر کے بعد اطلاعی گھنٹی بجی تو اس نے جاکر دروازہ کھولا۔ سلطانہ کھڑی تھی۔ اسے اندر لاکر بٹھایا۔ پھر دل گرفتہ انداز میں پوچھا۔ "فاخرہ کیسی ہے؟ آپ نے اسے اپنے ساتھ لانے کے لئے کہا تھا.......... آپ اسے لے کر کیوں نہیں آئیں؟ میں اس کا صبح سویرے سے انتظار کررہا ہوں۔"

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے بیٹے!" وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ "وہ ساری رات روتی رہی ہے۔ اس پر غشی کے دورے بھی پڑتے رہے ہیں۔ تمہاری بیماری کی خبر نے اسے گہرے صدمے سے دوچار کردیا ہے۔ اس کی حالت ایسی نہیں ہے کہ وہ بستر سے اٹھ کر آسکے۔"

"وہ مشیت ایزدی ہے۔" اویس نے کہا۔ "وہ آجاتی تو میرے دل کو بڑی ڈھارس بندھ جاتی۔ میں بھی ساری رات ایک پل کے لئے بھی سو نہیں سکا ہوں۔"

"بیٹے! میں تم سے کچھ مانگنے آئی ہوں۔" سلطانہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ تم مایوس نہیں کروگے۔ اس بات سے انکار نہیں کروگے۔"

"کیا آپ کو فاخرہ کے علاج معالجے کے لئے رقم کی ضرورت ہے؟" اس نے بات کی تہہ میں پہنچتے ہوئے انجان بن کر پوچھا۔

"رقم کی نہیں.........." سلطانہ نے اپنا سر ہلایا۔ "اس کی جوانی اور زندگی کی.......... میں تم سے اس کی بھیک مانگنے آئی ہوں۔"

"جوانی اور زندگی کی بھیک..........؟ میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔ کھل کر بات کریں۔ آپ ماں بیٹی کیا چاہتی ہیں؟"

"میں.......... بلکہ میں اور اس کا باپ یہ چاہتے ہیں کہ تم اسے طلاق دے دو۔ تمہارا ہم پر بہت بڑا احسان ہوگا۔" وہ نگاہیں نیچی کرکے بولی۔

"طلاق دے دوں؟" وہ اچھل پڑا۔ پھر اس نے تیز و تند لہجے میں پوچھا۔ "کس لئے طلاق دوں.......... کیا شادی طلاق کوئی کھیل ہے؟"

"اس لئے کہ بیٹے وہ جوان ہے۔ اس کی عمر ہی کیا ہے۔ پورے سولہ برس کی بھی



نہیں ہے۔ اس کی اٹھان کچھ ایسی ہے کہ وہ سترہ اٹھارہ برس کی لگتی ہے۔ میں کس لئے طلاق مانگ رہی ہوں تم اس بات کو سمجھتے بھی ہو۔ سچ پوچھو تو ایسی حالت میں وہ تمہارے ساتھ زندگی کیسے گزار سکتی ہے؟"

"فاخرہ میری بیوی ہے کوئی زرخرید لونڈی نہیں ہے یا گھر میں کام کرنے والی نوکرانی نہیں ہے۔ کیا بیوی صرف ایسے دنوں کے لئے ہوتی ہے۔ کیا کٹھن وقت اور بیماری میں شوہر کا ساتھ نہیں دیتی ہے۔ اس کی خدمت اور تیمارداری نہیں کرتی ہے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟" اس نے برہمی سے کہا۔

"مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اس کی شادی کو جمعہ جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے کہ یہ افتاد سر پر آن پڑی۔ وہ غریب کیا کرے۔" سلطانہ نے دفاع کیا۔

"کیا آپ کے خیال میں.......... میں نے اس سے شادی بستر کی زینت بنانے کے لئے کی..........؟ بالفرض محال میری جگہ وہ اس مرض میں مبتلا ہوجاتی تو آپ لوگ تب کیا کرتے..........؟"

سلطانہ لاجواب سی ہوگئی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی۔ "تم کچھ بھی کہہ لو.......... کچھ بھی کرلو.......... فاخرہ اب کبھی یہاں نہیں آئے گی۔"

"دیکھیں.......... آپ اتنا بڑا فیصلہ جذباتی ہوکر نہ کریں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں علاج معالجے سے صحت یاب ہوجاؤں۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ڈاکٹر خدا تو نہیں ہوتے ہیں۔ فاخرہ کی محبت اور قربت مجھے نئی زندگی دے دے گی۔ وہ میرے لئے شفا بن جائے گی۔" اویس نے نرمی سے کہا۔

"کینسر بڑا موذی مرض ہے۔ فاخرہ کسی قیمت پر تمہارے ساتھ رہنے اور زندگی گزارنے پر آمادہ نہیں ہے۔ بس تم اسے طلاق دے دو۔"

"فاخرہ سے کہیں کہ میری زندگی بمشکل سال بھر کی ہے۔ میرے ساتھ رہنے اور طلاق لینے سے اسے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ میری موت کے بعد میرا یہ فلیٹ میرا بینک بیلنس اور دو لاکھ روپے کی بیمہ پالیسی' موٹر سائیکل اور پراویڈنٹ فنڈ جو لاکھوں کا ہے اسے مل جائے گا۔" اویس نے کہا۔

"تمہاری یہ دولت تمہیں مبارک ہو۔ ہم جس حال میں ہیں اسی حال میں اچھے ہیں۔ دولت کی کوئی ہوس نہیں ہے۔ دولت بھی ایک لعنت ہے۔"

"ایک اور صورت بھی ہوسکتی ہے۔" اویس نے آخری مرتبہ اسے آزمایا۔ "فاخرہ

طلاق نہ لے۔ بیوہ ہونے کے بعد شادی کر لے۔"

"ہم نے ایک ہی فیصلہ کیا ہے کہ فاخرہ کو طلاق مل جائے۔ وہ کسی قیمت پر تمہارے ساتھ زندگی گزارنے پر تیار نہیں ہے۔ ہم نے اسے سمجھا کر دیکھ لیا ہے۔"

"آپ بضد ہیں تو میں طلاق دینے کو تیار ہوں۔ میرا کیا ہے۔ میں امریکہ جاکر علاج کروا کر صحت یاب بھی ہو سکتا ہوں۔ ہو جاؤں گا۔ دنیا میں کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے۔ بشرطیکہ پیسہ ہو آپ لوگ بعد میں پچھتائیں گے۔ میں کل آپ کو کسی کے ہاتھ طلاق نامہ پہنچادوں گا۔ آپ جاسکتی ہیں۔"

اویس اس عورت کے جانے کے بعد خوش ہوگیا کہ بلا سر سے ٹلی۔ فاخرہ سے اسے نجات مل گئی۔ اب اس کے دل میں فاخرہ کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی تھی۔ اب اس میں کوئی ایسی کشش نہیں پاتا تھا جو اسے متاثر کرسکے۔ وہ ایک ایسا کھلونا تھی جس سے وہ جی بھر کے کھیل چکا تھا۔ اب تک اس کی زندگی میں جو لڑکیاں آئی تھیں ان میں فاخرہ پہلی لڑکی تھی جو پانچ چھ ماہ رہ گئی تھی۔ اب تک اس نے جتنی کلیوں سے اپنی خواب گاہ سجائی تھی وہ تین مہینوں سے زیادہ نہیں رہی تھیں۔ اب تو اس کھلونے سے کھیلنے کی اسے کوئی خواہش کیا رمق بھی نہیں رہی تھی۔

اویس نے سلطانہ کے جانے کے بعد فریج سے شراب اور سوڈے کی بوتل نکالی اور جام تیار کرنے کے بعد ٹیلی ویژن آن کردیا۔ اس نے سوچا کہ اب اسے جلد سے جلد کوئی نیا شکار تلاش کرنا چاہئے۔ وہ یہ کام تو آج ہی کرسکتا تھا۔ اسے نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہئے۔

اویس نے سہ پہر کے وقت طلاق نامہ اپنے دفتر کے چپراسی کے ہاتھ لفافے میں بند کرکے فاخرہ کے گھر بھجوا دیا۔ چپراسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ اس لفافے میں کیا ہے۔ جب وہ لفافہ دے کر دوسرے دن دفتر آیا تو اویس نے اس سے پوچھا۔ "تم نے وہ لفافہ کس کو دیا؟"

"ایک بہت خوبصورت اور جوان سی لڑکی کو........." چپراسی نے جواب دیا۔ "ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اس لڑکی کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں جیسے وہ رات بھر روتی رہی ہو۔ اس نے لفافہ لے کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر مجھ سے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "بابا جی! یہ کیا ہے۔ جب میں نے آپ کا نام لیا تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اندر سے ایک عورت آئی۔ اس لڑکی نے پوچھا لفافہ کس لئے دیا۔ وہ کیوں



نہیں آئے۔ عورت نے اس کے ہاتھ سے لفافہ جھپٹ لیا۔ اسے اندر کھینچ کر دروازہ بند کر دیا۔ پھر میں نے اس عورت کی آواز سنی۔ وہ شاید لڑکی سے کہہ رہی تھی۔ اب تم بھول جاؤ اسے۔ وہ بس اب مرنے والا ہے۔ معلوم نہیں اس عورت نے کس کے بارے میں یہ بات کہی تھی۔ ہاں تو صاحب جی! وہ عورت کس کے مرنے کے بارے میں کہہ رہی تھی؟"

"حافظ جی! آپ اپنے کام سے کام رکھیں۔ کسی بات کی ٹوہ لینے کی کوشش نہ کریں۔ جلدی سے میرے لئے چائے بنا کر لے آئیں۔"

حافظ جی کمرے سے نکل گئے تو اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ حافظ جی نے فاخرہ کے بارے میں جو بتایا تھا اس پر غور کیا۔ کیا فاخرہ اس سے نجات پانے کے بعد بھی رو رہی ہے؟ آخر کیوں.........؟ کس لئے.........؟ اسے تو خوش ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اسے ایک کینسر کے مریض شوہر سے نجات مل گئی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ فاخرہ طلاق لینا نہیں چاہتی ہو۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے پر تیار ہو۔ اس کے ماں باپ نے زبردستی طلاق نامہ مانگا ہو۔ وہ اس کی آمد کا انتظار بھی کر رہی تھی۔ اس کی ماں نے اسے اندھیرے میں رکھ کر طلاق دلوا دی۔ ماں کتنی سیانی ہے۔ بیٹی کس قدر بے وقوف ہے۔

وہ دفتر سے سہ پہر کے وقت نکلا تو بہت خوش تھا۔ ایک خوشی تو اسے فاخرہ سے نجات ملنے کی تھی۔ دوسری خوشی پچیس ہزار کی رقم کی تھی جو اسے ایک کام کروانے کے عوض ایک موٹی اسامی سے ملی تھی۔ وہ سیدھا گھر کی طرف جارہا تھا کہ گھر میں رقم رکھ کر کچھ دیر ستا کر کسی شکار کی تلاش میں نکلے۔ اس نے ایک چوراہے کے سگنل پر اپنی گاڑی روکی۔ معاً اس کی نظر ایک برقع پوش لڑکی پر پڑی۔ اس کا چہرہ نقاب میں تھا۔ وہ مخالف سمت دائیں جانب جو بس اسٹاپ تھا وہاں کھڑی تھی۔ اسے کسی بس کا انتظار تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔

اس کے منہ سے نکلا۔ "ثمرین!" اس نے ثمرین کو پہچان لیا تھا۔ وہ کیوں نہ پہچانتا۔ اسے ثمرین کی دو برسوں سے تلاش تھی جو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہوگئی تھی۔ یہ اس کا دوسرا شکار تھی۔ ثمرین کی ماں ایک سلائی کے کارخانے میں کام کرتی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کو بھی اپنے ہمراہ کارخانے لے جاتی تھی۔ اس وقت ثمرین سولہ برس کی تھی۔ اس نے ثمرین کی ماں سے بھی وہی کھیل کھیلا تھا جو فاخرہ سے کھیلا اور آج تک بھی کھیلتا آرہا تھا۔ ثمرین کی ماں بیوہ تھی۔ بڑی سیدھی سادی عورت تھی۔ اسے شیشے میں اتارنے

میں زیادہ محنت کرنا نہیں پڑی تھی۔ ثمرین اتنی سیدھی نہ تھی لیکن بہت تیز اور طرار بھی نہ تھی۔ اس نے میٹرک کا امتحان دیا ہوا تھا۔

ثمرین سے شادی کرنے کے بعد اس نے سوچا تھا کہ وہ اسے ایک سال تک طلاق نہیں دے گا۔ تین مہینے کے بعد اس نے فضیلہ کو دیکھا۔ وہ بنگلہ دیش سے نئی نئی آئی تھی۔ زلفِ بنگال تھی۔ صرف تیرہ برس کی تھی لیکن ایک بھرپور لڑکی تھی۔ اس کی سانولی رنگت میں بڑی کشش اور نکھار تھا۔ چھوٹا سا قد تھا۔ اس کے ماں باپ بہت پریشان اور خستہ حال تھے۔ تین ہزار روپے کے عوض اپنی بیٹی کی شادی کرنے پر تیار تھے۔ ثمرین نے نہ جانے کس طرح محسوس کرلیا تھا کہ وہ اسے طلاق دے کر اس بنگالی لڑکی سے شادی کرنے والا ہے۔ پھر وہ غائب ہوگئی۔ نہ صرف نکاح نامہ بلکہ دس ہزار کی وہ رقم بھی لے گئی تھی جو رشوت کی تھی۔ اس کے پرس میں موجود تھی۔ اس کے علاوہ ایک جڑاؤ سونے کی انگوٹھی اور ایک سونے کا لاکٹ بھی.......... اتنی بڑی چوٹ آج تک کسی شکار نے اسے نہیں دی تھی۔ مہر کی رقم کے پانچ ہزار روپے نکاح کے بعد ہی اس نے ثمرین کی ماں کو دے دیئے تھے۔ اسے ثمرین اور اس کی ماں سے حساب بے باق کرنا تھا۔ سونے کی انگوٹھی اور لاکٹ بھی پندرہ ہزار روپے سے کم نہیں تھے اور پھر ثمرین کو وہ بے وقوف بنا کر اپنی رقم اور چیزیں وصول کرکے طلاق دینا چاہتا تھا۔ نکاح نامہ کی وجہ سے ثمرین کبھی بھی اس کے لئے پریشانی کا موجب بن سکتی تھی۔

کالے برقعے میں ثمرین کا بھڑکیلا بدن نمایاں ہو رہا تھا۔ نقاب کی جالی سے اس کا چہرہ چھلک رہا تھا جیسے شراب کانچ میں چھلکتی ہے۔ بس اسٹاپ پر نوجوان لڑکے اور مرد کھڑے تھے۔ وہ ثمرین کو گرسنہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ڈھائی برس کے بعد ثمرین اس کی نظروں کے سامنے تھی اور اپنی آب و تاب دکھا رہی تھی۔ اس نے پہلے تو سوچا کہ ثمرین کا غیر محسوس انداز سے تعاقب کرکے اس کا گھر دیکھ لے پھر اس سے اور اس کی ماں سے بات کرے۔ محبت کے فریب سے اعتماد میں لے کر اپنا حساب بے باق کرے۔ پھر اس نے سوچا کہ اس کا ثمرین کے سامنے جانا اور بات کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ثمرین انکار نہیں کرے گی۔ آخر وہ اس کی بیوی ہے۔ اس کا ثمرین پر قانونی اور شرعی حق ہے۔

جس وقت اس نے اپنی موٹر سائیکل ثمرین کے سامنے لے جاکر روکی تھی اس وقت وہ مخالف سمت دیکھ رہی تھی۔ اس نے موٹر سائیکل کو سامنے رکتے ہوئے محسوس کیا تو چونک کر اس جانب دیکھا۔ وہ اویس کو دیکھ کر بڑے زور سے چونکی تھی۔ اویس نے اس



کے چہرے پر نظریں مرکوز کرکے بڑی نرمی اور شائستگی سے مخاطب کیا۔ "ثمرین کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں جانے کب سے تمہاری تلاش میں خوار ہو رہا ہوں۔"

"آپ.........." ثمرین بولی تو اس کے لہجے سے سرشاری ٹپک رہی تھی۔ "میں بھی وہی کچھ محسوس کر رہی ہوں جو آپ محسوس کر رہے ہیں' میں تو.........."

وہ اس کی باتوں کے درمیان میں بولا۔ "ثمرین! یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرنا مناسب نہیں ہے' چلو آؤ بیٹھو.......... ہم کسی ہوٹل میں چل کر باتیں کرتے ہیں۔"

ثمرین کسی قدر تذبذب سے اس کی موٹر سائیکل کے پیچھے اس کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔ "چلئے' جناب! میں بیٹھ گئی ہوں۔"

اویس اسے ایک اعلیٰ درجے کے ریسٹورنٹ میں لے آیا جو قریب ہی تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ ثمرین اس کے ساتھ بغیر کسی حیل وحجت کے چلی آئے گی۔ اسے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ وہ اسے کسی وجہ سے فلیٹ پر لے جانا نہیں چاہتا تھا۔

اویس اس ریسٹورنٹ میں داخل ہوکر ثمرین کو لے کر ایک ایسے گوشے میں رکھی میز کے قریب جاکر رک گیا جہاں سے ریسٹورنٹ کا پورا ہال نظر نہ آتا تھا۔ دو ستون اس میز کو پورے ہال سے علیحدہ کرتے تھے۔ صرف ایک میز سامنے نظر آتی تھی۔ باقی ریسٹورنٹ ایک محراب اور ستونوں کی بدولت نگاہ سے اوجھل تھا۔

اویس اس ریسٹورنٹ میں جب بھی آتا تھا' یہی گوشہ اور میز منتخب کرتا تھا۔ وہ یہاں ان لوگوں سے معاملات طے کرتا تھا جو اس کی مٹھی گرم کرکے کام نکلواتے تھے۔ اس میز کے ویٹر کو وہ جو بخشش دیتا تھا' شاید ہی کوئی دے پاتا ہو۔ اس وجہ سے ویٹر اسے دیکھتے ہی خوش ہوجاتے۔ دم ہلاتے کتے کی طرح آجاتے تھے۔

اویس نے اس میز کے پاس رک کر ویٹر سے کہا۔ "شاہ جی! دیکھئے.......... اس سامنے والی میز پر کسی کو بیٹھنے نہ دیں' ہمیں تنہائی چاہئے۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں صاحب جی..........!" شاہ جی نے جھک کر بڑی شائستگی سے کہا۔ "آپ لنچ کریں گے یا کولڈ ڈرنکس' فالودہ' آئس کریم؟"

"لنچ کا وقت ہے ہم لنچ کریں گے۔" اویس نے اپنی طرف کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔ "چائنیز لنچ.......... اس کے بعد فالودہ' آئس کریم.......... ڈبل۔"

ویٹر رخصت ہوا تو اویس کو احساس ہوا کہ اب تک دونوں کھڑے ہوئے ہیں۔ اس نے ثمرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تم کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھتی کیوں نہیں ہو؟"

"آپ تشریف رکھئے۔" ثمرین نے اپنے برقعے کی طرف اشارہ کیا۔ "پہلے میں اسے اتار دوں۔ برقع اس وقت ایک بوجھ لگ رہا ہے۔"

اویس بیٹھ گیا۔ ریسٹورنٹ میں خوش گوار خنکی تھی۔ اسپیکر نہ جانے کہاں پوشیدہ تھے۔ چھت میں یا ستونوں میں یا کہیں اور.......... لیکن نرم' دھیمی دل میں اتر جانے والی موسیقی ہر جانب گونج رہی تھی۔ دیواروں پر جگہ جگہ مغلیہ انداز کی تصاویر تھیں۔ خم کھائی ہوئی آنکھوں والی شہزادیاں' کلاہ پہنے ہوئے شہنشاہ.......... ہاتھی' رتھ اور نہ جانے کیا کیا۔ اس کی نگاہ ایک پینٹنگ پر ہی تھی۔ جب اسے احساس ہوا کہ ثمرین نے برقعے کا نچلا گون اتار دیا ہے تب اس کی طرف دیکھا۔ ثمرین کے کپڑے آسمانی رنگ کے تھے۔ آج بھی اس کا سراپا بے مثال تھا۔

ثمرین نے کرسی پر بیٹھ کر برقعے کے نقاب والے حصے کی ڈوری کھینچی اور اسے ایک جھٹکے سے اتار پھینکا۔ گھنے سیاہ بال اچانک آزاد ہوئے اور اس کے چہرے پر بادل کی طرح چھا گئے۔ پھر اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ نفاست سے ترشے ہوئے بال مچل کر پیچھے چلے گئے تھے۔ اویس نے ثمرین کو چونک کر دیکھا۔ ایک لحظہ کے لئے اس کی آنکھیں دھندلا سی گئیں۔ دھند چھٹی تو اس نے ثمرین کو دیکھتے پایا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کے دل کی دھڑکن رک گئی ہو۔

یہ چہرہ.......... ڈھائی برس پہلے والا چہرہ تھا جو دو ماہ تک اس کی نظروں کے سامنے رہا تھا۔ ان لبوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کو اور آنکھوں میں چمکنے والے ستاروں کو وہ کہیں دیکھ چکا تھا۔ یہ لب و عارض جانے پہچانے تھے۔ یہ مسکراہٹ جو اس کے لئے نمودار ہوتی تھی اسے بہت پسند تھی۔

ثمرین اب وہ نہیں تھی جب اس نے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ اس کے سامنے بڑے اعتماد سے اکیلی اور تنہا بیٹھی تھی۔ خطرناک سی دکھائی دے رہی تھی۔ سنبھلی ہوئی۔ گہری' نازک اندام' خوش جمال مگر بے حد سنجیدہ اور طرح دار' ہر نگاہ طرح دیتی ہوئی' ہر جنبش کتراتی ہوئی' ہر نگاہ سازش کرتی ہوئی' اب وہ سلائی کے کارخانے میں کام کرنے والی سیدھی سادی عورت کی بیٹی نہ تھی۔ ایک ایسی عورت تھی جسے فریب نہیں دیا جاسکتا تھا۔

شادی کے وقت ثمرین دھان پان اور نازک سی گڑیا کی مانند تھی۔ اس کے وجود میں ریشم کی نرمی اور باتوں میں شہد کی مٹھاس تھی۔ اس کے لئے حیرت کی بات یہ تھی کہ ان دو برسوں میں وہ جیسے خواب آفریں ہوگئی تھی۔ نوخیزی کی ترشی اور کچے پن کی جگہ پکے



پھل کا رسیلا پن آگیا تھا۔ خال و خد میں جو ادھورا پن تھا وہ مکمل ہوگیا تھا۔ اب وہ شاداب بدن کی ایک حسین و جمیل عورت کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ شباب کی دوشیزگی نکھر گئی تھی۔

اویس نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک لحظہ میں بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ اس نے اپنی خلوت گاہ کبھی ایسے پھول سے سجائی نہیں تھی۔ ثمرین جس وقت اس کی زندگی میں آئی تھی تب وہ ایک کلی تھی۔ اب ایک مہکتا ہوا تر و تازہ پھول تھی۔ اس نے سوچا کہ ثمرین اس خلاء کو پُر کرسکتی ہے جو فاخرہ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ دو چار ماہ اس سے دل بہلایا جاسکتا ہے۔ پھر اپنا پرانا حساب بھی ہوجائے گا۔

"آپ کیا سوچنے لگے ہیں؟" ثمرین کی کھنکتی آواز نے گہرے سکوت کو توڑا۔ "ایسا لگ رہا ہے کہ مجھ سے مل کر آپ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی؟"

"میں تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں کہ تم کیسی ہرجائی نکلیں۔ میری زندگی سے یک لخت نکل کر غائب ہوگئیں۔" وہ شکایتی لہجے میں بولا۔

"میں نہیں بلکہ آپ ہرجائی نکلے۔" ثمرین نے تڑ سے جواب دیا۔ "آپ نے ایک تیرہ برس کی لڑکی سے شادی کرکے مجھے دھوکا دیا۔"

"وہ میری نادانی تھی۔ بلکہ یوں کہو کہ تم نے میرے ساتھ جو بے وفائی کی تھی اس بنا پر میں نے اس سے شادی کی تھی۔"

"میں نے آپ کے ساتھ کوئی بے وفائی نہیں کی تھی بلکہ آپ نے میرے بارے میں اس معصوم لڑکی کی ماں سے غلط بیانی کی تھی تاکہ آپ دوسری شادی کرسکیں۔ آپ نے دوسری شادی کی وجہ یہ بتائی تھی کہ میں کینسر کی مریض ہوں۔ کچھ دنوں کی مہمان ہوں۔ کیا آپ نے یہ بات نہیں کہی تھی؟"

"دراصل میرے ایک دوست نے مجھے ورغلایا تھا ورنہ میں اس تیرہ سالہ بنگالی لڑکی سے شادی نہیں کرتا.......... لیکن تم نے میری محبت کی کوئی قدر نہیں کی؟"

"آپ نے میری قدر نہیں کی۔ میں ایک روز آپ کی غیر موجودگی میں آپ کے فلیٹ پر گئی اور اس لڑکی نے بتایا تھا کہ آپ مجھے طلاق دینے والے ہیں۔"

"اس نے سراسر غلط بیانی کی تھی۔" اویس نے کہا۔ "اگر ایسی بات ہوتی تو میں تمہارے خلاف چوری کی رپورٹ پولیس میں درج کراتا۔ تم نے اس روز مجھے اتنی شراب پلائی کہ میں مدہوش ہوگیا۔ تم نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہاتھ کی صفائی دکھائی۔ تم

نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔ میں تمہیں اس قدر نوازنے والا تھا کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتی تھیں۔ میں تمہاری تلاش میں تمہارے ہاں پہنچا تو پتا چلا کہ تم ماں بیٹی وہ مکان خالی کرگئی ہو۔ پھر میں اس کارخانے میں گیا جہاں تمہاری امی کام کرتی تھیں۔ وہاں بتایا گیا کہ تمہاری امی ایک ماہ سے کام پر نہیں آرہی ہیں۔"

"میں کوئی چھ سات ماہ کے بعد وہ ساری چیزیں اور رقم لے کر آپ کے فلیٹ پر پہنچی جو آپ کے ہاں سے لے گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ دو ماہ پیشتر آپ فلیٹ خالی کرگئے ہیں۔ دراصل میں اس حرکت پر نادم تھی۔ میں نے آپ سے دفتر پر اس لئے رابطہ نہیں کیا کہ شاید آپ بات کرنا پسند نہیں کریں۔"

اسی وقت ویٹر سوپ لے آیا تھا۔ جب وہ سوپ رکھ کر چلا گیا تب اویس نے کہا۔
"میں نے اپنا ایک لگژری فلیٹ خرید لیا ہے۔ میں نے اس کی تزئین و آرائش پر تین لاکھ روپے خرچ کئے ہیں۔ تم دیکھو گی تو اسے دیکھتی رہ جاؤ گی۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔" اس نے توقف کرکے فلیٹ کا پتا بتا دیا۔

"مبارک ہو۔" وہ اپنے پیالے میں سوپ نکالتی ہوئی بولی۔ "کیا آپ نے مجھے معاف کردیا یا ناراض ہیں..........؟"

"میں تم سے ناراض کب تھا ثمرین!" اس نے جذباتی ہوکر ثمرین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ "تم میری محبت، میرا خواب، میری زندگی ہو۔"

ثمرین سرخ ہوگئی۔ اس کے رخسار تمتمانے لگے۔ اس نے اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا۔ رک رک کر بولی۔ "میں بھی آپ کے فراق میں تڑپتی رہی ہوں۔"

"تم آج ابھی اسی وقت میرے ساتھ گھر چلو۔" وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر کہنے لگا۔ "میں نے تمہارے لئے ایک سے ایک تین درجن قیمتی اور بھڑکیلے ملبوسات خرید رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ سونے کے زیورات کے تین سیٹ بھی ہیں۔ جتنی رقم جیب خرچ کے لئے چاہئے تم لے سکتی ہو.......... بلکہ یہ فلیٹ میں تمہارے نام لکھ دوں گا۔ پھر تمہیں میری محبت اور جذبے کا یقین آجائے گا نا..........؟"

"سچ..........!" ثمرین کا چہرہ دمک اٹھا اور اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ "مجھے آپ کے فلیٹ کی نہیں، دولت کی نہیں بلکہ آپ کی محبت کی ضرورت ہے۔"

"مگر مجھے صرف محبت کی نہیں بلکہ تمہاری بھی ضرورت ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں ثمرین! میں نے تمہارے ساتھ بڑی زیادتی کی.........."



"آپ معافی مانگ کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔" ثمرین نے لجاجت سے کہا۔ "میرے لئے یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ آپ نے مجھے پھر سے قبول کرلیا۔"

"تم نے میرے ساتھ چلنے کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔" اویس اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "اب جبکہ ہمارے درمیان صلح صفائی ہوگئی ہے۔ تم میری بیوی ہو، میں اپنے کئے پر شرمندہ ہوں۔ اپنے گناہوں کا کفارہ بھی ادا کرنے کے لئے تیار ہوں، کیا تمہیں میری باتوں پر اعتبار نہیں ہے؟"

"اب مجھے آپ کے ساتھ چلنے میں بالکل بھی انکار نہیں ہے۔" انجانے خیال سے ثمرین کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ "آپ یہ بات نہ کہتے تو بھی میں ساتھ چلتی۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ مجھے فلیٹ پر لے جانے کے بجائے اپنی والدہ، بھائی اور بہنوں کے گھر لے جائیں تاکہ میں وہاں بہو، بھابی بن کر رہوں۔"

"تم میرے گھر والوں کے بارے میں کیسے جانتی ہو؟" اویس نے چونکتے ہوئے حیرت سے اس کی صورت دیکھی۔ "تمہیں کس نے بتایا ہے؟"

"میں نے ایک روز آپ کو ایک ٹیکسی میں گھر والوں کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ آپ کی ایک چھوٹی بہن، بھائی اور والدہ بھی ہیں نا؟"

اب اعتراف کئے بغیر چارہ بھی نہیں رہا تھا۔ اس انکشاف نے اسے اندر سے ہلا دیا۔ وہ خود کو فوراً سنبھالتے ہوئے بولا۔ "وہ دن بھی جلد آجائے گا جب تم اس گھر میں بہو اور بھابی بن کر قدم رکھو گی۔ مجھے اپنی امی کو ہموار کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے کچھ وقت درکار ہے۔ میں خود بھی چاہتا ہوں کہ تم میری امی، بہن بھائی کے ساتھ رہو۔"

"میری امی یہ بات سن کر بہت خوش ہوں گی۔" ثمرین نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ "میرے لئے یہ عزت ہی بہت بڑی دولت ہے۔"

"اگر میرے پاس ہماری شادی کا نکاح نامہ ہوتا تو میں اب تک انہیں سب کچھ بتا کر راضی کرچکا ہوتا۔ تم نے وہ نکاح نامہ میرے ہاں سے لے جاکر بڑی غلطی کی.......... انہیں راضی کرنے کے لئے مجھے شادی کا نکاح نامہ دکھانا ہوگا۔ وہ نکاح نامہ تم مجھے جتنی جلدی دے دو گی اتنی جلدی ہی کام بن جائے گا۔"

"اس نکاح نامے کو امی نے بڑی حفاظت سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔" وہ بولی۔ "آپ کی الماری میں نکاح نامے کی دو کاپیاں تھیں۔ میں صرف ایک لے گئی تھی۔ آپ نے وہ کاپی انہیں کیوں نہیں دکھا دی..........؟ کوئی بات نہیں، ہمارے پاس جو کاپی ہے وہ

امی سے لے کر آپ کو دے دوں گی۔"

"گھر بدلتے وقت وہ فائل معلوم نہیں کہاں چلی گئی جس میں نکاح نامے کی کاپی موجود تھی۔" اس نے جھوٹ بولا۔ "تم مجھے اپنی امی کے پاس ابھی اور اسی وقت لے چلو تاکہ میں ان سے مل کر معافی مانگ لوں' میرے رویے سے ان کے دل کو بڑا دکھ پہنچا ہوگا۔ میں ان سے بہت شرمندہ ہوں۔"

"امی سے آپ کی ملاقات شام کے وقت ہی گھر پر ہوسکتی ہے۔" ثمرین کہنے لگی۔ "وہ اس وقت کام پر گئی ہوئی ہیں۔ اس وقت تو میں بھی آپ کے ساتھ نہیں چل سکتی کیونکہ میں بھی سلائی کے ایک کارخانے میں کام کرتی ہوں۔ میں کارخانے کے کام سے نکلی تھی۔ ایک کاریگر عورت کے ہاں گئی تھی جو کئی دن سے کام پر نہیں آرہی تھی۔ آپ مجھے سلائی کے کارخانے پر چھوڑ دیں۔ شام پانچ بجے وہاں سے لے لیں پھر ہم دونوں امی کے پاس چلتے ہیں۔"

لنچ کرکے وہ ریسٹورنٹ سے باہر آئے۔ اویس اسے اپنی موٹر سائیکل پر لے کر اس کے کارخانے پر پہنچا جو ایک بہت بڑی تجارتی عمارت میں واقع تھا۔

ثمرین نے اسے بتایا تھا کہ وہ سلائی کا کارخانہ اس عمارت کی دوسری منزل پر واقع ہے اس میں صرف عورتیں کام کرتی ہیں۔ ٹھیک پانچ بجے چھٹی ہوتی ہے۔ وہ ٹھیک پانچ بج کر پانچ منٹ پر اسے نیچے گیٹ پر مل جائے گی۔ اس کارخانے میں صرف بیس عورتیں کام کرتی ہیں۔

اویس اسے کارخانے پر چھوڑ کر سیدھے اپنے فلیٹ میں آیا تاکہ فائل میں شادی کا نکاح نامہ نکال سکے۔ اس نے اب تک جن جن لڑکیوں سے شادی کی تھی طلاق دی تھی ان کے نکاح نامے اس کے پاس محفوظ تھے اس نے انہیں اس لئے اب تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا کہ کسی غیر متوقع افتاد پر اپنی پوزیشن صاف کرسکے۔ ان نکاح ناموں میں ثمرین کا بھی نکاح نامہ تھا وہ جن کی طرح ان نکاح ناموں پر قابض تھا۔ اس نے کسی لڑکی کے ماں باپ کو نکاح نامے کی کاپی نہیں دی تھی۔ نہ ان لڑکیوں کے ماں باپ نے اس سے نکاح نامے طلب کئے تھے۔ وہ نکاح نامے لے کر سیدھا اپنے دفتر پہنچا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ثمرین کی نظر ان نکاح ناموں پر پڑے۔ اب ثمرین سیدھی سادی اور عام قسم کی لڑکی نہیں رہی تھی۔ اس نے نکاح ناموں کی فائل اپنی میز کے دراز میں رکھ لی۔ اس پر کسی کی نظر نہیں پڑسکتی تھی۔ وہ مقفل رہتی تھی۔ اس کی چابی اس کے پاس ہوتی تھی۔



اویس' ثمرین کے خواب دیکھتا ہوا اس عمارت کے گیٹ پر ٹھیک پونے پانچ بجے پہنچ گیا۔ اس عمارت میں بہت سارے دفاتر اور مختلف چیزیں بنانے والے کارخانے تھے۔ لوگوں کی بڑی آمدورفت تھی۔ مرد اور عورتیں بھی آجا رہی تھیں۔ یہ سلسلہ مستقل لگا ہوا تھا۔ پانچ بج کر پانچ منٹ ہوئے دس منٹ ہوئے پھر ساڑھے پانچ بج گئے۔ ثمرین تو کیا وہ بیس عورتیں بھی اسے دکھائی نہیں دیں جو سلائی کے کارخانے میں کام کرتی تھیں۔ اسے تشویش سی ہوئی۔ اس نے چوکیدار سے سلائی کارخانے کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس عمارت میں سلائی کا کوئی کارخانہ نہیں ہے۔ نہ ہی کوئی ایسا دوسرا کارخانہ ہے جس میں بیس عورتیں کام کرتی ہوں۔ چوکیدار نے اسے یہ بھی بتایا کہ اس عمارت میں ایک عقبی راستہ بھی ہے جو ایک بازار اور بس اسٹاپ کی طرف جاتا ہے۔

اویس پر تمام صورت حال پوری طرح واضح ہوگئی۔ اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ ہاتھ آیا ہوا شکار اس کو چکمہ دے کر نکل گیا۔ ثمرین نے یہ حرکت اس کے ساتھ کیوں اور کس لئے کی یہ بات اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ جب کہ اس نے ثمرین کو شیشے میں اتار لیا تھا۔ سبز باغ دکھائے تھے۔ اس سے ندامت کا اظہار کیا تھا۔ معافی بھی مانگی تھی۔ محبت کا فریب بھی دیا تھا مگر وہ ایک کائیاں نکلی۔ اسے بڑی خوبصورتی سے بے وقوف بنا گئی تھی۔ اسے ذرہ برابر توقع نہیں تھی کہ ثمرین سیر کو سوا سیر نکلے گی۔ آج تک کسی لڑکی نے اس طرح اس کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونکی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر تک اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتا رہا تھا۔ اسے ذرا سا شک و شبہ ہوتا کہ ثمرین جُل دے جائے گی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ شکار ہاتھ سے نکل جانے پر اسے دکھ' غصہ اور پچھتاوا سا ہو رہا تھا۔ اس نے ثمرین کو اپنے فلیٹ کا پتا بتا کر سخت غلطی کی تھی۔ ثمرین کسی وقت بھی اس کے لئے خطرے اور پریشانی کا سبب بن سکتی تھی۔ رنگ میں بھنگ ڈال سکتی تھی۔ اس نے نادانی میں شیر کی دم پر اپنا پیر رکھ دیا تھا۔ اب اسے بہت محتاط رہنا تھا۔

وہ زیب النساء اسٹریٹ کی طرف نکل آیا۔ کس لئے آیا وہ خود نہیں جانتا تھا۔ وہ اتنی جلدی گھر جانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ معاً اس کی نظر شہزاد پر پڑی جو اکیلا تھا اور مخالف سمت جارہا تھا۔ شہزاد اس کا دوست تھا۔ شوبز کی دنیا سے اس کا تعلق تھا۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی اونچی سوسائٹی میں اس کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ وہ ایک بڑی چیز تھا' بڑا اثر ورسوخ بھی رکھتا تھا۔ ایک وقت تھا اس نے شہزاد کی بڑی مالی مدد بھی کی تھی۔ وہ اس کا احسان مانتا تھا۔

اویس نے تھوڑی دیر میں اسے جالیا پھر دونوں اسی ریسٹورنٹ میں آبیٹھے جس میں لنچ کے وقت ثمرین کو لے آیا تھا۔ چائے اور خوردونوش کا آرڈر دینے کے بعد اس نے شہزاد کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔ ”تم سے بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی' ماشاء اللہ! بڑے سرخ و سفید ہو رہے ہو۔“

”ادھر کچھ ایسی مصروفیت رہی کہ تمہاری طرف آ نہیں سکا۔“ شہزاد نے جواب دیا۔

”تم سناؤ تمہاری پندرہویں شادی کیا اپنے انجام کو پہنچ گئی۔“

”ہاں یار.........“ اویس نے یہ بات بڑی افسردگی سے کہی۔ ثمرین نے اسے جو بے وقوف بنایا تھا اس کا دل صدمے سے دوچار تھا۔ ”شادی کی ابتدا بہت خوب صورت انداز سے ہوتی ہے لیکن اس کا اختتام کرنا بعض اوقات بڑا مشکل اور دشوار سا ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی طرح ہو ہی جاتا ہے۔ اب میں سولہویں شادی کی تیاری کر رہا ہوں۔ ابھی تک کوئی شکار ہاتھ نہیں لگا نہ تلاش کیا کیونکہ پندرہویں شادی سے نجات ملے صرف دو دن ہوئے ہیں۔“

”یہ تم کب تک چودہ پندرہ برس کی لڑکیوں کو شکار کرتے رہو گے؟“ شہزاد نے پوچھا۔ ”کیا تمہیں اس کھیل میں بہت خرچ کرنا تو نہیں پڑتا ہے؟“

”اس وقت تک جب تک جوان ہوں۔“ اویس نے معنی خیز انداز سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”اس عمر کی لڑکیاں میری کمزوری بن گئی ہیں۔ میں سولہ برس سے زیادہ عمر کی لڑکیوں سے شادی نہیں کرتا ہوں۔ میرے لئے کراچی پھولوں کی بیل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں کلیاں کھل رہی ہیں۔ تم جانتے ہو کہ میں بھنورا فطرت کا مالک ہوں۔ تم بھی چودہ پندرہ برس کی لڑکی سے شادی کر کے دیکھو۔ اس عمر کی لڑکیوں میں بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ میں چونکہ بہت ہی غریب' ضرورت مند' محرومیوں کے شکار اور خواب دیکھنے والے گھروں کا انتخاب کرتا ہوں اس لئے اس پر زیادہ خرچ نہیں آتا ہے۔ یہ کم خرچ اور بالا نشیں ہے۔ آٹھ دس ہزار روپے میں ایک کھلونا خریدتا ہوں۔ تین چار مہینے تک کھیلتا رہتا ہوں پھر اس کی جگہ دوسرا کھلونا لے آتا ہوں۔

اس کا تمہیں بہت اچھی طرح علم ہے کہ وڈیرے' جاگیردار اور عورتوں کے رسیا نوخیز عمر کی لڑکیوں کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کے حصول کے لئے ہزاروں روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے وہ بازارِ حسن کا رخ کرتے ہیں۔ نتھ اتروائی میں ان کے لاکھوں روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔ وہ لڑکیاں چودہ پندرہ برس کی تو ہوتی ہیں۔



عورت عورت ہوتی ہے' چاہے وہ بازار حسن کی ہو یا کسی غریب گھرانے کی۔ ماحول بدل جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ ان غریب اور شریف گھرانوں کی لڑکیوں سے شادی کرنے کے لئے بڑی تدبیر کرنا پڑتی ہے' نفسیاتی حربے بڑے کام آتے ہیں۔“

”تم بڑے استاد ہو یار!“ شہزاد نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھا۔ ”میری نظر میں تم اس صدی کے سب سے بڑے جینئس ہو' کیوں؟“

اویس اس کی بات سن کر مسکرا دیا۔ پھر اس نے لفافے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”اس میں کیا لئے پھر رہے ہو؟ کیا کاغذات ہیں؟“

”اس میں مشہور و معروف اور شعلہ مجسم نورین کی تصویریں ہیں۔ میں انہیں ایک وڈیرے کے پاس لے جا رہا ہوں۔“ شہزاد نے جواب دیا۔

پھر شہزاد نے اس لفافے میں سے پوسٹ کارڈ سائز کی چھ عدد تصویریں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیں۔ یہ ساری کی ساری رنگین اور مختلف زاویوں اور ایسے ملبوسات میں کھینچی ہوئی تھیں کہ وہ کسی رسالے اخبار میں چھپ نہیں سکتی تھیں۔ البتہ امریکا اور یورپ کے رسالوں کی زینت بن سکتی تھیں۔ آزادی کے اس لبادے میں نورین کا اور ہی رنگ تھا' اور ہی روپ تھا۔ اس میں وہ ایک قیامت بنی ہوئی تھی۔ یہ قیامت اس کے دل و دماغ پر جیسے ٹوٹ پڑی تھی۔

اویس کو اندازہ نہ تھا کہ نورین ایک ایسی قیامت ہے۔ اس کے حسن و شباب میں ایسی دل کشی اور رعنائیاں ہیں جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کی تصویروں اور کشش کے خزانوں میں کھو سا گیا۔ اپنے آپ کو بھول سا گیا۔ وہ کمرشل میں جو نظر آتی تھی اس سے قدرے مختلف تھی۔

”چائے پیو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ شہزاد نے کہا۔ ”اسے تم سامنے سے دیکھو گے تو شاید بے ہوش ہو جاؤ گے۔ آفت چیز ہے ایک دم آفت۔“

”تم یہ تصویریں وڈیرے کو دکھانے کے لئے کس لئے جا رہے ہو؟“ اویس نے تصویروں کے سحر سے نکل کر پوچھا۔ ”کیا اس نے کبھی نورین کو نہیں دیکھا؟“

”اسی لئے جا رہا ہوں کہ وڈیرے صاحب ان تصویروں کو دیکھ کر اس پر ریشہ خطمی ہو جائیں۔ پھر اس کی منہ مانگی قیمت مل سکے۔ زیادہ دام لگ سکیں۔ اسکرین پر اور کمرشل میں اس کی حشر سامانیوں کا زیادہ اندازہ نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں سنسر بہت سخت ہے۔ اس بات پر ماڈل گرلز بہت چڑتی بھی ہیں۔“

"کیا مطلب؟" اویس نے حیرت سے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ "یعنی وہ اپنی راتیں کالی کرتی ہے؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

"اس میں یقین نہ کرنے والی بات کون سی ہے۔ صرف ایک نورین ہی نہیں بلکہ جتنی ماڈل گرل ہیں وہ اپنی راتیں کالی کرتی ہیں۔ پورا تالاب ہی گندہ ہے۔"

"وہ بہت بڑی ماڈل گرل ہے۔ آج کل ایک ماڈل گرل کو ایک کمرشل میں کام کرنے کا بہت اچھا معاوضہ ملتا ہے۔ اسے کیا ضرورت پڑی راتیں کالی کرنے کی۔"

"بات یہ ہے میری جان!" شہزاد کہنے لگا۔ "شو بزنس میں لڑکیاں آتی ہیں اپنے رنگین سپنوں کو پانے کے لئے.......... اس کے لئے پیسوں کی ضرورت ہوگی۔ چونکہ وہ راتوں رات دولت سمیٹ لینا چاہتی ہیں۔ اس لئے وہ اس گھناؤنے راستے پر چل پڑتی ہیں۔ دوسری بات یہ ہوتی ہے کہ اس پیشے میں ایک ماڈل زیادہ عرصہ چل نہیں پاتی ہے کیونکہ اس کے پیچھے قطار میں ایک سے ایک جوان اور حسین لڑکیاں ہوتی ہیں۔ تم نے کمرشلز میں ماڈلز کی بھرمار دیکھی ہوگی۔ تم اس بات سے اندازہ کرو کہ ایک ماڈل صرف ایک سال میں ایک مکان، ایک نئی کار خرید لیتی ہے؟ اس کے لئے پیسہ کہاں سے آتا ہے۔ اس گندے تالاب میں صرف وہی مچھلی آسکتی ہے جو اپنے آپ کو میلا کر سکتی ہے۔ اس میں کسی شریف لڑکی کا کام نہیں ہے۔"

"اس پیشے میں تو اب پڑھی لکھی اور اچھے گھروں کی لڑکیاں آرہی ہیں۔ کیا ان کی وجہ سے ماحول نہیں بدلا ہے؟" اویس نے پوچھا۔

"نہیں.......... اس سے کوئی فرق نہیں پڑا ہے۔ تمہارے خیال میں اچھے گھر کون سے ہیں؟ وہ گھر جو ڈیفنس، کلفٹن، گلشن اقبال اور پی ای سی ایچ سوسائٹی میں ہیں؟ یہاں تو گندگی بہت ہی زیادہ ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ بظاہر دکھائی نہیں دیتی ہے۔ اندر سے دیکھو تو پتا چلتا ہے۔"

"اس کی کالی راتوں کی آمدنی کتنی ہے..........؟" اویس نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔ "چار پانچ ہزار روپے سے کیا کم لیتی ہوگی..........؟"

"تم کون سی دنیا میں رہتے ہو میری جان!" شہزاد نے ہنستے ہوئے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔ "کیا تم نے انہیں بھی چودہ پندرہ برس کی لڑکیاں سمجھ رکھا ہے جو چار پانچ ہزار کے چارے میں جال میں آجائیں گی۔ جیسا گاہک جیسا قدردان ویسے اس کے پیسے انہیں ملتے ہیں۔ وہ تو صرف ایک نشست میں چار پانچ ہزار روپے کی شراب پی جاتی ہیں۔ جب



رخصت ہوتی ہیں اتنی رقم تو ٹپ میں دے جاتی ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ ایک رات میں ان کے وارے نیارے ہوجاتے ہیں۔"

"یہ دنیا کہاں سے کہاں چلی گئی ہے۔" اویس نے کہا۔ "چونکہ میں ان نوخیز لڑکیوں کے چکر میں رہا۔ میری دنیا محدود اور ایک دائرے میں گھومتی رہی مجھے نہیں معلوم اور نہ میں نے جاننے کی کبھی کوشش کی اور نہ ہی تم نے کبھی یہ بتایا کہ اس جہاں سے آگے اور بھی جہاں ہیں۔ دنیا نے بہت ترقی کرلی۔"

"میں نے تمہیں اس لئے نہیں چھیڑا کہ تم ایک طرف خوب مال بنا رہے ہو۔ دوسری طرف شادی کی آڑ میں وہ عیش کر رہے ہو جو دوسروں کو نصیب نہیں ہے۔"

"نورین کی تصویریں دیکھ کر میرا دل اس سے ملنے کو' دیکھنے کو بہت چاہ رہا ہے.......... کیا تم مجھے اس قیامت سے ایک بار ملا سکتے ہو؟"

"اچھی طرح سوچ لو.......... نورین ایک آتش فشاں ہے۔ قریب جاؤ گے تو اس کا لاوا تمہیں بھسم کردے گا۔ ایک بار کیا.......... میں تمہیں اس سے دس بار ملا سکتا ہوں۔ کسی ایسے روز جب اس کا کوئی پروگرام نہ ہو اسے ڈنر پر لے آتا ہوں۔ اس کے لئے تمہیں اس کے پسندیدہ فائیو اسٹار ہوٹل میں بندوبست کرنا ہوگا۔"

"تم جس ہوٹل میں کہو اس ہوٹل میں اسے ڈنر اور لنچ پر بلانے کے لئے تیار ہوں۔ مگر پروگرام پکا ہونا چاہئے۔" اویس بولا۔

"پکا پروگرام..........؟" شہزاد نے سوچتے ہوئے بولا۔ "وہ راتوں کو شاذ و نادر فری ہوتی ہے۔ اس کے لئے تمہیں دس بارہ دن انتظار کرنا ہوگا۔"

"دس بارہ دن تو میرے لئے دس بارہ سال ہوں گے۔ کیوں نہ اسے لنچ پر مدعو کرلیا جائے۔ دن میں اس کے پاس وقت تو ہوتا ہوگا؟"

"وہ غریب ساری رات کی جاگی، تھکی ماندی، تھکن سے چُور اور نڈھال پڑی دو بجے تک سوتی رہتی ہے۔ ہاں یاد آیا۔ پرسوں رات اس وڈیرے کے ہاں اس کا مجرا ہوگا.......... میں تمہیں اس کا مجرا دکھانے کا بندوبست کردوں گا۔ اس کے لئے وڈیرے کے دو ملازموں کی مٹھی گرم کرنا ہوگی۔"

"تم پیسوں کی فکر مت کرو۔" اویس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ "کہو تو میں تمہیں دو چار سو روپے پیشگی دے دوں۔" وہ جیب سے بٹوا نکالنے لگا۔

"ابھی رقم رہنے دو.......... میں انہیں اپنے پاس سے دے دوں گا۔ تم سے بعد میں

لے لوں گا۔ تم رات نو بجے تیار رہنا۔ میں تمہیں لینے کہاں آؤں؟"

☆======☆======☆

شہزاد ٹھیک نو بجے اسے لینے کے لئے اس کے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ پھر وہ اسے اپنے ہمراہ لے کر ڈیفنس سوسائٹی کی ایک عظیم الشان کوٹھی پر پہنچا۔ اس کے عقبی دروازے پر ایک ملازم ان کے انتظار میں مستعد کھڑا ہوا تھا۔ اس کی موٹر سائیکل اندر لا کر کھڑی کر دی گئی۔ پھر وہ ملازم انہیں چھت پر لے گیا۔ چھت پر ایک روشن دان تھا۔ اس روشن دان سے اس وسیع و عریض ہال کا منظر صاف نظر آ رہا تھا جس میں تھوڑی دیر کے بعد مجرا ہونے والا تھا۔ مجرا شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔ اس لئے اس ہال میں کوئی نہیں تھا۔ اس میں چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں۔ گاؤ تکیے لگے ہوئے تھے۔ پورے فرش پر بہت ہی خوبصورت لمبے بالوں والا قالین تھا۔ ایک جانب کونے میں بہت بڑی میز تھی جس پر شراب اور سوڈے کی بوتلیں اور کانچ کے صاف شفاف گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس کے دوسرے کونے پر دو بڑے بڑے اسپیکرز تھے۔ تیسرے کونے میں جدید ترین ڈیک اور بہت سارے کیسٹ بھی نظر آ رہے تھے۔ دیواروں پر نیم عریاں یورپی عورتوں کی بہت بڑی بڑی تصاویر بھی لگی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں اس کے جذبات کو ابھارنے لگیں۔ چھت پر گھپ اندھیرا تھا۔ ان دونوں کو روشن دان سے ذرا ہٹ کر بٹھا دیا گیا۔ انہیں دوربینیں بھی فراہم کی گئی تھیں تاکہ وہ اور لطف اندوز ہو سکیں۔

نیچے کے کسی کمرے سے مردوں کے ہنسنے بولنے اور بے ہنگم قہقہوں کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ شہزاد نے اسے بتایا کہ نورین تو آ گئی ہے۔ وہ خود نورین کو چھوڑ کر اسے لینے آیا تھا۔ تین لڑکیوں کا انتظار ہو رہا ہے جو مجرے کے دوران ساقی کے فرائض انجام دینے والی ہیں۔ کوئی آدھے گھنٹے کے اذیت ناک انتظار کے بعد اس کوٹھی کے مالک کے ساتھ اس کے دوست ہال میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔ وہ اس کوٹھی کے مالک اور اس کے دوستوں کو دیکھ کر چونک پڑا۔ وہ ان سب کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے شہزاد سے اس کوٹھی کے مالک کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اور نہ شہزاد نے اسے بتانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ کیونکہ اسے آم کھانے سے مطلب تھا۔ اس کوٹھی کا مالک بہت بڑا سیاستدان اور وڈیرا تھا۔ صوبہ میں وزیر رہ چکا تھا۔ جب اس کی پارٹی برسراقتدار نہیں ہوتی تھی تب بھی وہ ممبر ضرور ہوتا تھا۔ آج تک اس نے الیکشن نہیں ہارا تھا۔ اس کے دوستوں میں سے دو تو صوبائی وزیر



تھے۔ یہ اس کی مخالف پارٹی سے تعلق رکھتے تھے لیکن یہاں ان میں کوئی اختلاف اور دشمنی نہ تھی۔ ہم مزاج اور ہم نفس تھے۔ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے تھے۔ یہ لوگ جو آپس میں سیاسی بیان بازی کرتے تھے اس سے یوں لگتا تھا جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ باقی تین میں سے ایک تو اس کے محکمے کا ڈائریکٹر تھا جو بظاہر بڑا سیدھا سادا اور شریف النفس بنتا تھا اور بغیر رشوت لئے کام کر دیا کرتا تھا۔ باقی دو جو تھے ان میں ایک اعلیٰ پولیس آفیسر تھا اور دوسرا سیکرٹری تھا جس کا بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ آج وہ ان کے اصل چہرے دیکھ رہا تھا۔

اس نے شہزاد سے سرگوشی میں دریافت کیا۔ "کیا کیمرے کا بندوبست ہو سکتا ہے؟ رقم کی پرواہ نہ کرو۔ میں ہزار دو ہزار روپے بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"وہ کس لئے.........؟" شہزاد نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر کہا۔ "بہت مشکل ہے۔ کسی طرح ہو بھی گیا تو یہ ملازم تصویریں کھینچنے نہیں دیں گے۔ کیونکہ ان کے باس کے علم میں یہ بات کسی نہ کسی طرح آ گئی تو وہ اپنے نوکروں کو قتل کر کے پھینک دے گا۔ یہ مجرا بڑی رازداری سے ہوتا ہے۔"

"اس لئے کہ میرا باس بھی اس محفل میں موجود ہے۔" وہ بولا۔ "میں اس کی ایک تصویر شراب پیتے اور دوسری مجرا دیکھتے ہوئے کھینچنا چاہتا ہوں تاکہ بوقتِ ضرورت کام آئے۔ یہ حرام زادہ میری بالائی آمدنی سے بڑی خار کھاتا ہے۔ میرے تبادلے کے لئے حیلے بہانے ڈھونڈ رہا ہے۔ میں اسے ٹھیک رکھنا چاہتا ہوں۔"

"گویا تم اسے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔ ایک منٹ تم یہاں بیٹھو۔ میں ملازموں سے بات کر کے آتا ہوں۔ شاید بات بن جائے۔" شہزاد نے کہا۔

شہزاد چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں تین خوبرو نوجوان لڑکیاں داخل ہوئیں جو دھان پان سی تھیں۔ ان کی عمریں پندرہ سولہ برس سے زیادہ نہیں تھیں۔ ان تینوں نے وردی نما لباس پہنا ہوا تھا جس میں ان کی جسمانی نمائش ہو رہی تھی۔ یہ لڑکیاں نہیں تھیں۔ آب دار موتی تھے۔ بڑی نفیس اور شائستہ مزاج کی لگ رہی تھیں۔ ان تینوں نے باری باری معزز مہمانوں کو فرشی سلام کیا۔ پھر میز کے پاس جا کر جام تیار کرنے لگیں۔

شہزاد جلد ہی واپس آ گیا۔ اس نے آتے ہی کہا۔ "وہ صرف تمہارے باس کی دو تین تصویریں کھینچ کر دینے کے لئے تیار ہیں۔ جس میں وہ شراب پیتے اور لڑکی کو گود میں بٹھا کر باتیں اور چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے نظر آئے گا۔ وہ ان تصویروں اور نیگیٹوز کے دو ہزار

مانگ رہے ہیں۔"

"مجھے منظور ہے۔" اویس خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں رقم تصویروں کے بعد ہی دوں گا۔ تمہارا بہت شکریہ، میری بہت بڑی مشکل آسان کردی۔"

"تم تصویریں دیکھنے کے بعد ہی رقم ادا کرنا۔" شہزاد بولا۔ "دنیا کس تیز رفتاری سے جارہی ہے تمہیں تصویریں دیکھ کر اندازہ ہوجائے گا۔ رات دو بجے تمہیں تصویریں اور ان کے نیگیٹوز مل جائیں گے۔ انہوں نے کچھ ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ تصویریں ملنے میں دیر نہ ہوگی۔"

ہال میں موسیقی گونجنے لگی۔ ان دونوں نے اندر جھانکا۔ اویس نے دیکھا۔ نورین آچکی تھی۔ اس نے مجرے کے لئے جو لباس پہنا تھا۔ وہ نہ صرف نامناسب تھا بلکہ اس مجرے کی مناسبت سے بھی نہ تھا۔ ڈیک پر جو نغمہ بج رہا تھا ایک بہت ہی مشہور فلم کا تھا۔ مجرے ہی کا تھا۔ نورین نے اپنا رقص شروع کردیا۔

اویس نے دوربین اپنی آنکھوں سے لگالی۔ یہ بڑے کام کی چیز تھی۔ ملازموں نے اس سے جو پیسے لئے تھے۔ انہوں نے پہلے ہی حلال کردیئے تھے۔ وہ رقص نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ نورین کو دیکھ رہا تھا۔ دوربین کی وجہ سے وہ اس کی نظروں کی گرفت میں تھی اور بہت ہی قریب تھی۔ اتنی قریب جیسے بالکل سامنے کھڑی ہو۔ اتنے قریب تو وہ مہمانوں سے بھی نہ تھی۔ وہ ایک ایسی کھلی کتاب تھی کہ وہ اسے جہاں سے چاہے پڑھ لے۔

اس مجرے میں، مجرے کے نام پر جو کچھ ہوا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ نورین پر بڑے بڑے نوٹوں کی اس طرح بارش ہوتی رہی تھی جیسے وہ کاغذ کے پرزے ہوں۔ یہ سب کچھ بڑی فراخ دلی اور خوشی سے ہورہا تھا۔ یہ نوازش اور فیاضی بے مقصد نہ تھی۔ اس کی پوری پوری قیمت بھی وصول کی جارہی تھی۔ وہ ان کا تختۂ مشق بھی بنتی رہی تھی۔ وہ ان کی نامناسب حرکتیں اس بھری محفل میں برداشت کرتی جارہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ پیسہ ایسی ہی چیز ہے۔ اس سے ایک آدمی جتنا گرسکتا تھا اس سے بھی نیچے گرسکتا تھا۔ نورین اس سے بھی نیچے گر رہی تھی۔ وہ ان کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ شہزاد نے اسے بتایا تھا کہ نورین اس محفل سے پانچ چھ لاکھ کی رقم لے جائے گی۔ ہزار پانچ سو کے نوٹوں سے شہزاد کی باتوں کی تصدیق ہورہی تھی۔

وہ تین لڑکیاں جو ساقی کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ انہوں نے ڈسکو رقص پیش کئے تھے جو بڑے ہیجان خیز تھے۔ ان پر نوٹ نچھاور کئے گئے تھے۔ وہ بھی مہمانوں کے



جذبات کی زد میں رہی تھیں۔ یہ سارا تماشا وقفے وقفے سے فجر کی اذان تک رہا تھا۔ پھر نورین مالک کے کمرے میں، لڑکیاں مہمانوں کے کمروں کی زینت بن گئی تھیں۔ ایک مہمان اپنے گھر چلا گیا تھا کیونکہ اسے صبح آٹھ بجے کی فلائٹ سے اسلام آباد جانا تھا۔

پھر اس کے رخصت ہونے سے پہلے اس کے مطلب کی تین تصویریں اور ان کے نیگیٹوز مل گئے تھے۔ اس نے کل تین ہزار روپے اس وقت ادا کردیئے تھے۔ دو ہزار روپے تو ان تصویروں کے تھے۔ ایک ہزار روپے یہ کھیل تماشا دیکھنے کے لئے تھے۔ یہ کھیل تماشا ہزار روپے کے ٹکٹ میں اس کے لئے سستا تھا۔

اویس، شہزاد کو بھی اپنے فلیٹ پر لے آیا تھا۔ اس نے بستر پر سونے کے لئے دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔ "نورین کی ایک کالی رات کی اتنی قیمت کس لئے ہے؟"

"اس لئے کہ وہ تنہائی کی بہترین رفیقہ ثابت ہوتی ہے۔ اس کا موازنہ ایک بیوی، محبوبہ یا گھریلو عورت سے نہیں کیا جاسکتا ہے۔"

"کیا ایسا ممکن نہیں ہے کہ نورین بھی میری ایک رات کی مہمان بنے۔ اس کے حسن و جمال نے مجھے پاگل کرکے رکھ دیا ہے۔" وہ بولا۔

"دنیا میں کیا چیز ممکن نہیں ہے۔ جیب گرم ہو تو نورین کیا اس فلم انڈسٹری کی بڑی سے بڑی اداکارہ آسکتی ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوں۔" اویس نے کہا۔ "مجھے ایک رات کا کیا نذرانہ پیش کرنا پڑے گا۔ کیا تم اس سے میرا معاملہ طے کرسکتے ہو؟"

"وہ کم سے کم تیس ہزار روپے تو لیتی ہے لیکن میں بیس ہزار روپے میں معاملہ طے کراسکتا ہوں۔ وہ لوگ میری بات رکھ لیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" اویس نے کہا۔ "وہ لوگ کون ہیں.........؟ کیا تم سیدھے سیدھے نورین سے بات نہیں کرو گے.........؟ کیا وہ لوگ اس کے ماں باپ ہیں؟"

"وہ لوگ سے میری مراد نورین اور سرور بیگم ہیں۔ سرور آنٹی اس کی نگران، سرپرست اور ماں کی طرح ہیں۔ وہ ان کے بغیر ایک قدم بھی چل نہیں سکتی ہے۔"

"کون سرور بیگم.........؟" اویس اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "کہیں یہ وہ تو نہیں ہیں جو بہت مشہور سوشل ورکر ہیں۔ فنونِ لطیفہ کی بڑی قدردان ہیں۔ لڑکیوں کی مصوری کی نمائش کا اہتمام کرتی ہیں۔ ہر سال فیشن شو اور ماڈل گرلز کے درمیان مقابلہ کراتی ہیں۔ نورین ان کے ہاں رہتی ہے۔"

"یس سر!" شہزاد معنی خیز انداز سے مسکرایا۔ "یہ وہی سرور آنٹی ہیں۔ سرور بیگم ہیں۔ تم نے اسے خوب پہچانا.......... کیا تم اسے ذاتی طور پر جانتے ہو؟"

"میں نے صرف اس کے بارے میں سنا ہے۔ لوگ اس کی بہت تعریفیں کرتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ بردہ فروشی بھی کرتی ہیں۔"

"میری جان! یہ ریاکاری اور منافقت کا دور ہے۔ سرور آنٹی کے دو چہرے ہیں۔ میں تمہیں ایک بات بتا دوں.......... تم کسی سے کہنا نہیں۔ دراصل وہ ایک مافیا تنظیم ہے۔ وہ غیر ممالک میں نوجوان لڑکیوں سے منشیات اسمگل کرواتی تھی لیکن اب یہ سلسلہ بند کردیا ہے۔ کیونکہ اس میں خطرات بہت بڑھ گئے ہیں۔ اب وہ یہ کرتی ہے کہ بہت ہی حسین لڑکیوں کی شادی ایسے گھرانوں میں کراتی ہے جن کی کوئی حیثیت ہے۔ بااثر اور طاقتور ہیں۔ ان لڑکیوں کو ہر ماہ یا اپنی سہولت کے مطابق بھتہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ جو لڑکی ایسا نہیں کرتی وہ اسے بلیک میل کرتی ہے۔ وہ انہی لڑکیوں کو اپنے جال میں پھانستی ہے جو خوابوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگتی ہیں۔ وہ ایسی مچھلیوں کو اپنے خوبصورت جال میں پھانس لیتی ہے۔"

"کیا یہ لڑکیاں قانون کی مدد لینے نہیں جاتی ہیں؟" اویس نے حیرت سے کہا۔ "قانون ایسی لڑکیوں کی بہت مدد کرتا ہے۔"

"کوئی احمق لڑکی ہوگی جو پولیس کے پاس جائے گی۔" شہزاد ہنسنے لگا۔ "جو لڑکی بھی گئی اسے بعد میں پچھتانا پڑا۔ تمہیں اس عورت کی طاقت اور اثر و رسوخ کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ یہ ایک تنظیم ہے۔ اس کی اصل طاقت، اصل مالک رانی نامی ایک عورت ہے جو ماضی میں ایک زیر زمین تنظیم کی بڑی سرگرم کارکن رہ چکی ہے۔ وہ سرور آنٹی کے پس پردہ ہے۔ یہ صرف خوابوں کی ماری ہوئی لڑکیوں کو نہیں پھانستی بلکہ ان عورتوں کو بھی جو کسی نہ کسی الزام میں قانون کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں۔ ایسی عورتوں کو وہ اہمیت دیتی ہے جو ہر لحاظ سے بہت حسین، پُرشباب اور بے حد پُرکشش ہوں۔"

اویس نے دو دن بڑے کرب و اذیت سے نورین کے انتظار میں کاٹے تھے۔ اس کی زندگی میں اب تک جتنی کلیاں کھلی تھیں ان میں نورین والی بات نہ تھی۔ نورین ایک پھول تھی۔ سرسبز و شاداب باغ کی طرح تھی۔ نورین پہلی عورت تھی جس پر وہ فراخ دلی سے بیس ہزار روپے خرچ کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ بخشش دینے کے لئے بھی اس نے پانچ ہزار روپے نکال رکھے۔ پانچ ہزار روپے کی ولایتی شراب کا بھی اس نے بندوبست کیا ہوا



تھا۔

اس کی زندگی میں نورین آئی۔ رات آئی۔ دوسرے دن اسے ایسا لگا جیسے خوشیوں کا کوئی جھونکا آیا تھا۔ اس نے کوئی بہت ہی سہانا خواب دیکھا تھا۔ وہ اس کے دل و دماغ پر ایسی چھائی تھی کہ جیسے پرانی شراب ہو جس کا خمار ذہن سے نہیں اترتا ہے۔ شہزاد نے اس سے سچ ہی کہا تھا کہ نورین تنہائی کی بہترین رفیقہ ہے۔ وہ ایک پُرجوش عورت تھی۔ وہ مرد کے لئے ایک بیش بہا تحفہ تھی۔ وہ مردوں کو خوش کرنے کے فن سے واقف تھی۔ اس میں اور ان کلیوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ کلیاں جو اس کی زندگی میں مہکی تھیں وہ اس پھول کے پاسنگ بھی نہیں تھیں۔

اس نے دوسرے دن بڑی سنجیدگی سے سوچا کہ کیوں نہ وہ نورین کو بیس، پچیس دنوں کے لئے ساتھ لے کر مری اور سوات کی کھلی فضاؤں میں چلا جائے۔ اس کے پاس رقم کی کمی نہ تھی۔ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ نورین کو ایک دو سال رکھنے کی بھی طاقت رکھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ بے وقوفی ہے۔ گھاٹے کا سودا ہے۔ کیوں نہ وہ اس سے سیدھے سیدھے شادی کرلے۔ شادی پر اس کے ساتھ زندگی گزارنے پر سال میں لاکھ روپے بھی خرچ نہیں ہوں گے۔

پھر اسے ایک خیال اور آیا کہ نورین اس سے شادی کرنے کے لئے کیوں تیار ہوگی؟ یا بالفرضِ محال وہ تیار ہو بھی گئی تو آنٹی تمہیں مانے گی۔ کیونکہ نورین سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہے۔ اس نے سوچا کہ بات کرکے دیکھنے میں حرج ہی کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ وہ شادی سے انکار کردے گی۔ شاید وہ انکار نہ کرے کیونکہ وہ ایک خوبصورت اور مال دار شخص ہے۔ شاہانہ زندگی گزار رہا ہے۔ وہ نورین کو ایک گاڑی بھی خرید کردے سکتا ہے۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ایک فائل دیکھ رہا تھا کہ شاہ جی دستک دے کر اندر داخل ہوئے، اس سے بولے۔ "بڑے صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"خیریت تو ہے..........؟" اس نے فائل بند کرکے میز کی دراز میں رکھتے ہوئے پوچھا۔ "آج انہوں نے مجھے کس خوشی میں بلایا ہے؟"

"معلوم نہیں.........." شاہ جی نے اپنے کندھے اچکائے۔ "صبح خلجی صاحب آئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد سے ان کا موڈ آف ہے اور آپ کو بار بار پوچھ رہے ہیں۔"

"اوہ خلجی صاحب آئے تھے.........." اویس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل

گئی۔ "میں سمجھ گیا کیا بات ہے۔ چلو میں آرہا ہوں۔"

وہ اپنے بڑے صاحب کے کمرے میں داخل ہوا تو بڑے صاحب اپنے سامنے ایک فائل کھولے بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر تندی' تیزی اور ناگواری سی چھائی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے بولے۔ "کیوں مسٹر اویس! آپ ان کاغذات پر دستخط کیوں نہیں کر رہے ہیں؟"

"اس لئے سر.........! مسٹر اعوان ایک غلط کام کرنے کے لئے مجھے مجبور کر رہے ہیں۔ میں کیسے ان پر دستخط کر سکتا ہوں؟" اویس نے جواب دیا۔

"یہ غلط کام نہیں ہے۔" بڑے صاحب برافروختہ ہوگئے۔ "مجھے بے وقوف بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اصل بات کیا ہے۔"

"سر! جب آپ سب کچھ جانتے ہیں تو پھر آپ نے مجھے کیوں بلایا۔ مسٹر اعوان سے مجھے اکیلے ہی نمٹنے دیں۔" اویس نے کہا۔

"میں نے اس لئے بلایا ہے کہ آپ ان کاغذات پر ابھی اسی وقت دستخط کردیں۔ آپ ان کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔" وہ بگڑ کر بولے۔

"میں نے ان سے صرف پانچ لاکھ اس کام کے عوض مانگے تھے جس میں انہیں پندرہ سے بیس لاکھ روپے کا فائدہ ہوگا۔ یہ زیادہ رقم تو نہیں ہے۔"

"آپ کے نزدیک پانچ لاکھ روپے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مجھے رشوت لینا بالکل پسند نہیں ہے۔ آپ نے تو حد کردی ہے رشوت لینے میں۔"

"سر! اس میں آپ کے دو لاکھ روپے ہیں اور میرے تین لاکھ روپے......... اب چونکہ انہوں نے میری شکایت آپ سے کردی ہے لہٰذا اب میں پورے سات لاکھ روپے ہی لوں گا۔ ان میں سے آپ کو دو لاکھ ہی ملیں گے۔ انہوں نے میرے خلاف شکایت کرکے اچھا نہیں کیا۔ اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ میں نے سزا دینے کے لئے ان پر دو لاکھ روپے جرمانہ کیا ہے۔ آئندہ وہ آپ سے الجھیں گے نہیں۔"

"کیا کہا......... کیا میں رشوت لیتا ہوں؟" بڑے صاحب کا پارہ چڑھ گیا۔ "میں نے کبھی اپنی زندگی میں رشوت نہیں لی سمجھے۔"

"جی ہاں سر! آپ بھی لیتے ہیں لیکن میری طرح چھوٹی چھوٹی نہیں......... آپ کو جو رشوت پیش کی جاتی ہے وہ اس محکمے میں کسی کو بھی نہیں ملتی ہے۔"

"یو شٹ اپ........." بڑے صاحب غضبناک ہوگئے۔ "آپ کو مجھ پر تہمت



لگاتے ہوئے شرم نہیں آرہی ہے۔ یہ سراسر بہتان ہے۔"

"نہیں سر! یہ جھوٹ نہیں ہے۔ یہ سچ ہے۔ ایک حقیقت ہے۔ میں کسی شریف آدمی پر جھوٹی تہمت نہیں لگاتا ہوں۔" اویس نے کہا۔

"آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے؟" وہ غصے سے کانپتے اور میز پر مکا مارتے ہوئے بولے۔ "اس بات پر میں آپ کا کل ہی تبادلہ کرا سکتا ہوں۔"

"ایک ناچنے اور گانے والی' شراب پلانے والی سولہ برس کی لڑکیوں پر کوئی بھی اپنی محنت کی کمائی نہیں لٹا سکتا ہے۔ آپ مجروں میں تو ایک ایک لاکھ روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں......... پھر اپنی رات بھی کالی کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو فرشتہ صفت بھی ظاہر کر رہے ہیں۔ آپ میرا تبادلہ نہیں کرا سکتے ہیں بلکہ میں آپ کو استعفا دینے پر مجبور کر سکتا ہوں۔ لہٰذا آپ مجھے اعوان صاحب سے سات لاکھ روپے وصول کرنے سے نہ روکیں۔"

"آپ حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔" بڑے صاحب کا چہرہ اور آنکھیں لال ہوگئیں۔ "میں آپ کو ملازمت سے سبکدوش کردوں گا۔"

اویس نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنی جیب سے بٹوا نکالا۔ اس میں سے پاسپورٹ سائز سے کچھ بڑی تصویر نکال کر میز پر ان کے سامنے رکھ دی۔ "پہلے آپ اس تصویر کو دیکھیں۔ میرے پاس اسی طرح کی دو تصویریں اور ہیں۔ وہ بھی آپ کو ابھی دکھلاتا ہوں۔"

بڑے صاحب نے تصویر اٹھا کر دیکھی تو حیران رہ گئے۔ اس تصویر میں ایک نوعمر لڑکی ان کی گود میں بیٹھی انہیں شراب پلا رہی تھی۔ تصویر ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ سر چکرایا تو ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ان کا دل بھی اس لحظہ دھڑکنا بھول گیا تھا۔

"سر! کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے؟" وہ تمسخر سے بولا۔ "یہ دوسری تصویر ہے اس میں ہزار روپے کا نوٹ رقاصہ پر نچھاور کر رہے ہیں۔ تیسری میں آپ شراب کے نشے میں دھت رقاصہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ناچ رہے ہیں۔ جب ان تصویروں کو بڑے سائز میں بنایا جائے گا تب یہ اور بھی اچھی لگیں گی۔ صرف دفتر کے لوگ ہی نہیں بلکہ آپ کے گھر والے بھی بہت محظوظ ہوں گے۔ لوگ آپ کا وہ چہرہ دیکھ لیں گے جو اب تک نظروں سے اوجھل رہا ہے۔"

"یہ.......... یہ.......... تصویریں آپ کے ہاتھ کیسے لگیں..........؟" بڑے صاحب نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔ "کس نے کھینچی ہیں؟ کیوں کھینچی ہیں، کس نے دی ہیں..........؟"

"سر! یہ ایک حسن اتفاق تھا.......... ایک سنہرا موقع ہاتھ آیا تھا.......... بس اس وقت ایک خیال آیا تھا جس نے حقیقت کا روپ دھار لیا جس کی کوئی توقع نہیں تھی۔ رہا یہ سوال کہ کس نے کھینچی ہیں یہ تو میں بتاؤں گا نہیں۔ آپ بھی میزبان سے اس کا تذکرہ نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس کا جو شدید رد عمل ہوگا اس سے آپ کی ذات کو بھی شدید نقصان ہوگا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تصویر کھینچنے والوں پر کوئی مصیبت آئے۔ ان پر آنچ آئی تو یہ تصویریں اخبارات کی زینت بن جائیں گی۔ پھر آپ جانتے ہیں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

"آپ نے یہ بھی پوچھا ہے کہ کیوں کھینچی ہیں..........؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آج کے دن کے لئے.......... میں یہ جانتا تھا کہ یہ دن میری زندگی میں آنے والا ہے۔ آپ میرا تبادلہ کردیں گے یا مجھے ملازمت سے نکال باہر کریں گے۔ کیونکہ میں برسوں سے آپ کی اور دفتر کے دوسرے لوگوں کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ جس نے بھی دی ہیں اس نے مفت میں نہیں دی ہیں۔ کیا ان تصویروں کو نیگیٹوز سمیت خریدنا چاہتے ہیں؟"

بڑے صاحب کچھ نہیں بولے۔ ان پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی جیسے کوئی بجلی آگری ہو۔ وہ اویس کو پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ یہ شخص ہمیشہ سے ان کی توقعات سے کہیں زیادہ چالاک ثابت ہوا تھا۔ شاطر ذہن کا مالک تھا۔ قیافہ شناس تھا۔ نفسیاتی کمزوریوں اور دفتر کی سیاست اور طریقہ کار سے فائدہ اٹھانا خوب جانتا تھا۔ دھڑلے سے رشوت لیتا تھا۔ اب تک وہ قانون کی گرفت میں بھی نہیں آسکا تھا۔ آ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ جسے موقع ملتا تھا وہ اسے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ اس دفتر میں یہ طریقہ کار تھا کہ جب تک اویس دستخط نہ کردے وہ بھی نہیں کرسکتے تھے۔ وہ رشوت اس طرح لیتے تھے کہ کسی کے فرشتوں کو ہوا بھی نہیں لگتی تھی۔ گو وہ بڑی رقم کی صورت میں ہی جیب گرم کرتے تھے لیکن انہیں مجرے اور نوجوان لڑکیوں کی صورت میں بھی رشوت پیش کی جاتی تھی۔ اس رات جو حسن و شباب کا نشہ چھایا تھا وہ ابھی تک ٹوٹا نہیں تھا۔ ان تصویروں کو دیکھ کر ہرن ہوگیا تھا۔



جب وہ بولے تو انہیں اپنی آواز بہت دور سے آتی، ویران اور کھوکھلی سی محسوس ہوئی۔ "ان تصویروں اور نیگیٹوز کی کیا قیمت چاہئے؟"

"یہ میرے لئے نادر اشیاء ہیں.........." وہ تمسخر آمیز سنجیدگی سے بولا۔ "ایک ایسا خزانہ ہے جس کے پانے کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس خزانے کو میں اپنے پاس سنبھال کر رکھوں گا۔ اس کی جان سے زیادہ حفاظت کروں گا۔ اسے آپ کی نشانی اور تحفہ سمجھوں گا۔ میں صرف اتنا چاہوں گا کہ آپ میری راہ کا پتھر نہ بنیں۔ ہم دونوں مل بانٹ کر کھائیں۔ اسی میں ہماری بقا ہے اور مستقبل ہے۔ میں آپ کو چالیس فیصد نہایت ایمانداری سے پہنچا دوں گا.......... مگر اعوان صاحب سے جو سات لاکھ وصول کروں گا میں اس میں سے آپ کو سات روپے بھی نہیں دوں گا۔ کیونکہ مجھے آپ سے اور اعوان صاحب سے جو اذیت ہوئی، تکلیف پہنچی یہ اس کا جرمانہ ہے۔ سر! اجازت ہے۔"

اویس ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکا۔ وہ تینوں تصویریں ان کی میز پر چھوڑ کر نکل آیا۔ وہ یہ تصویریں بڑے صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے رکا ہوا تھا۔ اس نے بڑے صاحب کو سیدھا کر دیا تھا۔ بڑے صاحب ہی کو نہیں ہر بڑے آدمی کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ بڑے صاحب اب اس کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے ہیں۔ اب وہ اس کی مٹھی میں آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ پورے سات لاکھ روپے بھی ایک دن میں اس کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوجائیں گے۔ وہ اس بات سے بڑا سرشار ہو رہا تھا کہ اس نے پہلی بار کسی کو بلیک میل کیا اور کامیاب رہا۔

وہ اپنے کمرے میں پہنچ کر سات لاکھ روپے پانے کی خوشی میں دیوانہ وار رقص کرنے لگا۔ پھر چند لمحوں کے بعد کرسی پر بیٹھ گیا۔ اعوان صاحب ایک ایسا شکار تھے اور اس کے جال میں اس بری طرح پھنسے ہوئے تھے کہ اس کی منہ مانگی رقم دے کر ہی نکل سکتے تھے۔ پھر اس نے سوچا کہ بڑے صاحب کو وہ چالیس فیصد کیا چار فیصد بھی نہیں دے گا۔ وہ نہیں دے گا تو اس کا کیا بگاڑ لیں گے۔ اب تو ان کی نوکری اور عزت اس کی مٹھی میں ہے۔

پھر اس کے تصور میں نورین کا چہرہ اور سراپا لہرانے لگا۔ وہ اس کے رنگین شباب کے تصور میں کھویا ہوا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف شہزاد تھا۔ اس نے شہزاد سے سہ پہر کے وقت صدر کے ریسٹورنٹ میں ملنے کا وقت طے کرلیا۔ وہ اس وقت بھی اٹھ جاتا۔ چونکہ ایک شکار دس ہزار روپے لے کر آنے والا تھا اس لئے اسے اس کا انتظار تھا۔

اس نے تین بجے کا وقت دیا ہوا تھا۔

وہ شخص دو بجے ہی آ گیا۔ دس ہزار روپے دے کر تھوڑی ہی دیر میں چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر کے بعد شاہ جی نے اس کے کمرے میں آکر اطلاع دی کہ ایک خاتون جو اپنا نام نہیں بتا رہی ہیں آپ سے ملنے کے لئے آئی ہیں۔ کسی کے آنے پر اسے کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔ کیونکہ کبھی کبھی عورتیں بھی اس سے معاملات طے کرنے کے لئے آجاتی تھیں۔ اس نے شاہ جی سے کہا کہ وہ انہیں اندر بھیج دے۔

چند لمحوں کے بعد ایک برقع پوش عورت کمرے میں داخل ہوئی تو اس کا کمرہ مہک اٹھا تھا۔ اس نے اپنا نقاب الٹا تو وہ حیرت اور غصے سے اچھل پڑا تھا۔ ثمرین اس کی نظروں کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی فاتحانہ چمک تھی۔

"ثمرین..........! تم..........؟" اس نے ثمرین کو غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم سے کس نے کہا تھا کہ میرے دفتر میں مجھ سے ملنے آؤ.......... تم نے.........."

"میں اس لئے آئی ہوں کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔" وہ درمیان میں اس کی بات کاٹ کر بولی۔ "کیا یہ کوئی خراب جگہ ہے؟ یہاں عورتیں ملنے کے لئے نہیں آسکتی ہیں؟"

"تم بیوی ہو یا عیار عورت ہو۔" وہ برافروختہ ہوگیا۔ "تم نے اس روز مجھے چکمہ کیوں دیا؟ ساتھ نہیں چلنا تھا تو انکار کر دیا ہوتا۔"

"آپ کی پیاری بیوی آپ سے ملنے کے لئے آئی ہے۔ پہلی بار آپ کے دفتر آئی ہے۔ آپ اس سے بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہیں گے..........؟"

"تمہیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بیٹھ سکتی ہو۔ میں نے تمہیں بیٹھنے سے منع تو نہیں کیا ہے۔ چلو بیٹھو!" وہ تیزی سے بولا۔

"شکریہ.........." وہ کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی پھر پرس میز پر رکھ دیا اس نے برقعے کے نقاب والے حصے کی ڈوری کھینچی اور اسے آہستہ سے اتار دیا۔ پھر اس کے ریشمی سیاہ بال اچانک آزاد ہوکر اس کے چہرے اور شانے پر بکھر گئے۔ "سخت گرمی میں آرہی ہوں۔ ایک گلاس ٹھنڈا پانی تو پلا دیں۔"

اویس نے منہ بناتے ہوئے گھنٹی کا بٹن دبایا اور آہستگی سے مگر سخت لہجہ میں بولا۔ "یہاں بیوی کی حیثیت سے تعارف کرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

شاہ جی کمرے میں داخل ہوئے۔ اس نے ثمرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میری کزن ہیں۔ ان کے لئے ٹھنڈا پانی لے آئیں۔"



شاہ جی نے اس کی طرف دیکھا پھر وہ ٹھنڈے پانی کی جگہ کولڈ ڈرنک لے آئے جو اس کے مہمانوں کے لئے ہوتی تھی۔ وہ چلے گئے تو اویس نے سخت لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ تم نے اس روز میرے ساتھ فراڈ کیوں کیا.......... آج تم کس لئے میرے دفتر آئی ہو؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے جو میں آپ کو کسی اور وقت سناؤں گی۔" ثمرین نے ٹھنڈے مشروب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "میں دوسرے دن آپ کے فلیٹ پر آپ سے ملنے آئی تھی بلکہ ٹھہرنے کے لئے آئی تھی۔ آپ کا فلیٹ بند تھا۔ چوکیدار نے بتایا کہ کچھ دنوں سے میاں بیوی نظر نہیں آرہے ہیں۔ صرف صاحب دن میں دکھائی دیئے تھے۔ شام کی ڈیوٹی والا چوکیدار بتا سکتا ہے کہ وہ رات کو کب اور کس وقت آتے ہیں؟"

"تو تم میرے بارے میں تحقیقات کرنے گئی تھیں..........؟ اس نے میرے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ایک اور اویس صاحب ہیں وہ تیسری منزل پر رہتے ہیں۔ اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ تم یہاں کس لئے آئی ہو؟ کیا پروگرام بنا کر آئی ہو۔ کیا ساتھ چل رہی ہو؟"

"میں آپ کے بارے میں کیوں اور کس لئے تحقیقات کروں گی۔" ثمرین سنجیدگی سے کہنے لگی۔ "آپ جیسے بھی ہیں۔ جو بھی ہیں۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میرے لئے یہ اعزاز ہے کہ آپ میرے شوہر ہیں۔ میں آپ کے پاس اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک میری امی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوجاتی ہیں۔ اس روز میں ان کی بیماری کی وجہ سے آپ کو اپنے گھر نہیں لے جاسکتی تھی۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ میری اس حرکت کی وجہ سے آپ کو زحمت اٹھانا پڑی۔"

"ذرا آہستہ بولو.......... دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ دفتر میں یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ میں غیر شادی شدہ ہوں۔ تمہیں چلنا نہیں ہے تو کس لئے آئی ہو؟"

"مجھے دس ہزار روپے کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ امی کو علاج معالجے کے لئے پرائیویٹ اسپتال میں داخل کرانا ہے۔ آپ جانتے ہیں علاج اور اسپتال میں کس قدر خرچ آتا ہے۔ ڈاکٹروں کی فطرت قصابوں کے جیسی ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ کمرشل ہوگئے ہیں۔ ایک غریب آدمی پرائیویٹ اسپتالوں میں اپنا علاج نہیں کرا سکتا ہے۔"

"نہیں.......... میں دس ہزار روپے تو کیا تمہیں دس روپے اس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم مجھے اپنے گھر اپنی امی سے ملانے نہیں لے جاؤ گی۔" وہ سفاکی سے

بولا۔

"میں اس لئے نہیں لے جاسکتی کہ وہ دل کی مریض ہیں۔ آپ کو دیکھ کر انہیں غصہ آجائے گا جو دل کے دورے کا سبب بھی بن سکتا ہے۔" ثمرین بولی۔

"اب مجھے تم پر کوئی بھروسا نہیں رہا ہے۔ تم جو تین برس پہلے چوٹ دے گئی تھیں میں اسے اب تک نہیں بھولا ہوں۔ تم اس وقت آنا جب تمہاری امی صحت یاب ہوجائیں۔"

"آپ مجھے ٹیڑھی انگلی سے گھی نکالنے پر مجبور کر رہے ہیں میرے سرتاج!" ثمرین کے چہرے پر برہمی کے آثار تھے۔

"کیا تم دفتر والوں کو بتاؤ گی کہ تم میری بیوی ہو؟"

"نہیں.......... آج ابھی نہیں بتاؤں گی۔" ثمرین نے جواب دیا۔ "میں یہاں سے سیدھی اپنی ساس کے پاس جاؤں گی۔ وہ اپنی سمدھن کے علاج کے لئے دس ہزار کی رقم خوشی سے دے دیں گی۔"

"تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم میری بیوی ہو..........؟ تم کس منہ سے ان کے پاس جاؤ گی..........؟ میرے گھر والے تمہیں دھکے دے کر نکال دیں گے۔"

"ثبوت.........." ثمرین کے لبوں پر تمسخر پھیل گیا۔ اس نے اپنے پرس سے نکاح نامے کی فوٹو اسٹیٹ نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ "آپ نے اس روز مجھ سے کہا تھا کہ مجھے نکاح نامہ چاہئے تاکہ گھر والوں کو ہموار کرسکوں اس لئے میں لائی تھی۔ یہ کاپی ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے؟"

"دو سو روپے میں دس جعلی نکاح نامے بن جاتے ہیں۔ اسے جھٹلانا کون سا مشکل ہے۔ یہ کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہوا..........؟" وہ استہزائی لہجے میں بولا۔

"میرے پاس ٹھوس ثبوت ایسا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں جھٹلا سکتی ہے۔ اس کی آپ کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہے۔"

"ثمرین! بہتر ہے تم یہاں سے چلی جاؤ۔ تمہارے دل میں جو حسرت ہے وہ پوری کرلو۔ میں تمہارے دھمکانے میں آنے والا نہیں ہوں۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں ایک ثبوت لائی ہوں جو آپ کے گھر والوں کے لئے سرپرائز ہے۔ اسے آپ اپنے پاس رکھ سکتے ہیں۔ یہ ایک یادگار چیز ہے۔"

ثمرین نے اپنے پرس سے ایک البم نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ اویس نے



حیرت سے البم لے کر دیکھا۔ اسے دیکھ کر اس طرح اچھل پڑا جیسے اس کے ہاتھ میں دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا گیا ہو۔ یہ اس کی اور ثمرین کی شادی کی تصویریں تھیں۔ اسے یاد آیا کہ ثمرین کے ایک کزن نے شادی کے موقع پر ان دونوں کی تصویریں کھینچی تھیں۔ اس نے منع بھی کیا تھا۔ پھر اس نے ثمرین کے کزن سے کہا تھا کہ وہ فلم رول دے دے۔ وہ تصویریں دھلوا دے گا۔ رخصتی سے تھوڑی دیر قبل اسے فلم رول دے دیا گیا تھا جو اس نے گھر پہنچ کر باہر پھینک دیا تھا۔ ثمرین کا کزن بھی ایک نمبری تھا۔ اسے دوسرا رول دے دیا تھا۔ اسے اس ریاکاری کی توقع نہیں تھی۔ اس البم میں کل بارہ عدد تصویریں تھیں۔ یہ ایسی تصویریں تھیں کہ انہیں جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔

ثمرین نے اس کے ہاتھ سے البم اچک کر اپنے پرس میں رکھ لیا پھر وہ نقاب والا حصہ پہنتی ہوئی بولی۔ "میں اپنی ساس سے ملنے جارہی ہوں۔"

"مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم ماں بیٹی اس قدر چال باز قسم کی عورتیں ہو۔" وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ پھر اس نے جیب سے وہ لفافہ نکالا جس میں دس ہزار کی رقم ہزار ہزار کے نوٹوں کی صورت میں تھی جو تھوڑی دیر پہلے ہی ایک شکار دے گیا تھا۔ وہ اس کی طرف لفافہ بڑھاتے ہوئے بولا۔ "اتفاق سے یہ رقم کچھ دیر پہلے ایک دوست دے گیا تھا۔ تم یہ رکھ لو اور چل پڑو۔ جب تمہاری امی صحت یاب ہوجائیں تب مجھ سے رابطہ قائم کرلینا۔"

ثمرین روپے اپنے پرس میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر اس کے پاس آئی۔ اسے خود سپردگی کی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "شوہر ہو تو ایسا ہو.......... آپ کتنے اچھے ہیں۔ آج بھی آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ امی کے صحت یاب ہوتے ہی میں آپ کے فلیٹ پر چلی آؤں گی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

ثمرین اس کے رخسار پر یک لخت بوسہ ثبت کرکے نکل گئی۔ وہ دیکھتا رہ گیا۔ اگلے لمحے اسے خیال آیا کہ ثمرین کا تعاقب کرکے اس کا گھر دیکھ لینا چاہئے۔ یہ ناگن بن گئی ہے۔ وہ نکاح نامے اور ان تصویروں کی بدولت اسے بار بار ڈستی رہے گی۔ اسے تگنی کا ناچ نچاکر چھوڑ دے گی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکا جو سڑک کی طرف کھلتی تھی۔ ثمرین فٹ پاتھ پر کھڑی خالی رکشا دیکھ رہی تھی۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا کمرے میں آگے پیچھے چار دراز قد آدمی اندر داخل ہوئے جن کے چہروں پر وحشت آمیز خشونت تھی۔ جن کی مونچھوں اور چہروں نے انہیں خوفناک بنا دیا

تھا۔ ان کی آنکھوں سے وحشیانہ پن جھانک رہا تھا۔ ان کے پیچھے وہ شکار تھا جو اسے تھوڑی دیر پہلے دس ہزار روپے دے گیا تھا۔

یہ چھاپہ مار ٹیم تھی۔ اس نے فوراً ہی تاڑ لیا تھا۔ اس نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ سکون و اطمینان کا گہرا سانس لیا۔ ثمرین کی وجہ سے وہ بال بال بچ گیا تھا۔ ثمرین نہ آتی اور وہ اسے دس ہزار کی رقم نہ دیتا تو رنگے ہاتھوں دھر لیا جاتا۔ ثمرین اس کے لئے محسن ثابت ہوئی تھی۔ اس کی عزت اور ملازمت بھی بچ گئی تھی۔

اس چھاپہ مار ٹیم نے پہلے تو اس کی جامہ تلاشی لی۔ اس کے بٹوے میں تین ہزار چھ سو روپے تھے۔ اس میں دس، سو اور پانچ سو روپے کے نوٹ تھے۔ ہزار کا ایک نوٹ بھی نہیں تھا۔ اس شکار نے اسے جو نوٹ دیئے تھے وہ ہزار ہزار کے تھے اور ان پر چھاپہ مار ٹیم کے افسر نے مخصوص نشان لگایا ہوا تھا۔ پھر اس ٹیم نے میز کی ایک ایک دراز اور کمرے کی تلاشی لے لی۔ پھر بھی انہیں خفت اٹھانا پڑی۔ وہ بغیر ثبوت کے اس پر ہاتھ ڈال نہیں سکتے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد چھاپہ مار ٹیم اس کے دفتر سے نکل کر چلی گئی تو اس نے اپنے شکار کے دفتر فون کیا۔ شکار کے پارٹنر نے ٹیلی فون ریسیو کیا تھا۔ اویس نے کہا۔ "شمشاد صاحب سے کہنا کہ پرانے بل پاس کرانے اور نیا کام لینا ہو تو تین لاکھ روپے لوں گا۔ انہوں نے میرے خلاف رپورٹ کرکے اچھا نہیں کیا ہے۔"

جب وہ شہزاد سے ملنے کے لئے دفتر سے نکلا اور نیچے آیا تو اسے چھاپہ مار ٹیم کے دو آدمیوں نے روک لیا۔ پھر اس کی جامہ تلاشی لی پھر وہ اس سے معذرت کرکے چلے گئے۔ اس کے ساتھ تین برس پہلے ایسا واقعہ پیش آیا تھا۔ قسمت نے اس کا ساتھ دیا تھا جس میں بال بال بچ گیا تھا۔

وہ ریسٹورنٹ پہنچا تو شہزاد پہنچ چکا تھا اور ایک میز پر بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ اس نے چھوٹتے ہی شہزاد سے پوچھا۔ "کون سی خاص بات ہے جو تم مجھے بتانا چاہتے ہو؟"

"بہت ہی بہت خاص بات ہے۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نورین تم پر ہزار جان سے عاشق ہوگئی ہے۔ وہ تم سے دوبارہ ملنا چاہتی ہے۔"

"کیا تمہیں پورے شہر میں صرف میں ایک ہی شخص بے وقوف ملا ہوں۔ یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ وہ مجھ پر نہیں میری جیب پر مرمٹی ہے۔"

"نہیں یار! یہ حقیقت ہے کہ وہ تم پر فریفتہ ہوگئی ہے۔" شہزاد سنجیدہ ہوگیا۔ "اس



میں رنگ آمیزی یا مبالغہ بالکل بھی نہیں ہے۔ قسم لے لو..........."

"شہزاد! تم یہ بات مجھ سے اچھی طرح جانتے ہو کہ نورین جیسی قماش کی عورتوں کی محبت مرد کی حیثیت سے مشروط ہوتی ہے۔"

"ہاں.......... یہ حقیقت ہے.......... نورین جو تم پر فدا ہوگئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم بہت خوبصورت ہو۔ تم میں بلا کی مردانہ وجاہت ہے۔"

"اچھا.......... اچھا.......... میری زیادہ تعریف مت کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے نظر لگ جائے۔ میں بڑا توہم پرست واقع ہوا ہوں۔" اویس ہنستے ہوئے بولا۔

"میں تمہاری جھوٹی تعریف نہیں کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ تمہیں مکھن لگاؤں۔ تم میرے محسن بھی ہو۔ تم پہلے مرد ہو جس نے نورین جیسی پری چہرہ کو متاثر کیا۔ وہ تمہاری محبت میں گرفتار ہوگئی ہے۔ تمہیں اس حقیقت کو قبول کرلینا چاہئے کہ یہ بالکل سچ ہے۔ جھوٹ نہیں ہے۔"

"نورین کی زندگی میں مردوں کی کبھی کمی نہیں رہی ہے۔" اویس بولا۔ "اس کا ایک رات ایک ملاقات میں مجھے پسند کرلینا تعجب خیز نہیں ہے کیا؟"

"اس کی زندگی میں جتنے مرد آئے وہ راتیں کالی کرنے.......... ان میں شاید کوئی پچاس برس سے کم کا ہو۔ ساٹھ، پینسٹھ اور ستر برس کے مردوں سے بھی اس کا واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ بڑے بوڑھے ہی نورین جیسی عمر کی لڑکیوں کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ان کی منہ مانگی قیمت دیتے ہیں۔ جوان مرد کم ہی اتنا خرچ کرتے اور اٹھاتے ہیں۔ وہ تم سے صرف ملنا چاہتی ہے۔ اس کے لئے کوئی مطالبہ اور شرط نہیں ہے۔ تم نے اس پر جادو کر دیا ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر میں کہنا چاہوں گا میں تم سے نورین کے سلسلے میں ملنا اور بات کرنا چاہتا تھا۔ اتفاق سے تمہارا ٹیلی فون آگیا۔ تمہاری باتوں سے یہ پتا چلا کہ وہ میری محبت کی آگ میں جل رہی ہے۔ میں بھی جل رہا ہوں۔ اس نے واقعی مجھ پر جادو کر دیا.......... کیا عورت ہے۔" اویس نے کہا۔

"تم ایسا کرو، کل رات اسے ہوٹل شیرٹن میں ڈنر پر مدعو کرلو۔ تم وقت دو تو وہ وہاں پہنچ جائے گی۔ میں اسے ڈنر کی خبر کردوں گا۔"

"میں روز روز کی ملاقاتوں کے بجائے اسے ہروقت ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ سدا کے لئے اپنانا چاہتا ہوں۔ اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا.......... تم نورین سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" شہزاد چونک کر بولا۔ پھر اس نے اپنا سر ہلایا۔ "نہیں دوست! اس سے شادی کرنا بہت مشکل ہے۔"

"شادی کرنا کس لئے مشکل ہے؟" وہ حیرانی سے بولا۔ "جب اسے مجھ سے محبت ہوگئی ہے تو شادی کرکے اس محبت کی لاج رکھ لے۔"

"اس لئے کہ اس بات کو آنٹی نہیں مانے گی کیونکہ وہ سونے کا انڈہ دینے والی مرغی ہے۔ وہ ہزاروں کی آمدنی کو لات مارنے سے رہی۔"

"میں بھی اس بات کو سمجھتا ہوں۔ مگر تم میری طرف سے بات کرکے کوشش کرکے دیکھو۔ بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟"

"تم کہتے ہو تو میں بات کرکے دیکھتا ہوں۔ اپنی طرف سے پوری کوشش بھی کرتا ہوں۔ بالفرضِ محال آنٹی تیار ہو بھی گئی تو اس کی شرائط بڑی سخت ہوں گی۔"

"اس کی کیا شرائط ہوں گی.........؟" اویس نے کہا۔ "تمہیں اس کا اندازہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں تمہاری ایک ڈیڑھ برس سے آمدورفت ہے۔ تم ان سے بہت قریب بھی ہو۔"

"یہ تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں.......... کیونکہ یہ بہت ہی شاطر اور ریاکار قسم کی عورت ہے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ تم نورین سے شادی نہ کرو۔"

"میں نے نورین سے شادی کرنے کا فیصلہ بہت سوچ بچار کے بعد کیا ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ اس نے ایک ہی دن مجھے کس قدر متاثر کیا ہے۔"

"میں ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں یہ مشورہ دوں گا کہ تم نورین سے شادی کرنے کے چکر میں مت پڑو۔ اسے ہفتے یا مہینے میں دو تین بار بک کرلو تو یہ زیادہ مناسب رہے گا۔ شادی کرنے کے بعد تم آنٹی کے جال میں پھنس جاؤ گے۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اپنی تنظیم کی لڑکیوں کی شادی کرانے کے بعد وہ کس طرح کس ذریعے اور کن بہانوں سے ان کے شوہروں کو لوٹ رہی ہے۔ کہیں یہ صورتِ حال تمہارے ساتھ پیش نہ آئے۔ آنٹی اور رانی دونوں ہی بے رحم ہیں۔"

"میرے سر پر نورین سے شادی کرنے کا جو بھوت سوار ہوچکا ہے' وہ شادی کئے بغیر اترنے کا نہیں ہے تم فکر نہ کرو میں رانی اور آنٹی سے نمٹ لوں گا۔"

☆=====☆=====☆

شہزاد ریسٹورنٹ سے نکل کر سیدھے آنٹی کے ہاں جا پہنچا۔ آنٹی کی کوٹھی کے وسیع



وعریض لان میں اتفاق سے نورین' آنٹی اور رانی بیٹھی ہوئی چائے پی رہی تھیں۔ ایک کرسی خالی پڑی تھی۔ وہ خالی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ آنٹی نے رسمی انداز سے پوچھا۔ "کیا خبریں ہیں؟"

"میں ایک بالکل نئی اور تازہ خبر لایا ہوں۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نورین کے لئے ایک بہت اچھا رشتہ ہے.........."

"جب شادی نہ کرنا ہو تو رشتے بھی آنے لگتے ہیں۔" رانی استہزائی لہجے میں بولی۔

"رشتہ سندھ کے وڈیرے کا ہے یا پنجاب کے جاگیردار کا؟"

"ان دونوں میں کسی کا نہیں ہے بلکہ ایک بہت ہی خوبصورت اور جوان مرد کا ہے۔ اتنا اچھا رشتہ ملنا بہت مشکل ہے۔" شہزاد بولا۔

"اس کی عمر اور خوبصورتی کا اچار ڈالو۔ پہلے اس کی مالی حیثیت اور آمدنی کا ذریعہ بتاؤ۔ وہ کہاں رہتا ہے؟ کتنی جائیداد ہے؟" آنٹی نے پوچھا۔

"وہ ایک سرکاری افسر ہے۔ اس کی مالی حیثیت بہت مضبوط اور مستحکم ہے۔ اس کی بالائی آمدنی کم سے کم ایک ڈیڑھ لاکھ روپے ہے۔ اس کے دو گھر ہیں۔ ایک میں تو اس کی ماں اور بہن بھائی رہتے ہیں۔ دوسرا اس کا اپنا ایک انتہائی خوبصورت اور نہایت آراستہ و پیراستہ فلیٹ ہے۔ کچھ دنوں پہلے نورین اس کے فلیٹ پر اس کے ساتھ رات گزار کر آئی ہے۔ اس کا نام اویس ہے۔ اس نے نورین کو پانچ ہزار کی ٹپ بھی دی تھی۔ ولایتی شراب کا اہتمام بھی کیا تھا۔"

"اویس صاحب!" نورین اس کا نام سن کر خوشی سے پھولی نہیں سمائی۔ "وہ بہت اونچی چیز ہے۔ اس کے پاس بڑا مال ہے۔ بہت خوبصورت بھی ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ہمیں نورین کی شادی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔" رانی نے کہا۔ "اس نیک کام میں دیر کرنا کیا اچھا ہوگا؟"

"دو ایک دن میں سوچ کر فیصلہ کرکے بتا دیں۔" شہزاد نے کہا۔ "اس وقت لوہا گرم ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ادھر سے ناامید ہو کر کہیں اور چلا جائے۔"

"وہ نورین جیسی شہزادی کو چھوڑ کر کدھر جا سکتا ہے۔" رانی تکبر سے بولی۔ "نورین نے اس پر جو جادو کیا ہے۔ وہ اب اترنے سے رہا۔"

"لیکن یہ بات آپ لوگ سوچ لیں کہ وہ حسن پرست ہے۔ اس کے پاس روپے پیسے کی کمی نہیں ہے۔ تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔" شہزاد نے کہا۔

"اس وقت نورین جیسی ماڈل گرل پورے شہر میں کیا پورے ملک میں نہیں ہے۔ وہ اس کی زلف کا اسیر ہوگیا ہے۔ کہاں جائے گا؟" رانی نے کہا۔

"رانی صاحبہ! آپ کسی خوش فہمی میں نہ رہیں۔" شہزاد نے کہا۔ "اس وقت دو لڑکیاں کمرشلز میں بڑی تیزی سے ابھر رہی ہیں۔ نادیہ اور حسنہ.........."

"شہزاد ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" آنٹی کہنے لگی۔ "ہمیں خود فریبی کا شکار نہ ہونا چاہئے۔ حسنہ اور نادیہ کی وجہ سے نورین کو کمرشل کم ملنے لگے ہیں۔ یہ تشویش کی بات ہے۔ اس کے علاوہ مہینے میں اس کے دس بارہ قدر دان ہوتے تھے۔ ان کی تعداد گھٹ گئی۔ اس مہینے صرف چار راتیں اس کی بک ہوئی ہیں۔ نادیہ اور حسنہ کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے۔ اس بار جو غیرملکی مہمان آئے تو حسن کاظمی نے نورین کے بجائے حسنہ، نادیہ اور درخشاں کو پیش کردیا۔"

"اس کی شہرت اور مانگ میں غیر معمولی انداز سے کمی ہوتی جارہی ہے۔ فلم ساز اور ٹیلی ویژن والے بھی تو دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔" شہزاد نے کہا۔ "اس سے پہلے کہ نورین کی شہرت ماند پڑ جائے، شادی کردی جائے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ اویس سے ہو۔ کسی وڈیرے سے بھی ہوسکتی ہے۔"

"میں اویس کو کسی وڈیرے پر ترجیح دوں گی۔" نورین بولی۔ "کیوں کہ وڈیرے سے رقم نکالنا مشکل ہوتا ہے۔ بلیک میل کرنے کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ پھر اندرونِ سندھ جاکر مجھے زندگی گزارنا ذرا بھی پسند نہیں ہے۔ اویس سے شادی ہونے کی صورت میں کراچی میں تو رہوں گی۔"

"چلو.......... ہم اویس کا رشتہ منظور کرلیتے ہیں۔" آنٹی بولی۔ "لیکن کیا وہ ہماری شرائط پوری کرے گا؟ تم نے اسے کچھ شرائط بتائیں؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ آپ کی شرائط پوری کردے گا۔ میں آپ سے پوچھے بغیر اسے کون سی شرائط بتاتا؟ آپ کی شرائط کیا ہیں بتادیں۔"

"تم اویس کو ہم سے بہتر جانتے ہو۔" آنٹی نے کہا۔ "تم بتاؤ کہ اس کے سامنے کیسی شرائط رکھی جائیں؟ وہ کس مزاج کا شخص ہے؟"

"میں شرائط کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ ایسی شرائط رکھیں کہ وہ بدک نہ جائے۔ وہ اچھے مزاج کا شخص ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"میں اس سے اب تک ملی بھی نہیں ہوں۔ اس کی شکل تک نہیں دیکھی۔ صرف



تم نے اور نورین نے دیکھا ہوا ہے۔ آدمی سامنے ہو تو اسے مدِ نظر رکھتے ہوئے شرائط بتائی جاتی ہیں۔ اسے دیکھنا، پرکھنا، ٹٹولنا اور تولنا پڑتا ہے۔ پھر کہیں جاکر بات بنتی ہے۔" آنٹی نے کہا۔

"ایک بات اور بھی دیکھنا پڑتی ہے کہ کیا وہ اس قابل ہے کہ اسے دولت مند سمجھا جائے۔"

"ایک رشوت خور افسر کے پاس اتنی دولت ہوتی ہے کہ ہم آپ تصور نہیں کرسکتے ہیں۔" شہزاد بولا۔ "وہ سونے کی کان سے سونا نکالتا ہے۔ وہ تقریباً روز ہی سونا نکالتا ہے۔ وہ نورین کو ایک شہزادی کی طرح رکھ سکتا ہے۔ وہ اس کا غلام بن کر ساری زندگی خدمت کرتا رہے گا۔"

"تم اسے کل شام یہاں لے آؤ۔" آنٹی نے کہا۔ "میں اسے اپنی شرائط بتاؤں گی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کتنے پانی میں ہے؟"

"اویس صاحب نورین کو کل رات ڈنر پر مدعو کرنا چاہتے ہیں۔ کل وہ یہاں نورین کو لینے آئیں گے تو آپ ان سے کھل کر بات کرلیں۔"

☆=====☆=====☆

دوسرے دن شام کے وقت اویس، شہزاد کے ہمراہ آنٹی کے ہاں پہنچ گیا۔ چونکہ اسے نورین کو اپنے ہمراہ ڈنر پر لے جانا تھا اس لئے اس نے ایک پارٹی کو ٹیلی فون کر کے اس کی گاڑی منگوا لی جو نئے ماڈل کی مرسیڈیز تھی۔ آج وہ یوں بھی بہت خوش تھا کہ اعوان صاحب اسے سات لاکھ روپے دے گئے تھے۔ اس نے بڑے صاحب کو ٹھینگا دکھا دیا تھا اور پھر اس شخص نے جو چھاپہ ڈلوایا تھا اس نے دو لاکھ کی رقم اس کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرا دی تھی۔ اس کے دو بینکوں میں اکاؤنٹ تھے اور پھر آنٹی نے اسے نورین سے شادی کے بارے میں بات کرنے کے لئے بلایا تھا۔

اویس وہاں پہنچا تو نورین، رانی اور آنٹی نے اس کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ نورین کالی ساڑی اور بغیر بازوؤں کے بلاؤز میں تھی۔ اس لباس میں نہ صرف اس کی جوانی قیامت کی ہوگئی تھی بلکہ اس کا سراپا اسے مسحور کئے دے رہا تھا۔

اس روز اس نے نورین کو فتح کیا تھا۔ قدرتی لبادے میں بھی دیکھا تھا لیکن عورت کا اصل حسن تو لباس سے ہی نکھرتا ہے۔ نورین کے اس روپ نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ نورین کے حسن کے ان گنت روپ تھے۔ اس کا روپ اسے بہت حسین اور رنگین دکھائی دیا تھا۔

رسمی باتوں کے بعد آنٹی نے اس سے کہا۔ "مسٹر اویس! آپ جانتے ہیں کہ اس وقت نورین نے شوبز کی دنیا میں دھوم مچا رکھی ہے۔ عزت، شہرت اور دولت سے وہ مالا مال ہو رہی ہے۔ ایسے میں اس کی شادی کرنا حماقت ہے۔ مگر چونکہ آپ اس سے محبت کرنے لگے ہیں۔ وہ بھی آپ کو بہت پسند کرنے لگی ہے لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ شادی کرنے کے بعد اس سے آپ ساری زندگی نباہ کرتے رہیں گے؟ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ شوبزنس کی کوئی لڑکی شادی کرتی ہے تو کچھ عرصے کے بعد مرد اسے اپنی زندگی سے نکال پھینکتے ہیں جیسے وہ دودھ میں گری مکھی ہو۔"

"آپ مجھ سے کس قسم کی ضمانت چاہتی ہیں؟" اویس نے پوچھا۔ "میں نورین سے



شادی نباہ کرنے کے لئے کر رہا ہوں۔ وقت گزاری یا دل بستگی کے لئے نہیں۔ ایسی بات ہوتی تو مجھے شادی کے جنجال میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب ضرورت محسوس کرتا میں انہیں طلب کر لیتا۔"

"میں ضمانت چاہتی ہوں کہ آپ حق مہر دو لاکھ روپے رکھیں۔ منہ دکھائی میں اسے ایک نئی گاڑی دیں۔ اس کے علاوہ آپ اسے جیب خرچ دس ہزار روپے ماہانہ دیں گے۔ وہ جو شاپنگ کرنا چاہے گی اس کی رقم الگ ہوگی۔ ہر سال اسے آپ سیر و سیاحت کے لئے تفریحی مقامات پر لے جائیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" اویس زیرِ لب مسکرا دیا۔ "لیکن میری بھی ایک شرط ہے۔ اس شرط پر نورین کو سختی سے عمل کرنا ہوگا۔"

"کیسی شرط.........؟" رانی نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "آپ شاید یہ چاہتے ہیں کہ وہ کمرشلز میں کام نہ کرے۔ یہی شرط ہے نا؟"

"مجھے نورین کے کمرشلز میں کام کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میری طرف سے پوری اجازت ہوگی۔ میں اتنا چاہوں گا کہ وہ مجرا وغیرہ نہیں کریں گی۔ نہ اپنی راتیں فروخت کریں گی۔ میں حق مہر کی رقم تین ماہ کے بعد ادا کروں گا۔ کیونکہ میں نے بیس لاکھ کی رقم فکس ڈیپازٹ میں رکھی ہوئی ہے۔ اگر میں نے اس میں سے رقم نکال لی تو میرا منافع مارا جائے گا۔ گاڑی بھی تین ماہ کے بعد ہی لے کر دوں گا۔ تین ماہ صبر کرنا ہوگا۔" اویس نے کہا۔

اویس نے صاف جھوٹ بولا تھا۔ اس لئے کہ اسے آنٹی پر بھروسا نہیں تھا۔ وہ تین ماہ تک یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ نورین اس کے ساتھ کس طرح چلتی ہے۔

"آپ کی یہ شرط منظور ہے۔" آنٹی بولی۔ "جب تک آپ نئی گاڑی لے کر نہیں دیتے اس وقت تک یہ گاڑی اسے استعمال کرنے دیں۔"

"یہ گاڑی میری نہیں بلکہ میرے ایک دوست کی ہے۔ میں تو اپنی موٹر سائیکل پر دفتر آتا جاتا ہوں۔ میرے پاس کوئی گاڑی نہیں ہے۔"

"تو کیا آپ نورین کو موٹر سائیکل پر لے کر گھومیں گے؟" رانی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "وہ مر جائے گی موٹر سائیکل پر نہیں بیٹھے گی۔"

"نہیں......... میں انہیں کوئی پرانی لیکن اچھی حالت کی گاڑی لے کر دے دوں گا۔ ہم دونوں اسی گاڑی میں کہیں بھی آیا جایا کریں گے۔"

"آپ نے نئی یا پرانی گاڑی اب تک کیوں نہیں خریدی؟ موٹر سائیکل کیوں استعمال کرتے ہیں جب کہ آپ کی آمدنی بہت اچھی ہے۔" نورین بولی۔

"اس لئے کہ میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ میں گاڑی خرید لوں تو اعلیٰ افسران کی نظروں میں آجاؤں گا۔ اس لئے اب تک گاڑی نہیں خریدی..........."

کوئی ایک ہفتے کے بعد اس کی شادی نورین سے خفیہ طور پر آنٹی کے ہاں ہوگئی۔ آنٹی بھی کسی وجہ سے اس شادی کو پوشیدہ رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ خود بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس تقریب میں آنٹی نے شہزاد کے علاوہ کسی اور کو مدعو نہیں کیا تھا۔ شہزاد نے وکیل کے فرائض انجام دیئے تھے۔ اویس اپنے ساتھ قاضی صاحب کو لے کر آیا تھا۔ اس نے نکاح نامہ اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔ آنٹی کو نکاح نامے کی کوئی فکر نہ تھی۔

شادی کے دوسرے دن اویس ہنی مون منانے کے لئے نورین کو سوات لے گیا۔ انہوں نے وہاں صرف پندرہ دن سیروسیاحت اور ہنی مون منانے میں صرف کئے تھے۔ اس سے زیادہ دن وہ دونوں باہر نہیں رہ سکتے تھے۔ نورین کے پاس کمرشل تھے جو بڑی مشکل سے اسے ملے تھے۔ حسنہ اور نادیہ کی وجہ سے اسے کمرشل نہیں مل رہے تھے۔ اویس کی غیر حاضری سے دفتر کا کام بھی متاثر ہو رہا تھا۔ اس کے بغیر کئی کام نہیں ہو سکتے تھے۔ اس کا دستخط کرنا بہت ہی ضروری بھی تھا۔ اس کے علاوہ آمدنی کا سیلاب بھی رکا ہوا تھا۔ پندرہ دن کے ہنی مون میں پیسہ پانی کی طرح خرچ ہوگیا تھا۔

کراچی پہنچنے کے تیسرے دن وہ نورین کو کلفٹن لے جارہا تھا۔ ایک چوراہے کے سگنل پر اس نے اپنی گاڑی روکی کیونکہ سرخ بتی جل رہی تھی۔ پھر اس نے ایک برقع پوش عورت کو دیکھا۔ وہ اس کی گاڑی کے سامنے سے گزرتی ہوئی ٹھٹک کر رک گئی۔ نورین اس کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ کسی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ وہ گہرے فیروزی رنگ کی ساڑھی اور میک اپ میں تھی۔ اس کے بدن پر زیورات سجے ہوئے تھے۔ ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی تھی۔

اس عورت نے اویس کے دروازے کی کھڑکی کے پاس آکر اپنے چہرے سے نقاب الٹ دیا۔ اویس اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ "ثمرین! تم؟"

"جی ہاں.......... میں آپ کی پہلی بیوی اور پرانی کنیز ہوں۔ آپ کو نورین سے شادی مبارک ہو۔" وہ بولی تو اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا۔

"تم سے کس نے کہا کہ میں نے نورین سے شادی کی ہوئی ہے۔" وہ ڈھٹائی سے



بولا۔ "یہ میری دوست ہیں۔ یہ جھوٹ ہے میں نے شادی نہیں کی ہے۔"

"آپ نے مجھے کیا بچی سمجھا ہوا ہے؟ آپ پندرہ دن سے دفتر نہیں آرہے تھے۔ اس فلیٹ پر بھی نہیں تھے۔ اپنے گھر میں نہیں تھے۔ شاہ جی نے مجھے بتایا کہ آپ اپنے دوستوں کے ساتھ سوات سیرو تفریح کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ اب راز کھلا کہ آپ ہنی مون منانے گئے ہوئے تھے۔"

"میرے پاس ان فضول باتوں کا وقت نہیں ہے اور نہ ہی میں تم سے بحث تکرار کرنا چاہتا ہوں۔" اویس نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں ہر قیمت پر آپ سے اپنا حق حاصل کرکے رہوں گی میں آپ کی بیوی ہوں۔ یہ مت بھولیں۔ میں کسی اور عورت کو آپ کی زندگی میں آنے اور رہنے نہیں دوں گی۔" وہ زہرخند سے بولی۔

اس وقت سبز بتی جل اٹھی تھی۔ اس کی گاڑی کے پیچھے جو گاڑیاں قطار میں تھیں وہ ہارن بجانے لگیں۔ اس نے اپنی گاڑی آگے بڑھا دی سگنل پار کرنے کے بعد نورین اس سے بولی۔ "لڑکی بہت خوبصورت ہے۔ کیا واقعی یہ آپ کی بیوی ہے یا بکواس کر رہی تھی.........؟"

"کبھی وہ میری بیوی تھی۔" اویس نے جواب دیا۔ "اس نے ایک شخص سے آشنائی کرلی تھی۔ میں نے ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ میں نے اسے معاف کر دیا مگر اس نے مجھ سے طلاق مانگ لی۔ پھر میں نے طلاق دے دی۔ اس کے آشنا نے اسے دو برس تک بغیر شادی کے ساتھ رکھا۔ پھر اسے دھتکار دیا۔ اب اسے پچھتاوا ہو رہا تھا۔ وہ میرے پیچھے پڑگئی ہے کہ میں اسے پھر سے رکھ لوں۔ میں نے اسے طلاق نہیں دی ہے۔"

"ایسی لڑکیاں ہمارے معاشرے میں بہت ہیں جو اپنے پیروں پر کلہاڑی مار کر پچھتاتی ہیں۔ انہیں اپنے کئے کی سزا ملتی ہے۔" نورین بولی۔

دوسرے دن نورین کو وہ آنٹی کی کوٹھی پر ٹیکسی میں چھوڑ کر خود موٹر سائیکل پر اپنے دفتر آگیا۔ اسے پہنچے ہوئے تھوڑی دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ ثمرین اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی اویس کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ ثمرین اس وقت کسی چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔ وہ پرس میز پر رکھ کر نقاب الٹ کر بیٹھ گئی۔ اویس نے پوچھا۔ "تمہاری امی کیسی ہیں؟ کیا تم رقم لینے آئی ہو؟"

"میری امی کو چھوڑیئے.........." وہ تیزی سے بولی۔ "میں رقم لینے نہیں آئی بلکہ یہ پوچھنے آئی ہوں کہ آپ نے میری اجازت کے بغیر شادی کیسے کی ہے؟"

"تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میں نے نورین سے شادی کی ہے؟ میرے پاس تمہارے وہم کا علاج نہیں ہے۔"

"میں نے آج صبح دس بجے آپ دونوں کو فلیٹ سے باہر آتے اور نورین کو ٹیکسی میں سوار کروا کے اسے اس کے میکے چھوڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ وہیں سے دفتر آرہے ہیں۔ کل شام جب میں نے اتفاقاً آپ دونوں کو گاڑی میں دیکھا تو میرے شبہات میں اضافہ ہوگیا تھا۔ دفتر سے پندرہ دن کی چھٹی لینا اور دوستوں کے ساتھ سوات جانے کا بہانہ کرنا مجھے دال میں کالا محسوس ہوا۔ محترمہ گاڑی میں دلہن بنی بیٹھی تھیں۔ آج میرے شبہات کی تصدیق ہوگئی کہ آپ نے اس ماڈل گرل سے شادی کرلی ہے اور ہنی مون منا کر لوٹے ہیں۔ کل شام تک تو میں شک کے تھپیڑے کھاتی رہی تھی۔ آپ نے مجھ سے بے وفائی کی ہے۔ آپ نے میری اجازت کے بغیر شادی کرکے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ آپ پر مقدمہ چل سکتا ہے۔ یہ حدود آرڈیننس کا کیس بنتا ہے۔ اس میں آپ دونوں کو سزا ہوسکتی ہے۔ آپ اس سزا سے بچنا چاہتے ہیں تو نورین کو طلاق دے دیں۔"

"ہاں.......... ہاں.......... میں نے نورین سے شادی کرلی ہے۔ یہ خبر جاکر دنیا کو سنا دو۔ اب بتاؤ.......... تم کیا کرو گی.........." اویس کا پارہ چڑھ گیا۔

"مگر میرا یہ خیال ہے کہ آپ نے اس سے شادی نہیں کی ہے۔ بغیر شادی کے ہنی مون منا کر آئے ہیں۔" ثمرین بولی۔

"میں نے باقاعدہ شادی کی ہے۔ میرے پاس اس کا ثبوت اور نکاح نامہ بھی ہے۔ کیا تم نکاح نامہ دیکھنا چاہتی ہو؟"

"نکاح نامہ میں نہیں بلکہ عدالت دیکھے گی۔ مجھے نکاح نامہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نورین کو طلاق نہیں دیں گے تو میں آپ کو عدالت میں گھسیٹوں گی۔"

"میرے پاس تو نکاح کا ثبوت نکاح نامے کی صورت میں ہے۔" وہ بڑے زور سے ہنسا۔ "تمہارے پاس کیا ثبوت ہے جو تم عدالت میں پیش کرو گی؟"

"میں عدالت میں ثابت کروں گی کہ میرے پاس کیا ثبوت ہے؟ فلیٹ کا چوکی دار گواہی دے گا کہ آپ اور نورین اس فلیٹ میں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں۔ اس چوکیدار کی گواہی کافی ہے۔ یہ ایک ایسا ٹھوس ثبوت ہوگا جسے عدالت نہیں جھٹلائے گی۔"



"چوکی دار کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔ میں اس کی مٹھی گرم کرکے اپنی مرضی کا بیان دلوا دوں گا۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم مجھ سے مت الجھو۔ تم اپنی بیمار ماں کی نگہداشت کرو۔ میرا خیال دل سے نکال دو۔ اس لئے کہ اب تمہارے اور میرے راستے جدا جدا ہیں۔ یہ صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ اس روز تم ڈیڑھ برس کے بعد ملی تھیں۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔ اس ناطے میں نے ساتھ چلنے اور ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے کہا۔ تم مجھے چکر دے کر چلی گئیں۔ اگر تم ایسا نہ کرتیں تو میں نورین سے ہرگز ہرگز شادی نہیں کرتا۔ مگراب میں کسی قیمت پر اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"میں کسی قیمت پر آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔ عدالت میں بلاؤں گی۔ پھر میں دیکھتی ہوں کہ آپ کیسے نورین کو طلاق نہیں دیتے ہیں؟"

"تم کیوں اپنا وقت اور پیسہ برباد کرو گی۔" وہ تمسخر سے بولا۔ "اسے رکھو۔ وہ تمہاری امی کے علاج معالجے کے لئے کام آئے گا۔" اس نے کچھ نوٹ نکال کر اس کے سامنے پھینک دیئے۔

"میں اپنا حق حاصل کرنے کے لئے آپ سے لڑوں گی۔" ثمرین کہنے لگی۔ "اس لئے کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔ میں آپ سے سچی محبت کرتی ہوں۔ آپ میرے مجازی خدا ہیں۔ میں اس روز آپ کے ساتھ اس لئے نہیں گئی کہ آپ نے مجھے فریب دینے کی کوشش کی۔ محبت کا کھیل کھیلا تاکہ میں آپ کو نکاح نامہ دے دوں۔ نکاح نامہ دینے کی صورت میں میرے پاس کوئی ثبوت نہیں رہتا۔ آپ کی باتوں سے فریب کی بو آرہی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اسی وقت آپ کے ساتھ چلی چلتی۔ آپ کی داسی بن کر رہتی۔ میں اب اسی شرط پر آسکتی ہوں کہ نورین کو طلاق دے دیں۔"

"اصل بات یہ ہے کہ تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہو۔ تم نے میرے خلاف بغیر ثبوت کے قانونی کارروائی کی تو نقصان میں رہو گی۔"

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔" وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔ "اب آپ سے عدالت میں ملاقات ہوگی۔ جہاں میں نہ صرف اپنی شادی کا ثبوت بلکہ آپ کی اور نورین کی شادی کا ثبوت بھی پیش کروں گی۔" ثمرین نے توقف کرکے اپنے پرس کا ایک کونا اسے دکھایا۔ اس میں سے ایک بہت ہی ننھا سا مائک جھانک رہا تھا۔ پھر اس نے پرس میں سے ایک پاکٹ سائز ٹیپ ریکارڈر نکال کر دکھایا۔ "یہ ہے ثبوت جو میں عدالت میں پیش کروں گی۔ میں نے آج کی اور اس روز کی بھی ساری گفتگو ٹیپ کی ہوئی ہے۔ آپ کیا اس

ثبوت کو بھی جھٹلادیں گے؟"

اتنا کہہ کر ثمرین نے ٹیپ ریکارڈر اپنے پرس میں رکھ لیا۔ وہ بھونچکا سا ہوگیا۔ کیونکہ ثمرین کے نرم و نازک خوبصورت ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ اس میں سائیلنسر نصب تھا۔ وہ سرد لہجے میں بولی۔ "آپ ہیرو بننے کی حماقت نہ کریں۔ میں پوری تیاری کرکے آئی ہوں۔"

ثمرین بڑے وقار، تمکنت، سکون اور اطمینان کے ساتھ اس کے کمرے سے نکل کر گئی تھی مگر وہ کرسی پر بے حس وحرکت بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ جیسے اس نے اپنی نظروں کے سامنے فرشتۂ اجل کو دیکھ لیا ہو۔ اس کی رگوں میں لہو منجمد ہوگیا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ وہ اس قدر دہشت زدہ کیوں اور کس لئے ہوگیا تھا؟ وہ ایسا بزدل بھی نہیں تھا۔ ثمرین اسے گولی نہیں مارسکتی تھی۔ وہ محض دھمکی تھی۔ وہ ذرا بھی ذہانت اور چاپلوسی سے کام لیتا تو ثمرین پر قابو پاسکتا تھا۔ ٹیپ ریکارڈر بھی حاصل کرسکتا تھا۔ اس نے اپنی بے وقوفی سے ایک سنہرا موقع ہاتھ سے جانے دیا۔ وہ پچھتانے اور اپنا سر پیٹنے لگا۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا۔ تیر کڑی کمان سے نکل چکا تھا۔ ثمرین اس کے لئے وبالِ جان بن گئی تھی۔ وہ اسے جب چاہے ذلیل و خوار کرسکتی تھی۔ وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کرسکتا تھا۔ کہاں تو وہ اسے شکار کرنا چاہتا تھا۔ خود شکار ہوگیا تھا۔ اپنے دم میں صیاد خود آگیا تھا۔

وہ شہزاد کو اعتماد میں لے کر لنچ پر ثمرین کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس نے اب تک شہزاد کو ثمرین کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اس دنیا میں صرف شہزاد ہی اس کا ایک ایسا دوست جس پر وہ بھروسا کرتا تھا۔ شہزاد بہت مخلص تھا۔ اس سے اس کی کوئی بات چھپی ہوئی نہ تھی۔ وہ ثمرین سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ ہوگیا تھا۔ ابھی وہ نورین کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے طلاق دینے کا اس کے پاس کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ ابھی اس کا دل کھلونے سے بھرا کہاں تھا۔ نورین کا جادو روز روز بڑھتا اور حسن نکھرتا جارہا تھا۔ نشہ بھی گہرا ہورہا تھا۔ آج اسے احساس ہوا تھا کہ جو بات پرانی شراب میں ہوتی ہے وہ نئی شراب میں نہیں ہوتی ہے۔ اسے اس بات کا بڑا پچھتاوا تھا کہ اس نے اپنا وقت اور پیسہ پرانی شراب کے بجائے نئی شراب پر برباد کیا۔

☆------☆------☆

شہزاد اسے ثمرین سے نجات پانے کی کوئی مناسب تدبیر بتا نہیں سکا تھا۔ وہ خود الجھ گیا



تھا۔ ثمرین کو طلاق دینا اس کے لئے آسان بھی نہیں تھا کیونکہ اب وہ اس کے جال میں اس بری طرح پھنس چکا تھا کہ نکلنے کے لئے کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ ایک راستہ تھا جو اس کے لئے قابل قبول نہیں تھا۔ اگر وہ ثمرین کو طلاق دے دیتا تو اس کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہوسکتی تھی کیونکہ وہ اب ایک خطرناک عورت تھی۔

شہزاد کا کہنا تھا کہ اس کے پیچھے کوئی ہے جس کے ہاتھوں ثمرین کٹھ پتلی بنی ہوئی ہے۔ پس پردہ وہ ڈوریاں ہلا رہا ہے۔ ایک عام قسم کی لڑکی کے پاس بہت ہی حساس قسم کا ٹیپ ریکارڈر اور سائیلنسر لگا پستول کہاں سے آسکتا ہے۔ اب اس کے لئے ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ ثمرین سے محبت کا ایسا ریاکارانہ کھیل کھیلے کہ وہ اس پر اعتماد کرنے لگے۔ ثمرین اس کی محبت اور فریب کے جال میں پھنس سکتی تھی کیونکہ وہ اس سے سچی محبت کرتی تھی لیکن اس کے لئے یہ مسئلہ تھا کہ وہ ثمرین کو کہاں تلاش کرے۔ اس کے ٹھکانے کے بارے میں اسے کچھ پتا نہ تھا۔ وہ گھپ اندھیرے میں تھا۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ ثمرین اس سے کب اور کہاں رابطہ کرتی ہے۔ اس کے دل میں یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ کہیں وہ نکاح نامہ، شادی کی تصویریں اور گفتگو کا ٹیپ لے کر اس کے گھر نہ پہنچ جائے۔ وہ نورین کو کیسے چھوڑ دے، اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ اس کی ضرورت، کمزوری اور مجبوری بن چکی تھی۔ حالات نے اسے ایک عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

وہ ہفتے میں تین چار راتیں گھر پر گزارتا تھا۔ نورین سے شادی کرنے کے بعد بھی اس کے اس معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ رات نو بجے نورین کو آنٹی کے ہاں چھوڑ کر اپنے گھر پہنچا۔ نورین کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کے سر میں سخت درد ہورہا تھا۔ وہ سونا چاہتی تھی۔ اس کے گھر والے ایک رشتہ دار کے ہاں مہندی کی تقریب میں شرکت کرنے کے لئے تیار ہورہے تھے۔ ان کا پروگرام دوسرے دن دوپہر کے وقت واپسی کا تھا۔ اس کے گھر والے ٹھیک ساڑھے نو بجے روانہ ہوگئے۔ اس نے سوچا کہ وہ اکیلا گھر پر رہ کر کیا کرے گا۔ کیوں نہ نورین کے پاس چلا جائے۔ وہ یہ سوچ کر گھر سے نکل پڑا۔

اویس نے اپنی موٹر سائیکل کوٹھی کی دیوار کے پاس روک کر جیب سے کنگھی نکال کر بالوں کو درست کیا پھر اس نے کنگھی جیب میں رکھ کر اطلاعی گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس نے بٹن پر انگلی رکھی بھی نہیں تھی کہ چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا۔ ایک نئے

ماڈل کی سفید رنگ کی مرسیڈیز رینگتی ہوئی باہر آئی۔ اسٹیئرنگ پر جو شخص بیٹھا تھا وہ اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے وڈیرا لگ رہا تھا۔ اس کی عمر ساٹھ برس سے کم نہیں معلوم ہوتی تھی۔ وہ دراز قد اور بھاری جسم کا بھی تھا۔ اس کے سر کے بالوں میں سفید بال زیادہ تھے۔ اس کی مونچھیں ڈاکوؤں کی طرح گھنی، لمبی اور نوکیلی تھیں۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں شرابیوں کی طرح لال ہو رہی تھیں۔ اس کے پہلو میں جو عورت کسی نئی نویلی دلہن کی طرح بنی سنوری بیٹھی تھی۔ قیامت ڈھا رہی تھی اور اس مرد کی کسی بات پر کھل کھلا کر ہنس رہی تھی وہ نورین تھی۔ نورین کی نگاہ جیسے ہی اس پر پڑی اس کا چہرہ متغیر ہوگیا پھر سفید پڑتا چلا گیا۔ گاڑی اس کے سامنے سے گزر گئی۔ اس نے ایک لمحہ میں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔ وہ کھڑا گاڑی کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔

جب وہ اندر نشست گاہ میں پہنچا تو آنٹی بڑے صوفے پر بیٹھی نوٹ گن رہی تھی۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور آنکھوں میں غیر معمولی سی چمک تھی۔ اویس کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھوں سے نوٹ کی گڈی چھوٹ کر فرش پر گر پڑی۔ چہرہ فق ہوگیا۔ آنکھیں پھیل گئیں۔

آنٹی نے جھک کر فرش سے نوٹوں کی گڈی اٹھالی۔ پھر خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"خیریت تو ہے.........؟ واپس کس لئے آگئے؟"

"نورین کہاں ہے.........؟" اویس نے زہر خند لہجے میں پوچھا۔ "میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانے آیا ہوں۔ کیونکہ اس کی طبیعت خراب ہے۔"

"نورین.........!" آنٹی کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ "وہ اپنی ایک سہیلی کے ہاں گئی ہے......... اس کی سہیلی کی چھوٹی بہن کی شادی......... نہیں، آج کی رات اس کی مہندی کی تقریب ہے۔ وہ اب صبح آئے گی۔ کیا اس نے تم سے نہیں کہا تھا کہ وہ آج کی رات مہندی میں جارہی ہے؟"

"نہیں......... اس نے مجھ سے کسی مہندی، شادی یا سہیلی کا ذکر نہیں کیا۔ اس نے کہا تھا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔ سر میں سخت درد ہے۔ میں سونا چاہتی ہوں۔ اس کی طبیعت خراب تھی۔ وہ اتنی جلدی تیار ہو کر کیسے چلی گئی۔ حیرت کی بات ہے۔" وہ تمسخر آمیز حیرت سے بولا۔ "اسے میری اجازت کے بغیر کہیں بھی جانا نہیں چاہئے کیونکہ اب وہ میری بیوی ہے۔ میں اس کا شوہر ہوں۔ گاہک نہیں۔"

"اس کی وہ بہت ہی پیاری سہیلی ہے۔ اس کی بچپن کی دوست ہے۔ اس لئے اس



نے اپنی طبیعت کی پروا بھی نہیں کی......... تم جانتے ہو کہ آج کل مہندی کی تقریب رات تین چار بجے سے پہلے ختم نہیں ہوتی ہے۔ اتنی رات گئے گھر آنا مناسب نہیں ہے اس لئے میں نے رک جانے کے لئے کہا ہے۔ میں اس سے کہہ دوں گی کہ وہ تمہاری اجازت کے بغیر گھر سے قدم باہر نہ نکالے۔" آنٹی نے کہا۔

"وہ کس کے ساتھ گئی ہے؟" اویس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کی گاڑی تو برساتی میں کھڑی ہے۔ کیا وہ ٹیکسی کر کے گئی ہے؟"

"اس سہیلی کا بھائی اسے لینے آیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ گئی ہے۔" آنٹی نے جواب دیا۔ "فکر اور پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میں نے اس کے بھائی اور اس کی گاڑی کو بھی دیکھا تھا۔ اس کے بھائی کی عمر نورین کے دادا کے برابر ہوگی۔ گاڑی بھی مرسیڈیز تھی جو تیس لاکھ روپے کی تھی۔ اس کے علاوہ سندھ کا ظالم اور عیاش قسم کا وڈیرا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے نورین کی قیمت ادا کی ہے؟"

آنٹی گنگ ہو کر رہ گئی۔ اس نے آنٹی کے ہاتھ سے نوٹوں کی گڈی اچک لی۔ ہزار ہزار کے نئے نوٹ تھے۔ اس نے سب سے اوپر والے اور سب سے نیچے نوٹ کے نمبر دیکھے۔ پچیس ہزار تھے۔ اس نے گڈی کو جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ وڈیرے زرعی ٹیکس دیں تو ملک کی معیشت سدھر جائے اور ملک پیروں پر کھڑا ہوجائے۔ مگر یہ اپنی آمدنی بے دریغ حسن و شباب پر خرچ کرتے ہیں۔ نورین جیسی عورتوں کا مستقبل بنا دیتے ہیں۔"

"یہ رقم میری ہے۔ مجھے دے دو........." آنٹی ہذیانی لہجے میں بولی۔ "یہ تم نے اپنی جیب میں کیوں رکھ لی.........؟ چلو میری رقم نکالو۔"

"رقم آپ کی نہیں ہے آنٹی!" اویس نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "یہ رقم اس وڈیرے نے نورین کے جسم کے عوض دی ہے۔ اس رقم کا میں مالک ہوں کیونکہ نورین میری بیوی ہے۔ میری ملکیت ہے۔ میں نے اس سے شادی نہیں کی ہے بلکہ اسے ایک طرح سے خریدا ہے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ کسی وڈیرے کے ساتھ نہیں گئی ہے۔ تم نے معلوم نہیں کیسے دیکھ لیا ہے۔ لاؤ، مجھے رقم دے دو........."

"آپ مجھے ابھی اور اسی وقت نورین کے پاس لے چلیں......... آپ کی بات سچ ثابت ہوئی تو آپ کی رقم آپ کو واپس مل جائے گی۔ غلط ثابت ہونے پر میں آپ کو رقم

نہیں دوں گا بلکہ نورین کو طلاق دے دوں گا۔ حق مہر بھی نہیں دوں گا۔ اس لئے کہ آپ دونوں نے میرے ساتھ ریاکاری کی ہے۔"

"اگر تم نے یہ رقم نہیں دی......... نورین کو طلاق دینے کے بعد حق مہر کی رقم نہیں دی تو میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گی۔" آنٹی نے بپھر کر کہا۔ "یہ رقم اور حق مہر کی رقم تمہارے باپ کی نہیں ہے جو میں تمہیں بخش دوں گی۔ تم مجھے نہیں جانتے ہو۔ میں بڑی کمینی چیز ہوں۔"

"چلیں.......... میں بھی دیکھتا ہوں کہ ہم دونوں میں سے کون زیادہ طاقت ور اور کمینہ ہے۔ میں تمہیں ایک روپیہ بھی نہیں دوں گا۔"

اویس اتنا کہہ کر رکا نہیں۔ بجلی کی سی سرعت سے نکل کر برآمدے میں آیا پھر کوٹھی سے باہر آگیا۔ کوٹھی کے باہر اس کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ وہ اسے فوراً ہی اسٹارٹ کرکے سڑک پر لے آیا۔ وہ گھر کی طرف جارہا تھا اس کا دماغ بری طرح سنسنا رہا تھا۔ ماؤف ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ ایسی ہیجانی کیفیت میں گاڑی چلانا مناسب نہیں ہے۔ رات کا وقت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ایکسیڈنٹ کر بیٹھے۔ وہ ابھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔

کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے ایک کولڈ ڈرنک کارنر نظر آیا جو ایک پارک کے گوشے میں واقع تھا۔ وہ اپنی گاڑی روک کر اس میں جا بیٹھا۔ اس نے کولڈ ڈرنک کا آرڈر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹھنڈا پیتے ہوئے سوچنے لگا کہ اس نے آنٹی سے نفرت اور دشمنی مول لے کر اچھا نہیں کیا ہے۔ وہ ایک مافیا تنظیم ہے۔ آنٹی نے کچھ بدمعاشوں کو پال رکھا ہے جو بے حد خطرناک ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر بھی انسانی جانوں سے کھیلتے ہیں۔ بڑے بے رحم سفاک ترین ہوتے ہیں۔ اس کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہئے۔ آنٹی نے اسے جو دھمکی دی تھی وہ گیدڑ بھبکی نہ تھی۔ اس عورت نے سچ ہی کہا تھا کہ وہ بڑی کمینی چیز ہے۔ یہ غلط بھی نہیں تھا۔ اس سے کہیں کمینی چیز تو رانی تھی۔ وہ زیر زمین دنیا کی خطرناک عورت تھی۔ اس کے نام سے پولیس کی کالی بھیڑیں بھی کانپتی تھیں۔ وہ نہ صرف پچیس ہزار روپے بلکہ حق مہر کی رقم دو لاکھ روپے دے کر اپنی جان چھڑوا لے یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔ دو لاکھ کی رقم دینے سے اس کی صحت پر کون سا اثر پڑے گا۔ اس کے پاس جو دولت ہے وہ کون سی خون پسینے کی کمائی ہے۔ وہ ابل رہی ہے۔ ابلتی رہے گی۔ ایک طرح سے اسے جو عہدہ ملا ہوا ہے وہ سونے کی کان ہے۔ وہ برسوں اس سے سونا نکالتا رہے گا۔ بڑے صاحب اب نہ تو اسے ملازمت سے نکال سکتے ہیں نہ تبادلہ کروا سکتے ہیں



اور نہ ترقی دے سکتے ہیں۔ کیونکہ اب بڑے صاحب اس کی مٹھی میں ہیں۔ اس کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن گئے ہیں۔

اس نے سوچا کہ ابھی جاکر وہ آنٹی سے معذرت کرلے اور پچیس ہزار کی رقم دے آئے۔ اس نے کولڈ ڈرنک کارنر پر ٹیلی فون دیکھا تو اس نے وہاں سے آنٹی کو ٹیلی فون کیا۔ دوسری طرف سے آنٹی کی آواز سنائی دی۔ اس سے اس نے محسوس کیا کہ وہ سخت غصے کے عالم میں ہے۔ اس عورت کا بس چلے تو وہ ابھی اور اسی وقت آکر اسے شوٹ کر دے۔ اس نے بڑی مشکل سے آنٹی کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ اس نے کہا کہ وہ کل نہ صرف طلاق نامہ لیتا آئے گا بلکہ پچیس ہزار کی رقم اور حق مہر کے پورے دو لاکھ بھی ادا کر دے گا۔ وہ ہنسی خوشی یہ معاملات طے کرکے دروازہ کھلا رکھنا چاہتا ہے۔

آنٹی سے بات کرنے کے بعد اس کے اعصاب ہلکے ہوئے۔ دور اندیشی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ اس تنظیم کو اپنا دشمن نہ بنائے۔ وہ دنیا میں خوش رہنے اور عیش کرنے آیا تھا۔ پیشہ ور قاتلوں اور بدمعاشوں سے نفرت اور دشمنی مول لے کر زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ اسے اپنی نوکری اور زندگی سے بہت پیار تھا۔ وہ اپنے گھر جانے کے بجائے اپنے فلیٹ کی طرف رات گزارنے کے لئے روانہ ہوگیا۔

وہ نورین کے بارے میں سوچتا ہوا جارہا تھا کہ اس نے سستے کے چکر میں نورین سے شادی کرکے اپنی زندگی کی سنگین ترین غلطی کی۔ اسے پچھتاوا سا ہو رہا تھا کہ اس نے اچھا نہیں کیا۔ اس طرح وہ گھاٹے میں رہا۔ آج وہ نورین کو رنگے ہاتھوں پکڑ نہیں لیتا تو نہ جانے کب تک وہ لوگ اس کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہتے۔ اس میں اس کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ نورین اس کی زندگی میں آنے والی پہلی ایسی عورت تھی جس نے اسے پہلی بار ایک نئی دنیا' لذت کیف سے آشنا کیا تھا۔ اس میں جو طلسم تھا آج تک اس نے کسی عورت میں محسوس نہیں کیا تھا۔

دفعتاً اس کے کانوں میں ایک عورت کی دل خراش چیخ گونجی۔ "بچاؤ......... بچاؤ......... خدا کے لئے مجھے بچاؤ........."

اس نے فوراً ہی موٹر سائیکل کی رفتار دھیمی کرکے آواز کی سمت دیکھا۔ وہ جس سڑک سے گزر رہا تھا وہ سنسان اور ویران پڑی تھی۔ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کچھ فاصلے پر بجلی کے کھمبے پر جو مرکزی بلب تھا اس کی تیز روشنی میں اس نے دیکھا۔ ایک گاڑی کھڑی ہے۔ اس کے چاروں دروازے کھلے ہوئے تھے اور گاڑی کچے میں کھڑی

تھی۔ وہاں ایک چھوٹا سا میدان تھا۔ تین بدمعاش ایک عورت کو کھینچ کر گاڑی میں لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ عورت سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز میں تھی۔ وہ چونکہ دراز قد تھی اور اس کی جسامت بھی مناسب تھی اس لئے وہ پوری قوت سے مزاحمت کر رہی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور ساڑھی کا پلو زمین پر بکھرا ہوا تھا۔ جب اس نے گاڑی سے چند قدم پر اپنی موٹر سائیکل روکی تو وہ بدمعاش اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور ان کی گرفت اس عورت پر ڈھیلی پڑ گئی تھی۔ عورت نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑوایا اور اس کی طرف تیزی سے دوڑتی ہوئی پہنچی۔ اس نے ایک پل کے ہزارویں حصے میں اس عورت کو دیکھا۔ وہ عورت چالیس برس کی بہت خوبصورت اور شاداب بدن کی مالک تھی۔ اس میں ایک عجیب سا گداز اور بے حد کشش تھی۔ اس نے اپنی عمر میں بہت کم اس عمر کی کسی عورت کو اس قدر حسین اور پُرکشش دیکھا تھا۔

وہ عورت اس کے پیچھے چھپ کر اسے ڈھال بنا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے سینے میں سانسوں کا تموج تھا۔ اسے اپنی سانسوں پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان اس سے صرف اتنا کہہ سکی۔ ”مجھے ان درندوں سے بچا لیں۔ یہ مجھے اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔“

اس نے چند ثانیوں کے بعد ان تینوں کو دیکھا جو اسے گھیرنے کے لئے بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں کھلے چاقو تھے۔ ان کے خوفناک پھل چمک رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں بھی وحشیانہ چمک تھی۔ ان میں سے ایک نے چیخ کر کرخت لہجے میں کہا۔

”میرے دوست ہیرو بننے کی کوشش نہ کرو........ اس عورت کو لے جانے دو........ تم نے بہادری دکھائی تو تمہاری لاش گر جائے گی۔ تم نوجوان ہو۔ کیا تمہیں اپنی زندگی پیاری نہیں ہے؟“

بدمعاش نے سچ ہی کہا تھا۔ اسے یوں بھی لڑنے بھڑنے کا کوئی تجربہ نہیں تھا اور پھر وہ نہتا بھی تھا۔ اس کے مقابلے میں اگر ایک بدمعاش بھی ہوتا تو وہ اس سے کسی نہ کسی طرح نمٹ لیتا۔ اور پھر سڑک پر نہ تو کوئی آدم زاد دور تک دکھائی دے رہا تھا اور نہ گاڑیوں کی آمدورفت تھی۔ اور پھر اسے ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی جس کی مدد سے وہ ان بدمعاشوں سے مقابلہ کر سکے۔ اس نے ایک لحظہ کے لئے سوچا کہ اس کا اس



پھڈے میں ٹانگ نہ اڑانا ہی بہتر ہے ورنہ وہ اسے قتل کر کے اس کی لاش میدان میں پھینک کر چلے جائیں گے۔

اس نے ان بدمعاشوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکا۔ ”ایک منٹ دوستو........! میں تمہارے راستے کا پتھر نہیں بنوں گا۔ تم اس عورت کو شوق سے لے جاؤ۔“

”نہیں........ نہیں........“ وہ عورت ہیجانی لہجے میں چیخی۔ ”خدا کے واسطے مجھے ان درندوں کے حوالے نہ کرو۔ میری عزت بچاؤ........ میں تمہارا........“

وہ تینوں جو اس سے کچھ قدم پر رک گئے تھے ان سے اویس نے کہا۔ ”یہ عورت مجھ سے کہہ رہی ہے کہ میں اس کی عزت بچاؤں........ لہٰذا میں نے اس عوت کی عزت بچانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب مجھے اپنی زندگی کی کوئی پروا نہیں ہے۔ تم مجھے موت سے مت ڈراؤ۔“

”مجھے تمہاری بھری جوانی پر ترس آ رہا ہے۔ بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔ تم نے کوئی حماقت کی تو اس سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ نہ تمہاری جان بچے گی اور نہ ہی اس عورت کی عزت........ ہم نے اس عورت کے لئے بڑا صبر کیا ہے۔ بڑا وقت برباد کیا ہے۔ محنت کی ہے۔ ہمیں اپنی محنت کا پھل چاہئے۔“

”یہ ایک شریف عورت ہے۔“ اویس نے بڑے صبر و سکون سے کہا۔ ”تم لوگ ایسا کرو مجھ سے رقم لے لو۔ اس رقم سے کسی اور عورت کو بازارِ حسن سے لے جاؤ۔ اس شہر کراچی میں حسین و جمیل اور پُرشباب عورتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ مال ہو تو ایک سے ایک حسین عورت مل جاتی ہے۔“

”تم نے تو بہت اچھا اور مخلصانہ مشورہ دیا ہے۔“ دوسرے بدمعاش نے استہزائی لہجے میں کہا۔ ”اچھا یہ بتاؤ کہ تم کتنی رقم دو گے؟“

”ایک ہزار روپے دے سکتا ہوں۔“ اویس نے جواب دیا۔ ”ایک ہزار روپے بہت بڑی رقم ہو سکتی ہے کسی بھی بازاری عورت کے لئے........“

”یار! یہ شخص بڑا چالاک ہے۔“ تیسرے بدمعاش نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ ”ہمیں ہزار روپے دے کر خود لے جائے گا اور عیش کرے گا۔“

”ہاں........ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔“ پہلے بدمعاش نے سر ہلایا پھر اس نے اویس سے کہا۔ ”پانچ ہزار روپے دو تو ہم اس سے دستبردار ہو سکتے ہیں۔“

”پانچ ہزار روپے........؟“ اویس نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ ”یہ تو بہت بڑی

رقم ہے۔ تم بہت زیادہ مانگ رہے ہو۔ دو ہزار روپے لے لو..........“

”ایک ایسی حسین عورت کے لئے دس ہزار روپے بھی بہت کم ہیں۔ عورت کی عزت لاکھوں روپوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔“ پہلے بدمعاش نے کہا۔

”ٹھیک ہے میں پانچ ہزار روپے دیئے دیتا ہوں۔“ اویس نے کہا۔ ”تم وعدہ کرو کہ رقم لے کر شرافت سے چلتے بنو گے۔ گڑبڑ نہیں کرو گے۔“

”یار! اس کے پاس بڑا مال معلوم ہوتا ہے۔“ دوسرے بدمعاش نے اپنے ساتھیوں کو آنکھ ماری۔ ”ہمیں نہ صرف اس عورت کو بلکہ اسے بھی لوٹنا ہوگا۔“

اویس کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اسے پچھتاوا سا ہوا کہ اس نے یہ کیا حماقت کی۔ وہ اسلحے کے زور پر اس سے رقم چھین سکتے ہیں۔ اس کے پاس آنٹی سے لی ہوئی رقم کے علاوہ چار پانچ ہزار روپے اور بھی تھے۔ نہ صرف رقم بھی جانے والی تھی بلکہ عورت کو بھی لے جانے والے تھے۔

اس کے ذہن میں فوراً ہی ایک تدبیر آئی لیکن اسے عملی جامہ پہنانا اس کے لئے بہت مشکل تھا۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت اور چارہ بھی نہ تھا۔

اس نے پلٹ کر اس عورت کی طرف دیکھا جس کا چہرہ دھلی ہوئی چادر کی طرح ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں خوف و دہشت بھری ہوئی تھی۔ اس نے کہا۔ ”خاتون! آپ فوراً ہی سڑک کی طرف دوڑیں شاید کوئی گاڑی آجائے۔ مجھے آپ کی عزت کی فکر ہے۔ اپنی جان کی نہیں۔ میں انہیں روکے رکھتا ہوں۔“

عورت نے فوراً ہی دوڑ لگا دی۔ اسے پکڑنے کے لئے وہ بدمعاش بھاگا جو نہتا تھا۔ پھر دونوں بدمعاش اس کی طرف چاقو لہراتے ہوئے بڑھے۔

اویس نے ان دونوں بدمعاشوں کو اپنی جانب چاقو لہراتے ہوئے دیکھا تو اس کے سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وہ خوف زدہ سا ہو گیا تھا لیکن اس نے فوراً ہی اپنی گھبراہٹ پر قابو پالیا تھا۔ بدمعاشوں کی یہ حرکت اس کے لئے غیر متوقع نہیں تھی۔ اس کا کھلے میدان میں ان بدمعاشوں سے مقابلہ تھا۔ وہ نہتا بھی تھا۔ اس کے ذہن میں جو تدبیر آئی تھی اس سے صرف اس کی اپنی جان اور رقم ہی بچ سکتی تھی۔ عورت کی عزت اور جان بچانا اب اسے ناممکن سا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے ایسی کوئی فکر اور پریشانی بھی نہیں رہی تھی۔ وہ اس لمحے خودغرض بن گیا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لئے عورت کو اس سمت دوڑا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ تینوں اسے



چھوڑ کر عورت کی طرف لپکیں گے۔ وہ جلد سے جلد عورت کو قابو میں کر کے اغوا کر کے لے جانے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح اس کی جان ان بدمعاشوں سے چھوٹ جائے گی۔ وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکیں گے۔ بدمعاشوں کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ انہیں عورت کی اتنی فکر اس لئے نہیں ہے کہ اسے قابو کرنے کے لئے ان کا ایک آدمی کافی ہے۔

اس نیم اندھیرے میں ان کے خوف ناک چہروں پر جو سفاکی تھی‘ چاقوؤں کی دھار کی چمک سے کہیں خطرناک تھی۔ اگر وہ مضبوط اعصاب کا مالک نہ ہوتا تو لرز جاتا۔ تاہم اس نے خوف کو قریب پھٹکنے نہیں دیا۔ حوصلہ نہیں ہارا۔ اپنے حواس کو پھر سے مجتمع کیا۔ اب اس کے لئے ایک ہی صورت رہ جاتی تھی کہ وہ کسی سمت تیزی سے دوڑ جائے۔ بدمعاش بھاری بھرکم جسموں کے مالک تھے۔ وہ اس سے تیز دوڑ نہیں سکتے تھے۔ پھر وہ اسے پکڑنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے عورت کو لے جانے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ ان بدمعاشوں کے لئے اصل مال تو یہ عورت تھی۔

پھر وہ بڑی تیزی سے گھوم کر بجلی کی سی سرعت سے بھاگا۔ دونوں بدمعاش اس کے اچانک اور غیر متوقع بھاگنے پر چکرا سے گئے تھے۔ ایک پل کے لئے ان کی سمجھ میں اس کی حرکت نہیں آئی تھی۔ اگلے لمحے وہ اس کے تعاقب میں دوڑے۔ اویس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے ان کے قدموں کی دھپ دھپ سے اندازہ کر لیا تھا کہ اس کے اور ان کے درمیان خاصا فاصلہ ہے۔ مگر وہ تو اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے۔ اس کے تعاقب میں دوڑے چلے آ رہے تھے۔ اس نے اپنی رفتار اور تیز کر دی تاکہ اس کے اور ان بدمعاشوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو جائے کہ وہ اپنی موٹر سائیکل تک پہنچ سکے اور اسٹارٹ کر کے فرار ہو جائے۔ اس کی موٹر سائیکل اور ان کی گاڑی ایک گھنے درخت کے پاس موجود تھی۔ اس گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ بدمعاش اس سے کتنے پیچھے ہیں‘ وہ درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ زیادہ دور نہیں تھے۔ موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے سے پہلے ہی وہ اس کے سر پر پہنچ سکتے تھے۔ معاً اس کی نظر زمین پر پڑی۔ وہاں بہت سارے چھوٹے بڑے پہاڑی پتھر بکھرے پڑے تھے۔ اس کے لئے یہ پتھر نہ تھے۔ ہتھیار تھے۔ ایک خیال کے زیر اثر اس نے فوراً ہی جھک کر دو تین پتھر اٹھا لئے جو کرکٹ کی گیند کے سائز کے تھے۔ خاصے وزنی بھی تھے۔ اس نے دو پتھر تو بائیں ہاتھ میں دبا لئے ایک پتھر کو دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا پھر وہ درخت کی اوٹ سے

نکل آیا۔ وہ دونوں بدمعاش درخت سے چند قدم پر تھے۔ بری طرح ہانپ رہے تھے۔ غصے سے ان کا برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے بغیر کسی تاخیر کے ایک پتھر اس بدمعاش کے منہ پر تاک کر مارا جو اپنے ساتھی سے دو تین قدم آگے تھا۔ پتھر جیسے ہی اس کی پیشانی پر جا کر لگا اس کے منہ سے ایک فحش گالی ایک چیخ کے ساتھ ابل پڑی۔ وہ درد کی شدت سے اس قدر بلبلایا کہ اس کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ وہ اگلے لمحے ڈگمگایا۔ اس کی کھوپڑی گھوم گئی تھی۔ وہ تیورا کر زمین پر گر گیا۔ اس پر غشی سی طاری ہونے لگی۔

دوسرے بدمعاش نے اپنے ساتھی کو زخمی اور غشی کی حالت میں دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ لال پیلا ہو گیا۔ اس نے اپنے ساتھی کو ٹھیک سے لٹایا۔ پھر پوری قوت سے چاقو اس کی طرف پھینکا۔ اویس چوکنا اور ہوشیار نہ ہوتا تو وہ چاقو اس کے سینے میں اتر جاتا۔ وہ فوراً ہی ایک طرف ہٹ گیا۔ چاقو درخت کے تنے سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا۔ یہ بدمعاش بڑا ماہر نشانہ باز معلوم ہوتا تھا۔ اویس نے اس بدمعاش کو سنبھلنے اور سوچنے کی مہلت نہیں دی۔ دوسرا پتھر تاک کر اس کے سر پر دے مارا تو اویس کا نشانہ چوک گیا۔ پتھر بدمعاش کے سر کے بجائے اس کے سینے پر جا لگا۔ اویس نے پھر تیسرے پتھر سے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ بدمعاش کی گردن پر لگا۔ جب وہ جھک کر زمین پر سے پتھر اٹھانے لگا تو وہ بدمعاش پلٹ کر مخالف سمت بگٹٹ بھاگا۔ اویس نے اس کے پیچھے چند قدم تک دوڑ لگائی اور دو تین پتھر کھینچ کر دے مارے۔ ان میں سے صرف ایک پتھر اس کی پیٹھ پر لگا تھا۔ اویس نے فوراً ہی دونوں چاقو اٹھا لئے جو زمین پر پڑے تھے۔ اب اسے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ میدان بالکل صاف ہو گیا تھا۔ زخمی بدمعاش زمین پر ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔

اویس نے اسی اثنا میں عورت کی ہذیانی چیخیں سنیں۔ تیسرا بدمعاش اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی کی طرف کھینچ رہا تھا۔ عورت مزاحمت بھی کر رہی تھی اور مدد کے لئے بری طرح چیخ رہی تھی۔ اویس اپنی جگہ سے چیخا۔ "سؤر کے بچے........ اسے چھوڑ دے........ ورنہ تجھے جان سے ختم کر دوں گا۔"

اویس اتنا کہہ کر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ اس بدمعاش نے اویس کو دونوں ہاتھوں میں چاقو لئے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اس نے فوراً ہی عورت کو چھوڑ دیا پھر وہ سر پر پیر رکھ کر میدان کی طرف بھاگا۔ عورت اس کے بازوؤں کی گرفت سے نکلتے ہی اپنا لباس درست کرنے لگی جو بے ترتیب سا ہو گیا تھا۔ اس کی سانسیں بری طرح پھول



رہی تھیں اور وہ بے حال سی ہو رہی تھی۔ اس کا چہرہ دھلی چادر کی طرح ہو رہا تھا۔

اویس نے بدمعاشوں کی طرف دیکھا جو مخالف سمتوں میں میدان کے بیچ میں کھڑے تھے۔ وہ بہت دور کھڑے تھے۔ جبکہ زخمی بدمعاش اٹھ کر کھڑا ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلیں........ یہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ ان بدمعاشوں کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ یہ پیشہ ور بدمعاش اور قاتل ہیں۔ کہیں وہ پھر آ نہ جائیں۔"

اویس نے دونوں چاقو زمین پر پھینک دیئے۔ وہ تیزی سے اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھا۔ عورت بھی اس کے پیچھے ہو لی۔ اس نے فوراً ہی اپنی گاڑی کو اسٹارٹ کیا اور بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ایک کرخت آواز گہرے سناٹے میں گونجی۔

"عثمانی! اس حرام زادے کو پکڑو........ یہ سالا اس عورت کو لے کر بھاگ رہا ہے........"

عورت اس مرد کی آواز سنتے ہی اچھل کر اس کے پیچھے سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اویس نے ایک جھٹکے سے اپنی موٹر سائیکل بڑھائی تو عورت گرتے گرتے بچی۔ اس نے فوراً ہی اویس کا بازو تھام لیا۔ اویس نے موٹر سائیکل سڑک پر لاتے ہوئے دائیں جانب دیکھا۔ ایک بدمعاش اپنے ہاتھ میں ایک پتھر اٹھائے ان کی طرف تیزی سے دوڑتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے وہ پتھر ان پر کھینچ کر دے مارا اور پتھر اویس کے سر پر سے گزر گیا۔ اگر اس بدمعاش کا نشانہ نہ چوکتا تو اس کا سر پھٹ جاتا۔ اس بدمعاش کے دوسرا پتھر اٹھانے تک اس کی موٹر سائیکل اس بدمعاش سے بہت دور ہو گئی تھی۔

اویس نے اپنی موٹر سائیکل کی رفتار خطرناک حد تک تیز کر دی۔ اس نے عورت سے کہہ دیا تھا کہ وہ سنبھل کر اسے مضبوطی سے تھام کر بیٹھی رہے۔ وہ اس خیال سے اُڑا جا رہا تھا کہ کہیں وہ بدمعاش اس کے تعاقب میں نہ نکل آئیں۔ اس کا امکان تھا کیونکہ وہ غنڈے تھے۔ جلتی پر تیل گر گیا تھا۔ ان کے ہاتھ سے دو تگڑے شکار نکل گئے تھے۔ ایک شکار عورت تھی۔ دوسرا شکار موٹی اسامی تھا۔ وہ ان کے شکار پر ہاتھ صاف کر گیا تھا۔ ان کے کئے کرائے اور ساری محنت پر پانی پھر گیا تھا۔ وہ ہاتھ ملتے رہ گئے تھے۔

بیس منٹ کے بعد وہ ایک ایسی سڑک پر آ گئے تھے جہاں خاصا ٹریفک تھا جو سیلاب کی طرح بہہ رہا تھا۔ وہ مختلف علاقوں اور سڑکوں سے ہوتا ہوا اس سڑک پر آیا تھا۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے بدمعاشوں کو جُل دے دیا تھا۔ اب وہ اس کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے

تھے۔ اب اسے ان بدمعاشوں کے تعاقب کا خوف نہیں رہا تھا۔ یہاں انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ کیونکہ قریب کے چوراہے پر پولیس موبائل کھڑی تھی۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل کی رفتار دھیمی کرکے سڑک کے کنارے روک دی تاکہ عورت سے پوچھ سکے کہ اسے کہاں جانا ہے۔ اس کا گھر کہاں ہے؟ سارا راستہ ان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ بات کرنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ وہ عورت کو موقع پاکر دیکھتا رہا جو بار بار گردن گھما کر اپنے پیچھے دیکھ رہی تھی کہ کہیں وہ بدمعاش تعاقب میں تو نہیں آرہے ہیں۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوف و ہراس ابھی تک جھانک رہا تھا۔

گاڑی کے رکتے ہی عورت نے خوف زدہ ہوکر اس کی طرف دیکھا۔ "آپ نے گاڑی کیوں روک لی.........؟ کہیں وہ بدمعاش نہ آرہے ہوں؟"

"اس لئے کہ آپ کو آپ کے گھر لے جاکر چھوڑ دوں۔ آپ کی رہائش کے بارے میں پوچھوں کہ وہ کہاں ہے۔ بدمعاش اب ہمیں نہیں پاسکتے ہیں۔" اس نے دلاسا دیا۔

"میں نارتھ کراچی میں رہتی ہوں۔" عورت نے جواب دیا۔ "اگر آپ مجھے میرے گھر پہنچادیں تو میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی........"

"اس میں احسان کی بھلا کیا بات ہے۔" اویس نے موٹر سائیکل کو سڑک پر لاتے ہوئے انکساری سے کہا۔ "میں تو اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔"

"اس دنیا میں ایسے لوگ آٹے میں نمک کے برابر ہیں جو اپنا فرض ادا کرنا جانتے ہیں۔ کاش! ہر شخص اپنے فرض کو پہچان سکے۔"

اویس نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر وہ اپنی گاڑی سڑک پر لے آیا۔ اس کی رفتار تیز کردی۔ کیونکہ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ وہ جس تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا اس سے کہیں تیزی سے اس عورت کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ یہ عورت ان بدمعاشوں کے ہاتھ کیسے اور کہاں سے لگی' بدمعاشوں نے اس عمر کی عورت کو کیوں اور کس لئے اغوا کیا.........؟ انہوں نے چالیس بیالیس برس کی عمر کی عورت کو ترجیح کیوں دی؟ اس شہر میں حسین اور نوجوان لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ ایسی ایسی لڑکیاں دکھائی دیتی ہیں کہ دل پر قیامت ٹوٹ جاتی ہے۔ مگر یہ عورت.........؟

چالیس بیالیس برس کی ہوئی تو کیا ہوا۔ اس نے عورت کو قریب سے تو دیکھا تھا لیکن غور سے اور اطمینان سے نہیں دیکھ سکا تھا۔ کیونکہ اس کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ افراتفری کے عالم میں دیکھ پایا تھا۔ یہ عورت بہت حسین تھی۔ اس میں بڑی جاذبیت تھی۔ بڑی



بھرپور تھی۔ بہت سے مرد پرانی شراب کے اس لئے بھی رسیا ہوتے ہیں کہ اس کا خمار ذہن سے نہیں اترتا ہے۔ اس عورت اور پرانی شراب میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا تھا۔ ہر شخص کے اپنے ذوق اور پسند کی بات تھی۔ ہر مرد عورت کے معاملے میں مختلف ذوق کا مالک تھا......... یہ عورت اپنی وضع قطع اور چہرے مہرے سے اچھے گھرانے کی لگ رہی تھی۔ پُروقار اور مہذب بھی تھی۔ اس میں تمکنت بھی تھی۔ ایک ہی نگاہ میں اس بات کا اندازہ ہوجاتا تھا کہ کس قسم کی عورت ہے۔

نارتھ کراچی کی حدود میں داخل ہونے کے بعد اس عورت نے اس کی رہنمائی کی تھی۔ کچھ دیر کے بعد ایک سنسان' ویران اور اندھیری گلی کے ایک کوارٹر نما مکان کے سامنے اس نے اپنی موٹر سائیکل روک لی۔ وہ عورت فوراً ہی گاڑی سے نیچے اتر آئی۔

اویس گاڑی سے نہیں اترا۔ اس نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اچھا اب مجھے اجازت دیں۔ آپ خیریت سے اپنے گھر پہنچ گئی ہیں۔"

"میں آپ کو چائے پیئے بغیر جانے نہیں دوں گی۔" عورت بولی۔ "اسی لئے میں آپ کا شکریہ بھی ادا نہیں کر رہی ہوں۔"

اویس نے کچھ کہنا چاہا۔ اسے چائے یا ٹھنڈا پینے کی کوئی طلب نہیں ہو رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد گھر پہنچنے اور سونے کے موڈ میں تھا۔ عورت فوراً ہی اپنے مکان کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اس نے بائیک سے اتر کر اسے ایک طرف کھڑا کردیا۔ اس نے گھر کی طرف دیکھا۔ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ کمرے کی کھڑکی پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جبھی اس کے ذہن میں ایک آوارہ خیال آیا کہ اس عورت کی کوئی بیٹی ہوئی تو وہ یقیناً جوان ہوگی۔ اپنی ماں کی طرح حسین اور پُرکشش بھی ہوسکتی ہے۔ اگر اس عورت کی کوئی لڑکی نہ ہوئی تو.........؟

عورت کے دروازے پر دستک دینے سے پہلے ہی دروازہ کھل گیا جیسے کوئی اس کے انتظار میں دروازے سے لگا کھڑا تھا۔ دروازہ کس نے کھولا وہ دیکھ نہیں سکا۔ کیونکہ دروازہ کھولنے والا دروازے کی اوٹ میں تھا۔ اس نے قیاس کیا کہ دروازہ کھولنے والی کوئی لڑکی ہے۔ کیونکہ وہ سامنے نہیں آئی تھی۔ کوئی مرد ہوتا تو وہ سامنے آتا۔ اس نے دل میں مسرت سے سوچا۔ کب تک چھپے گی کیری پتوں کی آڑ میں......... گھر میں اگر کوئی عورت ہوئی تو وہ اس کے سامنے آجائے گی۔ وہ دروازے کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ دروازے کو بھیڑ دیا گیا۔

کچھ دیر کے بعد دروازہ کھلا۔ اس عورت کا سراپا ابھرا۔ اس عورت نے اس کے پاس آکر اسے اندر چلنے کے لئے کہا۔ وہ مکان کے اندر داخل ہوا تو عورت اسے ایک کشادہ کمرے میں لے آئی۔ یہ کمرہ نشست گاہ اور کھانے کا لگ رہا تھا۔ جس کمرے میں وہ کھڑا تھا اس میں ایک صوفہ سیٹ' تپائی' کھانے کی میز جس کے گرد چار کرسیاں تھیں۔ ایک کونے میں لکھنے پڑھنے کی میز تھی۔ جس پر کچھ کتابیں ایک کونے میں بڑے قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔ میز کے قریب ایک بیڈ تھا اور ایک کرسی بھی تھی۔ اسے یہ مکان دو تین کمروں پر مشتمل لگا تھا۔

کمرہ نہ صرف بہت صاف ستھرا تھا بلکہ بڑی سادگی لئے ہوئے تھا۔ اس عورت نے اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑے صوفے کے کنارے پر بیٹھ گیا۔ عورت چھوٹے صوفے پر جو اس کے سامنے تھا' بیٹھ گئی۔ تب اس نے عورت کو غور سے اس تیز روشنی میں دیکھا جو دو ٹیوب لائٹس جلنے کی وجہ سے بہت روشن ہوگیا تھا۔ اندھیرے میں وہ اسے ٹھیک سے دیکھ نہیں سکا تھا۔ یہ عورت واقعی اس قدر پُرکشش تھی کہ مردوں کے دلوں میں فتور پیدا ہوجائے۔

عورت نے اپنے سینے اور شانے پر ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے اسے ممنونیت بھری نظروں سے دیکھا۔ "کیا میں اپنے محسن کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"خاکسار کو اویس احمد کہتے ہیں۔" اویس نے جواب دیا۔ "میں ایک بڑے اور بے حد اہم سرکاری محکمے میں ملازم ہوں۔"

"میرا نام افروزہ بیگم ہے۔" عورت نے اپنا تعارف کرایا۔ "میں ٹیچر ہوں۔ کوئی بیس برس سے درس و تدریس کے مقدس پیشے سے وابستہ رہی ہوں۔ اب چونکہ اس ملک اور معاشرے میں تعلیم اور اساتذہ کی کوئی عزت اور قدر نہیں رہی ہے اس لئے میں نے اسکول میں پڑھانا چھوڑ دیا۔ میں اپنی بیٹی کے ساتھ کرائے کے مکان میں رہتی ہوں۔ میری ایک ہی بیٹی ہے۔ وہ ایک بیوٹی پارلر اور دارالامان میں جز وقتی ملازمت کر رہی ہے۔ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ زندگی بڑے سکون اور اطمینان سے گزر رہی ہے۔"

لڑکی کا ذکر سنتے ہی اس کا دل خوشی سے جیسے دھڑک اٹھا تھا۔ اس نے ایک پل کے ہزارویں حصے میں بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر لڑکی اپنی ماں کی طرح حسین و جمیل ہے تو اس کا شکار کرنے اور چارہ ڈالنے میں آسانی ہوگی۔ لڑکی کی ماں اور لڑکی بڑی آسانی سے اس کے اس جال میں پھنس سکتی ہیں جو وہ اکثر بچھاتا رہتا ہے۔



اب تو وہ اس عورت کا محسن ہے اور اس کے احسان کا بدلہ اسے لڑکی کی صورت میں مل سکتا ہے۔

"مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہو رہی ہے کہ اللہ نے آپ کو ان غنڈوں کے ہاتھوں سے بال بال بچالیا۔ آپ پر کوئی آنچ نہیں آئی۔"

"یہ سب کچھ آپ کی بہادری' ہمت اور جرأت کی وجہ سے ہوا۔" افروزہ بیگم تشکر آمیز لہجے میں کہنے لگیں۔ "اچھا آپ یہ بتائیں کہ آپ نے تنہا ان دونوں مسلح بدمعاشوں پر کیسے اور کیوں کر قابو پالیا؟ میں نے انہیں آپ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا خون خشک ہوگیا۔ مجھے آپ کی بہت فکر ہوگئی تھی۔ میں چونکہ اس وقت خود بڑی مصیبت میں گرفتار تھی ایک خبیث بدمعاش سے نبرد آزما تھی اس لئے آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکی تھی' میں کچھ دیکھ بھی نہیں سکی تھی کہ ان غنڈوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جب آپ کو سلامت دیکھا تو مجھے کتنی خوشی ہوئی میں بتا نہیں سکتی ہوں۔"

اویس کو ڈینگیں مارنے کا اس سے اچھا موقع کیا مل سکتا تھا۔ وہ افروزہ بیگم کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ اس نے ان کی عزت اور جان بچانے کے لئے اپنی جان کی پروا نہیں کی۔ ایک بدمعاش نے اس کے گلے پر چاقو رکھ کر اس سے کہا تھا کہ وہ ان کے راستے سے ہٹ جائے ورنہ وہ اسے ختم کردیں گے۔ اس نے خوب نمک مرچ لگا کر بڑ ہانکی کہ اس نے کس طرح نہتے ہوتے ہوئے بھی ان بدمعاشوں کا مقابلہ کیا۔ اپنی تدبیر اور ذہانت سے ان سے چاقو چھین کر زخمی کرکے بھاگنے پر مجبور کردیا۔ وہ بدمعاش اسے قتل کرنے کے درپے ہوگئے تھے۔ ذرا سی کوتاہی اس کی موت کا سبب بن سکتی تھی۔

جب وہ اپنا کارنامہ بیان کرچکا تو افروزہ بیگم اس کی بہادری اور جذبات سے متاثر ہوکر بولیں۔ "اللہ میاں نے آپ کو فرشتہ بنا کر بھیج دیا تھا۔"

"آپ ان بدمعاشوں کے ہتھے کہاں اور کیسے چڑھیں؟" اویس نے حیرت سے دریافت کیا۔ "وہ بڑے خطرناک اور خون آشام بھیڑیئے تھے۔"

"میں اپنی ایک شاگرد کی شادی کی تقریب میں شرکت کرنے گئی تھی۔" افروزہ بیگم اسے بتانے لگیں۔ "اور ایسی تقریبات میں عموماً دیر ہوجاتی ہے۔ اسی وجہ سے مجھے دیر ہوگئی۔ اس تقریب میں مجھے گھر تک لفٹ دینے والا کوئی نہیں تھا۔ میری شاگرد کی والدہ نے مجھ سے کہا تھا کہ تقریب کے اختتام پر میں ان کے ساتھ گھر چلوں اور رک جاؤں یا پھر صبح چلی جاؤں۔ ان کی تجویز میرے لئے قابلِ قبول نہ تھی۔ ایک تو یہ بات مجھے بالکل پسند

نہیں تھی کہ کسی کے ہاں رات گزاروں' دوسری بات یہ کہ میری جوان لڑکی گھر پر اکیلی تھی۔ میرے گھر نہ پہنچنے سے پریشان ہوجاتی۔ میں ایک رکشا والے سے بات کرکے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ شادی کی یہ تقریب ایک بڑے ہوٹل کے سبزہ زار میں منعقد ہوئی تھی۔ جب میں گھر سے ہوٹل اس تقریب میں شرکت کرنے کے لئے جارہی تھی تب میں نے ان بدمعاشوں کو ایک گاڑی میں ایک چوراہے پر سگنل سے اپنے تعاقب میں آتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب میں تقریب کے اختتام پر ہوٹل سے باہر آئی تو ان بدمعاشوں کو نہیں دیکھا۔ اگر وہ آس پاس موجود تھے تو میری نگاہ ان پر نہیں پڑی تھی اور نہ مجھے ان کا خیال آیا تھا۔ میں بہت دیر ہونے کی وجہ سے پریشان اور گھر پہنچنے کے لئے بے چین تھی اور پھر میں خواب و خیال میں بھی سوچ نہیں سکتی تھی کہ یہ بدمعاش مجھے اغوا کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں نے ان کے تعاقب کو اپنا واہمہ سمجھ کر جھٹک دیا تھا۔

"جب رکشا ویران اور سنسان علاقے سے گزرنے لگا تو بدمعاشوں کی گاڑی بڑی تیزی سے رکشا کے قریب آئی۔ ایک بدمعاش نے رکشا والے کو روکنے کے لئے کہا۔ رکشہ والا ڈرائیور ایک بوڑھا باریش پٹھان تھا۔ اس نے بدمعاشوں کے ارادوں کو بھانپ لیا۔ اس نے رکشا روکنے کے بجائے اس کی رفتار تیز کردی مگر اس سے کچھ حاصل نہ ہو سکا کیونکہ بدمعاشوں کی گاڑی نے تعاقب کرکے رکشا کو آلیا۔ پھر گاڑی سامنے لاکر رکشا کو روکنے پر مجبور کردیا۔ رکشا کے رکتے ہی گاڑی میں سے تینوں بدمعاش اترے۔ ایک بدمعاش نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے بڑی بے رحمی سے کھینچ کر اتارا۔ اس بوڑھے ڈرائیور نے مجھے چھڑانے کی کوشش کی۔ وہ تینوں بدمعاشوں سے الجھ پڑا تھا۔ دو بدمعاشوں نے مل کر اس غریب کی زبردست پٹائی کردی۔ چاقو نکال کر اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دی اور اپنا راستہ ناپنے کے لئے کہا.......... اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا اور اسے اپنی جان کی فکر بھی لاحق ہوگئی تھی۔ اس لئے اس نے وہاں سے کھسکنے میں اپنی عافیت سمجھی۔ بدمعاشوں سے نمٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ بدمعاش مسلح نہ ہوتے تو شاید وہ ان سے بھڑ جاتا۔ میں بھی اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتی۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے زبردستی گاڑی میں ڈال کرلے جانا چاہتے تھے اسی لمحے ادھر سے اتفاق سے آپ کا گزر ہوا پھر آپ مجھے بچانے کے لئے میدان میں آگئے' آپ نے میری عزت اور جان بچاکر اور مجھے میرے گھر پہنچاکر احسان کیا ہے۔ میں اس احسان کو ساری زندگی اتار نہیں سکتی ہوں' آپ کے لئے میرے پاس دعاؤں کے سوا دینے کے لئے کچھ بھی نہیں



ہے۔"

"پھر آپ احسان کی بات کر رہی ہیں۔" اویس نے انکساری سے کہا۔ "اس میں احسان کی کیا بات ہے میں نے پہلے بھی آپ سے کہا کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

"احسان کی بات کیوں نہیں ہے..........؟ بلکہ میرے نزدیک تو یہ احسان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ آپ نے میری خاطر اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ لوگ تو اپنوں کی ذرا سی بھی مصیبت اور تکلیف میں کام نہیں آتے ہیں لیکن آپ نے ایک غیر اور اجنبی عورت کی جان بچانے کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ بے غرضی اور بے لوث جذبے کی ایسی مثال ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ کسے اپنی جان پیاری نہیں ہوتی ہے' خدانخواستہ.......... خدانخواستہ آپ کو کچھ ہوجاتا تو میں خدا کو کیا منہ دکھاتی..........؟ آپ کے اس عظیم جذبے نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں خرید لیا ہے۔" افروزہ بیگم جذباتی سی ہوگئیں۔

اویس کو اس موضوع اور ان رسمی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اس عورت کی بیٹی کو دیکھنے کے لئے بے چین اور مضطرب ہو رہا تھا جو اس کے لئے چائے بنا کر لانے والی تھی۔ اس کے تجسس میں اضافہ ہو رہا تھا جس وقت وہ افروزہ بیگم کو اپنا کارنامہ بڑھا چڑھا کر سنا رہا تھا تب اسے شک سا ہوا تھا کہ سامنے والے ۔ ۔ ۔ کے دروازے کے پاس وہ لڑکی چھپ کر کھڑی ان کی گفتگو سن رہی ہے اسی وجہ سے چائے آنے میں دیر ہوگئی تھی۔ افروزہ بیگم نے اس کا شکریہ ادا کرنے اور چائے پلانے کے لئے اپنے گھر میں بلایا تھا۔ وہ لڑکی کے خیال اور چکر کی وجہ سے اب تک رک بھی گیا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس نے افروزہ بیگم کی نہیں بلکہ اپنی رقم اور جان بچانے کی کوشش کی تھی۔ اسے افروزہ بیگم کی عزت اور جان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے اپنی دانست میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔ اس میں اس کے کسی خلوص' ایثار اور کسی جذبے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ چونکہ اس پھڈے میں ٹانگ اڑانے سے اس کی رقم اور جان کے لالے پڑ گئے تھے اس لئے اسے ہمت اور جرأت سے کام لینا پڑا تھا۔ افروزہ بیگم حد سے زیادہ متاثر ہو گئی تھی اور اس کے جذبے کی تعریف میں زمین آسمان ایک کردیا تھا۔

اس کے اور افروزہ بیگم کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ اس اثناء میں اندر کے کمرے سے ایک جوان لڑکی دونوں ہاتھوں سے ٹرے تھامے اس طرح نمودار ہوئی جیسے چاند بادلوں کی اوٹ سے نمودار ہوتا ہے۔ اویس کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ لڑکی کی عمر

اٹھارہ انیس برس کی ہوگی۔ لطافت و ملاحت میں لاجواب‘ نک سک سے درست‘ چہرہ چاند کا ٹکڑا‘ وہ سرتاپا سفید لباس میں ملبوس تھی۔ سفید دوپٹے کی محراب میں میک اپ سے مبرا چہرہ دمک رہا تھا۔ کمرے میں جیسے چاندنی سی چٹک گئی تھی۔ چہرے کے نقش و نگار تیکھے تیکھے‘ الگ الگ کٹے ہوئے ترشے ہوئے سے‘ کتابی چہرہ ستواں ناک‘ اس پر گلابی ہونٹ‘ اس کی بڑی بڑی گہری سیاہ غزالی آنکھیں جن میں بے حد کشش تھی۔ چہرے پر گلاب کھلے ہوئے تھے۔ اس کے ریشمی سیاہ بال بڑے لانبے تھے جو اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ ایسا بھرپور بدن تھا جس کا انگ انگ جوانی سے لبریز تھا۔ سراپا نہیں تھا قیامت تھا۔

اس لڑکی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی کمرہ مہک اٹھا تھا۔ رات کی رانی کی طرح......... اویس دم بخود تھا۔ اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کی آنکھیں اس طرح چندھیا گئی تھیں جیسے شعلہ لپکا ہو۔ وہ افروزہ بیگم کی موجودگی کا خیال کئے بغیر دیکھ رہا تھا۔ اس احساس کے باوجود کہ یہ معیوب سی بات ہے۔ کیا دیکھے‘ کیا نہ دیکھے‘ وہ ایک ایسا حسین تراشا ہوا مجسمہ تھا جس کا ہر حصہ اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ سبک خرامی سے نپے تلے قدم رکھتی ہوئی تپائی کے پاس پہنچی پھر اس کی مترنم آواز کمرے کے سکوت میں لہرائی۔ اس نے بڑے تپاک سے اویس کو سلام کیا تھا۔

”یہ میری بیٹی شگفتہ یاسمین ہے۔“ افروزہ بیگم نے اپنی بیٹی کا اس سے تعارف کرایا پھر وہ اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر بولیں۔ ”بیٹی! آپ اویس احمد صاحب ہیں جنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر میری عزت اور جان غنڈوں کے ہاتھوں سے بچائی۔ اگر آپ اپنی جان کی بازی نہ لگاتے تو خدا جانے میرا کیا حشر ہوتا۔“

”آپ کے اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔“ شگفتہ کا لہجہ بڑا جذباتی تھا۔ اس کی آواز بھرا سی گئی تھی۔ ”میری امی کو کچھ ہو جاتا تو میری دنیا اندھیر ہو جاتی۔ اس دنیا میں میری امی سب سے بڑی دولت ہیں۔ میرے لئے سب ہیں۔“ وہ اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

”آپ لوگ بار بار میرا شکریہ ادا کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔“ اویس نے اس کے پھول سے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔ ”آپ بھی میری جگہ ہوتیں تو وہی کرتیں جو میں نے کیا ہے......... میں نے یہ سب کچھ کسی صلے یا ستائش کے لئے نہیں ہے۔ یہ میرا فرض تھا۔ پلیز! آپ اسے احسان کا نام نہ دیں۔“

”یہ شرمندہ کرنے والی بات نہیں ہے۔“ شگفتہ نے اس کی طرف ممنون نگاہوں



سے دیکھا۔ ”آپ نے یہ احسان صرف امی پر ہی نہیں مجھ پر بھی کیا ہے۔“

شگفتہ نے ٹرے میں بسکٹ کی پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔ اویس نے دیکھا۔ اس کے گورے گورے ہاتھ جتنے خوبصورت تھے اتنے ہی نرم و نازک بھی تھے۔ اس کے لئے شگفتہ کا جمال بے مثال ہی نہیں حیران کن بھی تھا۔ اتنی حسین لڑکی اس نے شہر میں تو کیا خوابوں میں بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس میں کوئی خامی‘ کوئی عیب‘ کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ آواز کی کھنک اور لب و لہجے کی نفاست اور فصاحت اور دلبرانہ انداز دیکھ کر اویس اس پر ریشہ خطمی ہو گیا تھا۔ اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

وہ حسن کے دربار میں کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک ایک درباری کی طرح بڑا مؤدب سا بیٹھا رہا تھا۔ شعلہ ساماں کے طلسم نے اسے اپنا ایسا اسیر بنا لیا تھا کہ اس کا دل دربار سے اٹھنے کو نہیں چاہ رہا تھا اس کی نگاہیں کسی ضدی بچے کی طرح بار بار مچل اٹھتی تھیں۔ شگفتہ کو دیکھنے کے لئے......... وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اپنی نگاہوں کی پیاس بجھا رہا تھا لیکن پیاس تھی کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی‘ بجھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اس کی نگاہوں نے افروزہ بیگم کی موجودگی کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ درمیان میں افروزہ بیگم ان کو باتیں کرتا چھوڑ کر کپڑے بدلنے کے لئے چلی گئی تھیں۔ تب اسے جیسے اور آزادی مل گئی تھی۔ وہ کئی بار شگفتہ کی بڑی بڑی آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب ڈوب کر ابھرا تھا۔

شگفتہ نے چائے اچھی ہی نہیں بہت اچھی بنائی تھی۔ اس کی باتیں بھی اس کی طرح خوبصورت تھیں۔ جو وادیِ سوات کی حسین شاموں کی یاد دلاتی تھیں۔ شگفتہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ دارلامان میں غریب‘ مظلوم اور ظالم مردوں‘ شوہروں کے ہاتھوں ستائی ہوئی بدنصیب لڑکیوں اور عورتوں کی درد بھری داستانیں سنتی ہے۔ رجسٹر میں ان کا اندراج کرتی ہے۔ اس معاشرے میں سب سے زیادہ بدنصیب اور دکھی جو مخلوق ہے وہ عورت ہے۔ وہ ایسی عورتوں کی دل جوئی کرتی ہے‘ انہیں دلاسا دیتی ہے‘ ان کی رہنمائی کرتی ہے جو لڑکیاں اور عورتیں پناہ لینے آتی ہیں وہ ان کی رہائش اور طعام کا اس ادارے کی عمارت میں بندوبست کرتی ہے۔ پھر وہ سہ پہر کے وقت اس ادارے سے نکل کر بیوٹی پارلر چلی جاتی ہے۔ اس نے میک اپ کا دو سالہ کورس ایک مستند ادارے سے کیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اسے بہترین میک اپ کرنے پر مقابلوں میں متعدد انعامات مل چکے ہیں۔ اسے کمرشل فلم اور ٹیلی ویژن والوں کی جانب سے بھی کئی بار پیشکش کی جا چکی تھی مگر اس نے صاف انکار کر دیا‘ کیونکہ اسے وہاں کا ماحول پسند نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اسے زیادہ کمانے سے بھی

دلچسپی نہیں تھی پھروہ دارالامان کی ملازمت کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

اویس اپنے دل پر جبر کی سِل رکھ کر گھر جانے کے لئے اٹھا۔ اس وقت رات کے بارہ بجنے میں بیس منٹ باقی تھے اس کے بس میں ہوتا تو وہ اپنی ساری زندگی حسن کے دربار میں گزار دیتا۔ شگفتہ اور افروزہ بیگم اسے دروازے تک رخصت کرنے آئی تھیں۔ افروزہ بیگم نے اس سے بڑی اپنائیت سے کہا تھا کہ وہ کبھی وقت نکال کر آجایا کرے۔ انہوں نے اسے بیٹا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ اس میں رسمی انداز نہ تھا۔ خلوص بھرا ہوا تھا اور پھراس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ شگفتہ کی آنکھوں کی زبان نے اس سے وہ کچھ کہا ہے جو زبان سے کہنا ممکن نہیں ہے اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا' کہیں یہ اس کا واہمہ تو نہیں ہے؟

وہ گھر کی طرف جاتے ہوئے چشم تصور میں شگفتہ ہی کو دیکھتا ہوا جا رہا تھا۔ اس کا اندازہ درست نکلا تھا کہ افروزہ بیگم کی بیٹی بہت حسین ہوگی۔ وہ اس کے تصور سے بھی بہت حسین نکلی تھی۔ اس قدر حسین و جمیل ہونے کے باوجود اس میں پندارِ حسن بالکل بھی نہ تھا۔ وہ عام قسم کی لڑکی بھی نہ تھی وہ اپنی ماں کی غیر موجودگی میں بھی اس سے بڑے اطمینان اور اعتماد سے اس طرح سے باتیں کرتی رہی تھی جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی بھی تھی۔

اس نے آنٹی کو ٹیلی فون کرنے کے بعد فیصلہ کرلیا کہ وہ کل نورین کو طلاق دے دے گا لیکن وہ اسے اپنی زندگی سے نکالنے کے لئے ذہنی طور پر تیار نہ تھا۔ وہ اس حسین عورت کا سودائی بنا رہنا چاہتا تھا جب تک کوئی نیا شکار اس کے دام میں نہیں آجاتا اس وقت تک وہ نورین کے ساتھ وقت گزاری کرنا چاہتا تھا۔ شادی تو اس کے لئے سراسر گھاٹے کا سودا ثابت ہوئی تھی۔ نورین کے ہرجائی پن اور فریب کے باوجود اس نے اپنے دل میں اس کے لئے نفرت محسوس نہیں کی تھی جو نفرت اور غصہ پیدا ہوا تھا وہ مٹ گیا تھا۔ نورین اس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ اس لئے کہ وہ تنہائی کی بہترین اور گرم جوش رفیقہ تھی اس کی جگہ شاید ہی کوئی دوسری عورت لے سکتی تھی۔ جب وہ گھر پہنچ کر سونے کے لئے بستر پر دراز ہوا تو شگفتہ سے ملاقات کی تیز روشنائی نے اس کے دل پر بنی ہوئی شعلہ مجسم نورین کی چمک دار تصویر کو میلا کر دیا تھا۔ دل کے نہاں خانے میں اب شگفتہ کی تصویر تھی۔

نورین بھولنے والی ہستی نہ تھی اور اس کی جگہ فوراً ہی کوئی دوسری حسین لڑکی



نہیں لے سکتی تھی۔ وہ شگفتہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس کے تصور میں نورین کا چہرہ ابھر آیا۔ اس نے اپنے کانوں میں نورین کی رسیلی آواز گونجتی ہوئی محسوس کی کہ میں صرف تمہاری ہوں۔ صرف تمہاری ہوں۔ آواز نے اویس کو تھوڑی دیر کے لئے بے چین کر دیا تھا۔ پھر جیسے کسی طرف سے شگفتہ اس کے تصور میں آکھڑی ہوئی۔ نورین کا تصور دھواں بن کر بکھر گیا۔ وہ شگفتہ کی آنکھیں دیکھتا رہا۔ چمک دار آنکھیں جس نے اس پر جادو کر دیا تھا۔ گہری آنکھیں جن میں وہ اپنی ساری چالبازیوں سمیت ڈوب چکا تھا۔ اس پر نشہ طاری ہونے لگا۔

پھر اچانک اس کے تصور میں ثمرین، بن بلائے مہمان کی طرح داخل ہوگئی۔ ثمرین کے خیال نے اسے جیسے ڈس لیا۔ ثمرین اس کے سامنے کھڑی ایسی خطرناک ہنسی ہنس رہی تھی جیسے اس نے بھری عدالت میں اسے کھینچ لیا ہو۔ عدالت نے اسے ثمرین کی اجازت کے بغیر شادی کرنے کے جرم میں سزا سنائی ہو۔ اس کے کلیجے میں جیسے نیزہ اتر گیا۔ اگر ثمرین اس کے اور شگفتہ کے درمیان آگئی تو پھراس کے سارے خواب چکنا چُور ہوجائیں گے.......... اسے ثمرین کا کوئی انتظام کرنا ہوگا۔

صبح ناشتے کی میز پر اس کی ماں زیب النساء اس سے بولیں۔ "بیٹے! میں نے سوچا ہے کہ اب تمہاری شادی ہوجانا چاہئے' میری نظر میں دو ایک بہت خوبصورت لڑکیاں ہیں' کہو تو میں ان کی تصویریں منگوا کر تمہیں دکھا دوں.......... تم انہیں دیکھنا چاہو تو میں اس کا بندوبست بھی کر سکتی ہوں۔"

"میں بھی اپنی شادی کے لئے سنجیدہ ہو کر سوچ رہا ہوں۔" اویس نے جواب دیا۔ "مگر میں چاہتا ہوں کہ نجمہ اور خالدہ کی شادی پہلے ہوجائے۔"

"ان کی شادی کے لئے میں کب سے کوشش کر رہی ہوں۔" زیب النساء نے فکر مندی سے کہا۔ "مگر ان کا کوئی رشتہ کہیں طے نہیں ہو پارہا ہے۔ میں نے بہت سوچ بچار کے بعد تمہاری شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے میں چاہتی ہوں کہ لڑکیاں رخصت ہونے سے پہلے گھر میں بہو موجود ہو تاکہ وہ گھر کو سنبھال سکے۔"

"اگر یہ بات ہے تو کچھ دنوں کے لئے اور رک جائیں۔" اویس بولا۔ "مجھے آپ کی تجویز سے اتفاق ہے۔ یہ زیادہ بہتر اور مناسب رہے گا۔"

زیب النساء کو اس بات کی امید نہ تھی کہ ان کا بیٹا شادی کے لئے تیار ہوجائے گا۔ وہ اس سے پہلے بیٹے سے متعدد بار شادی کے لئے کہہ چکی تھیں۔ بیٹے نے صاف ٹال دیا

تھا۔ بڑے حیلے بہانے کئے تھے۔ عذر تراشے تھے مگر آج اس نے فوراً اور غیر متوقع شادی کے لئے آمادگی ظاہر کی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ خوش ہو کر بولیں۔ ”میری نظر میں جو لڑکیاں ہیں وہ بہت بڑے گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی تصویریں منگوالوں؟“

”میں بڑے گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنا نہیں چاہتا ہوں۔“ وہ تصور میں شگفتہ اور اس کے گھر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیوں بیٹے.........؟“ وہ حیرت آمیز لہجے میں بولیں۔ ”بڑے گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنے میں کیا خرابی ہے۔ وہ بہت اچھا لین دین کریں گے ایک لگژری فلیٹ‘ گاڑی اور سلامی میں پچاس ہزار روپے بھی دیں گے۔ لڑکیاں بھی ماشاء اللہ بہت حسین اور گریجویٹ ہیں۔“

”بڑے گھرانے کی لڑکی سے شادی کرنے میں ایک نہیں بلکہ بہت ساری خرابیاں ہیں۔“ وہ کہنے لگا۔ ”پہلی خرابی یہ ہے کہ وہ آپ کی بہو بیٹی بن کر خدمت نہیں کرے گی بلکہ الٹا اس کی خدمت آپ کو کرنا ہوگی‘ کھانا پکانا جانتی نہیں ہوگی۔ ایک ملازمہ یا خانساماں رکھنا ہوگا اور پھر وہ کسی قیمت میں ساتھ رہنا پسند نہیں کریں گی۔ اسی لئے ان کے ماں باپ لگژری فلیٹ اور گاڑی دے رہے ہیں تاکہ ان کی بیٹی کا پلہ بھاری رہے۔“

”بھائی جان ٹھیک کہہ رہے ہیں امی.........!“ نجمہ نے کہا۔ ”شکیل بھائی اور انجم بھائی نے بڑے گھروں میں شادی کی۔ شادی کے دس پندرہ دن کے بعد ہی وہ الگ ہوگئے۔ آج کل بڑے گھروں کی لڑکیاں جوائنٹ فیملی کو بالکل بھی پسند نہیں کرتیں۔ وہ آزاد زندگی گزارنا چاہتی ہیں۔“

”اس میں لڑکی سے زیادہ لڑکوں کا قصور ہوتا ہے جو بیویوں کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں۔“ جہاں شناس ماں نے کہا۔

میری نظر میں ایک لڑکی ہے۔“ اویس نے زیرِلب مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اس کا تعلق متوسط گھرانے سے ہے اس کی امی استانی ہیں۔ وہ بیوٹیشن ہے‘ سلیقہ مند‘ سگھڑ اور کفایت شعار بھی ہے۔ دو جگہوں پر جزوقتی ملازمت بھی کرتی ہے۔ شریف خاندان سے اس کا تعلق ہے۔“

”کیا آپ نے اس لڑکی کو دیکھا ہے.........؟“ خالدہ نے اشتیاق آمیز لہجے میں پوچھا۔ ”کیا وہ خوبصورت ہے؟ زیادہ عمر تو نہیں ہے؟“



”ہاں.........میں نے اس لڑکی کو اتفاق سے کل ہی دیکھا ہے؟ وہ بہت خوبصورت ہے اس کی عمر اٹھارہ انیس برس سے زیادہ نہیں ہے۔“

”پھر ہم لوگ چل کر اس لڑکی کو دیکھے لیتے ہیں۔“ نجمہ نے ماں سے کہا۔ ”بھائی جان نے اس لڑکی کو دیکھا اور پسند بھی کرلیا ہے۔“

”اس لڑکی کو دیکھنے کے لئے کچھ دن انتظار کرنا پڑے گا۔ میں اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرلوں پھر آپ لوگ جاکر اسے دیکھ آئیں۔“

اویس ناشتہ کرکے سیدھا بینک گیا اس نے دو لاکھ کی رقم نکالی تاکہ حق مہر ادا کرسکے پھر اس نے اپنے فلیٹ پر آکر ایک ٹائپ شدہ طلاق نامہ نکال کر اس کی خانہ پُری کی پھر وہاں سے سیدھے آنٹی کے پاس پہنچا۔ اتفاق سے وہاں شہزاد‘ رانی بیگم اور آنٹی موجود تھیں۔ نورین بھی تھوڑی دیر پہلے ہی وڈیرے کے ساتھ رات گزار کر آئی تھی۔ اس نے نورین کو دیکھ کر نفرت سے منہ پھیرلیا۔ وہ اس کی شکل دیکھنے کا روادار نہیں تھا۔

اویس نے کاغذی کارروائی کرنے کے بعد پہلے پچیس ہزار روپے آنٹی کے ہاتھ پر رکھ دیئے جو کل اس سے چھین کرلے گیا تھا۔ اس نے دو لاکھ روپے کی رسید لے کر آنٹی کو رقم دے دی۔ یہ ساری کارروائی بڑی خاموش اور تلخ فضا میں ہوئی تھی۔ دو لاکھ پاکر رانی اور آنٹی بہت خوش تھیں جبکہ نورین بہت اداس اور ملول سی تھی۔ شگفتہ سے ملاقات کے بعد اب اسے نورین سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ اپنی کشش کھو چکی تھی۔

جب وہ جانے لگا تو نورین نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ ”میں تم سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”اب بات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔“ اویس نے زہرخند سے کہا۔ ”اب تمہارے اور میرے راستے جدا جدا ہیں۔ میرا تم سے آج سے کوئی تعلق نہیں رہا۔“

”میں یہ بات جانتی ہوں لیکن پھر بھی تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ تم نے میری بات نہیں سنی تو میرے دل میں ایک پھانس سی چبھی رہے گی۔“

شہزاد نے اویس کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ ”نورین کی بات سننے میں کیا حرج ہے؟ وہ تم سے کوئی مطالبہ تو نہیں کررہی ہے۔“

اویس بادل ناخواستہ کے ساتھ اس کے کمرے میں چلاگیا۔ اس وقت آنٹی اور رانی بیگم رقم گننے میں مصروف تھیں اس لئے انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

کمرے میں پہنچ کر نورین نے دروازہ بند کر دیا۔ اس کے گلے میں بانہیں حمائل کر کے بولی۔ "آئی لو یو.......... اویس!"

"کون سی محبت' مس نورین..........؟" اویس نے تمسخر آمیز لہجے میں پوچھا۔ "دس ہزار روپے والی' بیس ہزار روپے والی' پچاس ہزار روپے والی؟"

"تم مجھے طعنہ دے رہے ہو اویس؟" وہ دل گرفتہ لہجے میں بولی۔ "محبت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے' یہ بے لوث ہوتی ہے۔"

"سنو نورین!" اویس نے اس کی دونوں کلائیاں تھام کر اس کی اداس سی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نفرت انگیز لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "یہ حقیقت ہے کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کبھی سچی محبت نہیں کی۔ تم نے مجھ سے اس لئے محبت کا ڈھونگ رچایا کہ میری جیب پر ڈاکہ مار سکو' جیب خالی کر دو.......... میں نے تم سے اس لئے محبت کی کہ تم بہت حسین تنہائی کی بہترین رفیق ہو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت اور مجبوری تھے۔ میں نے اس کے باوجود تم سے شادی کی کہ تم ایک ماڈل کم جسم فروش عورت ہو۔ میرا یہ خیال تھا کہ شادی کے بعد صرف تم میری ہو کر رہو گی اس لئے میں نے آنٹی کی تمام شرائط بلاچوں چرا مان لیں۔ میری ایک شرط تھی کہ شادی کے بعد تم اپنی راتیں کالی نہیں کرو گی مگر تم نے کیا کیا.......... میرے اعتماد اور خلوص کو ٹھیس پہنچائی۔ اب تمہارے وجود سے تعفن اٹھ رہا ہے۔"

"میں تمہیں کیسے بتاؤں.......... کیسے سمجھاؤں کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے' آنٹی اور رانی نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنی راتیں کالی کرتی رہوں۔"

"مگر تم انکار تو کر سکتی تھیں؟" اویس تیز و تند لہجے میں بولا۔ "تم میری بن چکی تھیں تم پر صرف اور صرف میرا حق تھا تم میری ملکیت تھیں۔"

"میں نے دبی زبان سے انکار کیا تھا لیکن آنٹی نے میری ایک نہ سنی.......... رانی بھی بگڑ گئیں۔ تم نہیں جانتے ہو کہ وہ کیسی ظالم عورتیں ہیں۔"

"اب تم کیا چاہتی ہو؟" اویس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ "تیر کمان سے نکل چکا ہے میں تمہیں کسی قیمت پر پھر سے اپنا نہیں سکتا ہوں۔"

"میں یہ چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے کبھی کبھار ملتے رہا کرو' ہم چوری چھپے مل سکتے ہیں میں نہیں چاہتی کہ آنٹی کو ان ملاقاتوں کا علم ہو۔"

"اب تمہارے لئے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔" اویس نے سفاک لہجے



میں کہا۔ "ان ملاقاتوں سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ میں تمہیں اس کا معاوضہ بھی نہیں دے سکوں گا۔"

"تم مجھے سمجھنے میں غلطی کر رہے ہو اویس..........!" وہ تڑپ کر زخم خوردہ لہجے میں بولی۔ "کیا تم مجھے اس قدر ذلیل اور کمین سمجھتے ہو؟"

"ٹھیک ہے اب مجھے جانے دو.......... مجھے دفتر کے لئے دیر ہو رہی ہے۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ آنٹی کے بتائے راستے پر چلو۔" اویس نے سرد مہری سے کہا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے نورین کو الگ کیا اور کمرے سے نکل کر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ نشست گاہ میں نہیں گیا جہاں شہزاد بیٹھا ہوا تھا۔ نورین نے جو صفائی پیش کی تھی اور محبت جتائی تھی اسے اس کا اعتبار نہیں آیا تھا۔ وہ نورین' آنٹی اور رانی بیگم کو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے سمجھتا تھا۔ نورین اس کے ساتھ ایک نیا کھیل کھیلنا چاہتی تھی۔ وہ بے وقوف نہیں تھا جو اس کے فریب میں آجاتا۔

نورین اس کے نفرت انگیز رویے کے باوجود اس کے پیچھے برآمدے تک لپکتی ہوئی آئی تھی اسے برآمدے میں روک لیا تھا۔ وہاں ان دونوں کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اس نے اویس کو روکنے' منانے اور کچھ کہنے کی بہت کوشش کی تھی' اس کے پیروں پر گر پڑی تھی' بلکنے بھی لگی تھی لیکن اویس کو نورین کی آہ و زاری پر ذرا برابر بھی رحم نہیں آیا تھا۔ وہ سنگ دل بن گیا تھا۔ اس کے دل کے کسی گوشے میں نورین کے لئے کوئی جگہ نہیں رہی تھی جو محبت اور کشش تھی وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی یوں بھی اس نے نورین سے کبھی محبت نہیں کی تھی اسے صرف نورین کی جوانی اور جسم کی رعنائیوں سے دلچسپی رہی تھی۔ وہ ایک بھنورا تھا' جسم کا خریدار تھا۔ اس نے کبھی کسی عورت سے محبت نہیں کی تھی وہ نورین سے کیا کرتا۔ اس لئے اس نے نورین کو جھڑک دیا تھا۔ اس کے جذبات و احساسات کو روند اور کچل دیا تھا۔ اب اس کے نزدیک نورین ایک مسلے ہوئے پھول کی مانند تھی۔

اویس نے گیٹ سے باہر نکلتے وقت نورین کی طرف دیکھا۔ وہ برآمدے میں حسرت و یاس کی تصویر بنی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسے اب بھی آس اور امید بندھی ہوئی تھی کہ وہ لوٹ آئے گا' محبت کی دہلیز پر اپنا سر ٹیک دے گا۔ محبت کی جیت ہو جائے گی۔ اویس کو اندازہ اور احساس نہ تھا کہ ایک کاروباری عورت اس سے سچی محبت بھی کر سکتی ہے۔

وہ سچی محبت نہیں بلکہ صرف محبت کا بھی قائل ہوتا تو اس وقت نورین کی طرف لوٹ جاتا۔ نورین نے اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بددیانتی کی مرتکب آنٹی کی وجہ سے ہوئی تھی اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے لیکن اب کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا تھا اور پھر شگفتہ نے اس پر جو جادو کر دیا تھا اس کا توڑ نورین تو کیا دنیا کی کسی بھی حسین سے حسین لڑکی کے پاس نہیں ہو سکتا تھا۔

نورین تھوڑی دیر تک برآمدے میں کھڑی رہی۔ اویس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے نشست گاہ کی طرف بڑھ گئی وہ اندر داخل ہوئی تو اس نے آنٹی کی طرف دیکھا جو نوٹوں کی گڈیوں کو چومتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"رانی! تم نے دیکھا.......... میں نے کس طرح اس سے نہ صرف پچیس ہزار کی رقم بلکہ دو لاکھ روپے حق مہر کے بھی نکلوا لئے' بڑا اکڑ رہا تھا صرف ایک تڑی دینے سے راہ راست پر آگیا۔"

"آپ نے بڑی غلطی کی جو اس سے حق مہر کی رقم وصول کر کے ایک بڑا شکار ہاتھ سے کھو دیا۔ نورین کو طلاق دینے سے وہ فائدے میں رہا۔" شہزاد نے کہا۔ "آپ نے بڑی جلد بازی کی.......... ایسی بھی کیا جلدی تھی طلاق کا فیصلہ کرنے کی' کم از کم مجھ سے مشورہ تو کر لیا ہوتا؟"

"کیا دو لاکھ پچیس ہزار کی رقم کم ہوتی ہے؟" آنٹی نے نوٹوں کی گڈی کی طرف اشارہ کیا۔ "وہ کس طرح سے فائدے میں رہا؟"

"اس طرح کہ آپ اسے بلیک میل کر کے لاکھوں روپے کمانے سے محروم ہوگئیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "وہ ہر لحاظ سے سستا چھوٹ گیا۔ میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اس کی ماہانہ آمدنی کتنی ہے۔ اس کا جو عہدہ ہے وہ سونے کی کان ہے وہ موقع محل کے لحاظ سے خوب فائدہ اٹھا رہا ہے اب آپ کو ایسا شکار ساری زندگی نہیں مل سکتا۔ میں اسے کتنی مشکل سے گھیر کر لایا تھا۔ آپ نے میری ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔"

"طلاق دینے کے لئے میں نے نہیں کہا تھا۔" آنٹی نے کہا۔ "اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ نورین کو طلاق دے دے گا۔ میں نے کہا' اوکے.........."

"آپ کو چاہئے تھا کہ اس کی بات نہ مانتیں اس سے حق مہر کی رقم وصول نہ کرتیں۔ آپ نے لاکھوں کی رقم کو لات ماردی۔"



"شہزاد ٹھیک کہہ رہا ہے۔" رانی نے شہزاد کی تائید کی۔ "تم نے جلد بازی میں سارا کام خراب کر دیا۔ دو لاکھ روپے تو ہم اس سے ہر ماہ بڑی آسانی سے وصول کر سکتے تھے۔ اس طرح جس طرح دوسروں سے وصول کر رہے ہیں۔ اسے بلیک میل کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔"

"اگر ایسی بات ہے تو اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔" آنٹی نے کہا۔ "کل اویس کو بلا کر میں اسے ساری رقم واپس کئے دیتی ہوں۔ طلاق نامے کو واپس کئے دیتی ہوں' اس سے کہتی ہوں کہ نورین کو اپنے ہاں رکھ لے' رقم اور نورین کو پا کر اس کا غصہ سرد پڑ جائے گا۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ آپ سمجھ رہی ہیں' کیا آپ نے دیکھا اور محسوس نہیں کیا کہ اس نے نورین سے کس قدر نفرت اور غصے کا اظہار کیا تھا.........." شہزاد نے کہا۔ "آپ اس وقت رقم گن رہی تھیں اس لئے اس کا ردِعمل دیکھ نہ سکیں۔ شکار جال سے نکل گیا ہے۔"

"تم دیکھ لینا.......... وہ دو تین دن میں ہی کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے گا۔" آنٹی متکبرانہ لہجے میں کہنے لگی۔ "نورین کے حسن و شباب کے طلسم کا جو ایک بار اسیر بن جاتا ہے وہ اس سے ساری زندگی نکل نہیں سکتا ہے.......... اور پھر میں نے اسے خصوصی طور پر تربیت دی ہوئی ہے کہ ایک مرد کو کس طرح اور کیسے خوش کیا جاتا ہے۔ اسے مٹھی میں کرنے کے لئے کیا حربے استعمال کرنا چاہئیں' نورین کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔"

"ایسی بات ہوتی تو وہ نورین کو طلاق نہ دیتا.......... وہ حالات سے سمجھوتا کر لیتا اور پھر نورین کو معاف کر کے ساتھ لے جاتا۔" شہزاد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" رانی نے کہا۔ "اب تم بتاؤ کہ اس مرغے کو پھر سے کیسے پھانسا جاسکتا ہے؟ واقعی ہم سے بڑی غلطی ہوگئی۔"

"اس کی ایک ہی صورت ہے کہ نورین نہ صرف اسے یہ رقم لے جا کر دے دے بلکہ اس سے جھوٹی محبت جتائے۔ اس سے معافی مانگے۔" شہزاد نے مشورہ دیا۔

"میں نے یہ کوشش بھی کر کے دیکھ لی ہے۔" نورین نے افسردگی سے کہا۔ "میں نے اس کے قدموں پر گر کر معافی مانگی تب بھی اس نے مجھے دھتکار دیا۔"

"اس کی دو بہت بڑی کمزوریاں ہیں' ایک عورت اور دوسری دولت.......... رقم دیکھ کر شاید اس کی نفرت اور غصہ سرد پڑ جائے۔" شہزاد بولا۔

"اویس تمہارا بچپن کا دوست ہے' محسن بھی ہے۔" رانی بولی۔ "تم اسے سمجھاؤ' پھر ہم اسے نورین اور رقم لوٹا دیتے ہیں۔"

"میں کوشش کروں گا کہ وہ اپنا طلاق نامہ واپس لے لے۔" شہزاد نے کہا۔ "ویسے یہ کام مشکل ہے کیونکہ میں اس کی فطرت سے بخوبی واقف ہوں۔"

"اگر تم نے اویس کو کسی طرح نورین کے ساتھ وقت گزارنے پر آمادہ کر لیا تو میں تمہیں پانچ ہزار روپے دوں گی۔" آنٹی بولی۔

☆======☆======☆

اویس نے کوٹھی سے نکل کر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور دفتر کی جانب روانہ ہوگیا۔ وہ ایک سنسان سڑک سے گزرنے لگا۔ اس اعلیٰ رہائشی علاقے کی تمام گلیاں اور سڑکیں رات کی طرح دن میں بھی سنسان اور ویران رہتی تھیں' یہاں راہ گیر نہیں بلکہ نت نئی گاڑیاں نظر آتی تھیں۔ بڑی بڑی عالی شان اور پرشکوہ کوٹھیوں اور شاندار بنگلوں پر مقبروں کا دھوکا ہوتا تھا' کیونکہ کوئی بشر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ یہاں کی سڑکوں اور گلیوں سے واقف تھا اس علاقے کے ایک سرے پر آنٹی کی بھی کوٹھی تھی۔ وہ نورین کی معافی' عاجزی اور اس کے رونے کے بارے میں سوچتا جارہا تھا کہ مخالف سمت سے ایک نئے ماڈل کی مرسیڈیز گاڑی بڑی شان سے آتی دکھائی دی۔ ایسی گاڑیاں شہر میں بہت کم تھیں اور صرف کروڑ پتی لوگوں کے پاس ہی تھیں۔ کار کی رفتار زیادہ تیز نہ تھی جب وہ اس کے پاس سے گزری تو وہ اچھل پڑا۔ وہ اس لئے نہیں اچھلا تھا کہ اس کی گاڑی' مرسیڈیز سے ٹکراتے ٹکراتے بچی ہو بلکہ وہ اس لئے اچھلا تھا کہ اس کی پچھلی نشست پر شگفتہ سفید لباس میں ملبوس براجمان تھی۔ اس کے ساتھ ایک حسین اور نوجوان لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ اس ہنسی نے شگفتہ کو اور نکھار دیا تھا۔ وہ کل رات کے مقابلے میں اس وقت بہت حسین اور بہت ہی پیاری لگی تھی۔ اس نے شگفتہ کو فوراً ہی پہچان لیا تھا۔ نہ پہچاننے کی کوئی بات نہ تھی۔ وہ اس کی موہنی صورت کو کیسے بھلا سکتا تھا۔ کل رات ہی تو اسے دیکھا تھا اور اس کی تصویر اپنے دل پر نقش بھی کر لی تھی۔ اس نے شگفتہ کے چہرے کا ایک رخ دیکھا تھا۔ شگفتہ نے اسے نہیں دیکھا تھا وہ اس لڑکی سے بات کرنے میں منہمک تھی۔ وہ دیکھ لیتی تو شاید گاڑی رکوا لیتی۔

شگفتہ اس گاڑی میں اس لڑکی کے ساتھ کہاں اور کس لئے جارہی ہے' یہ لڑکی کون



ہے؟ اس وقت تو شگفتہ کو دارالامان میں ہونا چاہئے تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر اسے خیال آیا کہ رات شگفتہ نے اسے باتوں باتوں میں بتایا تھا کہ وہ دارالامان کے لئے عطیات لینے کے لئے مخیر افراد کے پاس بھی جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ اس ادارے سے اسے بے حد جذباتی لگاؤ ہے۔ وہ اس لڑکی کے ساتھ شاید عطیہ وصول کرنے جارہی تھی۔ اس نے یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ گاڑی کہاں جارہی ہے اپنی موٹر سائیکل روک کر گھما لی۔ مرسیڈیز کی رفتار سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی منزل قریب ہے۔

مرسیڈیز کے بارے میں اس کا اندازہ درست نکلا۔ وہ تھوڑی دور جاکر ایک پرشکوہ کوٹھی کے سامنے رکی۔ اس کا گیٹ کھلتے ہی گاڑی اندر چلی گئی۔ پھر گیٹ بند ہوگیا۔ اس نے کوٹھی کے چوکیدار کو باہر کھڑے دیکھا۔ نہ جانے کس خیال کے زیر اثر وہ اس کوٹھی کے سامنے سے گزرنے لگا۔ چوکیدار جو باہر کھڑا سگریٹ پی رہا تھا اسے اس چوکیدار کا چہرہ شناسا لگا۔ اس نے اگلے لمحے چوکیدار کو پہچان لیا۔ اس کا نام جمعہ خان تھا۔ وہ اس کے دفتر میں چپراسی رہ چکا تھا اور دو سال پہلے ریٹائر ہوا تھا اچھا آدمی تھا۔ اب اس نے اس کوٹھی میں چوکیداری کر لی تھی۔

اویس نے اس کے سامنے اپنی گاڑی لے جاکر روکی تو جمعہ خان نے اسے چونک کر دیکھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھا۔ قریب پہنچ کر اسے بڑی گرمجوشی سے سلام کیا اور بولا۔ "اویس صاحب! آپ؟ آپ یہاں کدھر؟"

"ہاں میں.........." اویس نے سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ "تم کیسے ہو جمعہ خان؟ بیوی بچے کیسے ہیں؟"

"آپ کی دعا ہے صاب!" اس نے جواب دیا۔ "بیوی بچہ ٹھیک ہے میں نے بڑا لڑکی کی شادی کر دی ہے' چھوٹا کا منگنی ہوگئی ہے۔"

"یہ تو تم نے بہت ہی اچھی خبر سنائی ہے' مبارک ہو۔" اویس نے بڑے خلوص سے کہا۔ "تم یہاں کب سے ملازمت کر رہے ہو؟"

"دو مہینے سے کام کر رہا ہوں۔" جمعہ خان نے بتایا۔ "آپ کیسا ہے؟ دفتر میں لوگ کیسا ہے؟ آپ نے شادی بنایا کہ نہیں؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں' دفتر میں بھی سب ٹھیک ہیں' جلد ہی شادی کرنے والا ہوں' اچھا یہ بتاؤ کہ یہ کوٹھی کس کی ہے؟"

"نذیر احمد خان صاب کا ہے جو ملک کا بہت بڑا صنعت کار اور دولت مند آدمی

ہے۔"

"ہاں' میں انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔" اویس نے سر ہلایا۔ "میں نے اس گاڑی میں دو لڑکیوں کو دیکھا ہے جو تھوڑی دیر پہلے اندر گئی ہے۔ وہ لڑکیاں کس کی ہیں؟"

"ایک لڑکی تو صاحب کا بیٹی شگفتہ جبیں ہے۔ دوسرا لڑکی ان کا سہیلی ہے۔ ہم نام نہیں جانتا۔"

"شگفتہ جبیں؟" اویس بڑے زور سے چونکا۔ پھر وہ تحیر زدہ لہجے میں بولا۔ "شگفتہ جبیں تمہارے صاحب کی لڑکی ہے؟ وہ اس کوٹھی میں رہتی ہے؟"

"جی ہاں...... شگفتہ جبیں' بیٹی کا نام ہے' لیکن وہ اس کوٹھی میں اپنا والد کا ساتھ نہیں رہتا۔" جمعہ خان نے بتایا۔

"جب وہ ان کی بیٹی ہے تو ان کے ساتھ کیوں نہیں رہتی؟ کیا شادی شدہ ہے؟"

"اس لئے کہ ان کا والد اکیلا رہتا ہے۔" جمعہ خان نے کہا۔ "کبھی کبھی صاحب گاڑی بھیج کر اپنا بیٹی کو بلا لیتا ہے۔ وہ بیٹی سے بہت محبت کرتا ہے۔ بیگم صاحبہ اپنے صاب کا شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں ہے۔ ایک بات یہ بھی سنا ہے کہ صاحب نے دوسرا شادی کسی ماڈل گرل سے کیا تھا پھر اسے طلاق دے دیا۔"

"کتنی عجیب سی بات ہے کہ ایک کروڑ پتی باپ کی بیٹی الگ رہتی ہے' ملازمت بھی کرتی ہے' ماں بیٹی کہاں رہتی ہیں؟"

"اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ صاب نے اپنا تمام جائیداد' سارا دولت اور کارخانے اپنا بیٹی کے نام لکھ دیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ باپ نے دنیا والوں کو دکھانے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا ہو۔ بیٹی کو کوئی اختیار ہی نہ ہو۔" اویس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"نہیں...... ان کا ارادہ ایسا ہرگز نہیں ہے ان کا بیٹی آج' بھی بااختیار ہے' وہ جب اور جس وقت چاہے جتنا رقم چاہے بینک سے نکال سکتا ہے۔"

"واقعی یہ ساری باتیں نہ صرف عجیب بلکہ مضحکہ خیز ہیں۔ ماں بیٹی کچھ کھسکی ہوئی ہیں یا اصل بات کچھ اور ہے۔ یہ ساری باتیں تمہیں کس نے بتائیں؟"

"ہم کو ڈرائیور راشد نے بتایا۔ وہ صاب کا پاس بیس سال سے ملازمت کر رہا ہے۔ وہ گھر کا بھیدی ہے۔" جمعہ خان نے کہا۔

اویس دفتر جاتے ہوئے راستے میں دفتر میں شگفتہ' اس کی ماں' باپ اور اثاثوں کے



بارے میں سوچتا رہا۔ نذیر احمد خان سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ نذیر احمد خان ایک کروڑ پتی شخص تھا۔ ملک کے بہت بڑے صنعت کاروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ شگفتہ کروڑ پتی لڑکی تھی۔ کس مصلحت کی بنا پر ایک عام سی زندگی گزار رہی ہے یہ ایک معمہ تھا۔ اس نے سوچا کہ شگفتہ سے شادی کرنے میں اسے دیر نہیں کرنا چاہئے۔ اس کے علم میں تمام باتیں آچکی تھیں۔ شگفتہ کا ابھی کہیں رشتہ طے نہیں ہوا تھا۔ وہ اس سے شادی کر کے کروڑ پتی لڑکی کا شوہر بن سکتا تھا۔

دوسرے دن سہ پہر کے وقت وہ اپنے فلیٹ میں تھا۔ وہ ایک ہزار گز کا بنگلہ کرائے پر لے کر اسے آراستہ و پیراستہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ شگفتہ کی ماں کو متاثر کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ اس نے یہاں منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی ماں اور بہنیں اس نئے گھر کو دیکھ کر خوش ہو سکتی تھیں۔ وہ ڈیکوریٹ کرنے والی کمپنی کے پاس جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجی۔

اویس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے حیرت سے سوچا کہ اس وقت کون آسکتا ہے؟ وہ کسی سے فلیٹ پر نہیں ملتا تھا' نہ اس نے ہر کسی کو اس کے بارے میں بتایا ہوا تھا۔ کہیں نورین تو نہیں آگئی؟ اس نے سوچا۔ نورین کے علاوہ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کل نورین نے اسے شیشے میں اتارنے کے کیا کیا جتن نہیں کر ڈالے تھے۔ وہ آج شاید پھر ایک اور کوشش کرنے آئی تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اسے بری طرح دھتکار دے گا۔

اویس نے دروازے کے پاس پہنچ کر پیپ ہول میں سے جھانک کر دیکھا شہزاد کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے دروازہ کھول کر اسے اندر بلا لیا۔ پھر وہ دونوں نشست گاہ میں آبیٹھے۔ اس نے پوچھا۔ "کل وہاں سے میرے جانے کے بعد ان لوگوں کا کیا ردِ عمل رہا...... آنٹی رقم پا کر خوش ہو گئی ہو گی' وہ بڑی کمینی اور ذلیل اور فاحشہ عورت ہے۔ میں نے اس کی دھمکی اور رانی سے نہ الجھنے کی وجہ سے نورین کو طلاق دے کر حق مہر کی رقم دے دی۔"

"میں نے انہیں لعن طعن کی تو بہت پچھتاوا ہوا۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "آنٹی چاہتی ہے کہ وڈیرے کی دی ہوئی رقم پچیس ہزار اور حق مہر کی رقم دو لاکھ' طلاق نامہ بھی واپس لے لو...... نورین کو بھی ساتھ لے جاؤ' اب نورین بھولے سے بھی بد دیانتی کی مرتکب نہیں ہو گی۔"

"اب مجھے اس رقم اور نورین سے کوئی مطلب اور سروکار نہیں ہے حقیقت میں، میں بہت سستا چھوٹ گیا ہوں ورنہ نورین مجھے کنگال کردیتی۔"

"نورین تم سے سچی محبت کرتی ہے۔" شہزاد نے وکالت کرتے ہوئے کہا۔ "اب وہ تمہاری داسی بن کر رہے گی، تم اسے معاف کردو.........."

"سچی محبت..........؟" اویس نے استہزائی لہجے میں کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو، وہ جیب سے سچی محبت کرتی ہے، آدمی سے نہیں مجھ سے نہیں۔"

"یار! تم خواہ مخواہ اس سے بد دل اور ناراض ہو رہے ہو، اسے تمہاری جیب سے نہیں تم سے محبت ہے اب تو وہ اس بات کے لئے تیار ہے کہ وہ ایک بیوی کی طرح رہے گی۔ ماڈلنگ چھوڑ دے گی۔ تم سے فرمائشیں بھی نہیں کرے گی۔ تم سے ہر ماہ جیب خرچ اور شاپنگ کے لئے کوئی رقم نہیں لے گی۔"

"حیرت کی بات ہے۔" اویس طنزیہ لہجے میں بولا۔ "ایک ایسی عورت جو گھناؤنے راستے پر چل کر ہزاروں کا دل بہلاتی رہی ہو جو آنٹی کی کٹھ پتلی ہو وہ ایک بیوی بن کر کیسے رہ سکتی ہے۔ ایسی عورت کبھی محبت کر ہی نہیں سکتی ہے۔ میں اب محبت کے کسی فریب اور جال میں پھنسنے سے رہا۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔" شہزاد نے ٹرمپ کارڈ استعمال کیا کیونکہ اویس تو کسی قیمت پر اس کی بات پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہو رہا تھا۔ "تم ایسا کرو کہ نہ صرف سوا دو لاکھ کی رقم لے لو بلکہ نورین کو بھی ساتھ لے آؤ۔ اس کی سچی محبت کا اندازہ کرنا ہے تو اس سے کہو کہ وہ حق مہر معاف کردے۔"

"تم اپنی تجویز اور مشورہ اپنے پاس رکھو۔" اویس کہنے لگا۔ "سچی بات تو یہ ہے کہ اب میرا دل نورین اور آنٹی کی حرکتوں سے اوبھ گیا ہے۔ ان دونوں نے مل کر مجھے خوب بے وقوف بنایا، دھوکا دیا اور پھر میں نورین سے اس قدر کھیل چکا ہوں کہ اب میرے نزدیک اس میں کوئی کشش نہیں رہی ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں سیمابی طبیعت کا آدمی ہوں۔ ایک بھنورے کی سی فطرت رکھتا ہوں۔ میں نے یہ باب بند کردیا ہے، پلیز! تم اس موضوع پر بات مت کرو۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے کوئی نیا شکار پھانس لیا ہو جس کی وجہ سے نورین جیسی حسین اور پُرشباب عورت کو تم ساتھ رکھنا نہیں چاہتے ہو؟"

"میں نے شکار نہیں پھانسا ہے بلکہ ایک لڑکی پسند کی ہے۔ اس سے بہت جلد شادی



کرنے والا ہوں۔" اویس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"یہ شکار نہیں تو اور کیا ہے.......... تم نے جو شکار بھی پھانسا اس سے شادی ضرور کی۔ اس لڑکی سے بھی تو تم عارضی طور پر شادی کر رہے ہوگے؟"

"نہیں.......... ایسا نہیں ہے۔" اویس بولا۔ "میرے گھر والے دو ایک دن میں اس لڑکی کے ہاں میرا رشتہ لے کر جانے والے ہیں۔ وہ فلیٹ میں نہیں بلکہ میری والدہ کے ہاں آئے گی۔ میں نے ایک بنگلہ بھی آج ہی کرائے پر لے لیا ہے۔ اسے خاص طور پر ڈیکوریٹ کراؤں گا۔"

"اچھا..........!" شہزاد متعجب ہوگیا۔ "یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ تمہاری باتوں سے کچھ ایسا لگ رہا ہے کہ وہ لڑکی بہت حسین ہے۔"

"ہاں.......... وہ بہت حسین ہے، اس قدر حسین کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے ہو، میں نے کیا تم نے بھی اپنی زندگی میں اس قدر حسین، مکمل اور بھرپور لڑکی نہیں دیکھی ہوگی۔" اویس نے کہا۔

"تم نے تو شاعری کرکے اسے دیکھنے کی تمنا دل میں پیدا کردی.......... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم اس بت طناز سے مجھے بھی ملا دو یا اس کا دیدار کرا دو۔"

اویس نے اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ "چلو.......... میں تمہیں دور سے اسے دکھا دیتا ہوں۔ پھر تم کہنا کہ میرا انتخاب کیسا ہے؟"

اویس اسے موٹر سائیکل پر لے کر دارالامان پہنچا۔ وہ دونوں ایک ایسی جگہ کھڑے ہوگئے کہ شگفتہ کے باہر آنے سے اس کی نظر ان پر نہ پڑ سکے۔ شگفتہ کی چھٹی کا وقت ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دارالامان سے دو تین لڑکیوں کے ساتھ باہر آئی۔ اویس نے شہزاد کو اشارے سے بتایا۔ شہزاد مبہوت سا ہو کر اس وقت تک دیکھتا رہا تھا جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا تھا کہ ایک لڑکی اتنی حسین و جمیل بھی ہوسکتی ہے اویس نے مسکراتے ہوئے اس کا شانہ ہلایا۔ "تم کیا کہتے ہو..........؟ کیسا ہے میرا انتخاب اور میری پسند..........؟"

"لاجواب۔" شہزاد نے چونکتے ہوئے اور سراہتے ہوئے کہا۔ "واقعی میں نے اپنی زندگی میں کیا خواب میں بھی اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔"

اویس نے اسے نہ صرف بیوٹی پارلر جس میں وہ کام کرتی تھی بلکہ نارتھ کراچی لے جاکر شگفتہ کا گھر بھی دکھایا۔ اسے وہ واقعہ بھی سنایا جس کی وجہ سے شگفتہ سے اس کی

ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے شہزاد کو یہ نہیں بتایا کہ شگفتہ کس کی بیٹی ہے۔ اس راز کو جو اتفاق سے اس کے علم میں آگیا تھا اپنے سینے میں محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اپنی ماں اور بہنوں کو اعتماد میں لے کر بھی بتانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس راز کے افشا ہونے سے بات بگڑ بھی سکتی تھی۔

دوسرے دن شام کے وقت اویس اپنے گھر میں بیٹھا اپنی ماں اور بہنوں کا بڑی شدت سے اور بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جو شگفتہ کے ہاں اس کا رشتہ لے کر اور شگفتہ کو دیکھنے گئی ہوئی تھیں۔ آج سرکاری چھٹی کا دن تھا۔ اس بات کا امکان تھا کہ شگفتہ گھر پر ہی ہوگی۔ اسے اس بات کی قوی امید تھی کہ اس کا رشتہ افروزہ بیگم قبول کرلیں گی کیونکہ اس نے ان کی عزت اور جان غنڈوں سے بچائی تھی۔ وہ اس کا محسن بھی تھا۔

دن ڈوبنے کے بعد ماں اور بہنیں آئیں تو ان کے بشروں سے کچھ اندازہ نہ ہوسکا۔ خالدہ نے چھوٹتے ہی کہا۔ "بھائی جان! شگفتہ بہت حسین اور بہت ہی پیاری ہیں' میں نے شاید ہی اتنی حسین لڑکی اپنے کالج میں دیکھی ہو۔ میں نے انہیں دیکھا تو ایسا لگا کہ وہ کسی دیس کی شہزادی ہیں۔"

"میرا دل تو یہ چاہا کہ میں آج ابھی اور اسی وقت آپ سے ان کا نکاح پڑھوا کر گھر لے آؤں۔ کاش! ایسا ہوسکتا۔" نجمہ بولی۔

"میں نے بھی انہیں دیکھا۔" رشید نے کہا۔ "واقعی وہ ہر لحاظ سے بہت اچھی ہیں۔ ان کی آواز اور باتیں بھی بڑی پیاری تھیں۔"

"مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس قدر حسین ہوگی' تم نے اس کی تعریف کی تو میں یہ سمجھی تھی کہ تم مبالغے سے کام لے رہے ہو۔" زیب النساء نے کہا۔

"اچھا...... یہ تو بتائیں کہ افروزہ بیگم نے کیا کہا۔ کیا جواب دیا......؟ کیا انہوں نے میرا رشتہ منظور کرلیا؟" اویس چڑ کر بولا۔

"انہوں نے وہی کہا جو ایک ماں کہہ سکتی ہے۔" زیب النساء بولیں۔ "انہوں نے جواب دینے کے لئے دس بارہ دنوں کی مہلت مانگی ہے۔"

"وہ کس لئے؟" اویس نے تحیر زدہ لہجے میں پوچھا۔ "کیا انہیں کسی سے مشورہ کرنا اور اجازت لینا ہے؟ دس بارہ دن بہت ہوتے ہیں۔"

"اس لئے کہ وہ تمہارے بارے میں رسمی طور پر معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں' ہم لوگوں کے بارے میں شاید محلے والوں سے دریافت کریں۔"



"بڑے دکھ اور حیرت کی بات ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے بارے میں معلومات کریں گی جس نے ان کی جان بچانے کے لئے اپنی جان کی پروا نہیں کی۔"

"اس میں برا ماننے اور جذباتی ہونے کی کیا بات ہے۔" زیب النساء نے اسے سمجھایا۔ "یہ ایک دستور ہے' زمانے کی ریت ہے جو صدیوں سے چلی آرہی ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میری ایک ہی بیٹی ہے۔ میں ابھی اس کی شادی کرنا نہیں چاہتی' اصل بات یہ ہے کہ وہ خود بھی ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی ہے' اس کی شادی کسی نہ کسی دن تو کرنا ہے۔ میں اس سے پوچھ لوں۔ لڑکے اور آپ کے بارے میں بھی معلوم کرلوں۔ اس کا برا نہ منائیں۔"

"ٹھیک ہے۔" اویس جزبز ہوکر بولا۔ "دس بارہ دن کے بعد آپ جاکر ان سے معلوم کرلیں۔ میں شادی کروں گا تو اسی لڑکی سے' ورنہ نہیں۔"

☆======☆======☆

شہزاد' آنٹی کے ہاں پہنچا تو اس وقت دن خاصا ڈھل چکا تھا۔ آنٹی' رانی اور نورین سبزہ زار پر بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ آنٹی اسے دیکھ کر تیکھے لہجے میں بولی۔ "تم گدھے کے سینگ کی طرح کہاں غائب ہوگئے؟ تین دن کے بعد شکل دکھا رہے ہو؟ اویس سے ملے؟ کیا خبر ہے؟"

"دو دن تو اویس کو پکڑنے میں لگ گئے۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "وہ بڑی مشکل سے ہاتھ آیا...... وہ کسی قیمت پر طلاق اور رقم واپس لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ نہ نورین کو رکھنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا۔ اس نے میری ایک نہ سنی۔ اب کیا کیا جائے؟"

"سوا دو لاکھ کی رقم اور نورین جیسی حسین لڑکی کو وہ ٹھکرا رہا ہے جس کے لئے دنیا پاگل ہے۔ اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟" آنٹی نے پوچھا۔

"اس کی وجہ ایک بہت ہی حسین و جمیل لڑکی شگفتہ ہے۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "وہ اس سے شادی کرکے اپنا گھر بسا رہا ہے۔"

"کیا تم نے اس لڑکی کو دیکھا ہے؟" نورین نے پوچھا۔ "کیا وہ اتنی حسین ہے کہ میں اس کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں؟"

"ہاں...... میں نے اس لڑکی کو دیکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت حسین ہے۔ تم اس کے مقابلے کی تو ہو۔" وہ ریاکاری سے بولا۔

"یہ اچھا نہیں ہو رہا ہے کہ وہ شادی کر رہا ہے۔" آنٹی نے کہا۔ "شہزاد! اسے ہر قیمت پر شادی کرنے سے باز رکھنا ہو گا۔"

"اس لڑکی سے شادی کرنے کا بھوت اس پر سوار ہوچکا ہے۔ اب اسے باز رکھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"لاتوں کے بھوت باتوں سے کہاں مانتے ہیں؟" رانی نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "اسے شادی کرنے سے روکنے کے لئے میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔"

"کیسی تدبیر؟" آنٹی نے تجسس سے پوچھا۔ "تدبیر ایسی ہونی چاہئے کہ وہ شگفتہ سے نفرت اور نورین سے پھر شادی کرنے پر تیار ہوجائے۔"

"ہاں ایسی ہی تدبیر میرے ذہن میں ہے۔" رانی نے جواب دیا۔ "شگفتہ کو اغوا کرکے اویس کو شادی سے باز رکھا جاسکتا ہے۔"

"تمہاری یہ تدبیر میری سمجھ سے بالاتر ہے۔" آنٹی بولی۔ "شگفتہ کو اغوا کرنے سے کیا ہو گا؟ ہمیں تو اویس کو راہِ راست پر لانا ہے۔"

"بہت کچھ ہو گا.......... شگفتہ کی بے حرمتی ہونے اور اس کی تصویریں بننے کے بعد اویس تو کیا کوئی بھی شخص اس سے شادی کرنا پسند نہیں کرے گا اور پھر ہم شگفتہ کو بلیک میل کریں گے۔ اویس کو بھی.......... کیونکہ ان تصویروں میں ہیرو اویس ہو گا۔" رانی نے تمسخر سے کہا۔

"تم جو بہتر سمجھو کرو۔" آنٹی بولی۔ "میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ یہ مرغا اس طرح پھنس جائے کہ پھر کبھی نکل نہ سکے۔"

"میں خود بھی اس سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔" نورین نفرت بھرے لہجے میں بولی۔ "اس نے میری بڑی توہین و تذلیل کی ہے۔"

"میری جان! تم فکر کیوں کرتی ہو۔" آنٹی نے اسے دلاسا دیا۔ "اسے دوبارہ پانے کے بعد تم اس سے نفرت نہیں محبت کرو گی کیونکہ وہ تمہارا مستقبل ہے اب یہ تم پر منحصر ہو گا کہ تم اسے کتنی جلدی مفلس و قلاش بنا سکتی ہو جو کام محبت سے بن سکتا ہے وہ نفرت سے نہیں.......... سمجھیں میری بنو!"

"مگر وہ تو مجھ سے شدید نفرت کرتا ہے۔ میری محبت کا جواب محبت سے نہیں بلکہ نفرت سے ملے گا۔" نورین ٹوٹے لہجے میں بولی۔

"تم دیکھتی جاؤ کہ اس کی نفرت محبت میں کیسے تبدیل ہوتی ہے۔ وہ تو وہ، اس کے



فرشتے بھی تمہارے غلام بن جائیں گے۔" رانی نے کہا۔

"میں چاہتی ہوں کہ اب نیک کام میں زیادہ دیر نہ کی جائے۔ اگر اویس کی اس سے شادی ہوگئی تو پھر تمہارا سارا منصوبہ چوپٹ ہوجائے گا۔ شگفتہ کی ماں اپنی بیٹی کی شادی اویس سے کرنے میں دیر نہیں کرے گی کیونکہ اویس جیسا لڑکا اسے کہاں مل سکتا ہے۔" آنٹی نے کہا۔

"شہزاد!" رانی نے کہا۔ "تم کسی بھی وقت گنجو کو اپنے ہم راہ لے جاکر شگفتہ کا مکان، شگفتہ اور وہ جہاں جہاں کام کرتی ہے وہ جگہیں دکھا دینا۔ گنجو آج یہاں ہے نہیں۔ وہ ہوتا تو میں آج ہی تمہیں اسے ساتھ لے جانے کے لئے کہتی۔ وہ کل صبح آئے گا۔"

"لیکن یہ کام گنجو کے بس کا نہیں ہے۔" آنٹی فوراً بول اٹھی۔ "کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ یہ کام تم کسی اور سے کیوں نہیں لیتیں ہمارے پاس آدمیوں کی کون سی کمی ہے، کتنے حرام زادے مفت کی کھا کھا کر سؤر ہو رہے ہیں۔ چارپائی توڑتے رہتے ہیں۔"

"میں یہ کام گنجو سے کب لے رہی ہوں۔" رانی بولی۔ "اسے شہزاد کے ساتھ اس لئے بھیج رہی ہوں کہ وہ اس لڑکی، اس کے مکان اور دفتر کو دیکھ آئے۔ میں یہ کام بچھو سے لوں گی، وہ کچھ دنوں کے لئے لاہور گیا ہوا ہے اس کے آتے ہی سب سے پہلے یہ کام ہو گا۔ یہ کام اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔"

☆======☆======☆

اولیس دفتر سے نکل کر اپنے ایک دوست نظام سے ملنے کے لئے بغدادی گیا تو اس نے ایک مکان سے کچھ فاصلے پر اپنی گاڑی کو ایک دم سے بریک لگا کر روک لیا۔ کیونکہ اس مکان کے سامنے اسے وہ تینوں بدمعاش دکھائی دیئے جنہوں نے افروزہ بیگم کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے ان کی کوشش ناکام بنادی تھی۔ وہ اس گاڑی سے اتر رہے تھے جس میں افروزہ بیگم کو ڈال کر لے جانے والے تھے۔ وہ بدمعاش گاڑی سے اترنے کے بعد مکان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک بدمعاش نے اس کی طرف دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے اولیس کو نہیں پہچانا تھا۔ اولیس نے اسے پہچان لیا تھا۔ یہ وہی بدمعاش تھا جسے اس نے پتھر مار کر زخمی کیا تھا۔ وہ بدمعاش اسے پہچان لیتا تو اس کی شامت آجاتی۔ وہ بدمعاش اس مکان کے اندر داخل ہوگیا تو اس نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے سر سے ایک بلا ٹل گئی تھی۔

افروزہ بیگم کو اغوا کرنے کی کوشش شاید اس لئے بھی کی گئی تھی کہ وہ ایک کروڑپتی کی بیوی تھی تاکہ اس کے شوہر سے تاوان وصول کیا جاسکے۔ افروزہ بیگم کو اغوا کرنے کی وجہ صرف ان کا حسن ہی نہیں تھا اس کے دوست نظام نے جو اس محلے میں اور ان بدمعاشوں کے مکان سے کچھ فاصلے پر رہتا تھا بتایا تھا کہ یہ پیشہ ور قسم کے بدمعاش ہیں' یہ ہر کام معاوضہ لے کر کرتے ہیں۔

اولیس گھر پہنچا تو اس کا چھوٹا بھائی رشید ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا وی سی آر پر انڈین فلم دیکھ رہا تھا۔ اس کی ماں اور بہنیں گھر پر موجود نہیں تھیں۔ اس کے پوچھنے پر رشید نے بتایا کہ اس کی ماں بہنیں افروزہ بیگم کے ہاں اس کے رشتے کے سلسلے میں بات کرنے کے لئے گئی ہوئی ہیں۔ انہیں گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ رشید اسے دیکھ کر اپنے دوستوں سے ملنے چلا گیا تھا۔ یہ بات سن کر وہ خوش ہوگیا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں آکر بستر پر کپڑے بدل کر لیٹ گیا' شگفتہ کے خواب دیکھنے لگا۔ افروزہ بیگم کے انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ اس میں ایسی کوئی کمی اور



خامی نہیں تھی جو وہ انکار کردیں۔ اس کی زندگی جو پس آئینہ تھی وہ اس سے واقف نہیں تھیں۔ اس لئے اسے ان کی طرف سے انکار کرنے کا کوئی خوف وخدشہ نہیں تھا۔ اس نے اس بنگلے کے بارے میں ابھی اپنے گھر والوں کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ شگفتہ سے رشتہ طے ہونے کے بعد گھر والوں کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔

پھر وہ ہنی مون منانے کے بارے میں سوچنے لگا۔ سنگا پور' وادی سوات' مری' سوئٹزرلینڈ' بنکاک یا جاپان.......... اس کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ وہ دنیا کے کسی بھی حسین خطے میں جاکر ہنی مون منا سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کی سوچ بچار کے بعد اس نے ہنی مون کے لئے وادی سوات جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ دو ایک مرتبہ وادی سوات کی سیر کر آیا تھا۔ اسے یہ پُرفضا اور حسین و جمیل وادی بہت پسند تھی۔ وہ اس لئے بھی جانا چاہتا تھا کہ دس بارہ دن کے بعد لوٹ آئے' کیونکہ دفتر میں اس کی زیادہ دنوں کی غیر حاضری اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی تھی۔ دفتر میں آج کل سیاست بڑے زوروں پر چل رہی تھی۔ اس کا پتا کاٹنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ گو دشمنوں کے لئے مشکل تھا مگر وہ انہیں کوئی موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔

وہ بڑی بے چینی اور اضطراب سے اپنی ماں اور بہنوں کا انتظار کرنے لگا۔ وہ دن ڈوبنے کے بعد گھر میں داخل ہوئیں تو ان کے بشرے دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ ان کے بشروں سے صاف ظاہر ہورہا تھا کہ افروزہ بیگم نے ٹکا سا جواب دے دیا ہے۔ ماں اور بہنوں کے چہروں پر مایوسی کی لکیریں تھیں۔ وہ زرد سے ہو رہے تھے۔ ان سب کی آنکھوں سے دکھ جھانک رہا تھا۔ جیسے افروزہ بیگم کے فیصلے سے دکھ پہنچا ہو۔ دل ٹوٹ گیا ہو۔

نجمہ اور خالدہ تو اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نشست گاہ میں وہ اور زیب النساء رہ گئے تو اس نے پوچھا۔ "کیا افروزہ بیگم نے رشتہ دینے سے انکار کردیا ہے؟"

"ہاں بیٹے!" زیب النساء نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے ان سے اس جواب کی توقع نہیں تھی' انہوں نے دل توڑ دیا ہے۔"

"کس لئے انہوں نے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے سے انکار کیا ہے؟" اولیس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ "اس کی کیا وجہ بتائی؟"

"وہ کہہ رہی تھیں کہ آپ کا بیٹا میرا محسن ہے میں اس کا احسان کبھی نہیں بھلا سکتی لیکن میں شگفتہ کا رشتہ دینے سے معذور ہوں۔"

"میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ انہوں نے کس لئے رشتہ دینے سے معذوری ظاہر کی ہے؟" اویس کا چہرہ غصے سے تمتما گیا۔

"ان کا کہنا ہے کہ تم دفتر میں رشوت لیتے ہو۔ رشوت لئے بغیر کسی کا کام نہیں کرتے۔ وہ ایک راشی کو اپنی بیٹی دینا نہیں چاہتی ہیں۔"

"ان سے کس نے کہہ دیا کہ میں رشوت لیتا ہوں.........؟ بالفرضِ محال میں رشوت لیتا ہوں تو اس میں کیا برائی ہے' کون سا ایسا سرکاری دفتر ہے جہاں رشوت نہیں لی جاتی۔ سب ہی رشوت لیتے ہیں۔ رشوت نہ لو تو ایک مصیبت ہے۔ رشوت لو تو ایک مصیبت ہے۔ میں رشوت نہ لیتا ہوتا تو جانے کب کا ملازمت سے نکال دیا جاتا کیونکہ بغیر رشوت کے کام کرنے والوں کے دفتر کے لوگ دشمن بن جاتے ہیں۔"

"میں نے لاعلمی ظاہر کی۔ ان سے کہا کہ میرا بیٹا رشوت نہیں لیتا ہے' نیچے سے اوپر تک سبھی رشوت لیتے ہیں۔ رشوت لینا اتنا برا نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔ وہ میری بات سن کر کہنے لگیں کہ رشوت ایک حرام آمدنی ہے یہ ایک ایسی برائی کا درخت ہے جس سے برائی کی شاخیں نکلتی ہیں۔ یہ کئی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔ رشوت لینے والا سیاہ کار' بدکار' ظالم' بے ضمیر' بے حس اور شیطان بن جاتا ہے اور پھر رشوت کی آمدنی خون میں سرایت کر جاتی ہے۔ حرام حلال کی تمیز نہیں رہتی ہے۔ رشوت خوری گھروں کا سکون اجاڑ دیتی ہے۔ میں ان کی باتیں سن کر خاموش ہوگئی۔ وہ بولی بہن! میری باتوں کا برا نہیں منانا......... میں یہ بات پوری تحقیق کرنے کے بعد عرض کر رہی ہوں۔ یہ تہمت اور الزام تراشی نہیں ہے۔"

"میرے دفتر میں بڑی زبردست سیاست چل رہی ہے' میرے کسی حریف نے ان کے کان بھر دیئے ہوں گے ورنہ میرا ریکارڈ بہت صاف ہے۔"

"وہ ایک احسان فراموش عورت ہے' سچ پوچھو تو بیٹے مجھے ان کی باتیں بڑی زہر لگی تھیں۔ میں نے محض تمہاری وجہ سے ساری باتیں برداشت کیں تم نے اس عورت کی عزت اور جان بچانے کے لئے اپنی جان کی بھی پروا نہیں کی......... کیا ایک شخص کے احسان کا بدلہ اس طرح دیا جاتا ہے؟"

"مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ میں نے کس لئے اس عورت کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالی تھی۔" اویس بھڑک اٹھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ "اب آپ فکر نہ کریں میں اس افروزہ بیگم کو ایسا سبق دوں گا کہ وہ نہ صرف ساری زندگی یاد کریں گی بلکہ اپنی



بیٹی کا رشتہ لے کر آپ کے پاس آئیں گی۔"

"تت......... تم کیا کرو گے بیٹے.........؟" زیب النساء یک لخت گھبرا سی گئیں۔

"تم کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا جو پریشانی کا موجب بنے۔ شگفتہ کو چھوڑو' میں اس سے بھی حسین لڑکی ڈھونڈ کر لاؤں گی۔ کیا لڑکیوں کی اس شہر میں کوئی کمی ہے۔ ایک سے ایک حسین لڑکی پڑی ہے۔ تم پریشان نہ ہو۔"

"میں جانتا ہوں کہ کس بات نے افروزہ بیگم کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ وہ نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہیں......... آپ پریشان نہ ہوں' میں صرف انہیں آئینہ دکھانا چاہتا ہوں۔ میں شادی کروں گا تو صرف اور صرف شگفتہ سے......... ورنہ نہیں۔ وہ ایک اچھی لڑکی ہے۔" اویس نے کہا۔

"شاید شگفتہ بھی تم سے شادی کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ ماں نے اپنی بیٹی سے مشورہ کیا ہوگا' بیٹی نے انکار کر دیا ہوگا۔" زیب النساء بولیں۔

"ماں نے بیٹی کو میرے خلاف یقیناً بھڑکایا ہوگا۔ خیر فکر کی بات نہیں ہے۔ شگفتہ بہت جلد اس گھر میں بہو بن کر آئے گی۔"

اویس دفتر میں کام کے بہانے سے اپنے کرائے کے بنگلے میں آگیا۔ افروزہ بیگم نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔ اسے تنہائی کی ضرورت تھی۔ وہ تنہا رہ کر سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے بوتل اور گلاس نکال کر میز پر رکھ دی۔ وہ اس چھ سو گز پر بنے ہوئے بنگلے کے ایک ایک کمرے کو دیکھنے لگا۔ اس نے اس بنگلے کو آراستہ و پیراستہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ پورے دو لاکھ روپے پانی کی طرح بہا دیئے تھے۔ اس نے کیا کیا خواب نہیں دیکھے تھے۔ افروزہ بیگم نے تڑ سے ایک پتھر اس کے آبگینہ دل پر دے مارا تھا۔ سارے خواب چکنا چور ہوگئے تھے اس کی کرچیاں سینے میں چبھ گئی تھیں۔

اس نے شراب کا ایک بڑا سا پیگ بنایا۔ اس کا ایک گھونٹ حلق سے اتارنے کے بعد اس نے سوچا کہ افروزہ بیگم کو کس طرح ایسا سبق دیا جاسکتا ہے جو انہیں ساری زندگی یاد رہے۔ اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ افروزہ بیگم اس کے احسان کا یہ صلہ دیں گی۔ اب اس کے دل میں ان کے خلاف نفرت کسی زہریلے سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گئی تھی اب وہ ان سے انتقام لینا چاہتا تھا ایک بھیانک اور عبرت ناک انتقام۔

وہ شراب کے گھونٹ کے ساتھ ساتھ خون کے گھونٹ بھی پیتا رہا۔ اس کے دل کو ناقابل بیان صدمہ پہنچا تھا۔ وہ ہر قیمت پر شگفتہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ آج تک اسے کسی

لڑکی کے حصول میں ناکامی کا منہ دیکھنا نہیں پڑا تھا۔ کبھی کوئی شکار اس کے جال سے بچ کر نکل نہیں سکا تھا۔ وہ شگفتہ سے کیسے شکست تسلیم کرلیتا۔ سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا اس کے ذہن میں جو خیال آیا تھا اس نے اس کی نس نس میں خون رقصاں کر دیا تھا۔ اس نے سوچا کہ افروزہ بیگم کے بے آبرو ہونے کے بعد اس عورت کی ساری اکڑفوں ختم ہوجائے گی۔ غبارے سے ہوا نکل جائے گی۔ اس عورت کو کون بے آبرو کرے گا..........؟ اس نے اپنے دل سے پوچھا پھر اس نے دل ہی دل میں جواب دیا وہی تین بدمعاش جو افروزہ بیگم کو اغوا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ان کی مدد اور تعاون حاصل کرسکتا تھا۔ ان تینوں بدمعاشوں کو کسی نہ کسی طرح یہ اطلاع فراہم کر سکتا تھا کہ افروزہ بیگم دن میں دوپہر سے رات سات بجے تک اپنے گھر میں اکیلی ہوتی ہیں۔ ان بدمعاشوں کے لئے تین چار گھنٹے بہت تھے۔ یہ سنہرا موقع ان کی آرزو پوری کرسکتا تھا جب یہ درندے وہاں سے فاتح بن کر نکلیں گے تب وہ ان کے ہاں پہنچ جائے گا پھر ایک شریف عورت اپنی عزت اور زبان بندی کی قیمت شگفتہ کی صورت میں آسانی سے اس کی جھولی میں ڈال دے گی۔ وہ ان درندہ صفت بدمعاشوں سے رابطہ کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس نے چونکہ ایک بدمعاش کو زخمی کر دیا تھا شاید وہ اس سے بدلہ لینے کی کوشش کریں یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس کے تلافی کرنے کے سبب وہ اسے معاف کردیں۔

وہ رات دس بجے اپنے فلیٹ میں آگیا۔ کیونکہ اتنے بڑے بنگلے میں اکیلے ہونے کی وجہ سے اسے وحشت سی ہو رہی تھی اور گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا۔ رات اس پر بڑی بھاری گزری تھی۔ رات جاگتے' شراب پیتے' بے چینی و اضطراب سے ٹہلتے ہوئے افروزہ بیگم کے بارے میں سوچتے ہوئے گزری تھی پھر اسے نظام کا خیال آیا تو وہ حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ نظام کی معرفت اس کا ان بدمعاشوں سے رابطہ ہوسکتا تھا۔ یہ تینوں بدمعاش نہ صرف نظام کے اہل محلہ تھے بلکہ پڑوسی بھی تھے۔ نظام کے ان سے بڑے اچھے مراسم بھی تھے کیونکہ نظام خود بھی جرائم پیشہ تھا وہ نہ صرف جوئے کا اڈہ چلاتا تھا بلکہ چوری چھپے شراب اور منشیات بھی فروخت کرتا تھا نظام نے ان تینوں بدمعاشوں کے بارے میں اسے بڑی تفصیل سے بتایا تھا اب نظام کو اعتماد میں لینے کی ضرورت تھی۔ وہ نہ صرف اس کے لئے ہر لحاظ سے کار آمد ہوسکتا تھا بلکہ ان بدمعاشوں کے ساتھ افروزہ بیگم کے ہاں جاکر وہ بھی جشن منا سکتا تھا۔ نظام کی وجہ سے اس کی بہت بڑی مشکل حل ہوگئی



تھی۔ اب اسے ان بدمعاشوں کے سامنے جانے اور ان سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس نے یک لخت بڑا سکون سا محسوس کیا۔ افروزہ بیگم سے انتقام لینے کی راہ بہت آسان ہوگئی تھی۔

وہ دوسرے دن صبح دس بجے نظام کے ہاں پہنچا تو اس کے آدمی نے بتایا کہ نظام رات کی فلائٹ سے ایک امریکی جوڑے کے لئے ہیروئن لانے پشاور گیا ہوا ہے کچھ غیر ملکیوں کی وجہ سے ہیروئن کے نرخ بہت بڑھ گئے تھے۔ نظام کی واپسی چار دن میں متوقع تھی۔ وہ چار دن کے بعد نظام کے ہاں جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا کہ شہزاد آگیا۔ اس کا چہرہ متغیر تھا۔ وہ متفکر اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کبھی شہزاد کی ایسی حالت نہیں دیکھی تھی۔ وہ بھی گھبرا گیا۔ شہزاد کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ اویس نے فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر اسے ایک گلاس پانی پلایا۔ پانی پیتے ہی شہزاد کی سانسیں قدرے سنبھل سی گئی تھیں۔

"شہزاد! کیا بات ہے یہ تمہاری کیا حالت ہو رہی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں تم کسی کو قتل کرکے آرہے ہو؟"

"نہیں دوست! یہ بات نہیں ہے۔" اس کی آواز حلق میں اٹک رہی تھی۔

"تمہارے لئے ایک بہت بری خبر ہے۔ تم شاید ہی سن سکو۔"

"بری خبر..........؟" اویس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ "خبر جو بھی ہے مجھے جلدی سے سناؤ۔ میں ہر بری خبر سننے کے لئے تیار ہوں۔"

"کل شام آنٹی اور رانی بیگم نے مل کر شگفتہ کو اغوا کرلیا ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی اس کی اطلاع ملی ہے۔"

"کیا..........؟" اویس کو سنسنا دینے والا برقی جھٹکا لگا۔ اس کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون خشک ہوگیا۔ "یہ تمہیں کس نے بتایا کیسے پتا چلا؟"

"مجھے لنگڑے نے اطلاع دی ہے۔ لنگڑا رانی بیگم کے پالتو غنڈوں میں سے ہے اور ڈرائیور بھی ہے۔ وہ مجھے بازار میں مل گیا تھا۔"

"آنٹی اور رانی نے شگفتہ کو کیوں اور کس لئے اغوا کیا ہے؟ اس غریب نے ان کا کیا بگاڑا تھا؟ اس کا قصور کیا تھا؟" وہ جزبز ہو کر بولا۔

"اسے اس لئے اغوا کیا گیا ہے کہ تم نے نورین کی محبت اور آنٹی کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ نورین سے دوبارہ شادی کرنے سے انکار کردیا۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ان لوگوں کا مجرم میں ہوں سارا قصور میرا اپنا ہے مجھے سزا دینے کے بجائے اسے کیوں نشانہ بنایا گیا ہے۔"

"اس لئے کہ تم شگفتہ سے شادی کرنے والے ہو۔ اس بات نے آنٹی کو برافروختہ کر دیا۔ تم نے شگفتہ کی وجہ سے نورین کو ٹھکرا دیا۔"

"یہ بات کس نے آنٹی کو بتائی..........؟" اویس بولا۔ "میری مرضی میں جس سے شادی کروں۔ جس کے ساتھ چاہے زندگی گزاروں۔"

"میں نے آنٹی کو بتایا کہ تم کسی قیمت پر نورین سے دوبارہ شادی کرنے یا طلاق نامہ واپس لینے پر تیار نہیں ہو' اس کی وجہ یہ ہے کہ تم پر شگفتہ کا جادو چل گیا ہے۔ آنٹی چاہتی ہے کہ تم نورین کو پھر سے اپنا لو۔ نورین بھی یہی چاہتی ہے۔ انہوں نے شگفتہ کو اس لئے اغوا کیا ہے کہ تم سدھر جاؤ۔"

"وہ مجھے سدھارنے کے لئے شگفتہ کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ شگفتہ نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"شگفتہ کے بارے میں رانی اور آنٹی کے ارادے بڑے مذموم ہیں۔ وہ اسے بلیک میل کرنے اور گھناؤنے راستے پر چلانے کے لئے پلے بوائے کی سطح پر اس کی تصویریں اتارنے کا منصوبہ بنا رہی ہیں۔ وہ ایک شریف لڑکی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہی ہیں۔" شہزاد نے افسردگی سے کہا۔

"اگر ایسا ہوا تو بہت برا ہوگا۔" اویس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ "میں ان دونوں ڈائنوں کے جسم اور چہروں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دوں گا۔"

"وہ بے ہوشی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ اسے بے ہوشی کا طاقتور انجکشن دیا گیا ہے۔ رات دس بجے کیمرہ مین عاشق حسین کو بلایا گیا ہے جو رانی کا آشنا بھی ہے۔ وہ شگفتہ کی ایسی تصویریں بنائے گا کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی اور ساری زندگی بلیک میل ہوتی رہے گی۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"حیرت کی بات ہے کہ شگفتہ کو دو عورتوں نے مل کر کس طرح اور کیسے اغوا کر لیا؟ شگفتہ کوئی بچی تو نہیں جو ان کے ہتھے چڑھ گئی؟"

"آنٹی اور رانی اس بیوٹی پارلر میں گئی تھیں جہاں شگفتہ ملازمت کر رہی ہے اسے دلہن سنوارنے کے بہانے کوٹھی پر لے آئیں.......... اتنی آسانی سے اسے اغوا کر لیا گیا کہ یقین نہیں آتا ہے۔ شگفتہ کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی وہ بھی بے وقوف بن جاتی۔"



"میں ابھی اور اسی وقت آنٹی کے ہاں جا رہا ہوں میں ان چڑیلوں کو بخشوں گا نہیں..........؟" وہ بھڑک اٹھا۔ "شگفتہ میری محبت' زندگی اور سپنا ہے۔ میں ان دونوں فاحشاؤں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر شگفتہ کو کچھ ہوگیا۔"

"تم دل سے نہیں دماغ سے کام لو.........." شہزاد نے کہا۔ "تم یہ کیوں بھولتے ہو کہ کوٹھی میں ہر وقت دو ایک بدمعاش موجود رہتے ہیں۔ کیا تم رانی سے واقف نہیں ہو۔ وہ کس قدر بااثر' طاقتور' بے رحم اور خطرناک ترین عورت ہے۔ اس سے تو پولیس کے اعلیٰ افسران بھی گھبراتے ہیں۔ اس پر وہی پولیس افسر ہاتھ ڈال سکتا ہے جو اس سے ناواقف ہو یا بے حد فرض شناس ہو۔ میرا مخلص مشورہ تو یہ ہے کہ تم ان دونوں سے ٹکر لینے کے بجائے قانون کی مدد لو تاکہ شگفتہ پر آنچ آنے سے پہلے اسے بازیاب کرا لیا جائے۔"

"پولیس کی مدد لینے میں ایک خطرہ یہ ہے کہ شگفتہ کی بازیابی اور آنٹی کی کوٹھی پر چھاپہ پڑنے کی خبر سارے اخبارات میں چھپ جائے گی اور شگفتہ کی تصویریں چھاپ کر اس واقعے کو دوسرا رنگ دینے کی کوشش کریں گے۔ شگفتہ کا گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔" اویس بولا۔

"تمہارا خوف و خدشہ درست ہے۔" شہزاد نے اس کے خیال کی تائید کی۔ "تم اس کی بازیابی کے لئے کوئی ایسی تدبیر سوچو جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ اپنے آپ کو شگفتہ سے جتنا دور رکھ سکتے ہو رکھنا۔ وہاں تمہارا سایہ بھی نہ پڑے بالفرضِ محال اگر اسے ذرا سا بھی شک ہوگیا کہ تم نے اس کی بازیابی میں اپنا کردار ادا کیا ہے تو وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ تم بھی اس کے اغوا میں ملوث ہو۔ تم نے یہ ڈراما اس کے حصول کے لئے اسٹیج کیا تھا اس کا دل جیتنے کی ایک کوشش تھی۔"

اویس اس کی بات سن کر اچھل پڑا۔ اس نے اس پہلو پر تو سوچا ہی نہیں تھا۔ شگفتہ اسے اس واقعے میں ملوث پا کر پوچھ سکتی تھی کہ آپ کے علم میں یہ کیسے آیا کہ مجھے اغوا کر لیا گیا ہے؟ اور آپ میری بازیابی کے لئے اس جگہ تک کیسے پہنچے؟ وہ شگفتہ کی اور اس کی ماں کی نظروں میں اور گر جاتا۔ افروزہ بیگم بھی یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتی کہ اس روز ان کے ساتھ اغوا کا جو واقعہ پیش آیا تھا وہ بھی اسی کا ایک ڈراما تھا تاکہ ان کی بیٹی سے شادی کرنے کے لئے راستہ ہموار کیا جا سکے۔ وہ دل میں شہزاد کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔

"لیکن شہزاد۔" اویس نے کہا۔ "جس وقت شگفتہ ہوش میں آئے گی اس وقت اس

کے علم میں ساری باتیں آجائیں گی۔ میرا ذکر تو آنٹی یقیناً کرے گی۔"

"تمہارے پاس سہ پہر تک کا وقت ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "اس کے ہوش میں آنے سے پہلے وہاں سے نکال لیا جائے تو یہ تمہارے حق میں اچھا ہوگا۔"

"دیکھو...... میں کوشش کرتا ہوں۔" اویس نے کہا۔ "آنٹی اور رانی بیگم نے بڑی ذلیل حرکت کی ہے۔ کاش میں انہیں جیل کی ہوا کھلا سکتا۔"

"تم شگفتہ کی بازیابی کے بعد ان دونوں بلکہ نورین کو بھی جیل کی ہوا کھلا سکتے ہو ........" شہزاد معنی خیز انداز میں بولا۔ "لیکن تمہیں اس کے لئے ڈی آئی جی سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ تم نے پولیس سے رابطہ قائم کیا تو پھر ان کا بال تک بیکا نہیں ہوگا۔ کیونکہ رانی بیگم نے پولیس کی کالی بھیڑوں کو خریدا ہوا ہے۔"

"سچ!" اویس خوش ہوگیا۔ "اگر ایسی بات ہے تو میں ڈی آئی جی کیا ہوم سیکرٹری تک بھی پہنچ سکتا ہوں۔ انہیں کسی بھی جرم میں پھنسا سکتا ہوں۔"

"قحبہ خانہ' ناجائز اسلحہ اور ہیروئن رکھنے کے جرم میں........." شہزاد کہنے لگا۔ "یہ بات تمہارے علم میں بھی ہے کہ تین چار لڑکیاں رات دس بجے وہاں آتی ہیں۔ ان کے ساتھ دادِ عیش دینے کے لئے ان کے خریدار آتے ہیں اس کے علاوہ چھت کے ایک کمرے میں ناجائز اسلحہ اور ہیروئن بھی بھاری مقدار میں موجود ہے۔ رانی بیگم اسلحے کی خرید و فروخت کا کاروبار بھی کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ منافع ہوتا ہے لیکن تمہیں ان کی مخبری کرتے ہوئے اپنے آپ کو پس پردہ رکھنا ہوگا۔ کیونکہ کسی نہ کسی طرح یہ بات ان کے علم میں بھی آجائے گی کہ تم نے مخبری کی تھی۔ رانی بیگم سے دشمنی مول لو گے تو کبھی بھی چین سے نہیں رہو گے۔ وہ تمہیں موت کی نیند سلا سکتی ہے' وہ اپنے دشمن کو معاف کرنے اور کسی قسم کی رعایت دینے کی قائل نہیں ہے۔"

"میں اس بات کی احتیاط کروں گا۔" اویس نے جواب دیا۔ "میں ایک گمنام ٹیلی فون کردوں گا۔ ڈی آئی جی سے ہی رابطہ قائم کروں گا۔ شہر میں دہشت گردی کی وارداتوں کی وجہ سے حکومت بہت پریشان ہے۔ وہ ناجائز اسلحہ رکھنے والوں کے ساتھ تو کوئی رعایت نہیں کرتی ہے۔"

نظام ہی ایک ایسا شخص تھا جو اس مشکل میں ان کے کام آسکتا تھا۔ وہ ایک خطرناک بدمعاش تھا۔ کراچی کے وہ علاقے جہاں جرائم پیشہ لوگ رہتے تھے۔ منشیات' جوئے اور شراب کے اڈے قائم تھے وہاں اس کی حکمرانی چلتی تھی۔ پولیس کی کالی بھیڑوں کی مجال



نہیں تھی کہ اس کے مکان یا کسی اڈے پر اس کی اجازت کے بغیر قدم رکھ سکے۔ نظام اس کا بچپن کا دوست اور انٹر تک ہم جماعت رہ چکا تھا۔ پولیس نے اس کے باپ کو منشیات فروشی کے جھوٹے الزام میں جیل میں ڈال دیا اور عدالت سے سزا بھی دلوا دی تو اس کا گھرانہ مالی پریشانیوں کا شکار ہوگیا۔ پھر اس نے غلط راستے پر چلنے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ چونکہ تعلیم یافتہ اور ذہین بھی تھا اس لئے اس نے زیر زمین دنیا میں ایک بے تاج بادشاہ کی سی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ بدمعاش بھی اس کے نام سے خوف کھاتے تھے۔

اویس شہزاد کو رخصت کرکے اس کے گھر پہنچ گیا۔ اس کا گھر بھی اڈا تھا۔ اس نے اپنی ماں' بھائی اور بہن کو حیدر آباد شہر میں رکھا ہوا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو نظام کے ایک آدمی نے دروازہ کھولا۔ اسے سلام کیا۔ اندر آنے دیا' اس کے آدمی اویس کو پہچانتے تھے۔ انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ وہ اس کا گہرا بچپن کا دوست ہے۔ نظام تھوڑی دیر پہلے ہی بیدار ہوا تھا۔ وہ شیو کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر خوش ہوگیا۔

"آج کل تو تم پر امریکی خواتین بڑی مہربان ہو رہی ہیں۔" اویس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم پاکستانی کلنٹن بن گئے ہو۔"

"جب غرض ہوتی ہے تو یہ امریکی قوم کسی بات کی پروا نہیں کرتی۔" وہ کہنے لگا۔ "یہ کچھ غیر ملکی سیاہ فام مرد اور عورتیں ہیروئن کی خریداری کے لئے آئے تھے۔ ان میں امریکن زیادہ تھے۔ تین من ہیروئن کی ضرورت تھی۔ ان کا آرڈر پورا کرنے کے لئے مجھے پشاور جانا پڑا۔ ایک امریکی عورت جو بہت حسین تھی۔ بالکل مونیکا جیسی تھی۔ اس کی عمر بھی پچیس برس کی تھی۔ وہ مجھ پر بڑی مہربان ہوگئی تھی بس۔" یہ کہہ کر اس نے ایک آنکھ دبائی۔

"تم عورتوں کے معاملے میں بڑے خوش نصیب ہو۔ حسین' نوجوان غیر ملکی عورتیں تم پر مہربان ہوتی رہتی ہیں۔ تم انہیں شیشے میں اتار لیتے ہو۔"

"ہم دونوں ہی عورتوں کے معاملے میں بڑے خوش نصیب واقع ہوئے ہیں۔ کیوں؟" نظام نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔ "ہم دونوں ہی شکاری ہیں' فرق اتنا ہے کہ تم دیسی شکار کے شوقین ہو اور میں بدیسی۔ تم ان پر خرچ کرتے ہو وہ مجھ پر ڈالروں کی بارش کرتی ہیں۔ میں ایک تیر سے دو شکار کرتا ہوں۔ یوں بھی یہ غیر ملکی عورتیں عزت و عصمت کے معاملے میں ذرا بھی جذباتی اور حساس نہیں ہوتی ہیں۔ چھوڑو ان باتوں کو.......... یہ بتاؤ صبح صبح آنا کیسے ہوا۔ کرم داد نے بتایا کہ تم دو

بار آئے تھے۔ خیریت تو ہے میری جان!؟"

"ہاں یار! خیریت ہی نہیں ہے۔" اویس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ "تم سے ایک ضروری کام آن پڑا ہے۔ یہ کام تم ہی کر سکتے ہو.........؟"

اویس نے مختصر طور پر اپنی رام کہانی سنا کر کہا۔ "شگفتہ بہت ہی حسین اور ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہے۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ اس پر کوئی آنچ آئے۔"

"اس چھوٹے سے کام کے لئے تم اس قدر پریشان ہو رہے ہو۔ میرے نزدیک تو یہ کام بائیں ہاتھ کا بھی نہیں ہے۔ وہ دو بجے اپنے گھر باعزت طور پر پہنچ جائے گی۔ رانی بیگم بڑی خطرناک عورت ہے۔ میری روایتی دشمن اور حریف بھی ہے اس کے گروہ سے ہم اکثر الجھتے رہتے ہیں میرا ایک آدمی اس کے گروہ میں شامل بھی ہے۔ اب تو کام اور آسان ہوگیا ہے کہ اس کی کوٹھی میں ناجائز اسلحہ اور ہیروئن بھی بھاری مقدار میں ہے۔"

نظام نے پہلے کرم داد کو بھیج کر حلوہ پوری کا ناشتہ منگوایا۔ پھر اس نے کرم داد سے کہا کہ وہ ٹیلی فون کر کے حسن کو بلا لے۔ ناشتہ کرنے کے بعد جب وہ دونوں چائے پی رہے تھے تب حسن آگیا۔ نظام نے اسے بتایا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ جب وہ چلا گیا تو نظام نے اس سے کہا۔ "اب تم بے فکر ہو کر دفتر جاؤ۔ ٹھیک دو بجے میرے ہاں آکر معلوم کرلینا کہ کیا ہوا۔ تم دوپہر کا کھانا بھی میرے ساتھ کھاؤ گے۔ میں تمہیں اسپیشل چکن بریانی کھلاؤں گا۔"

اویس کو دفتر میں دو بجے تک کا وقت کاٹنا بہت مشکل ہوگیا تھا۔ تین گھنٹے اس کے لئے تین صدیوں کی طرح بھاری ہوگئے تھے۔ نہ جانے کیوں اسے اس بات کا یقین نہیں آرہا تھا کہ نظام کا آدمی حسن' رانی اور آنٹی کے چنگل سے شگفتہ کو نکال کر اس کے گھر پہنچا دے گا۔ یہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھا۔ مذاق نہیں تھا' مگر اسے نظام پر بڑا اعتماد تھا۔ وہ سچا اور کھرا آدمی تھا اور جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

جب وہ دو بجے نظام کے ہاں پہنچا تو نظام اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کو دیکھتے ہی ہی بولا۔ "مبارک ہو یار! تمہاری شگفتہ اپنے گھر پہنچ گئی۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو.........؟" اویس کو جیسے یقین نہیں آیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔ "جانے کیوں مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"

"تمہیں یقین نہیں آرہا ہے تو اس کے ہاں جاکر دیکھ لو۔" نظام نے کہا۔ "یار تمہاری شگفتہ بہت ہی حسین ہے۔ میں نے کبھی ایسی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔"



"تم نے شگفتہ کو کہاں اور کیسے دیکھ لیا؟ کیا تم بھی اس مشن پر گئے تھے؟"

"شگفتہ کو رانی بیگم کے ہاں سے حسن یہاں لے آیا تھا۔ کیونکہ ایک تو وہ بے ہوش تھی۔ دوسرے اس کے گھر کا پتا بھی معلوم نہیں تھا' جب وہ کسی قدر نارمل حالت میں ہوگئی تب اسے میں نے نذیر کے ساتھ ٹیکسی میں بھیج دیا۔"

"یار! یہ تو مجھے کسی خواب کی طرح لگ رہا ہے۔" اویس نے خوش ہو کر اس کا منہ چوم لیا۔ اپنا بٹوہ کھول کر اس میں سے دس ہزار روپے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

نظام نے اس کی طرف بڑی حیرت سے دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟ یہ رقم تم مجھے کس لئے دے رہے ہو؟ اسے اپنے پاس رکھو۔"

"یہ میں تمہیں نہیں تمہارے ان آدمیوں کو اپنی خوشی سے دے رہا ہوں جو شگفتہ کو بازیاب کرا کے لائے تھے۔" اویس نے کہا۔ "منہ میٹھا کرنے کے لئے۔"

"میں نے اپنی طرف سے انہیں منہ میٹھا کرنے کے لئے ہزار روپے تمہاری طرف سے دے دیئے ہیں۔ اتنی رقم دے کر ان کی اوقات خراب نہ کرو۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ہزار روپے لے لو۔" اویس نے ہزار روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ۔"

"میں تم سے ایک پیسہ بھی نہیں لوں گا۔ بائی دا وے......... تمہارا بہت شکریہ اس بہانے شگفتہ جیسی لڑکی مل گئی.........."

"کیا مطلب.........؟" اویس اچھل پڑا۔ "کیا تم اس پر ریشہ خطمی ہوگئے ہو.........؟ تم یہ بھول رہے ہو کہ وہ تمہاری بھابی بننے والی ہے۔"

"ہاں یار........." نظام نے اپنا سر ہلایا۔ "جب میں نے اسے دیکھا تو میرے دل کی عجیب سی حالت ہوگئی۔ اس کے حسن وجمال نے' اس کے چہرے کی پاکیزگی نے مجھے بہت متاثر کیا۔ کون ایسا بدذوق ہوگا جو ایسی مہ جمال لڑکی کو دیکھ کر متاثر نہ ہو۔ اسے پسند نہ کرنے لگے؟"

"مجھے تم سے ہرگز ہرگز ایسی امید نہ تھی کہ تم اپنے ایک دوست کی امانت پر بری نظر ڈالو گے۔" اویس نے شکایتی لہجے میں کہا۔

"کیا تم اپنے عزیز دوست کو کمینہ اور ذلیل شخص سمجھتے ہو؟" نظام زیر لب مسکرایا۔ "نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تمہاری چیز ہے۔ میں نے اسے اپنی بہن بنالیا ہے۔ لہٰذا ایک بات اچھی طرح سوچ لو۔ شگفتہ سے شادی کرنے کے بعد تم میرے بہنوئی

بن جاؤ گے۔ اس دن سے میں تمہاری جورد کا بھائی ہوں گا۔ ہم دونوں سالے بہنوئی ہو
گے' اگر تم نے میری بہن کو ناراض کیا تو پھر میں تمہاری خبر لوں گا۔"

"تم نے تو مجھے ڈرا دیا۔" اویس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ حسن وہاں سے
شگفتہ کو کس طرح سے نکال لایا۔ کوئی خون خرابہ تو نہیں ہوا؟"

"بہت آسانی سے.......... جیسے فلموں میں دکھایا جاتا ہے۔" نظام نے کہا۔ "حسن
بہت ذہین آدمی ہے۔ بہترین منصوبہ بندی کرتا ہے۔ وہ ایک جیپ اور اپنے ساتھ چار مسلح
آدمیوں کو لے گیا جو پولیس کی وردی میں تھے۔ اس نے رانی اور آنٹی سے کہا کہ بیوٹی
پارلر والوں نے ان کے خلاف شگفتہ کے اغوا کی رپورٹ درج کرائی ہے۔ وہ گھر کی تلاشی
لینے اور مغویہ کو برآمد کرنے آئے ہیں' شگفتہ' آنٹی کے بیڈ روم میں تھی۔ حسن انہیں یہ
کہہ کر آیا کہ وہ ان کی گرفتاری کا وارنٹ لے کر آرہا ہے۔ پولیس کی وردی دیکھ کر
دونوں گھبرا گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور چپکے سے وہاں سے
کھسک گئیں۔"

پھر نظام نے حسن کی توسط سے ہی ڈی آئی جی کو ٹیلی فون کرکے اطلاع دی کہ رانی
اور آنٹی کی کوٹھی میں ناجائز اسلحہ بڑی تعداد میں موجود ہے۔ ہیروئن بھی بھاری مقدار میں
موجود ہے۔ اس کے علاوہ وہ فحاشی کا اڈا بھی چلا رہی ہے۔ رات دس بجے لڑکیاں اور مرد
جمع ہوتے ہیں۔

دوسرے دن صبح کے اور شام کے تمام اخبارات میں نورین' آنٹی' رانی بیگم اور تین
مرد اور لڑکیوں کی گرفتاری کی خبر جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی تھی جو دادِ عیش دے
رہے تھے۔ تین مردوں اور لڑکیوں کو رہا کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ مردوں کا تعلق اعلیٰ گھرانوں
سے تھا۔ نورین' آنٹی اور رانی کو اس لئے رہا نہیں کیا گیا تھا کہ ان پر ناجائز اسلحہ' ہیروئن
رکھنے' فحاشی کا اڈا چلانے کا الزام تھا۔ اخبارات نے اس خبر کو اس لئے بھی خوب اچھالا تھا
کہ نورین ماڈل گرل تھی۔ اس کی تصویریں بھی چھاپی گئی تھیں۔ اس خبر نے نورین کی
شہرت کو بہت متاثر کیا تھا۔

اویس کا خیال تھا کہ شگفتہ اور افروزہ بیگم اس واردات سے بہت خوف زدہ ہوئی
ہوں گی۔ دماغ درست ہوگیا ہوگا۔ اب وہ اپنی لڑکی کی شادی کرنے کے بارے میں سنجیدگی
سے سوچ رہی ہوں گی۔ کیوں نہ ایک اور آخری کوشش کرکے دیکھ لیا جائے۔ اس وقت
لوہا بہت گرم ہے۔ ایک زور دار کاری ضرب کی ضرورت ہے۔ ماں اپنی بیٹی کے تحفظ کے



لئے سب کچھ کر سکتی ہے اس کا رشتہ قبول کر سکتی ہے۔ اس کا رشتہ ان کے لئے
اندھیرے میں امید کی کرن ہوگا۔ اس کی امی کے کوشش کرنے سے بات بن جائے گی۔

اس نے دوسرے دن شگفتہ کو دفتر سے نکل کر چیک کیا۔ وہ دارالامان پہنچا۔ یہ دیکھ
کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ شگفتہ یہاں سے نکل کر بس میں سوار ہو کر بیوٹی پارلر
پہنچی۔ وہ بڑی پُرسکون اور پُراعتماد دکھائی دے رہی تھی جیسے اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ کسی
بات کا ڈر نہیں تھا' اغوا کی واردات کا اس نے جیسے کوئی ذہنی اور جذباتی اثر نہیں لیا تھا
جیسے اس کے نزدیک یہ واقعہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

زیب النساء افروزہ بیگم کے ہاں جانے اور شگفتہ کا رشتہ مانگنے کے لئے بالکل ہی تیار
نہیں تھیں۔ اس کی دونوں بہنوں نے بھی سخت مخالفت کی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ایک
احسان فراموش عورت کے آگے جاکر جھولی پھیلانا ایسا ہی ہے جیسے بے عزت ہونا۔ اس
روز انہوں نے اپنی بڑی سبکی محسوس کی تھی۔ مگر انہیں اس کی چاپلوسی اور خوشامد کے
آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ وہ بادل نخواستہ چلی گئیں۔

آخر وہی ہوا جس کا انہیں خدشہ تھا۔ افروزہ بیگم نے ان سے معذرت کرلی تھی۔
اس انکار نے اویس کو مشتعل کردیا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا بھی کہ افروزہ
بیگم کو جاکر بتائے کہ اس نے شگفتہ کو جو بچایا ہے یہ اس کا کارنامہ ہے۔ صرف اس کی وجہ
سے شگفتہ کی عزت بچی ہے۔ اگر وہ بروقت اپنے دوست کی مدد حاصل نہ کرتا تو شگفتہ کی
عزت نیلام ہوجاتی۔ یہ اس کا دوسرا احسان ہے جو اس نے اس گھرانے پر کیا ہے۔ شاید
اس بات اور احسان کا افروزہ بیگم پر اثر ہو۔ وہ رشتہ دینے کے لئے تیار ہوجائیں۔ پھر اس
نے یہ سوچ کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا کہ وہ عورت ضدی ہے' ہٹ دھرمی پر اتر آئی ہے' پتھر
سے سر پھوڑنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اس نے بہت سوچ بچار کے بعد افروزہ بیگم کو سبق دینے کا فیصلہ کرلیا جو شگفتہ کی
وجہ سے ٹل گیا تھا۔ وہ نظام کے توسط سے ان سے رابطہ قائم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ
نظام نے شگفتہ کو اپنی بہن بنالیا تھا۔ وہ اپنی منہ بولی بہن کی ماں کی بے حرمتی کو پسند نہیں
کرسکتا تھا' پھر اسے شہزاد کا خیال آیا۔ شہزاد اس کا مسئلہ آسانی سے حل کر سکتا تھا۔ وہ
اپنے مقصد کے لئے شہزاد کو ان بدمعاشوں کے پاس بھیج سکتا تھا۔ وہ افروزہ بیگم سے انتقام
لینے اور ان کا دامن داغ دار کرنے کے لئے رقم خرچ کرنے کو بھی تیار تھا۔ اس کا رواں
رواں خوشی سے جیسے جھوم اٹھا۔ پھر اس نے اپنے دل میں افروزہ بیگم کو مخاطب کرتے

ہوئے کہا۔ "اب میں دیکھتا ہوں کہ سیدھی انگلی سے گھی کیسے نہیں نکلتا ہے۔ درندگی
نشانہ بننے کے بعد تمہارے پاس کیا رہ جائے گا افروزہ بیگم..........؟"

اس کا ضمیر جسے اس نے نہ جانے کب تھپک تھپک کر سلا دیا تھا وہ ایک دم سے ہڑبڑ
کے بیدار ہو گیا تھا۔ اس کی آواز اس کے دل و دماغ کے گوشوں میں گونجنے لگی۔ اویس
تم نے یہ سوچا کہ تم کیا کرنے جا رہے ہو؟ کیا تم کمینے پن اور ذلالت کی انتہا کرنا چاہتے ہو
تم ایک ماں کے تقدس کو اس لئے پامال کرنے پر تُل گئے ہو کہ اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ
تمہیں دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے کس لئے انکار کیا یہ بات تم خود بھی بہت اچھی طرح
جانتے ہو.......... وہ کس طرح سے ایک رشوت خور' سیاہ کار' ریاکار اور اوباش قسم کے
مرد کو اپنی چاند سی بیٹی دے سکتی ہے؟ کیا تم اپنی بہنوں کی شادی اپنے جیسے شخص کے ساتھ
کر سکتے ہو؟ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر جواب دو۔ اپنی غرض اور سیاہ کاری کے لئے ایک
عورت کے دامن پر بدنما دھبہ لگانا چاہتے ہو۔ اسے کچے گوشت کی مانند درندوں کے
سامنے ڈال دینا چاہتے ہو؟ کیا یہ انسانیت پر ظلم نہیں ہے؟ عذاب نہیں ہے؟ اتنی دور
مت جاؤ' کسی کی زندگی سے اتنا بڑا مذاق مت کرو' اتنا نیچے مت گر جاؤ۔

اس نے ضمیر کی آواز کا پھر سے گلا گھونٹ دیا۔ اس کے مشوروں کو ہوا میں اُڑا دیا
اس دنیا میں ہر شخص اپنی ذات اور اپنی خوشی کے لئے سب کچھ کرتا ہے۔ وہ اس دنیا میں
پہلا شخص نہیں ہے' صدیوں سے یہ رِیت چلی آ رہی ہے۔ اس کے لئے کوئی اور صورت
بھی تو نہیں ہے۔

اویس نے شہزاد سے مل کر اسے افروزہ بیگم کے بارے میں بتایا کہ وہ انہیں راہ
راست پر لانے کے لئے کیا اور کیوں کرنا چاہتا ہے۔ اب اس کے نزدیک اس کے سوا چارہ
بھی نہیں ہے۔ افروزہ بیگم کو وحشیانہ سبق ملنے کے بعد ہی اس کا رشتہ شگفتہ سے طے
ہو سکتا ہے پھر اس نے شہزاد کو اپنا منصوبہ بتایا۔ اس سے کہا کہ وہ تینوں بدمعاشوں سے مل
کر معاملات طے کرے۔

شہزاد نے اس کی باتیں سن کر اس سے کہا۔ "تمہیں اتنی دور جانے اور اتنا لمبا چکر
چلانے کی کیا ضرورت ہے اس کے علاوہ اور بھی کوئی صورت نکالی جا سکتی ہے۔"

"تم نہیں جانتے کہ اس عورت کے خلاف میرے دل میں کتنی نفرت ہے۔ اس
احسان فراموش نے میری بے عزتی کی ہے میں اس سے ایسا انتقام لینا چاہتا ہوں کہ وہ دنیا
کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے اور اپنی بیٹی کی شادی کر دے۔ اس واقعے سے وہ میری



مٹھی میں آ جائے گی۔ کیونکہ اس کی تباہی و بربادی کا میں چشم دید گواہ ہوں گا۔ وہ کسی قیمت
پر نہیں چاہے گی کہ میں اس واقعے کو طشت ازبام کر دوں۔ وہ اس راز کی یہ قیمت ادا
کرے گی کہ شگفتہ سے میری شادی ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی اور صورت
دکھائی نہیں دیتی ہے۔"

"میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "افروزہ بیگم کی بے عزتی کے
بجائے شگفتہ کو اغوا کر لو۔ یہ زیادہ مناسب رہے گا۔"

"میں شگفتہ کو اغوا کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔ میں اس کی عزت سے نہیں کھیلنا
چاہتا اس سے شادی کرنے کے بارے میں سنجیدہ ہوں۔"

"شگفتہ کو اغوا کرنے کے بعد اس سے زبردستی نکاح پڑھوا لو۔" شہزاد نے مشورہ دیا۔
"دو تین دن کے بعد وہ خود راہِ راست پر آ جائے گی کیونکہ اس کے پاس کچھ نہیں ہو گا۔
وہ چونکہ ایک حقیقت پسند لڑکی ہے اور تم رئیس زادے ہو۔ وہ حالات سے سمجھوتہ کر لے
گی۔"

"تمہاری بات اور تدبیر تو مناسب ہے لیکن اس واقعے سے اس کے دل میں میرے
خلاف نفرت پیدا ہو جائے گی.......... یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے'
مجھے آبرو ریزی' اغوا' حبس بے جا اور زبردستی شادی کرنے کے جرم میں سزا ہو سکتی ہے۔
میں ملازمت سے بھی محروم ہو سکتا ہوں۔"

"تم شادی کے دوسرے دن اس سے معافی مانگ لو۔ اسے صاف صاف بتا دو کہ میں
نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہ قدم اٹھایا تھا۔ میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں اور پھر
تمہیں ڈھونگ رچانا ہو گا۔ ڈراما کرنا ہو گا' خالی پستول اپنی کنپٹی پر رکھ کر یہ کہنا ہو گا کہ اگر
تم نے مجھے معاف نہیں کیا تو میں خودکشی کر لوں گا۔ عورت کا دل بڑا نرم و نازک ہوتا
ہے۔ وہ بڑی جذباتی ہو جاتی ہے' ایثار و قربانی کی پیکر ہوتی ہے۔ وہ تمہیں اس لئے بھی
معاف کر دے گی کہ تم اس کے جسم و جان کے مالک بن چکے ہو' تم سے الگ ہونے کی
صورت میں اس کی حیثیت ایک داغ دار پھل کی سی ہو گی۔ گو اس میں اس کا کوئی قصور
نہ ہو گا۔ پھل دیکھنے میں کتنا اچھا کیوں نہ لگے مگر اس کا کوئی خریدار نہیں ہو گا۔" شہزاد نے
فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔" اویس نے کہا۔ "سوال یہ پیدا ہوتا ہے
کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے گا؟"

"نظام........." شہزاد نے کہا۔ "وہ تمہارا دوست ہے۔ اس کے لئے یہ کام بائیں ہاتھ کا ہے۔ وہ یہ کام مفت میں بھی کر دے گا۔"

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اس نے شگفتہ کو اپنی منہ بولی بہن بنایا ہوا ہے۔ وہ کسی قیمت پر یہ کام کرے گا نہ کرنے دے گا۔"

"تو پھر تمہیں کسی دوسرے بدمعاش کا انتظام کرنا ہوگا یا پھر شگفتہ کو کسی طرح بہلا پھسلا کر فلیٹ پر لے جاؤ۔"

"میں کسی دوسرے بدمعاش کو ذاتی طور پر نہیں جانتا ہوں۔ جنہیں جانتا ہوں وہ قابل بھروسا نہیں ہیں۔ شگفتہ کو بے وقوف بنانا بہت مشکل ہے۔"

"ویسے میرا ایک دوست ہے۔ چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔ وہ بچوں اور عورتوں کو اغوا کرنے میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔ کام ایک دم پکا کرتا ہے۔ پیسے منہ مانگے لیتا ہے۔ اس کا ریکارڈ ہے کہ آج تک وہ جیل نہیں گیا ہے۔ بھروسے کا آدمی ہے بڑا کھرا آدمی ہے۔"

"تم مجھے آج ہی اس سے ملادو۔" اویس نے کہا۔ "میں اس نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ اب میرے لئے شگفتہ کی جدائی ناقابل برداشت ہوئی جارہی ہے۔"

"میں آج شام اسے لے کر تمہارے فلیٹ پر پہنچ رہا ہوں۔" شہزاد نے کہا۔ "چھ اور سات بجے کے درمیان حاضر ہوجاؤں گا۔ ٹھیک ہے؟"

"اسے فلیٹ پر نہیں میرے بنگلے پر لے کر آنا........." اویس بولا۔ "فلیٹ پر کسی لڑکی کو اغوا کرکے لانا بہت مشکل ہے وہاں ہم اور بدمعاش کسی کی نظروں میں آسکتے ہیں۔"

"کون سا بنگلہ.........؟" شہزاد نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "تم نے کبھی مجھ سے بنگلے کا ذکر نہیں کیا۔ کب خریدا بنگلہ؟"

"میں نے ایک چھ سو گز پر بنا ہوا بنگلہ کرائے پر لیا ہوا ہے۔ میں نے اس لئے لیا تھا کہ شگفتہ سے شادی ہونے کی صورت میں گھر والوں کے ساتھ اس میں شفٹ ہوجاؤں گا۔ مجھے بڑی امید تھی کہ شگفتہ سے میری شادی ہوجائے گی۔ میں نے اس کی ڈیکوریشن پر دو لاکھ روپے خرچ کئے۔ مگر افروزہ بیگم نے میرے خواب چکنا چور کردیئے۔ میرے دل کو زبردست ٹھیس پہنچائی۔ اس لئے میں بھی اس بے رحم عورت کے سینے میں بے حرمتی کا خنجر گھونپنا چاہتا تھا۔ مگر تم نے منع کردیا۔"

اویس نے شہزاد کو ساتھ لے جاکر اسے بنگلہ دکھایا جو بہت خوبصورت تھا۔ شہزاد کو آرائش و زیبائش' راحت و آسائش کے لوازمات بہت پسند آئے۔ یہ بنگلہ آبادی سے



ہٹ کر تھا۔ اس کے دائیں بائیں کے پلاٹ خالی تھے' بڑا سکون تھا۔ اس کا احاطہ کافی بڑا تھا۔

☆======☆======☆

شہزاد ٹھیک سات بجے اپنے ساتھ ایک شخص کو لے کر پہنچا۔ اویس کوئی ایک گھنٹے سے شہزاد کے انتظار میں بیٹھا خوار ہو رہا تھا۔ اس کے لئے انتظار بڑا سوہانِ روح ہوتا تھا۔ جب اس نے شہزاد کے ساتھ ایک شخص کو دیکھا تو اس کی ساری کوفت دور ہوگئی لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اویس کے دل میں نفرت کی لہر سی اٹھی۔ اس بدمعاش سے اسے ایک انجانا خوف سا محسوس ہوا تھا۔ اس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ وہ کسی پیشہ ور قاتل کی طرح سفاک اور درندہ صفت لگ رہا تھا۔ زخم کا ایک مندمل ہو جانے والا سیاہ نشان اس کے ماتھے پر دو انچ لمبی لکیر کی طرح دائیں آنکھ کے اوپر اس طرح پھیلا ہوا تھا کہ اس کا آخری کنارہ پلکوں کو چھوتا تھا۔ ایسا ہی ایک زخم بائیں رخسار پر بھی تھا۔ اس سے اس کا چہرہ بدصورت ہوگیا تھا۔ اس کا دایاں کان کٹا ہوا تھا۔ شہزاد نے اس کا تعارف اویس سے کرایا۔ "یہ ہے میرا دوست فہیم......... لیکن یہ کان کٹا کے نام سے مشہور ہے۔"

فہیم نے اسے بڑے مؤدبانہ انداز سے سلام کیا۔ شہزاد اسے اپنے ساتھ لے کر بڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

اویس نے سوچا کہ شہزاد کو الگ لے جاکر اس سے کہے کہ اسے یہ بدمعاش پسند نہیں آیا لیکن وہ سوچتا رہ گیا۔ اس کے دل میں یہ خوف دامن گیر ہو رہا تھا کہ یہ بدمعاش شگفتہ کو اغوا کرکے کہیں روپوش ہوگیا تو وہ کیا کرے گا۔ ایسا ہونا فطری تھا۔ کیوں کہ شگفتہ اس قدر حسین تھی کہ ایک زاہد کے دل میں فتور آسکتا ہے۔ وہ بہک سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ کیا کرے گا؟ کیا وہ خطرہ مول لے؟

شہزاد نے اس کے چہرے سے جیسے بھانپ لیا تھا کہ وہ اس وقت کیا سوچ رہا ہے۔ کس ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس نے اویس سے کہا۔ "یہ میرا دوست ہے' قابل اعتبار ہے۔ تم آنکھ بند کرکے اس پر بھروسا کرسکتے ہو۔ اگر تمہیں اس سے کوئی شکایت ہوئی تو اس کا ذمہ دار میں ہوں۔"

"شہزاد صاحب ٹھیک کہہ رہے ہیں جناب!" وہ بولا۔ "یہ میرے محسن ہیں۔ انہوں نے میرے بچے کو خون دے کر اس کی جان بچائی ہے۔ مجھے قانون سے بھی بچایا ہے آپ

میری ظاہری حالت پر مت جائیں۔ میں بظاہر بہت برا آدمی ہوں لیکن اندر سے بہت اچھا ہوں۔ ہم بدمعاشوں میں ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ ہم کسی کو دھوکا نہیں دیتے ہیں۔ محسنوں کی خاطر جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔ آپ حکم کردیں جان بھی حاضر ہے۔"

"شہزاد صاحب نے تمہیں بتایا ہوگا کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟" اویس نے کہا۔ "بس تم اس بات کا خیال رکھنا کہ لڑکی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اسے کل نو بجے رات یہاں ہر قیمت پر پہنچانا ہے میں اس کا معاوضہ منہ مانگا دوں گا۔ تم معاوضے کی بالکل بھی فکر نہ کرنا بس کام ہر قیمت پر ہونا چاہئے۔"

"آپ ایک لڑکی کی بات کر رہے ہیں؟" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "میں اور میرے ساتھی بیک وقت چار چار لڑکیوں کو اغوا کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ اس ملک کے جس کونے اور شہر سے کہیں ہم لڑکی لاکر آپ کے قدموں میں ڈال دیں گے۔ ہم سے رانی بیگم اور آنٹی صاحبہ بھی کام لیتی رہتی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی لڑکی ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل گئی ہو۔ ہم نے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اصل بات کیا ہے؟" شہزاد نے فہیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اویس صاحب اس لڑکی کو اس لئے اغوا کروا رہے ہیں کہ یہ اس سے زبردستی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس شادی کو کسی وجہ سے ہر قیمت پر ہونا ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی ہے وہ قاضی صاحب ذرا مشکل سے ہی ہاتھ لگتے ہیں۔ کیونکہ ان کی بڑی مانگ ہے۔ اس لئے کہ وہ ہر قسم کا نکاح پڑھا دیتے ہیں اور اسی وقت پکا نکاح نامہ بھی دے دیتے ہیں۔ وہ پرسوں صبح کی فلائٹ سے عمرہ کرنے جا رہے ہیں۔ میں ان سے وقت طے کرکے آیا ہوں۔ لڑکی اور اس کی ماں کو قابو کرنے اور راہِ راست پر لانے کے لئے نکاح نامہ بہت ضروری ہے۔ اس کی جو اہمیت ہے وہ ہم سمجھتے ہیں۔ اگر کل یہ کام نہ ہوسکا تو ہمیں ان کی عمرے سے واپسی کے لئے انتظار کرنا ہوگا۔ دوسرا کوئی قاضی لڑکی کی مرضی کے خلاف نکاح نہیں پڑھاتا ہے۔ وہ لڑکی کل ٹھیک نو بجے یہاں پہنچا دی جائے۔ قاضی صاحب کو بھی ٹھیک ساڑھے نو بجے لے کر پہنچوں گا۔"

"وہ لڑکی انشاء اللہ کل نو بجے سے پہلے ہی پہنچ جائے گی۔ مگر ایسی لڑکیاں جن سے زبردستی اور ان کی مرضی کے خلاف نکاح کیا جاتا ہے وہ نکاح کے وقت بڑا ہنگامہ' فساد کھڑا کر دیتی ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قاضی صاحب بدک جائیں ان کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوجائے۔" وہ بولا۔



"قاضی صاحب کے دل میں خوفِ خدا نام کی کوئی چیز ہوتی تو وہ کیوں ایسے نکاح پڑھاتے؟ انہیں صرف اور صرف پیسوں سے غرض ہوتی ہے۔ وہ نکاح پڑھاتے وقت بہرے بن جاتے ہیں۔ لڑکی نہ نہ کرے' گالیاں دے' تھپڑ بھی مارے' اس کا خیال نہیں کرتے۔"

"میرے پاس ایک ایسی دوا ہے جس کے پلانے سے کیسی ہی سرکش اور حرافہ کیوں نہ ہو کتیا کی طرح دم ہلانے لگتی ہے۔" فہیم نے کہا۔

"کیا ایسی کوئی دوا بھی ہوسکتی ہے جو نفرت کرنے والی لڑکی کو بالکل مطیع ہی بنا دے؟ مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں آرہا ہے؟" اویس نے کہا۔

"ہاں.......... ہے' بالکل ہے۔" اس نے اپنا سر ہلایا۔ "بڑی زبردست نایاب اور انمول قسم کی چیز ہے۔ یہ طلسمی دوا ہے۔ اسے ایک حکیم صاحب نے برسوں کی تحقیق اور عرق ریزی کے بعد تیار کیا ہے۔ یہ دوا کھانے والے کو پانچ منٹ کے بعد ہی ہپناٹائز کردیتی ہے۔ مرد ہو یا عورت ہو' وہ غلام بن کر رہ جاتا ہے۔ آپ اسے جو حکم دیں وہ بلاچوں وچرا بجالاتا ہے۔ اپنی ضد اور ذات کو بالکل بھول جاتا ہے۔ یہ آزمودہ دوا ہے۔ کسی نے اب تک کوئی شکایت نہیں کی ہے۔ ہم کسی شہر سے کسی عورت کو اغوا کرکے لاتے ہی اسے یہی دوا کھلا دیتے ہیں۔ اس دوا کا اثر پورے چھتیس گھنٹے تک رہتا ہے۔ جب تک کوئی بھی اس دوا کے زیرِ اثر رہتا ہے وہ کسی حد تک اپنی یادداشت سے محروم ہوجاتا ہے۔"

"یہ تو بڑی لاجواب دوا ہے۔" اویس حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا۔ "کل تم یہ دوا بھی لیتے آنا۔ اس سے میری بہت بڑی مشکل آسان ہوجائے گی۔"

"اس کی ایک خوراک کی قیمت ایک ہزار روپے ہے۔" اس نے کہا۔ "اسے آپ چائے' شربت اور دودھ میں بھی ملا کر دے سکتے ہیں۔"

"میں تمہیں ہزار روپے نہیں بلکہ پندرہ سو روپے دوں گا۔ شرط یہ ہے کہ وہ ایسی ہی دوا ہو جیسا کہ تم نے بتایا ہے۔" اویس بولا۔

"فہیم جھوٹا نہیں ہے۔ وہ کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لے گا' تم پورے اعتماد سے اسے استعمال کرا سکتے ہو۔" شہزاد نے کہا۔

"آپ مجھے ابھی اور اسی وقت چل کر اس لڑکی کا مکان اور لڑکی کا چہرہ کرا دیں تاکہ کل میں اور میرے آدمی پلاننگ کر سکیں۔"

وہ تینوں تھوڑی دیر کے بعد اس کے ہاں سے نکلے۔ شہزاد تو اپنے گھر چلا گیا' اویس'

فہیم کو اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر شگفتہ کے علاقے میں لے آیا۔ اسے سب سے پہلے وہ بس اسٹاپ دکھایا جہاں شگفتہ بس سے آٹھ بجے اترتی تھی۔ پھر وہ راستہ جس راستے سے اپنے گھر جاتی تھی۔ اس گلی کے نکڑ پر کھڑے ہو کر اسے شگفتہ کا مکان دکھایا' گلی ویران اور سنسان پڑی ہوئی تھی۔ یوں بھی یہ جگہ سناٹے میں تھی۔ فہیم نے مکان اور راستے کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔ اس نے واپسی میں ایک ہوٹل میں چائے پیتے ہوئے فہیم کو شگفتہ کے حلیے کے بارے میں بتایا لیکن اس کے حسن و جمال کی زیادہ تعریف نہیں کی۔ پھر اس کی خصوصیت بتائی کہ وہ ہمیشہ سفید لباس میں ہوتی ہے۔ اس کا پرس اور سینڈل تک سفید ہوتے ہیں۔ پانچ ہزار روپے سے کم ہوتے ہوتے تین ہزار روپے میں سودا طے ہوا۔ اویس نے اسے پورے تین ہزار روپے پیشگی دے دیئے۔ دوا کے ایک ہزار روپے الگ۔ اویس گھر جاتے ہوئے دل میں بہت خوش ہو رہا تھا۔ فہیم کی دوا سے اس کی بہت بڑی مشکل حل ہو رہی تھی۔ وہ بہت دور کی سوچنے اور منصوبہ بندی کرنے لگا۔

اویس گھر پہنچا تو اس پر سرشاری کی ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ اس نے کبھی ایسی کیفیت کسی لڑکی کو پا کر محسوس نہیں کی تھی۔ کل کی رات اس کا سپنا پورا ہونے والا تھا۔ لیکن آج کی رات ہی وہ بہت حسین محسوس کر رہا تھا۔ سپنوں کی رنگین وادی میں بھٹک رہا تھا۔ اس وقت اس کی حالت ایک فاتح کی سی ہو رہی تھی۔ وہ ایک فاتح کے انداز سے سوچ رہا تھا۔ آپ ہی آپ فاتحانہ انداز سے مسکرا بھی رہا تھا۔

اویس نے صبح دس بجے گھر سے نکلتے ہوئے ماں سے کہہ دیا کہ وہ دفتر کے کام سے کچھ دنوں کے لئے اندرون سندھ جا رہا ہے۔ اس نے اپنے فلیٹ پر آ کر دو تین عام جوڑے اور زیورات ایک بریف کیس میں رکھ لئے۔ بنگلے کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک دکان سے فلم رول لے لیا۔ وہ شگفتہ کو دلہن کے روپ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ شادی کی تصویریں بنانا چاہتا تھا' فہیم کی دوا کی وجہ سے کسی کام میں کوئی مشکل نہیں رہی تھی۔ وہ دوا اس کے سارے کام آسان کرنے والی تھی۔ یہ دوا نہیں تھی بلکہ جادو کی چھڑی تھی۔

وہ اپنے ساتھ کاغذ کے پھولوں کی دکان کے چار آدمیوں کو لے گیا۔ انہوں نے سہ پہر تک اس کے بیڈ روم کو دلہن کی طرح سجا دیا۔ اس نے حجلۂ عروسی کا مسئلہ بھی حل کر لیا تھا۔ مغرب کے بعد وہ بھی نہا کر دلہا کی طرح تیار ہو گیا۔ اب اسے دلہن کا انتظار تھا جو نو بجے آنے والی تھی۔ وہ حجلۂ عروسی کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لینے لگا۔ کہیں کوئی کمی اور



کسر تو نہیں رہ گئی ہے۔ کمرہ سجانے والوں نے بڑی مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ کمرے کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ وہ کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے ڈبل بیڈ کی طرف گیا۔ دو ایک گھنٹے کی بات تھی۔ اس صاف ستھرے اور گداز بستر پر ایک کلی پھول بن کر مہکنے والی تھی۔ اب تک اس کی زندگی میں جتنی کلیاں کھلی تھیں ان میں ایک بھی ایسی نہیں تھی' کہ جو آج کی کلی کے مقابلے میں خوب صورت اور نازک سی ہو اس نے کبھی ایسی کلی کی مہک اور اس کا گداز محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین شخص سمجھ رہا تھا۔

اس کے لئے ایک مسئلہ تھا کہ شگفتہ کو کون تیار کرے گا؟ دلہن کون بنائے گا؟ فلیٹ ہوتا تو وہ چوکیدار کی بیوی کو بلا لیتا۔ وہ کسی بیوٹی پارلر کی عورت بلانا نہیں چاہتا تھا۔ یوں بھی وہ کسی مرد کے ساتھ جاتی نہیں تھیں پھر اس نے سوچا کہ شگفتہ شاید دوا پینے کے بعد خود ہی تیار ہو جائے۔

آٹھ بجتے ہی وہ اپنے بنگلے کی چھت پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے بنگلے کا گیٹ کھلا رکھا تھا اور برآمدے کی بتی بھی بجھا دی تھی۔ فہیم نے اس سے کہا تھا کہ وہ گیٹ اور کمروں کے دروازے کھلے رکھے۔ برآمدے میں اندھیرا ہو۔ بلب نہ روشن کیا جائے۔ وہ منڈیر کے پاس کھڑا مخالف سمت دیکھ رہا تھا۔ ہر دو تین منٹ کے وقفے وقفے سے دستی گھڑی میں وقت دیکھنے لگتا تھا' اس کی نگاہ بار بار اس راستے کی طرف اٹھ رہی تھی جو اونچی اور چھدری جھاڑیوں کے درمیان سے بل کھاتا ہوا مین روڈ کی جانب چلا گیا تھا۔ اس راستے سے فہیم آنے والا تھا۔ اس کی روح ایک انجانی خوشی سے سرشار ہو رہی تھی۔ اس کے پورے جسم میں ایک میٹھی سنسنی دوڑ رہی تھی۔ شگفتہ کا دلکش سراپا اور پُرشباب خوبصورت جسم اس کی نظروں میں لہرانے لگا جو آج اس کی ملکیت بننے والا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لئے حسین اور رنگین خوابوں میں کھو کر انجانی دنیا میں بھٹک رہا تھا۔ وہ واپسی کا راستہ بھول گیا تھا۔

جیسے جیسے وقت بیت رہا تھا ویسے ویسے رات کی تاریکی تیزی سے پھیلتی اور گہری ہوتی جا رہی تھی۔ راستہ بھی اندھیرے میں لپٹا ہوا تھا۔ انتظار کی گھڑیاں اس کے لئے بڑی کٹھن اور دشوار سی محسوس ہو رہی تھیں۔ گزرتا ہوا پل پل اس کے وجود پر بھاری ہو رہا تھا۔ وقت جیسے رک گیا ہو ایسا لگ رہا تھا۔ وہ ساعت ابھی بہت دور تھی جس کے لئے وہ بے تاب ہو رہا تھا اور ماہی بے آب کی طرح اسے پانے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ دل کو کسی

لمحے قرار نہیں تھا۔

وہ وحشت اور اضطراب سے چھت پر ٹہلتا رہا' بے رحم لمحات جو اس کے اعصاب پر سوار تھے' وہ کسی نہ کسی طرح کٹ گئے۔ نو بجے اس نے اپنی گھڑی دیکھی۔ پھر سوا نو بج گئے۔ دور دور تک فہیم کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ فہیم نے اس سے کہا تھا کہ وہ شگفتہ کو اغوا کر کے نو بجے سے پہلے پہنچ جائے گا۔ شہزاد ساڑھے نو بجے قاضی صاحب کو لے کر آنے والا تھا ساڑھے نو بجنے میں صرف پندرہ منٹ باقی تھے۔ شہزاد تھوڑی دیر میں آنے والا تھا۔

وہ ناامیدی کے سمندر میں ڈوبنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ کسی وجہ سے فہیم شگفتہ کو اغوا کرنے میں ناکام ہوگیا ہے یا پھر اغوا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا ہے۔ وہ اس امکان کو نظرانداز نہیں کرسکتا تھا کہ فہیم کی نیت میں فتور پیدا ہوگیا ہوگا۔ وہ کسی جوئے کے اڈے پر بیٹھا جوا کھیل رہا ہوگا یا پھر شراب اور شباب سے دل بہلا رہا ہوگا۔ اس نے پوری رقم فہیم کو پیشگی دے کر غلطی کی تھی۔ اب اسے پچھتاوا سا ہو رہا تھا۔ ان باتوں کا خیال آتے ہی اس کے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ کھوپڑی چٹخنے لگی۔ اس کے لئے غصہ ناقابل برداشت ہونے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ناامید سا ہو کر زینے کی طرف بڑھا۔ پھر ٹھٹک کر رک گیا۔ دفعتاً تیز اور آنکھوں کو چندھیا دینے والی روشنی سے ویران راستہ اور جھاڑیاں جگ مگا اٹھیں دور سے ایک گاڑی بڑی تیز رفتاری سے اس کے بنگلے کی سمت آتی دکھائی دی۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا اس کی نفرت اور غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا وہ منڈیر کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔ فہیم بامراد لوٹ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد گاڑی بنگلے کے احاطے میں داخل ہو کر رک گئی۔ گاڑی کا ایک دروازہ کھلا۔ اس میں سے ایک بدمعاش نے اتر کر گیٹ کو بند کردیا۔

اس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گاڑی کے اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ چونکہ اس نے فہیم کی ہدایت کے مطابق برآمدے کی بتی بجھا رکھی تھی اس لئے اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ فہیم نے اس قدر احتیاط برتنے کے لئے کس لئے کہا تھا یہ بات اس کے سمجھ سے بالاتر تھی۔ کیونکہ یہ بنگلہ تقریباً ویرانے میں بنا ہوا تھا۔ کسی ڈر اور خوف کی کوئی بات نہ تھی۔ گاڑی کا اگلا دروازہ کھلا۔ جو شخص تیزی سے باہر آیا وہ جسامت اور قدوقامت سے فہیم لگا تھا۔ اس نے پچھلے دروازے کی کھڑکی میں سر ڈال کر کچھ کہا تھا جو



خاصا فاصلہ اور چھت پر ہونے کی وجہ سے سنائی نہیں دیا تھا۔ پھر وہ کھڑکی سے سر نکال کر گھر میں داخل ہونے کے خیال سے برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔

اگلے لمحے پچھلی نشست کے دونوں دروازے ایک جھٹکے سے کھلے۔ ایک دروازے سے ایک بدمعاش نکل کر تیزی سے بھاگ کر دوسرے دروازے کے پاس آیا۔ اس نے اپنا سر اور دھڑ اندر ڈال کر شگفتہ کو اس بے رحمی سے باہر کھینچا جیسے وہ کوئی قربانی کا جانور ہو۔ دوسرے دروازے سے گاڑی کے اندر سے باہر آنے والے بدمعاش کے ہاتھ میں ایک کھلا چاقو تھا جس کی تیز دھار اندھیرے میں چمک رہی تھی۔ اس نے شگفتہ کی نظروں کے سامنے چاقو نچایا تھا۔ شگفتہ کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ اس نے خوف زدہ آواز میں جیسے التجا کی تھی کہ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو............ میں تمہیں اللہ رسول کا واسطہ دیتی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی............

"اپنی چونچ بند رکھو۔" دوسرے بدمعاش نے غراتے ہوئے اس کے دھڑکتے سینے پر چاقو کی نوک رکھ دی۔

"تمہیں ایک شریف عورت پر رحم نہیں آرہا ہے۔" وہ سسک پڑی۔ "تم لوگ کیسے آدمی ہو جو خدا سے نہیں ڈرتے ہو۔"

"پھر تُو نے بکواس کی.........." دوسرے بدمعاش نے کرخت لہجے میں اسے ڈانٹا۔ "ہم یہاں تجھے مہمان بنانے لائے ہیں۔ چپ کر۔"

پھر شگفتہ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سہم کر خاموش ہوگئی پھر وہ بدمعاشوں کے سہارے برآمدے کی طرف بڑھی۔ پھر اس نے جیسے ہی ان بدمعاشوں کی گرفت ڈھیلی پائی اس نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ اس بات کی پروا نہیں کی دونوں بدمعاش مسلح ہیں۔ اس نے ایک بدمعاش کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اتنے زور سے پیچھے کی طرف دھکا دیا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ الٹ کر زمین پر گر پڑا۔ دوسرا بدمعاش جو بھونچکا سا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا اسے بھی دھکا دیا تو وہ گاڑی کے بونٹ پر منہ کے بل جا گرا پھر وہ گیٹ کی طرف بجلی کا کوندا بن کر لپکی۔ چشم زدن میں وہ گیٹ کھول کر باہر نکلی۔ پھر جدھر منہ اٹھا وہ اس سمت بگٹٹ بھاگی۔

شگفتہ چونکہ سفید براق لباس میں ملبوس تھی اس لئے وہ اس گھپ اندھیرے میں جگنو کی طرح جگ مگا رہی تھی۔ اگر اس کے جسم پر رنگین لباس ہوتا تو اندھیرے میں ڈوب جاتی۔ وہ اس وقت ہلکی چاندنی کے منجمد سائے کی طرح دور سے نظر آرہی تھی۔

دونوں بدمعاش اٹھ کر سنبھل کر اس کے پیچھے تیزی سے دوڑے لیکن شگفتہ کے دوڑ کی رفتار ان سے کہیں تیز تھی۔ اس کی وجہ اس کا چھریرا متناسب جسم تھا۔ دونوں بدمعاش جسمانی طور پر بھاری بھرکم تھے۔ وہ ان کے ہاتھ نہ آسکی۔ وہ تینوں اونچی جھاڑیوں کے عقب میں جاکر اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

اویس حیرت زدہ تھا۔ شگفتہ اس قدر بہادر ہوگی' ہمت اور جرأت سے کام لے اسے یقین نہیں آیا تھا۔ اسے ان بدمعاشوں پر سخت غصہ آرہا تھا۔ ان کی بے پروائی اور ذرا سی غفلت کی وجہ سے شگفتہ نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ اس بدمعاش نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کیا۔ پھر گاڑی کو تیزی سے ریورس کیا۔ وہ گاڑی لے کر ان بدمعاشوں کی مدد اور شگفتہ کے تعاقب کے لئے چل پڑا تھا۔

فہیم کے فرشتوں کو بھی اس غیر متوقع اور اچانک پیش آنے والے سنسنی خیز واقعے کی کوئی خبر نہیں ہوسکی تھی۔ وہ لاعلم تھا۔ اویس بجلی کی سی سرعت سے نیچے آیا تو اس نے فہیم کو نشست گاہ میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"وہ تو تمہارے آدمیوں کی گرفت سے نکل بھاگی ہے۔" اویس نے سراسیمگی سے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ ہی نہ لگ سکے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" اس نے اویس کو دلاسا دیا۔ "ہمارے ہاتھ ایک بار کوئی بھی لگ جائے وہ بچ نہیں سکتا ہے۔ وہ بچ کر کہاں جائے گی۔"

"تم لوگوں نے اسے لانے میں بہت دیر کردی؟" اویس بولا۔ "میں ناامید ہوگیا تھا۔ میں سمجھا کہ شاید کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے۔"

"یہ شکار تو بڑی مشکل سے قابو میں آیا ہے۔" وہ حیرت آمیز لہجے میں بولا۔ "ہم نے نہ جانے کتنی عورتوں کو اغوا کیا لیکن اس جیسی لڑکی سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔"

"کیا مطلب.........؟" اویس نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "تم چار آدمی بھی ایک عورت کو قابو میں نہیں کرسکے؟"

"ہماری جگہ دس آدمی بھی ہوتے تو شاید وہ ان کے قابو میں نہیں آتی۔" فہیم نے گہری سانس لی۔ "یہ عورت نہیں ہے' سچ پوچھئے تو ہمیں کبھی ایسی بلا سے واسطہ نہیں پڑا۔ وہ زہریلی ناگن کی طرح ہم چاروں کو ڈسنے پر جیسے تل گئی تھی۔ اس نے ہم میں سے کسی کو بھی نہیں بخشا کسی کا منہ نوچ لیا تو کسی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ کسی کے بال پکڑ



کے کھینچے تو کسی کی آنکھیں پھوڑنے کی کوشش کی' کسی کے منہ پر تھوک بھی دیا۔ جو کچھ وہ کرسکتی تھی اس نے کیا۔ اس بلا نے ہم چاروں کو تگنی کا ناچ نچا کر رکھ دیا۔ وہ ایک مرتبہ ہمارے نرغے سے نکل کر بھاگی اسے قابو کرنے میں کوئی ایک گھنٹہ لگ گیا۔ اگر آپ نے اس کے بارے میں کوئی تاکید نہیں کی ہوتی تو میں اس کا وہ حشر نشر کرتا کہ وہ ساری زندگی یاد کرتی۔"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک نرم و نازک لڑکی تم لوگوں پر بھاری ہوگئی؟ کہیں تم میں سے کسی نے اسے شدید زخمی تو نہیں کردیا؟"

"ہم اسے کیا زخمی کرتے بلکہ خود ہی زخمی ہو کر یہاں پہنچے ہیں۔" فہیم کہنے لگا۔ "اگر ہم اسے چپ کرانے اور دہشت زدہ کرنے کے لئے چاقو اس کے نرخرے پر نہیں رکھتے تو وہ ہمارا ناطقہ بند کردیتی۔ یہ حرکت ہمیں اس لئے بھی کرنا پڑی تھی کہ وہ راستے میں موقع دیکھ کر چیختی چلاتی نہ پھرے اگر وہ ایسا کرتی تو پھر ہم سب اس وقت کسی علاقے کے تھانے میں ہوتے.......... آپ نے پسند بھی کیا لڑکی کی۔ آپ اسے کس طرح قابو میں رکھ سکیں گے؟"

"میں نے تم لوگوں سے کہا تھا کہ اسے اگر کچھ ہوا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ تم نے اس طرح سے اسے قابو کیا ہے جیسے وہ کوئی جانور تھی۔" اویس بھڑک اٹھا۔

"جب اسے یہاں لایا جائے گا تب اسے دیکھ لیں۔ اس سے پوچھ لیں۔ اگر اسے خراش بھی آئی ہو تو ہماری گردن ماردیں۔" فہیم بولا۔

پھر وہ دونوں چھت پر آگئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے دیکھا گاڑی بنگلے کی سمت آرہی ہے۔ اویس کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

"میں آپ کو ایک مشورہ دوں؟" فہیم نے کہا۔ "آپ فوراً ہی نیچے نہ آئیں بلکہ اس وقت آئیں جب میں آپ کو آکر بلاؤں۔"

"وہ کس لئے؟" اویس کے چہرے پر استعجاب چھا گیا۔ "میرے نیچے آنے سے کیا فرق پڑے گا؟ وہ مجھے کھا تو نہیں جائے گی؟"

"اس کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔" فہیم نے کہا۔ "کیوں کہ اس وقت وہ اپنے آپ میں نہیں ہے۔ وہ آپ کی آنکھیں بھی پھوڑ سکتی ہے۔"

"مجھے تو ہر صورت میں نیچے آنا ہی آنا ہے۔ ورنہ میری اس سے شادی کیسے ہوگی؟ شہزادا ابھی تک قاضی صاحب کو لے کر نہیں پہنچا ہے۔"

"آپ اس وقت آئیں جب ہم اسے دوا پلا کر ہپناٹائز کر دیں۔ اس وقت وہ بالکل بچوں کی طرح آپ کی ہر بات مانے گی۔"

"اوہ.......... مجھے تو دوا کا خیال ہی نہیں رہا۔ تم اسے جلدی سے دوا پلا دو۔ پھر اسے میرے بیڈ روم میں بٹھا دینا۔" اویس نے کہا۔

فہیم نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ تیزی سے زینے کی طرف لپک گیا کیونکہ بنگلے اور گاڑی کے درمیان فاصلہ تیزی سے کم ہوتا جا رہا تھا۔ گاڑی ہوا میں اُڑتی ہوئی آ رہی تھی۔ گاڑی جو بھی چلا رہا تھا وہ کوئی اچھا ڈرائیور لگ رہا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو گاڑی جھاڑیوں میں گھس جاتی۔

فہیم نے اس سے غلط نہیں کہا تھا۔ اس نے دلاسا دیا تھا کہ لڑکی اس کے ہاتھ سے نکل کر نہیں جا سکتی ہے۔ آخر اس کے آدمی شگفتہ کا تعاقب کر کے اسے لے آئے تھے۔ گاڑی کو واپس آتے دیکھ کر اس نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ اگر شگفتہ ان بدمعاشوں کے ہاتھ نہ لگتی۔ وہ بچ جانے اور فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتی تو ساری بساط الٹ جاتی۔ پھر اسے شگفتہ کے حصول میں ناکامی ہوتی۔ شگفتہ محتاط اور روپوش ہو جاتی۔ بالفرض محال اسے اغوا کرتے ہوئے فہیم دھر لیا جاتا تو پھر اس کی شامت آ جاتی وہ پولیس کے پھڈے میں پھنسنے کی وجہ سے خائف تھا۔ وہ نہ صرف شگفتہ سے محروم ہو جاتا بلکہ اپنی سونے کی کان جیسی نوکری سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا۔ اس کے خواب اس کے سینے میں برچھیوں کی طرح اتر جاتے۔

گاڑی اندر آ کر رکی تو دو بدمعاش تیزی سے باہر آئے تیسرا بدمعاش بھی اسٹیئرنگ چھوڑ کر آ گیا۔ اندر سے فہیم بھی آ گیا تھا۔ اس وقت چاروں بہت محتاط چوکنا اور ہوشیار تھے۔ ایک بدمعاش تو گیٹ بند کر کے اپنے ہاتھ میں کھلا چاقو لے کر کھڑا ہو گیا تھا۔ فہیم اور دوسرے بدمعاش نے دونوں طرف سے شگفتہ کی بانہیں تھام لی تھیں۔ اس کے منہ پر پہلے ہی اس کا دوپٹہ باندھ دیا گیا تھا جس سے اس کا چہرہ اور آنکھیں چھپ گئی تھیں۔ وہ دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ فہیم اور اس کے ساتھی نے اس کی بانہیں بڑی مضبوطی سے پکڑ رکھی تھیں۔ پھر وہ اسے برآمدے سے گزار کر اندر کے کمرے میں لے گئے۔ پھر بھی ایک بدمعاش گیٹ پر چاقو لئے پہرہ دینے لگا تھا۔ وہ کسی قسم کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اویس کے خیال میں ایسا بھی نہیں ہونا چاہئے تھا مگر وہ واقعی بلا تھی۔

اویس منڈیر سے ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ دوا کا اثر ختم ہونے کے بعد



وہ شگفتہ سے کیسے سامنا کرے گا؟ اسے کیسے قابو میں کرے گا' اسے بالکل ہی اندازہ نہ تھا کہ شگفتہ اس قسم کی لڑکی ہے۔ اس نے چار چھٹے ہوئے بدمعاشوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ جب دوا کا اثر ختم ہو گا تو اس کے معافی مانگنے پر کیا وہ اسے معاف کر دے گی؟ جب اس کے علم میں یہ بات آئے گی کہ اس نے اس سے بے ہوشی کی حالت میں شادی کر لی' اسے کلی سے پھول بنا دیا تب اس کا ردعمل کیا ہو گا؟ پھر اس نے اپنے دل کو تسلی دی کہ تب کی تب دیکھی جائے گی۔ شگفتہ کو آخر اس کے سامنے جھکنا پڑے گا۔

اویس نے اپنے دل میں خوشی کی ایک جھنکار سی محسوس کی۔ وصل کی گھڑی زیادہ دور نہیں تھی۔ اس کا تصور اس کے سارے بدن میں خون بن کر رقص کرنے لگا تھا۔ اس کی نس نس میں ایک لطیف سا احساس چھا گیا تھا۔ اس کے جسم میں جو میٹھی میٹھی اور فرحت بخش سنسنی پھیل گئی تھی اس کا اثر آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ رات بڑی حسین اور خمار آلود ہو رہی تھی۔ اس پر نشہ بن کر طاری ہو رہی تھی۔

اس وقت جذبات کی افراتفری میں اس پر ایسی دوغلی کیفیت طاری تھی کہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دل کدھر جا رہا ہے۔ دماغ کدھر جا رہا ہے۔ شگفتہ کسی بھی تدبیر اور راستے سے اس کی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ راستہ جیسا بھی تھا' جو بھی تھا وہ اسے منزل پر پہنچا سکتا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔ اسے نتائج کی کوئی پروا نہیں تھی۔

اویس زینے کی طرف بڑھا تاکہ دیکھے اور سن سکے کہ نیچے کیا ہو رہا ہے۔ فہیم کو نیچے گئے پندرہ منٹ سے اوپر ہو گئے تھے۔ اس نے قدموں کی چاپ سنی۔ فہیم اوپر آ رہا تھا۔ وہ زینے کے پاس رک گیا۔ فہیم سے بات کئے بغیر وہ نیچے جانا نہیں چاہتا تھا۔ چند لمحوں کے بعد فہیم اوپر آیا۔ فہیم اسے دیکھتے ہی بولا۔ "مبارک ہو جی.......... میں نے شربت میں وہ دوا ملا کر پلا دی.......... وہ کسی قیمت پر پینے کے لئے تیار نہیں تھی۔ کہہ رہی تھی کہ شراب ہے۔ میں نے باورچی خانے سے اسے شربت کی بوتل لا کر دکھائی تب بھی اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔"

"کیا دوا نے اس پر اثر کیا؟" اویس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اثر ہونے میں کچھ دیر لگے گی؟"

"دوا کیسے اثر نہیں کرتی؟ اس نے ایسا اثر کیا ہے کہ بالکل سیدھی ہو گئی ہے اللہ میاں کی گائے بن گئی ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"وہ لڑکی کہاں ہے.......... کیا تم اسے نشست گاہ میں بٹھا کر آئے ہو؟ یا کسی کمرے میں بند کرکے..........؟ وہ کیا کر رہی ہے؟"

"میں نے اسے آپ کے بیڈ روم میں لے جا کر بستر پر بٹھا دیا ہے۔" فہیم کہنے لگا۔ "کمرے کے اندر قدم رکھتے ہی وہ بچوں کی طرح خوش ہوگئی تھی۔ اس نے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد مجھ سے پوچھا کہ یہ کمرہ کس کا ہے؟ اسے کمرے میں کیوں اور کس لئے لایا گیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہیں اس لئے یہاں لایا گیا ہے کہ تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ نکاح کے بعد تم دلہن بن کر اس کمرے میں آؤ گی۔ دلہا میاں قاضی صاحب کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ وہ یہ بات سن کر بہت خوش ہوگئی۔ وہ پلنگ پر سچ مچ کی دلہن کی طرح شرما کر بیٹھی ہوئی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اس دوا کا جواب نہیں۔ بڑی لاجواب دوا ہے۔ اس نے ایک بلا کو قابو کر دیا۔" اویس نے کہا۔

"جی ہاں۔" فہیم نے کہا۔ "جو کوئی بھی اس دوا کے بارے میں سنتا ہے وہ اس کا یقین نہیں کرتا ہے آپ چل کر اس کا کمال دیکھ لیں۔"

اویس خوشی سے جھومتا ہوا اس کے ساتھ نیچے آیا۔ فہیم کے آدمی نشست گاہ میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ اس نے تیز روشنی میں بدمعاشوں کے چہرے دیکھے۔ ان کے چہرے زخمی تھے۔ ان پر جابجا خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ خون رِس کر بند ہو چکا تھا۔ شگفتہ کے لمبے لمبے ناخنوں نے اس کے چہروں کا نقشہ بگاڑ دیا تھا۔ وہ ان کی حالت دیکھ کر اندر ہی اندر کانپ کر رہ گیا کہ دوا کا اثر ختم ہونے کے بعد شگفتہ کہیں اس کا بھی وہی حشر نہ کر دے۔

"اچھا اب ہمیں اجازت دیں۔" فہیم نے کہا۔ "آپ کی ہونے والی دلہن آپ کے بیڈ روم میں بیٹھی ہے۔ آپ اندر جا کر دیکھ لیں کہ وہ کس حالت میں ہے۔ میری دوا نے اس پر کیسا جادو کیا ہے۔ اس کے سارے کس بل نکل چکے ہیں۔ وہ اللہ میاں کی گائے بن گئی ہے۔"

اسی اثناء میں باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ چند لمحوں کے بعد شہزاد اندر داخل ہوا تو اس کے پیچھے پیچھے قاضی صاحب تھے۔ شہزاد نے اپنے دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگ اٹھا رکھے تھے۔ ایک میں گلاب اور موتیا کے پھولوں کے ہار تھے۔ دوسرے میں دو کلو مٹھائی کا ڈبہ' تیسرا شاپنگ بیگ جو کافی بڑا تھا اس میں خورد و نوش کا بہت سارا سامان تھا۔ اویس نے



شہزاد کو پیسے دے کر یہ چیزیں منگوائی تھیں۔

اویس نے قاضی صاحب کو دیکھا جو کسی بھی لحاظ سے قاضی نہیں لگ رہے تھے۔ صرف داڑھی رکھنے سے کوئی قاضی نہیں بن سکتا تھا۔ ان کے چہرے سے خباثت ٹپک رہی تھی۔ آنکھوں میں کمینہ پن بھرا ہوا تھا۔ شہزاد نے سارا سامان میز پر رکھ دیا۔ قاضی صاحب اپنا شاپنگ بیگ لے کر بڑے صوفے پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اویس اور ان بدمعاشوں پر نظر ڈالی۔ پوچھا۔ "آپ لوگوں میں سے دلہا کون ہے؟ کس کا نکاح پڑھوانا ہے؟"

"دلہا میں ہوں جی.........." اویس نے جواب دیا۔ پھر وہ فہیم سے بولا۔ "تم لوگ نکاح ہونے تک رک جاؤ' منہ میٹھا کر کے چلے جانا۔"

قاضی صاحب نے اپنے دستی بیگ میں سے نکاح نامے کی چار کاپیاں نکالیں۔ اویس نے شہزاد کو پہلے ہی سے اپنا اور شگفتہ کا نام لکھ کر دے دیا تھا۔ اس نے شگفتہ کی ولدیت میں نذیر احمد خان کا نام لکھوایا تھا۔ وکیل شہزاد تھا' قاضی صاحب نکاح نامہ کے چاروں فارم بھر کے ساتھ لائے ہوئے تھے۔ گواہوں میں کس کے نام تھے' اسے نہیں معلوم تھا۔ اسے آم کھانے سے مطلب تھا' اسے صرف نکاح نامہ چاہئے تھا۔

قاضی صاحب نے نکاح کی کارروائی کا آغاز کیا۔ شہزاد نے اویس کے گلے میں ایک بڑا پھولوں کا ہار ڈال دیا۔ قاضی صاحب نے نکاح نامے پر اس کے دستخط لئے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ دلہن کہاں ہے۔ اویس نے انہیں فہیم کے ساتھ اندر بھیج دیا۔ ان کے اندر سے واپس آنے تک اس کا دل دھڑکتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد قاضی صاحب اور فہیم کمرے سے باہر آئے۔ وہ شہزاد سے بولے۔ "ماشاء اللہ سبحان اللہ.......... دلہن بڑی پیاری اور سیدھی سی ہے۔ اس نے ہنسی خوشی دستخط کر دیئے۔ تم نے کہا تھا کہ وہ دستخط نہیں کرے گی۔ زبردستی انگوٹھا لگوانا پڑے گا۔ شادی اس کی مرضی کے خلاف ہے۔ وہ تو بہت خوش ہے۔"

"وہ دراصل اپنے والدین سے خائف تھی۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "وہ بالغ ہے۔ اپنی مرضی اور خوشی سے چوری چھپے شادی کر رہی ہے۔"

قاضی صاحب نے نکاح پڑھا کر دو ہزار روپے لے لئے۔ اسے نکاح نامے کی دو عدد کاپیاں دے دیں۔ اویس نے نکاح نامہ دیکھا۔ یہ جعلی نہ تھا۔ اس پر سرکاری مہریں لگی ہوئی تھیں۔ شہزاد نے اس سے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ پکا کام کرتے ہیں۔

شہزاد نے شاپنگ بیگ سے مٹھائی کا ڈبا نکال کر سب کا منہ میٹھا کرایا۔ پھر اس نے بڑے شاپنگ بیگ سے چکن بروسٹ کے ڈبے نکال کر قاضی صاحب، فہیم اور اس کے ساتھیوں میں تقسیم کئے۔ چونکہ قاضی کو جلدی تھی اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ راستے میں کھالیں گے۔ شہزاد اسے شادی کی گرم جوشی سے مبارکباد دے کر قاضی صاحب کو چھوڑنے اور کل صبح آنے کا کہہ کر نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے فہیم اور اس کے ساتھی بھی چلے گئے۔ شہزاد قاضی صاحب کو ایک پرائیویٹ ٹیکسی میں لے کر آیا تھا۔ وہ باہر کھڑی تھی۔

اویس نے گیٹ بند کیا۔ پھر اندر آکر کمرے کا برآمدے میں کھلنے والا دروازہ بند کیا۔ نشست گاہ میں آکر اس نے پھولوں والے شاپنگ بیگ سے پھولوں کا ہار نکالا۔ پھر وہ ہار لے کر دھڑکتے دل سے حجلۂ عروسی کی طرف بڑھا۔ شگفتہ دلہن بنی اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اویس اپنے فلیٹ سے آتے وقت جو عروسی جوڑا اور جو چند جوڑے لایا تھا وہ اس کمرے میں تھے۔ اس نے عروسی جوڑا پلنگ پر پھیلا کر چھوڑ دیا تھا۔ زیورات کا ڈبا سنگھار میز پر رکھ دیا تھا۔ اس نے سوچا ہوا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے شگفتہ کو عروسی جوڑا اور زیورات پہنائے گا۔ اس کی نوبت نہیں آئی تھی۔ شگفتہ عروسی جوڑا پہنے آئینے کے سامنے زیورات پہن رہی تھی۔ شگفتہ کی پشت اس کی جانب تھی۔ وہ اس کے قدموں کی چاپ سن کر گھومی۔ اویس کو دیکھ کر اس کے چہرے پر حیا کی سرخی پھیل گئی۔ اویس کے ہاتھوں سے پھولوں کا ہار چھوٹ کر فرش پر گر گیا۔ وہ شگفتہ نہیں تھی۔

اویس بھونچکا سا ہو کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس پر کوئی بجلی سی آگری تھی۔ پھر اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس کی نگاہیں لڑکی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اس نے اپنا چہرہ بھی لڑکی کی نظروں کی گرفت میں محسوس کیا تھا۔ لڑکی بہت خوبصورت نہ تھی مگر اس عروسی لباس میں وہ دلہن کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کے سراپا میں دل کشی اور جاذبیت تھی اور آنکھوں میں مقناطیسی کشش۔ اس کی عمر بیس بائیس برس کی ہوگی۔

یہ لڑکی جو بھی تھی جیسی بھی تھی کسی اچھے گھرانے کی دکھائی دیتی تھی۔ اس لئے اس نے بیک وقت چار بدمعاشوں کا مقابلہ کیا تھا۔ آخر وقت تک مزاحمت کرتی رہی تھی۔ بھاگنے کی کوشش بھی کی تھی۔ یہ شریف لڑکی نہ ہوتی تو اپنی عزت و آبرو بچانے کے لئے جان پر نہ کھیلتی۔ ان بدمعاشوں نے چاقوؤں کے زور پر اس لڑکی کو بے بس اور قابو میں کیا



تھا۔ اگر اس لڑکی کے پاس بھی چاقو ہوتا تو وہ ان پر شاید بھاری پڑ جاتی۔ وہ دو ایک کو موت کی نیند سلا دیتی۔ ان کے قابو میں نہ آتی۔ فہیم نے اعتراف کیا تھا کہ کبھی اسے ایسی لڑکی سے واسطہ نہیں پڑا۔

اس وقت یہ لڑکی یکسر بدلی ہوئی تھی۔ طرح دار اور خطرناک بالکل بھی نہیں لگ رہی تھی۔ چھوئی موئی سی ہو گئی تھی۔ اس دوا کا اثر تھا جس نے اسے بدل دیا تھا۔ فہیم نے اس سے کہا تھا کہ دوائی کا اثر جب تک رہتا ہے اس وقت تک دوائی پینے والا یادداشت سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ یادداشت سے محروم نظر آرہی تھی۔ اس لئے وہ خود کو دلہن سمجھ کر شرما رہی تھی۔ اس احساس نے اس کے چہرے کو اور نکھار دیا تھا۔

اس کا سفید لباس اور دوپٹا صوفے کی پشت پر پڑا ہوا تھا۔ لڑکی نے اسے اپنی جگہ خاموش اور بے حس و حرکت پایا تو وہ مسکراتی، لجاتی اور شرماتی ہوئی اس کے پاس پہنچ کر رکی۔ پھر وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ "کنیز کا سلام قبول فرمایئے۔"

وہ چونک کر خیالوں کی دنیا سے نکل آیا۔ اس وقت اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ کون سا قدم اٹھانا چاہئے۔ ایک نئی مصیبت اس کے گلے پڑ گئی تھی۔ اس لڑکی سے اس کی شادی جو ہوئی تھی وہ شرعی تھی۔ قاضی صاحب نے اس لڑکی سے نکاح نامہ پر دستخط کروائے تھے۔ اب یہ قانونی اور شرعی لحاظ سے اس کی بیوی تھی۔ اس کا دوسرا نام ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

"آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟" لڑکی نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ "پھولوں کا ہار میرے گلے میں کیوں نہیں ڈال رہے ہیں؟"

لڑکی کی آواز بھی بڑی خوبصورت تھی۔ اس کی باتوں میں بچکانہ پن سا موجود تھا۔ یہ دوائی کا اثر معلوم ہوتا تھا جس نے دل و دماغ پر اثر کیا ہوا تھا۔ اویس نے اس کے گلے میں ہار ڈالتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے۔ کیا تم جانتی ہو کہ میں کون ہوں؟"

"میرا نام شگفتہ محمود ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "میں آپ کو کیسے نہیں جانتی...... آپ میرے سرتاج ہیں۔ میرے مجازی خدا ہیں۔"

"کیا...... ؟" وہ اس طرح سے اچھلا جیسے اسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ "تمہارا نام شگفتہ ہے؟ تم سچ کہہ رہی ہو...... ؟"

"میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔" اس نے اپنا سر ہلایا۔ "میری چھوٹی بہن کا نام غزالہ

ہے۔ اس سے چھوٹی بہن کا نام سلطانہ ہے۔ میرے ابو کا نام محمود خان ہے۔ میری امی کا
نام عابدہ بیگم ہے۔ میری خالہ کا نام حمیدہ ہے۔ میری پھوپی کا نام برجیس اور میری
دادی.........."

"میں نے صرف تمہارا نام پوچھا تھا تمہارے خاندان کا نہیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر درمیان میں بولا۔ "تمہیں میرے بارے میں کس نے بتایا کہ میں تمہارا شوہر ہوں؟ تم نے مجھے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ تم اس وقت مجھے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔ تم نے کیسے فرض کرلیا کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔"

"آپ کے بارے میں مجھے آپ کے والد صاحب نے بتایا۔ انہوں نے کہا تھا کہ کمرے میں جو پھولوں کا ہار لے کر داخل ہو گا وہ تمہارا شوہر ہو گا۔"

"میرے والد صاحب نے..........؟" وہ چکرا سا گیا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "وہ تو زندہ نہیں ہیں۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔"

"اچھا۔" وہ حیرت سے بولی۔ "قاضی صاحب کو جو کمرے میں لے کر آئے تھے، کیا وہ آپ کے والد نہیں تھے؟"

"وہ میرے والد نہیں تھے وہ میرے باپ کے نوکر تھے۔" وہ بھنا ہو کر بولا۔ "اچھا اب تم میرا نام بتاؤ۔ میرا کیا نام ہے؟"

"میں آپ کا نام کیسے لوں..........؟ بیوی کو شوہر کا نام لینا نہیں چاہئے۔ یہ بڑی معیوب بات سمجھی جاتی ہے۔" اس نے شرماتے ہوئے کہا۔

"شوہر کا نام لینے میں کوئی حرج نہیں۔ آج ہر عورت اپنے شوہر کو اس کے نام سے مخاطب کرتی ہے۔" اویس نے تیزی سے کہا۔

"آپ کا نام اویس احمد ولد صغیر احمد ہے۔ آپ کا نام مجھے قاضی صاحب نے بھی بتایا تھا۔ آپ نے حق مہر دس ہزار طے کیا ہے نا؟"

اویس ایک لمحے کے لئے دنگ سا ہو کر رہ گیا۔ اس نے سوچا کہیں یہ لڑکی ڈھونگ تو نہیں کر رہی ہے؟ ریاکاری سے تو کام نہیں لے رہی ہے؟ فہیم نے اس سے کہا تھا کہ دوا پینے کے بعد یادداشت ختم ہو جاتی ہے لیکن وہ اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے نام فرفر بتا رہی تھی۔ اپنا نام جو بتا رہی تھی شاید یہ درست ہو مگر وہ فریبی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کا لہجہ اور اس کی آنکھیں سچ کہتی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔

اس نے اپنی مزید تسلی کے لئے پوچھا۔ "تمہارے والد صاحب بزنس کرتے ہیں یا



ملازمت وغیرہ کرتے ہیں؟"

"میرے والد..........؟" اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ وہ اپنے ذہن پر زور دیتی ہوئی سوچ کر بولی۔ "مجھے نہیں معلوم وہ کیا کرتے ہیں۔"

"تمہیں اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کے نام یاد ہیں لیکن یہ یاد نہیں ہے کہ تمہارے والد کیا کرتے ہیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم کہاں رہتی ہو؟"

"میرے والد نے مجھے کبھی یہ نہیں بتایا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ شاید حلیم بیچتے ہیں۔ میں یہیں رہتی ہوں۔ یہی میرا گھر ہے۔"

"تمہارا گھر وہ ہے جس میں تمہارے والدین، بھائی اور بہنیں رہتی ہیں۔ تم اس گھر میں نہیں رہتیں بلکہ تمہیں یہاں تھوڑی دیر پہلے لایا گیا ہے۔"

"عورت کا اصل گھر اس کے شوہر کا ہوتا ہے۔ والدین کا نہیں۔ یہ میرا گھر ہے۔ میں اس گھر میں بہو بن کر آئی ہوں۔ میری شادی ہوئی ہے۔"

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے گھر چلی جاؤ۔" اویس نے کہا۔ "میں تمہیں آج بلکہ ابھی اور اسی وقت تمہارے گھر لے جا کر چھوڑ رہا ہوں۔"

"نہیں.......... میں اپنے گھر نہیں جاؤں گی۔" وہ تیزی سے ایک قدم پیچھے ہٹ کر خوف زدہ لہجے میں بولی۔ "آج سے یہ میرا گھر ہے۔"

"سنو.......... تمہاری شادی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی میں تمہارا شوہر ہوں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" اویس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"میری شادی ہوئی ہے۔ آپ سے میری شادی ہوئی ہے۔ قاضی صاحب میرا نکاح پڑھا کر گئے ہیں۔ آپ میرے شوہر ہیں۔" وہ ایک ہی سانس میں بول گئی۔ "آپ مجھے میرے گھر سے رخصت کرا کے لائے ہیں۔ اس کمرے میں جو پلنگ الماری اور صوفہ سیٹ وغیرہ ہے یہ جہیز میں آئے ہیں۔"

اویس اس کی باتیں سن کر سٹ پٹا گیا۔ وہ عجیب و غریب اور بہکی باتیں کر رہی تھی۔ فہیم نے دوا کی خوراک شاید زیادہ دے دی تھی۔ دوا نے اس کے دل و دماغ پر کچھ زیادہ ہی اثر کر دیا تھا۔ وہ یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھی کہ وہ اس کا شوہر نہیں ہے۔ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ اب اس سے چھٹکارا اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ جونک بن کر چمٹ گئی تھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ وہ اسے اسی وقت لے جا کر اس جگہ اتار دے جہاں سے اسے اغوا کیا گیا ہے۔ اسے افروزہ بیگم کی گلی سے ہی اغوا کیا گیا تھا۔ وہ اس کی

نیم پاگل باتوں اور حرکتوں کی وجہ سے پریشان ہو گیا تھا۔ اویس نے سوچا کہ اسے پیار، محبت کا کھیل' کھیل کر بے وقوف بنانا ہوگا۔ ورنہ وہ اس کے ساتھ باہر نہیں چلے گی۔ اڑ جائے گی۔

اویس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پلنگ پر بٹھایا تو لڑکی نے فوراً ہی سر پر ساڑھی کا پلو اوڑھ کر اس کا لمبا سا گھونگھٹ نکال لیا۔ پھر اپنا سر جھکا دیا۔ اویس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے گھونگھٹ کے کونے پکڑ کر اسے الٹ دیا۔ پھر محبت بھرے لہجے میں بولا۔ "تم کس قدر حسین ہو چودھویں کا چاند ہو۔"

"اچھا.........." اس کی زبان سے محبت بھرے جملے سن کر وہ یک دم سے خوش ہو گئی۔ بستر سے نکل کر سنگھار میز کے بڑے آئینے کے سامنے جاکر کھڑی ہو گئی۔ وہ چند لمحوں تک آئینے کے سامنے کھڑی اپنے سراپا اور چہرے کا تنقیدی نظروں سے جائزہ لیتی رہی۔ پھر بستر پر اس کے سامنے آبیٹھی۔ "آپ نے بالکل سچ کہا۔ میں واقعی بہت خوبصورت ہوں۔ چاند کا ٹکڑا ہوں۔ چودھویں کا چاند ہوں لیکن آپ بھی تو بہت خوبصورت ہیں۔ شہزادے لگ رہے ہیں۔"

"کیا خیال ہے.......... ہم دونوں سیر و تفریح کے لئے باہر چلیں.........." اویس نے کہنے کو یہ کہہ دیا۔ پھر اسے اپنی غلطی اور پچھتاوے کا احساس ہوا کہ اس نے یہ کیا کہہ دیا۔ چند لمحے پہلے تو اس نے سوچا تھا کہ اسے اس کے محلے میں چھوڑ کر آجائے گا۔ اس سے چھٹکارا حاصل کر لے گا لیکن اب اس کی نیت میں فتور آگیا تھا۔ اس نے اپنے آپ سے کہا کہ وہ یہ کیا غلطی کر رہا ہے۔ تمہارے بستر پر ایک کلی مہک رہی ہے۔ خوبصورت بھی ہے۔ نوجوان بھی ہے۔ اس نے جو اتنی محنت کی' اتنا وقت اور پیسہ برباد کیا' کیا اسے برباد ہونے دے گا؟ یوں بھی وہ اس کی قانونی اور شرعی طور پر بیوی بن چکی ہے۔ اپنی بیوی پر اس کا حق ہے۔ یہ اس کی ملکیت ہے۔ لہٰذا وہ نہ تو اسے آج لے جا کر چھوڑے گا اور نہ ہی چھتیس گھنٹے سے پہلے اسے جانے دے گا۔ دوا کا اثر ختم ہونے سے پہلے تک وہ یہیں رہے گی۔

"نہیں.......... آج کی رات ہم کہیں باہر نہیں جائیں گے۔ آج ہماری سہاگ کی پہلی رات ہے۔ سہاگ رات سیر و تفریح کے لئے نہیں ہوتی۔ محبت اور عہد و پیمان کی ہوتی ہے۔ ہم ساری رات جاگیں گے۔ محبت بھری باتیں کریں گے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔



"تم ٹھیک کہتی ہو.........." اس نے تائیدی لہجے میں کہا۔ "مگر تم یہ ساری باتیں کیسے جانتی ہو؟ تم سے کس نے کہا ہے؟"

"کسی نے بھی نہیں.......... میں کہانیوں میں پڑھتی آئی ہوں۔ ایک عورت کی زندگی میں یہ رات جو حسین ہوتی ہے پہلی اور آخری ہوتی ہے۔"

اویس اندر ہی اندر اس کی فلسفیانہ باتیں سن کر گھبرا گیا کہ کہیں اس کی یادداشت تو نہیں لوٹ رہی ہے۔ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ غلط نہ تھا۔ پھر وہ اس سے بولا۔ "جب چاند نظروں کے سامنے ہو۔ سہاگ کی پہلی رات ہو تو واقعی گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہئے۔"

"آپ میری اتنی تعریف کر رہے ہیں لیکن آپ نے مجھے ابھی تک منہ دکھائی نہیں دی.......... کیوں؟ کیا آپ کے پاس پیسے نہیں تھے تحفہ خریدنے کے لئے..........؟"

"میں تمہارے لئے تحفہ لے آتا ہوں۔ وہ میں نے دوسرے کمرے میں رکھا ہوا ہے۔ تم اتنی دیر میں کپڑے بدل لو۔" اویس نے کہا۔

وہ اپنے فلیٹ سے عروسی جوڑے کے ساتھ شب خوابی کا لباس اور دو تین سوتی جوڑے بھی لایا تھا۔ وہ اسے شب خوابی کا لباس دے کر نشست گاہ میں آگیا۔ اس میں ذہنی کشمکش سی ہونے لگی۔ اس کا ضمیر کہہ رہا تھا۔ یہ ایک نیم پاگل' معصوم اور سیدھی سادی لڑکی ہے۔ اس کی زندگی خراب نہ کرو۔ اسے ابھی طلاق دے کر کسی نہ کسی بہانے سے اس کے گھر چھوڑ آؤ۔ تم اب تک بہت ساری معصوم اور غریب لڑکیوں سے کھیل چکے ہو۔ اب بس بھی کرو۔ بہت ہو چکا ہے۔ تم ان لڑکیوں کی زندگی سے کھیلتے رہو گے تو تمہیں بددعا ملے گی۔ شگفتہ کبھی نہیں مل سکے گی۔

اویس نے کبھی اپنی زندگی میں کسی غریب سے غریب' معصوم سے معصوم لڑکی پر ترس نہیں کھایا تھا۔ وہ اس پر کیسے ترس کھاتا۔ جس وقت وہ میز پر رکھے ہوئے بریف کیس سے منہ دکھائی کی انگوٹھی نکال رہا تھا اس کے چہرے سے بلا کی درندگی اور سفاکی جھانک رہی تھی۔ اس کی زندگی میں پہلی بار ایک عجیب و غریب لڑکی آئی تھی۔ اس نے منہ دکھائی کی انگوٹھی بریف کیس سے نکال کر جیب میں رکھ لی۔ یہ انگوٹھی اس نے شگفتہ کے لئے خریدی تھی۔ دس ہزار روپے کی یہ جڑاؤ انگوٹھی تھی۔ اس میں ہیرا جڑا ہوا تھا۔ یہ انگوٹھی اب دوسری شگفتہ کے حصے میں آ رہی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ یہ انگوٹھی اسے لے جا کر چھوڑنے سے پہلے کسی بہانے سے ہتھیا لے گا۔ جب وہ بیڈ روم میں داخل ہوا تو اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اسی وقت وہ غسل خانے سے باہر آئی تھی۔

شب خوابی کے لباس میں وہ شعلہ مجسم بنی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک نیا شکار تھا۔ کوئی روکنے والا نہیں تھا۔ کوئی ٹوکنے والا نہیں تھا۔ راستہ صاف اور سیدھا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ضمیر جو بیدار ہوا تھا اس نے سلا دیا تھا۔

اویس اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی نگاہیں جھکا لی تھیں کیونکہ وہ اس لباس کی وجہ سے اپنے آپ کو بے حجاب سا محسوس کر رہی تھی۔ شرم سے پانی پانی ہوتی جا رہی تھی۔ اویس نے اس کے پاس جا کر اس کے ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔ ایک لمحے کو اس کی نظریں لڑکی کی نظروں میں پیوست ہوئیں اور پھر وہ اس پر چھا گیا۔

جب وہ بیدار ہوا تو صبح ہو چکی تھی۔ دن نکل آیا تھا۔ اس نے کروٹ لے کر اس کلی کی طرف دیکھا۔ بستر اب بھی مہک رہا تھا لیکن وہ بستر پر نہیں تھی۔ اس نے غسل خانے کی طرف دیکھا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ وہ شاید نہا رہی تھی۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر لان میں آگیا۔ کھلی فضا میں آ کر اس نے طویل انگڑائی لے کر لمبی لمبی سانسیں لیں۔ اس کا دماغ ہوا بھرے غبارے کی طرح بلندی کی طرف اُڑا جا رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔ پھولوں کی مہک جیسے خراماں خراماں اس کی سانسوں میں اتر رہی تھی۔

معاً اس کی نظر گیٹ پر پڑی۔ وہ اسے کھلا ہوا سا لگا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے رات گیٹ کو بند کیا تھا۔ پھر اسے گیٹ کے پاس قدموں کے بہت سارے نشان دکھائی دیئے۔ جوتوں کے نشانات میں زنانہ سینڈل کا بھی نشان تھا۔ پھر اسے اچانک یاد آیا کہ برآمدے میں جو دروازہ کھلتا تھا وہ پہلے سے کھلا ہوا تھا۔ اندر سے اس کی چٹخنی لگی ہوئی نہیں تھی۔ پھر وہ کسی خیال کے زیر اثر اندر کی جانب لپکا۔ وہ لڑکی غسل خانے میں نہ تھی۔ کچن میں نہیں تھی۔ وہ نہ صرف عروسی جوڑا' منہ دکھائی کی انگوٹھی' دوسرے جوڑے بلکہ بریف کیس بھی لے گئی تھی۔ بریف کیس میں اس نے نکاح نامہ رکھا ہوا تھا۔ وہ بھی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس کا بٹوہ بھی لے گئی تھی جس میں سولہ ہزار کی رقم تھی۔

اویس سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ لڑکی دوسری ثمرین ثابت ہوئی تھی۔ وہ پاگل نہیں تھی اسے بڑی خوبصورتی سے پاگل بنا گئی تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہیں یہ ثمرین کی حرکت تو نہیں ہے؟ یہ ثمرین کی حرکت نہیں ہو سکتی تھی۔ ثمرین ہوتی تو اس لڑکی سے شادی کی اجازت نہیں دیتی۔ اس کے لئے مصیبت کھڑی کر دیتی..........

ثمرین کی چوٹ کی جلن جو اس کے اچانک اور غیر متوقع سامنے آنے سے پھر محسوس



ہونے لگی تھی وہ ابھی پوری طرح ٹھنڈی بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دوسری اس کے وجود پر زہریلے ڈنک کی طرح لگی تھی۔ پھر اسے اس لڑکی نے انگاروں پر گرا دیا تھا۔ اس لڑکی اور ثمرین میں فرق تھا۔ وہ ثمرین سے زیادہ خوفزدہ نہیں تھا۔ کیونکہ ثمرین اس سے محبت کرتی تھی۔ وہ اسے ایسا نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی جو اس کی زندگی تباہ کر دے۔ لیکن یہ لڑکی تو بہت خطرناک نکلی تھی۔ اسے تہس نہس کر کے رکھ سکتی تھی۔ اس کی زندگی اور جان عذاب میں مبتلا کر سکتی تھی۔

اویس کو انگوٹھی' رقم اور زیورات کے جانے کا کوئی افسوس اور دکھ نہ تھا۔ یہ اس کے خون پسینے اور حق حلال کی کمائی نہ تھی جو اس کے جانے کا اسے دکھ ہوتا۔ اپنا یہ نقصان وہ دفتر میں ایک دن میں نہیں بلکہ ایک گھنٹے میں پورا کر سکتا تھا۔ اسے جو گہرا صدمہ پہنچا تھا وہ نکاح نامہ کے چوری ہو جانے پر تھا۔ وہ نکاح نامے کی دونوں کاپیاں لے گئی تھی۔ نکاح نامہ کی وجہ سے اس پر کسی وقت بھی بہت بڑی بلائے ناگہانی نازل ہو سکتی تھی۔ لڑکی کے گھر والے اس کی گردن دبوچ سکتے تھے۔ کوئی بھی طوفان کھڑا کر سکتے تھے۔ اس کے ساتھ کوئی ایسا کھیل بھی کھیل سکتے تھے جو اسے زندہ درگور کر کے رکھ دے۔ وہ جیل کی ہوا بھی کھا سکتا تھا۔ اس پر ایک نہیں متعدد الزامات عائد ہو سکتے تھے۔ کسی لڑکی کو اغوا کر کے اس سے زبردستی شادی کرنا بہت بڑا جرم تھا۔ آبرو ریزی' حبس بے جا اور دہشت گردی کی فردِ جرم لگ سکتی تھی۔ اس کی فوری طور پر جان بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ نکاح نامے کسی طرح مل جائیں۔ اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ کوئی قدم نہ اٹھایا جائے مگر ایسا ہونا ناممکن تھا کیونکہ نکاح نامے لڑکی والوں کے ہاتھ پہنچ چکے ہوں گے۔ لڑکی نے اپنے گھر والوں کو اپنے اغوا کی کہانی اور شادی کے بارے میں بتا دیا ہوگا۔ وہ لڑکی تو اپنا سب کچھ کھو کر پہنچی تھی۔ اس کی ساری عزت خاک میں مل گئی تھی۔

اویس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی حالت اس وقت ایک مُردے سے بھی بدتر ہو رہی تھی۔ اس کی رگوں میں لہو منجمد ہو چکا تھا۔ اس کا گھر پر رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ نکاح نامے میں اس گھر کا پتا لکھا ہوا تھا۔ وہ لڑکی اپنے گھر والوں اور پولیس کو لے کر کسی بھی وقت اس کے گھر پہنچ سکتی تھی۔ اس گھر کا پتا تلاش کرنا ذرا مشکل تھا۔ اس نے اپنے آپ کو دلاسا دیا۔ کیا اس لڑکی کو محل وقوع یاد رہے گا؟ لیکن وہ کوئی بچی نہ تھی۔ وہ بہت ذہین تھی۔ اس نے یہاں سے فرار ہوتے وقت اس کا محل وقوع ذہن نشین کر لیا ہوگا۔ وہ یہاں رک کر کسی قسم کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ جتنا

جلد ہو سکے یہاں سے نکل جانے ہی میں اس کی عافیت تھی۔ شہزاد نے اس سے صبح آ
کے لئے کہا تھا کہ وہ اپنا معاوضہ وصول کر سکے۔ شہزاد جو بھی اس کا کام کرتا تھا وہ مفت
میں نہیں کرتا تھا۔ اسے شہزاد کی مٹھی گرم کرنا پڑتی تھی۔ نورین سے تعارف کرانے او
ملانے کی فیس بھی لی تھی۔ وہ نورین کے لئے بڑے بڑے وڈیروں اور ساہوکاروں سے
رابطہ کرتا تھا۔ دوست ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ پکا کاروباری تھا لیکن اس کے
ساتھ کچھ رعایت کرتا تھا۔ دوستی اور اس کے احسانات کا خیال کرتا تھا۔ بھروسے کا آدمی
تھا۔ زیادہ لالچی بھی نہ تھا۔ اس نے سوچا کہ شہزاد نہ جانے کب اور کس وقت آئے۔
اس کے انتظار میں خوار ہونے کے بجائے کیوں نہ شہزاد کے گھر پہنچ جائے۔ یہ زیادہ
مناسب رہے گا۔

جس وقت وہ سراسیمگی سے تیار ہو رہا تھا اطلاعی گھنٹی بجی۔ اس کا دل اچھل کر حلق
میں آگیا۔ کہیں لڑکی اپنے گھروالوں اور پولیس کو لے کر نہ پہنچ گئی ہو۔ اس کی پیشانی عرق
آلود ہوگئی۔ حلق خشک ہو گیا۔ اس کے ہاتھ پیروں میں جان ہی نہ رہی۔ اس نے اپنے بیڈ
روم کی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے دو عورتوں کو
گیٹ سے باہر کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ ماسیاں لگ رہی تھیں۔ کام کی تلاش میں آئی
تھیں۔

وہ گیٹ پر انہیں منع کرنے کے لئے گیا۔ یہ دو جوان لڑکیاں تھیں۔ ان میں ایک
چودہ برس کی ہو گی۔ دوسری سترہ کی۔ وہ اس کی پسند اور معیار کی تھیں۔ ان پر جوانی ٹوٹ
کر برس رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں شوخی تھی۔ لگاوٹ تھی۔ آنکھوں کی زبانی بہت
ساری انجانی باتیں کہہ رہی تھیں۔ دعوت دے رہی تھیں۔ ان میں سے جو بڑی تھی اس
نے شوخ لہجے میں کہا۔ "صاحب جی! ہم کام کی تلاش میں آئی ہیں۔ ہم دونوں میں سے
کسی ایک کو رکھ لیں جی۔"

"فی الحال تو ضرورت نہیں' آئندہ مہینے چکر لگانا۔ کیونکہ بیگم صاحب لاہور گئی ہوئی
ہیں۔ یہاں کوئی عورت نہیں رہتی ہے۔"

"بیگم صاحبہ کے جانے کے بعد تو کام اور بڑھ گیا ہو گا۔" چھوٹی بولی۔ "آپ مجھے
رکھ لیں میں ہر قسم کا کام کر سکتی ہوں۔ اکیلی کرلوں گی۔"

اس وقت اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو شاید وہ سوچتا۔ اور پھر
وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ دونوں کس قسم کی لڑکیاں ہیں۔ معاً اس کی نظر کسی قدر فاصلے پر دو



مردوں پر پڑی جو ایک جھاڑی کے عقب میں کھڑے سگریٹ پی رہے تھے۔ پھر اسے سمجھنے
میں دیر نہیں لگی کہ کیا چکر ہے۔ اس نے ان دونوں لڑکیوں کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔ اپنے
کمرے میں آکر کپڑے بدلنے لگا۔ اس پر ایک بدحواسی طاری تھی۔

شہزاد جس ٹیکسی سے آرہا تھا وہ اویس کے بنگلے سے دو تین سو قدم کے فاصلے پر کسی
خرابی کی بنا پر رک گئی۔ شہزاد کرایہ ادا کرکے اس کے گھر کی طرف چل پڑا۔ جب وہ وہاں
پہنچا جہاں سے جھاڑیوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا ٹھٹک کر اس نے زمین پر جھاڑیوں کے پاس
تہہ کئے ہوئے کاغذات پڑے ہوئے دیکھے۔ اسے ان پر نکاح نامے کا دھوکہ ہوا۔ جب اس
نے کاغذات کو اٹھا کر دیکھا تو وہ نکاح نامہ ہی تھا۔ پھر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ اویس
کی شادی کے نکاح نامے کے کاغذات تھے۔ وہی دونوں کاپیاں تھیں جو اسے قاضی صاحب
دے گئے تھے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ یہاں کیسے آگئے۔
انہیں کون پھینک گیا ہے؟ وہ جتنا سوچتا جا رہا تھا اتنا ہی الجھتا بھی جا رہا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ
میں نہیں آیا تو وہ انہیں جیب میں رکھ کر چل پڑا۔

اس نے بنگلے پر پہنچ کر اور ہی کہانی دیکھی۔ وہ اویس سے پانچ ہزار روپے انعام اور
فیس کے طور پر وصول کرنے آیا تھا لیکن اسے یہاں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اویس اس پر
راشن پانی لے کر چڑھ گیا تھا۔ اسے مختصر طور پر ساری کہانی سنائی۔ اپنے خوف و خدشات
کا اظہار کیا تو اسے تب ان نکاح نامے کی نقول کی قدر و قیمت کا احساس ہوا۔ اگر اس پر
اویس نہ برس پڑا ہوتا اور یہ کہانی نہ سنتا تو وہ اسے نکاح نامے دینے والا تھا۔ اس لئے کہ
اس کے لئے یہ نکاح نامہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا لیکن اب یہ اتنی اہمیت اختیار کر گیا تھا
کہ اویس اس کے اشاروں پر ناچ سکتا تھا۔

"میں ابھی جاکر فہیم کی خبر لیتا ہوں کہ وہ کس لڑکی کو اٹھا لایا ہے۔" شہزاد نے کہا پھر
اسے دلاسا دیا۔ "تم فکر نہ کرو وہ شگفتہ کو لانے کا پابند ہے۔"

"تم فہیم کے پاس جانے کے بجائے ابھی اور اسی وقت اس محلے میں جاؤ جہاں سے
وہ اس لڑکی کو اٹھا کر لایا تھا۔" اویس نے سراسیمگی سے کہا۔ "اس لڑکی کے اغوا ہونے یا
پُراسرار طور پر لاپتا ہونے کی خبر آگ کی طرح پورے محلے میں پھیل گئی ہو گی۔ اصل
مصیبت نکاح نامے کی وجہ سے ہے۔ اس نکاح نامہ کی وجہ سے میری زندگی غارت ہو سکتی
ہے۔ میں جیل جا سکتا ہوں تم کسی نہ کسی طرح اس لڑکی کے گھر والوں سے رابطہ قائم
کرو۔ اگر انہوں نے تمہاری بات نہ مانی۔ وہ پولیس تک پہنچ گئے ہیں تو پھر پولیس والوں

سے بات کرو۔ تم پیسوں کی شکل مت دیکھو۔ لڑکی والے ہوں یا پولیس...... اس معاملے کو ہر قیمت پر دبانے کی کوشش کرو۔ تم نے اس معاملے کو دبا دیا تو مجھ پر تمہارا یہ احسانِ عظیم ہوگا۔ میں اسے کبھی بھول نہیں سکوں گا۔"

"تم اس قدر پریشان' حواس باختہ اور متفکر کیوں ہو رہے ہو؟" شہزاد نے اسے دلاسا دیا۔ "روپے میں بڑی طاقت ہے۔ جادو کا سا اثر ہے۔ لوگ تو اس سے دین ایمان خرید لیتے ہیں۔ روپے سے جو کام بنتا ہے۔ وہ سفارش اور اثر و رسوخ سے بھی نہیں بنتا.......... میں تمہارا دوست ہوں۔ اس مشکل میں تمہارے کام نہیں آؤں گا تو پھر کب آؤں گا؟ تم فلیٹ پر چل کر میرا انتظار کرو۔ اس معاملے کو نمٹا کر آتا ہوں۔"

اویس نے اسے ایک چوراہے پر اتار دیا۔ شہزاد ٹیکسی لے کر چلا گیا تو وہ اپنے فلیٹ پر آ گیا۔ سب سے پہلے اس نے وہسکی کا ایک پیگ بنا کر پیا۔ شراب پینے سے اس کے دل کو قدرے سکون محسوس ہوا۔ یوں تو شہزاد کی باتوں سے بھی اس کے دل کو ڈھارس بندھی تھی لیکن پھر بھی اس کے دل و دماغ میں وسوسے اور اندیشے زہریلے سانپوں کی طرح پھنکار رہے تھے۔اس کے وجود کو ڈس رہے تھے۔ وہ دل میں فہیم اور اس کے ساتھیوں کو جی بھر کر کوس رہا تھا۔ ایسی ایسی گالیاں بک رہا تھا جو کسی نے نہ سنی ہوں گی۔ رہ رہ کر اسے غصہ آ رہا تھا۔ اس کے دل کی بھڑاس نہیں نکل رہی تھی۔ غصہ سرد ہونے کے بجائے بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ پھر اس نے دوسرا پیگ بنایا اور اسے ایک ہی سانس میں حلق سے اتار لیا۔

شہزاد نے اس سے کہا تھا کہ وہ بارہ بجے تک ہر حال ہر قیمت پر اس معاملے کو نمٹا کر آ جائے گا۔ بارہ بجنے میں ابھی چند منٹ باقی تھے۔ شہزاد کو گئے پورے دو گھنٹے ہو چکے تھے۔ ابھی اس اندیشے کا کوئی جواز نہیں تھا کہ شاید وہ نہ آئے۔ وہ بار بار اپنی دستی اور دیوار گیر گھڑی میں وقت دیکھ رہا تھا۔ انتظار کے بے رحم لمحات اس کے اعصاب پر سوار تھے۔ وہ کبھی ایسے کرب اور اذیت میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ خوابناک خواب گاہ میں کتنی ہی کلیاں مہکی تھیں۔ کتنی ہی کہانیوں نے جنم لیا تھا اور ان کا اختتام بھی ہو گیا تھا۔ وہ بے آواز قدموں سے قالین پر ٹہل رہا تھا۔ قالین کی لمبائی وقت کی مسافت بن گئی تھی۔ اسے خیال آیا کہ گھڑی کی سوئیاں کہیں رک تو نہیں گئی ہیں؟ مگر یہ بات نہ تھی۔ دیوار گیر گھڑی اور اس کی دستی گھڑی انتہائی قیمتی تھیں۔ شہزاد نے اسے وقت پر آنے کا جو یقین دلایا تھا اسے اس کا یقین نہیں تھا کیونکہ وہ جو معاملہ نمٹانے گیا تھا وہ بہت نازک' پیچیدہ اور گمبھیر تھا۔



بس کی بات نہیں تھی کہ اسے اپنی مرضی سے نمٹا دیا جائے۔ شہزاد نے جس اعتماد سے یہ بات کہی تھی اس سے اس کی قوتِ ارادی کا پتا چلتا تھا۔ شہزاد نے اسے کبھی کسی بات اور کسی کام میں مایوس نہیں کیا تھا۔

ٹھیک بارہ بجے اطلاعی گھنٹی بجی تو اس کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے دروازہ کھولا تو دروازے پر شہزاد ہی تھا۔ شہزاد کے چہرے پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر داخل ہو کر نشست گاہ میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اویس دروازہ بند کر کے اس کی طرف بڑھا تو اسے اپنی سانس سینے میں رکتی ہوئی سی محسوس ہوئی۔ اس نے شہزاد کے پاس بیٹھ کر پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔ "کیا ہوا یار؟"

"بات تو بن گئی ہے۔" شہزاد نے گہری سانس لی۔ "صرف اس صورت میں معاملہ نمٹ سکتا ہے کہ تم دو لاکھ روپے دو۔ دو لاکھ روپے دینے سے نہ صرف معاملہ دب جائے گا بلکہ نکاح نامہ بھی مل جائے گا۔ ورنہ لڑکی والے پولیس کے پاس چلے جائیں گے۔ پھر عدالت میں بھی جائیں گے۔"

"تم نے تو مجھے ڈرا دیا۔" اویس خوش ہو کر بولا۔ "تم میرے ساتھ بینک ابھی اور اسی وقت چلو۔ رقم لے جاؤ۔ شرط یہ ہے کہ نکاح نامہ ملنا چاہیئے۔"

شہزاد کو اس لمحے پچھتاوا سا ہوا کہ اس نے دو لاکھ کیوں کہے۔ وہ چار پانچ لاکھ روپے کہتا۔ اویس تیار نہ ہوتا تو پھر وہ تین لاکھ پر آ جاتا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دی کہ دو لاکھ کی رقم کم نہیں ہوتی ہے۔اس نے تو اپنی زندگی میں ایک لاکھ روپے بھی نہیں دیکھے۔

"نکاح نامہ مل جائے گا۔ اس کی دونوں کاپیاں لیتا آؤں گا۔ وہ لوگ پانچ لاکھ روپے سے کم پر راضی نہیں ہو رہے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں دو لاکھ روپے پر تیار کیا۔"

"تم نے مجھ پر جو احسان کیا ہے میں اسے کبھی بھلا نہیں سکوں گا۔" اویس نے چاپلوسی سے کہا۔ "دوست ہو تو ایسا ہو۔"

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ اس صلے میں تم مجھے کیا انعام دے رہے ہو؟" شہزاد نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پانچ ہزار روپے۔" شہزاد کے کندھے پر اس نے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "چلو' بینک

چلتے ہیں۔ اس کمینی لڑکی نے تو جھاڑو پھیر دی۔"

"پانچ ہزار روپے؟" شہزاد حیرت اور دکھ سے بولا پانچ ہزار روپے کا سن کر اسے بہت رنج ہوا تھا۔ لڑکی والوں کو تو وہ دو لاکھ روپے دے رہا تھا۔ اسے صرف پانچ ہزار پر ٹرخا رہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا۔ وہ اویس سے دو لاکھ روپے اینٹھ کر ٹھیک ہی کر رہا ہے۔ ایسوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہئے۔

"چلو دس ہزار روپے لے لو.......... ناراض نہ ہو۔" اویس اس کے جذبات کو بھانپ کر بولا۔ "تم نے لڑکی اور اس کے گھر والوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"لڑکی کا باپ کسی سرکاری دفتر میں کلرک وغیرہ ہے لیکن اس کا گھر جو ذاتی ہے وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ خوش حال دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ اس کے دونوں بیٹے ایک انگلش میڈیم سکول میں پڑھتے ہیں جو گلشن اقبال میں ہے۔ اسکول بس میں آتے جاتے ہیں۔ لڑکی جس سے تم نے شادی کی ہے اس کا نام شگفتہ ہی ہے۔ بی اے کے سالانہ امتحان میں وہ فیل ہوئی تو اسے اس قدر دکھ پہنچا کہ اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا۔ وہ نیم پاگل سی ہو گئی۔ ابھی بھی پاگل ہی ہے۔ اسے چوری کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ وہ گھروں میں داخل ہو کر چوری کی وارداتیں کرتی پھرتی ہے۔ سارا محلہ اس کی وجہ سے پریشان ہے۔ کئی لڑکوں نے اسے چھیڑنے کی کوشش کی' اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو ان کا منہ نوچ لیا۔ لڑکے بھی ڈرتے ہیں۔"

شہزاد نے توقف کر کے اسے جھوٹی اور من گھڑت کہانی سنانا شروع کی۔ "لڑکی تمہارے ہاں سے فرار ہو کر اپنے گھر پہنچی۔ اس نے اپنے ماں باپ کو بتایا کہ اسے کس طرح چار بد معاشوں نے اغوا کیا۔ ایک بنگلے پر لے گئے۔ پھر ایک اویس نامی شخص سے اس کا نکاح پڑھوایا گیا۔ وہاں کوئی عورت اور بچہ بھی نہ تھا پھر سارے لوگ چلے گئے۔ اس کے نام نہاد شوہر نے اس کی عزت برباد کر دی۔ وہ ایک وحشی شخص تھا۔ وہ اس شخص کے آگے روئی' گڑگڑائی' منت سماجت کرتی رہی تھی کہ وہ اس کی عزت کو پامال نہ کرے۔ مگر اس درندے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر وہ گہری نیند سو گیا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلی اور ثبوت کے طور پر نکاح نامہ بھی لیتی آئی.......... لڑکی کا باپ بہت گرم تھا۔ وہ اس وقت لڑکی اور محلے والوں کو لے کر پولیس اسٹیشن جا رہا تھا تاکہ تمہارے خلاف رپورٹ درج کرا سکے۔ میں نے لڑکی کے باپ سے مل کر جب یہ کہا کہ میں لڑکے کی طرف سے آیا ہوں۔ لڑکے نے آپ کی لڑکی سے اس لئے شادی کی ہے کہ وہ اسے پسند کرتا ہے۔ ایک بار اس نے



اپنا رشتہ بھیجا تھا۔ آپ لوگوں نے انکار کر دیا۔ یہ اس کا ردعمل ہے۔ بہرحال جو کچھ ہوا۔ اچھا نہیں ہوا۔ آپ لڑکے کو داماد بنا لیں۔ باپ نے کہا میں اسے شوٹ کر دوں گا۔ پولیس میں جاؤں گا۔ میں نے اسے بڑی مشکل سے سمجھایا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ پولیس کے پاس جانے اور مقدمہ بازی کرنے سے آپ کی اور بیٹی کی بدنامی ہو گی۔ پھر وہ اس شرط پر معاف کرنے کو تیار ہوا کہ نکاح نامہ کی دونوں کاپیوں کے دو لاکھ روپے اور حق مہر پچاس ہزار دیں۔ میں نے کہا کہ حق مہر پانچ ہزار روپے ہے۔ وہ یہ سنتے ہی بھڑک اٹھا۔ پچاس ہزار روپے سے کم حق مہر لینے کو تیار نہیں ہے اب تم کیا کہتے ہو۔ ڈھائی لاکھ روپے میں تمہاری جان چھوٹ سکتی ہے۔ وہ کمینہ بہت زیادہ پھیل گیا ہے۔"

"طلاق نامہ اور حق مہر پچاس ہزار روپے بھی دے دو۔ اس سے کسی طرح جان چھوٹنا چاہئے۔" اویس نے کہا۔ "تم پیسوں کی شکل مت دیکھو۔"

اویس نے اسے بینک سے دو لاکھ پچاس ہزار روپے نکال کر دے دیئے۔ دس ہزار بھی اسے انعام اور فیس کے طور پر دیئے۔ اس نے مزید بیس ہزار روپے اپنے خرچ کے لئے نکال لئے۔ شہزاد ایک گھنٹے کے بعد رقم اور طلاق نامہ دے کر نکاح نامہ لے کر آیا تو اویس نے اس سے کہا۔ "یار شہزاد! سچ پوچھو تو تمہارا دوست مہنگا پڑ گیا۔ اس کی غلطی کی وجہ سے مجھے تقریباً تین لاکھ روپے سے زیادہ کی چپت پڑ گئی۔"

"اب تمہارے کیا ارادے ہیں؟" شہزاد نے کہا۔ "مجھے خود بھی بہت افسوس ہے کہ نعیم نے سارا معاملہ چوپٹ کر دیا۔ تمہیں لینے کے دینے پڑ گئے۔"

"میرے وہی ارادے ہیں جو پہلے تھے۔" اویس نے جواب دیا۔ "مجھے اس بات کا بڑا صدمہ ہے کہ میں ایک شخص کی بے وقوفی کی وجہ سے تین لاکھ روپے کا نقصان کر بیٹھا ہوں۔ تین لاکھ کی رقم کم نہیں ہوتی ہے۔ میں اسے اس شرط پر معاف کر سکتا ہوں کہ وہ آج ہر قیمت پر شگفتہ کو بنگلے پر پہنچا دے۔ اس کے علاوہ وہ دوا بھی لیتا آئے لیکن اس لڑکی پر دوا نے اثر نہیں کیا۔ ورنہ وہ جاتی نہیں۔ تم اسے یہ بات بتا دینا۔"

"تمہاری اصل شگفتہ آج کی رات ہر قیمت پر بنگلے پر پہنچا دی جائے گی۔" شہزاد نے کہا۔ "میں اسے اچھی طرح سے نہ صرف سمجھا دوں گا بلکہ بیوٹی پارلر بھی دکھا دوں گا۔ اسے شگفتہ کا حلیہ بھی بتا دوں گا۔ دوائی لانے کے لئے بھی کہہ دوں گا۔ دراصل اس دوائی نے اس لڑکی پر اس لئے اثر نہیں کیا تھا کہ لڑکی نے پورا شربت نہیں پیا تھا۔ آدھے سے زیادہ شربت فرش پر گر گیا تھا۔"

"اب ایسی حماقت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اویس نے تیکھے لہجے میں کہا "تم قاضی صاحب کو لیتے آنا وہ عمرہ پر تو نہیں چلے گئے۔"

"قاضی صاحب نے کسی وجہ سے اپنا پروگرام ایک ہفتے کے لئے ملتوی کر دیا ہے میں انہیں ساڑھے نو بجے تک لیتا آؤں گا۔"

اویس رات آٹھ بجے ہی بنگلے کی چھت پر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک گاڑی کو تیز رفتاری سے آتے ہوئے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی بنگلے کے اندر داخل ہوئی تو اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگا۔ اگلی نشست کا دروازہ آہستگی سے کھلا جیسے گاڑی سے باہر آنے والے کو کوئی عجلت نہیں تھی۔ اندھیرے میں وہ ڈیل ڈول سے فہیم لگ رہا تھا۔ وہ برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔

اویس نے دیکھا۔ گاڑی کے پچھلے دروازے بدستور بند ہیں۔ وہ نہ تو کھلے اور نہ ان میں سے کوئی باہر آیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ غصے سے اندر ہی اندر کھولتا ہوا نیچے آیا۔ فہیم نشست گاہ میں کھڑا ہوا اسے پکار رہا تھا۔ اویس کو اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ فہیم خالی ہاتھ کیوں آیا ہے۔ اس کے ساتھ شگفتہ کیوں نہیں ہے۔ آج اس کے ساتھ ایسا کون سا واقعہ پیش آگیا جس نے اسے کامیاب ہونے نہیں دیا۔

جب اس نے فہیم کے چہرہ دیکھا تو چونک پڑا۔ اس کا غصہ فرو ہو گیا۔ کیونکہ فہیم کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی دمک تھی۔ اس کی آنکھوں میں جلتے ہوئے قمقموں کی روشنی نے نہ صرف اس کی آنکھوں بلکہ اس ذات کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ اس وقت بدمعاش نہیں بلکہ آدمی کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اویس نے حیرت سے دل میں سوچا کیا بدمعاشوں کے چہرے بھی بدل جاتے ہیں۔

"کیا ہوا.........؟" اویس نے اس سے پوچھا۔ "کیا شگفتہ تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے؟ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے پالا مار لیا ہے۔"

"آپ جو بھی سمجھ لیں۔" وہ اویس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ "آپ نے سچ کہا تھا کہ وہ لڑکی لاکھوں میں ایک ہے۔ کسی حور پری سے کم نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔ وہ تو ایسی ہے کہ اسے سامنے بٹھا کر آدمی بس دیکھتا رہے۔"

اویس کو اس کا شاعرانہ انداز بڑا عجیب اور کسی قدر ناگوار سا لگا۔ وہ جزبز ہو کر بولا۔ "شگفتہ کہاں ہے؟ گاڑی میں ہے؟"



"وہ اپنے گھر میں ہو گی۔ وہ چاند اپنے گھر میں جگ مگا رہا ہو گا۔" فہیم نے کہا۔ "میں اور میرے ساتھیوں نے اسے ایک سنسان جگہ پر گھیر لیا تھا جس وقت وہ بس سے اتر کر گھر جا رہی تھی۔ جب اسے دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ وہ ہمارے حصار سے نکل کر گھر چلی گئی۔"

"کیا تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو؟" اویس بھڑک اٹھا۔ "میں تمہاری ان باتوں میں آنے والا نہیں ہوں سچ سچ بتاؤ کہ اصل بات کیا ہے؟"

"اصل اور سچی بات یہ ہے جناب کہ ہم شریف نیک سیرت اور پاک دامن لڑکیوں پر ہاتھ نہیں ڈالتے ہیں۔" فہیم کہنے لگا۔ "کل ہم جس لڑکی کو اٹھا کر لائے تھے اس کا نام شگفتہ تھا جب وہ بس سے اتری تھی ایک محلے کے لڑکے نے اسے شگفتہ کہہ کر پکارا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ خالی گھر میں لے گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے نکلی تو اس کی حالت ایک لٹے ہوئے جواری کی سی تھی۔ اگر وہ شریف لڑکی ہوتی تو ہم اسے نہ اٹھاتے۔ شہزاد صاحب نے آج ہمیں بتایا کہ آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ اس میں ہمارا اتنا نہیں جتنا آپ کا قصور ہے۔ آپ کو اس وقت دیکھ لینا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے یا نہیں۔ وہ آپ کی غفلت سے فرار ہوئی ہے۔ ہم برے آدمی ہیں۔ برے کام کرتے ہیں۔ بری عورت پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ نیک اور شریف لڑکیوں کو اپنی ماں بہن سمجھتے ہیں۔"

"یہ فلمی ڈائیلاگ رہنے دو۔" اویس نے بگڑتے ہوئے کہا۔ "سچ سچ بتاؤ کہ لڑکی کہاں ہے.........؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسے دیکھ کر تمہارا دل اس پر آگیا یا پھر تم نے کسی سے موٹی رقم لے کر اس کے پاس اسے پہنچا دیا۔ تم یہاں آکر مجھ سے جھوٹ بول کر اپنی شرافت جتا رہے ہو۔"

"لڑکی اپنے گھر میں ہے۔" فہیم نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا پستول نکال کر اس کی طرف اچھال دیا۔ "آپ ابھی اور اسی وقت ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ہر طرح تسلی کر لیں۔ لڑکی گھر پر نہیں تو آپ مجھے شوٹ کر دیں۔ ہم اتنے کمینے اور خبیث نہیں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"پھر تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟" اویس نے زہرخند سے کہا۔ "اپنے آپ کو نیک ثابت کرنے اور اپنا چوکھٹا دکھانے کے لئے؟"

"میں آپ کی رقم واپس کرنے آیا ہوں۔" اس نے جیب سے لفافہ نکال کر اویس کی طرف بڑھایا۔ "آپ گن کر دیکھ لیں۔ آپ نے جو لفافہ دیا تھا یہ وہی ہے۔"

اویس نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے کر جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ برہم ہو کر بولا
"تم نے نہ صرف مجھے بے وقوف بنایا بلکہ میرا وقت بھی برباد کیا۔ محض تمہاری وجہ سے مجھے تین لاکھ روپے سے زیادہ کی چپت پڑی۔ پھر میں نے اس امید پر معاف کیا کہ تم شگفتہ کو لے آؤ گے۔ تم نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی.......... شہزاد نے تمہاری بڑی تعریف کی تھی لیکن مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ تم نے سارا کام چوپٹ کر کے رکھ دیا۔"

"میں یہاں آپ سے بحث کرنے اور الجھنے نہیں آیا ہوں۔ میں آپ کو ایک مخلصانہ مشورہ دوں.........؟ شہزاد صاحب نے مجھے ساری کہانی سنائی ہے۔ آپ لڑکی سے مل کر شادی کی بات کریں۔ یہ طریقہ نہایت آسان اور مہذبانہ بھی ہے۔ شاید وہ آپ سے شادی کرنے پر تیار ہو جائے۔ آپ خوبصورت بھی ہیں۔ صاحبِ حیثیت بھی.......... میرا خیال ہے کہ وہ شادی سے انکار نہیں کرے گی۔ آپ دونوں کا جوڑا مناسب ہی نہیں بلکہ بہت اچھا ہے۔"

فہیم اپنی بات کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ وہ ایک بدمعاش تھا لیکن فہم و فراست کی بات کہہ گیا تھا۔ اس بات نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ واقعی اسے شگفتہ سے ایک ملاقات کر کے دیکھنا چاہئے تھا۔ اگر وہ شگفتہ سے بات کرتا تو اسے اتنی دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اسے کاری زخم نہ کھانا پڑتا۔ گھاٹے کا سودا نہیں ہوتا۔ عجلت پسندی اور غفلت کی وجہ سے تین لاکھ روپے سے زیادہ کی چپت پڑ گئی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ کل شگفتہ سے مل کر بات کرے گا۔ شگفتہ نے انکار کر دیا تو پھر وہ کوئی اور راستہ اختیار کرے گا۔ کسی اور بدمعاش کی خدمات حاصل کر کے شگفتہ سے زبردستی شادی کر لے گا۔ اس کے سوا چارہ بھی نہیں ہوگا۔ شگفتہ اب اس کی انا کا اور ضد کا مسئلہ بن گئی تھی۔

☆======☆======☆

اویس دوسرے دن دارالامان سے کسی قدر فاصلے پر ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں سے وہ شگفتہ کو باہر آتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔ شگفتہ کی چھٹی ہونے میں کچھ دیر تھی۔ کوئی پندرہ سولہ منٹ کے بعد شگفتہ اسی عمارت سے نکلی۔ پھر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی بس اسٹاپ کی طرف بڑھی۔ اس کی لمبی، چمکیلی، گھنیری سیاہ زلفیں، غزال آنکھیں اور مستانہ خرامی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی چال دل کش اور بدن کی حرکات دل فریب معلوم ہو رہی تھیں۔ ہوا کے جھونکے اس کا دوپٹا اُڑا رہے تھے۔ وہ اسے بار بار سر پر ٹھیک کر رہی تھی۔ لٹیں اِدھر اُدھر بکھر رہی تھیں۔ شگفتہ کو دیکھتے ہی اس



کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ سرتاپا سفید لباس میں ملبوس تھی۔ چہرہ سفید دوپٹے کی محراب میں چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ جیسے جیسے اس کے اور شگفتہ کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ ویسے ویسے شگفتہ کے تیکھے تیکھے خدوخال اور سفید چادر میں دمکتا ہوا سراپا اس پر بجلیاں گرائے جا رہا تھا۔ اس نے اپنی سانسیں روک لیں وہ ایک ٹک اسے دیکھنے لگا۔ اس کا دل چاہا کہ اس کے پیچھے لپک کر آواز دے کر اسے روک لے۔ اسے یہ بات مناسب نہیں لگی۔ پھر اس نے اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا۔ وہ یہاں پر شگفتہ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ جگہ کسی بھی لحاظ سے موزوں نہیں تھی۔ قریب میں کوئی ہوٹل بھی نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں تو اور ہی منصوبہ تھا۔

شگفتہ بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی بس اسٹاپ پر پہنچ کر لڑکیوں اور عورتوں کی بھیڑ بھاڑ میں شامل ہو گئی تھی۔ اس کی طرف صرف مردوں کی ہی نگاہیں اٹھی ہوئی نہیں تھیں بلکہ لڑکیاں اور عورتیں بھی اسے حسد و رشک کی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں تحیر زدہ بھی تھیں جیسے آسمان کا چاند زمین پر اتر آیا ہو۔ وہ سادگی کا مجسمہ تھی۔ وہ مردوں کی نگاہوں سے بے نیاز اور بے پروا سی کھڑی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بس آئی تو وہ اس میں سوار ہو گئی۔ مسافروں کو ایسا لگا جیسے بس میں چاندنی چٹک گئی ہو۔ اویس بس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس نے خاصا فاصلہ رکھا تھا تاکہ شگفتہ کسی بس اسٹاپ پر اترے تو اس کی نگاہ نہ پڑ سکے۔ وہ درمیان کے کسی اسٹاپ پر نہیں اتری۔ ریگل کے بس اسٹاپ پر اتر کر وہ بوہری بازار کی سمت بڑھ گئی۔ وہ پیدل تھی۔ اویس موٹر سائیکل پر تھا۔ اس کے تعاقب میں نہیں جا سکتا تھا۔ اس لئے وہ گاڑی سے اتر کر اسے پیدل چلاتا ہوا چل پڑا۔ شگفتہ کے مڑنے سے اس کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔

شگفتہ صدر پوسٹ آفس کے اندر داخل ہوئی۔ کسی خیال سے اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے فوراً ہی اپنی گاڑی صدر پوسٹ آفس کے سامنے پارک کر دی۔ اس نے سوچا کہ اندر جا کر شگفتہ سے بات کرے۔ اسے کہیں چل کر چائے پینے کی دعوت دے لیکن اسے اندر جا کر شگفتہ سے کسی بہانے مل کر بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس پر رعب حسن کا ایسا دبدبہ طاری ہوا تھا کہ اپنی ساری چوکڑیاں بھول گیا۔ اس لمحے اسے خود پر حیرت ہوئی تھی۔ کبھی وہ کسی نوجوان اور حسین لڑکی سے بات کرتے ہوئے نہیں جھجکا تھا۔ وہ ان سے بڑی بے باکی اور بے خوفی سے بات کرتا تھا۔ لڑکیوں کو بڑی جرأت سے لفٹ کی پیش کش کرتا تھا۔ ملازمت سے پیشتر طالب عملی کے زمانے میں اس نے

پڑوس کی لڑکیوں سے زوردار عشق لڑایا تھا۔ موقع ملتا تو انہیں کونے کھدروں میں دبوچ تھا۔ وہ جس دشت کا سیاح تھا وہاں اس کے لئے عورت دال برابر ہی تھی۔ کسی لڑکی حسن و شباب' شوخی' تیزی طراری اور پندارِ حسن اسے کبھی متاثر نہیں کر سکا تھا لیکن اب اس کی ساری بے باکی اور بے خوفی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔ شگفتہ کے سا جاتے ہوئے اسے پسینے آرہے تھے اور دل کی دھڑکنیں تھیں کہ قابو میں نہیں آر تھیں۔

اس نے بہت سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اسے آج ہی شگفتہ سے بات کر شگفتہ کا عندیہ لینا ہو گا۔ اس کے لئے ہوٹل یا تنہائی کی ضرورت تھی تاکہ کھل کر دل باتیں کی جا سکیں۔ وہ اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ شادی سے انکار کی اصل اور بنیادی کیا ہے؟ رشوت کو بنیاد بنانے پر وہ اس سے کہہ سکتا تھا کہ وہ لاکھ برا آدمی سہی لیکن ا اچھا آدمی بننے میں ایک دن کی بھی دیر نہیں لگے گی۔ اسے ایک موقع دیں۔ دیکھیں کہ آزمائش پر پورا اترتا ہے کہ نہیں.......... اس طرح وہ شگفتہ کو نفسیاتی حربوں سے گرویدہ بنانا چاہتا تھا۔ لفظوں کے ہیر پھیر' اعترافات اور ایک نئے عہد کے اقرار سے شگ کا متاثر ہو کر جھانسے میں آجانا یقینی تھا۔ اویس کو اپنی جھجک پر قابو پانا بڑا دشوار سا لگ تھا۔ اس کی جرأت برف کی مانند پگھلتی جا رہی تھی لیکن اندر ہی اندر اس کا دل گدگدا تھا۔ اس کے دل کے نہاں خانوں میں ایک صدا اس سے کہہ رہی تھی.......... بے وقو آدمی کیا سوچ رہے ہو تم' اس قدر بزدل کیوں بن گئے ہو؟ سنہرے مواقع بار بار نہیں ہیں۔ تم سے بڑا احمق کوئی نہیں ہو گا۔ ایک وقت تھا تم اس سنہرے لمحے کو پانے کے بہت بے چین تھے۔ اس کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تمہارے دل میں ایک آرزو پن رہی تھی۔ اب جب کہ منزل سامنے ہے تو ہمت ہار رہے ہو؟

اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ پتھر کے منجمد مجسمے کی طر سیڑھیوں پر جامد و ساکت کھڑا ہوا تھا۔ اس کے دل کو ایک دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ شگفتہ اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا تو اس کی کس قدر سبکی ہو گی۔ شاید ملے تو بے حد رسمی اند سے.......... کیونکہ پہلی ملاقات سرسری سی رہی تھی۔ پھر شگفتہ سے ملاقات نہ ہو سکی اور پھر اس کی ماں نے رشتہ لوٹا دیا تھا۔ اگر شگفتہ نے اسے پہچان کر بھی لفٹ نہ دی اس کی چائے کی دعوت مسترد کر دی تو پھر سارا منصوبہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا پھر شگفتہ سے کہیں سرِ راہ ملاقات ہوگی تو وہ کنی کترا کے نکل جائے گی پھر وہ کف افسوس



ہ جائے گا۔ اس کا آج ہی شگفتہ سے ملاقات کرنا بہت ضروری تھا۔

اویس یہ سب کچھ سوچتا ہوا پوسٹ آفس کی عمارت کے اندر داخل ہوا۔ اندر جو بھیڑ بھاڑ تھی اس میں شگفتہ کو تلاش کرنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ کھوں میں ایک جو تھی۔ وہ دیوار کے سامنے کھڑی' ڈیسک پر ایک ایئرگرام رکھے ہوئے لکھ رہی تھی۔ وہ دور کھڑا ہوا شگفتہ کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ جب وہ ایئر گرام بند کر کے پلٹ رہی تھی تب اویس نے اس کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ غیر محسوس نداز سے اس کے سامنے سے گزرتے گزرتے رک گیا۔ شگفتہ نے اسے نگاہ اٹھا کر نہیں کھا۔ گزرتے وقت اس کی نگاہیں نیچی تھیں۔ اس نے آہستگی سے کہا۔ "مس شگفتہ!"

شگفتہ اپنا نام سن کر چونکی اور ٹھٹک کر رہ گئی۔ پہلے اس نے اویس کو اجنبی نگاہوں ے دیکھا پھر اس کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے۔ پھر اس کا چہرہ دمک کر اور حسین دکھائی دینے لگا۔ اس کے چہرے پر نور سا آگیا پھر وہ اسے شناسا نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "اویس صاحب آپ!.......... آپ خیریت سے تو ہیں؟ اس روز کے بعد آپ گھر تشریف نہیں لائے؟"

"جی ہاں میں اویس ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ اسے اپنے کانوں اور آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ شگفتہ سرِراہ اس اپنائیت سے اس کی پذیرائی کرے گی۔ وہ حیران رہ گیا۔ اس کی زبان نے احمقانہ سی بات کہہ دی۔ "آپ نے مجھے پہچان لیا نا؟"

"کیوں نہیں۔" شگفتہ کے رسیلے لبوں پر تبسم کی پتیاں کھل اٹھیں۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی آگئی۔ اس نے بڑی شائستگی سے جواب دیا۔ "میں اور امی آپ کو کیسے بھول سکتی ہیں۔ آپ ہمارے محسن ہیں۔ ہم ساری زندگی آپ کے احسان نہیں بھول سکتی ہیں۔"

اویس کو دل کی بات زبان پر لانے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا۔ شگفتہ کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس سے معذرت کر کے رخصت کرنا چاہتی ہے۔ یوں بھی یہ جگہ کھڑے ہو کر بات کرنے کی نہیں تھی۔ بہت ساری نگاہیں ان دونوں کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھیں۔ اس نے آخر کار جی کڑا کر کے بڑی آہستگی سے کسمسا کے کہا۔ "مس شگفتہ! کیا آپ مجھے کچھ وقت دے سکتی ہیں؟ میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں؟"

"مجھ سے..........؟" شگفتہ چونکی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن
کیفیت چند ثانیوں تک رہی۔ شگفتہ اس کی بات کی تہہ میں پہنچ گئی۔ اس کا چہرہ سرخ
گیا۔ اس نے لوگوں کی موجودگی کے احساس سے اپنی اس کیفیت پر فوراً ہی قابو پالیا۔ پھر
وہ کسی قدر پس و پیش کے بعد بولی۔ "کسی بھی دن۔ آپ میرے گھر رات آٹھ بجے کے
بعد تشریف لے آئیں۔ امی تو سارا دن گھر پر رہتی ہیں۔"

شگفتہ بڑی سادگی اور خوبصورتی سے اسے ٹال گئی۔ اسے اندازہ نہ تھا وہ اندر سے
اس قدر گہری لڑکی ہے۔ اس کے چہرے سے اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اسے ہر صورت
اپنے ساتھ کسی ہوٹل میں لے جا کر بات کرنا چاہتا تھا۔ شگفتہ نے ایسی بات کہہ دی تھی کہ
اب اس کے لئے کوئی راستہ نہ رہا تھا۔ پھر اس نے حوصلہ کر کے دل کی بات کہہ ہی دی۔
"میں صرف آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں جو میرے اور آپ کے درمیان رہے گی۔"

شگفتہ نے فوراً ہی اس کی بات کا جواب دینے سے گریز کیا۔ اس کے چہرے پر گہری
سنجیدگی سی چھا گئی۔ اویس کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ساتھ چلنے اور بات کرنے میں
شگفتہ کو تامل ہو رہا ہو۔ پھر اس نے پوچھا۔ "آپ نے میری بات کا کوئی خیال تو نہیں
کیا؟"

"جی نہیں۔" اس نے پلکوں کی چلمن اٹھا کر اویس کی طرف دیکھا۔ "آپ کوئی دن
اور وقت مقرر کرلیں مجھے کچھ خریداری کر کے کام پر پہنچنا ہے۔"

اویس سمجھ گیا کہ وہ اسے ٹال رہی ہے۔ حسینوں کے وعدوں کا کیا بھروسا۔ اس نے
لجاجت سے کہا۔ "میں صرف دس منٹ لوں گا۔ کیا آپ میری خاطر اتنا وقت بھی نہیں
دے سکتی ہیں؟ میں صرف اس لئے ہی آج آپ کا کچھ وقت لینا چاہتا ہوں کہ بات بہت ہی
ضروری ہے۔"

شگفتہ نے محسوس کرلیا تھا کہ وہ آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہے۔ وہ سمجھ گئی
تھی کہ اویس اس سے کس موضوع پر بات کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو جیسے ذہنی
طور پر تیار کرلیا تھا۔ وہ بادل ناخواستہ بولی۔ "ایک منٹ میں اس خط کو پوسٹ کرلوں۔ پھر
میں چلتی ہوں۔"

شگفتہ کو اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھتے ہوئے جھجک سی ہوئی۔ پھر وہ قدرے تذبذب
کے بعد سنبھل کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ اسے زیب النساء سٹریٹ کے ائر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ میں
لے آیا جس وقت وہ دونوں ایک کونے کی خالی میز کی طرف بڑھ رہے تھے تب شگفتہ



لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ وہ آنکھوں آنکھوں میں اس کی ہر ادا کی داد دے رہے
تھے۔ شگفتہ نے کسی کی طرف دیکھا نہیں۔ اسے کسی کی ستائشی نظروں کی پروا بھی نہیں
تھی۔ ایک میز پر چار لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ان میں سے ایک نے بے ساختہ کہا۔ "اف کتنی
سویٹ ہے۔" دوسری نے کہا۔ "اس نے میک اپ بھی نہیں کر رکھا۔" تیسری بولی۔
"اسے نہ تو کسی میک اپ کی ضرورت ہے اور نہ کسی بیوٹی پارلر میں جانے کی۔"

چوتھی نے کیا تبصرہ کیا' اویس سن نہ سکا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں کونے کی میز پر پہنچ گئے
تھے۔ شگفتہ نے وہ کرسی لی جس سے اس کی پشت ہال کی دوسری میزوں کی طرف ہو گئی
تھی۔ ان تبصروں کا شگفتہ کے چہرے پر کوئی ردعمل نہیں تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور ہر قسم
کے جذبات سے عاری رہا جیسے وہ ان تعریفی جملوں کی عادی ہو چکی ہے اور سن سن کر بیزار
سی ہو گئی ہے۔ اس کے نزدیک اب ان کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔

اویس کو شگفتہ کی موجودگی ایک خواب کی طرح لگ رہی تھی۔ اس نے شگفتہ کے
حصول کے لئے کیا کچھ پاپڑ نہیں بیلے۔ لاکھوں کی رقم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ اگر اسے اس
بات کا خیال آ جاتا تو اسے یوں پریشانی اٹھانا نہیں پڑتی۔ اس سے ملاقات کرنے کا مشورہ
ایک اوباش شخص نے دیا۔ اس نے شگفتہ کی طرف دیکھا جو بڑے اعتماد اور پُرسکون انداز
سے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنی خوش قسمتی اور اس قربت کے لمحات پر نازاں ہونے لگا۔

ویٹر آیا تو اس نے چائے اور سینڈوچز کا آرڈر دیا۔ پھر ان دونوں میں رسمی باتوں کا
سلسلہ چل نکلا۔ شگفتہ اس کی باتوں اور سوالات کا بڑے محتاط انداز میں جواب دے رہی
تھی اور بات کرتے ہوئے ذرا بھی نروس نہیں ہوئی تھی۔ البتہ وہ کچھ دیر نروس سا رہا
تھا۔ شگفتہ نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اویس کے سامنے جیسے پرت ایک ایک کر
کے کھل رہے تھے۔ وہ صرف بلا کی حسین اور پُرکشش ہی نہ تھی بلکہ شائستہ اور نفیس
مزاج کی بھی تھی۔ بے حد سلجھی ہوئی بھی تھی۔ عام لڑکیوں سے بہت مختلف.......... اس
کے خیالات بہت بلند تھے۔ اس کی گمبھیر شخصیت اس کے حسن و جمال کے ان گنت روپ
ایک ایک کر کے اس پر آشکار ہو رہے تھے۔ وہ جیسے مرعوب ہوتا جا رہا تھا۔

جب ویٹر چائے اور سینڈوچز رکھ کر چلا گیا۔ تب شگفتہ نے اپنے خوبصورت اور
گورے ہاتھوں سے چائے بنائی۔ اس نے ایک پیالی اویس کے آگے رکھ دی۔ دوسری
اپنے سامنے رکھ لی پھر سینڈوچز کی پلیٹ اس کی طرف بڑھا دی۔ اتنی دیر ہی میں وہ کچھ
کھل سا گیا تھا۔ اس کا اعتماد لوٹ آیا تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے دل میں سوچا کہ

وقت بہت کم ہے۔ دل کی بات زبان پر لانے کی سوچتا رہا تو وقت گزر جائے گا۔ شگفتہ چلی جائے گی۔ اس نے کسی قدر تذبذب سے کہا۔ "میں آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز آپ میری اس جسارت کا کچھ خیال نہ فرمائیں۔"

شگفتہ نے سینڈوچ کا ٹکڑا پلیٹ سے اٹھانے کے بعد اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "فرمایئے.........."

"میری والدہ آپ کے ہاں دو مرتبہ جا چکی ہیں۔ آپ کی امی نے اپنا فیصلہ سنا دیا مگر میں آپ کی زبان سے آپ کا فیصلہ سننا چاہتا ہوں۔"

"کیسا فیصلہ..........؟" شگفتہ نے انجان بن کر پوچھا۔ "میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔ آپ کس بات کے فیصلے کی بات کر رہے ہیں؟"

"وہی فیصلہ جو نہ صرف میری زندگی اور موت سے تعلق رکھتا ہے بلکہ اس سے میرا مستقبل بھی وابستہ ہے۔" اویس نے جواب دیا۔

شگفتہ کے چہرے پر اضطراب لہر بن کر دوڑ گیا۔ وہ اپنی جگہ کسمسا کر رہ گئی۔ اس نے اپنی نگاہیں چائے کی پیالی پر مرکوز کر دیں۔ اویس نے محسوس کیا کہ شگفتہ نے اس بات اور اس موضوع کے بارے میں سوچا نہ تھا۔ جیسے یہ اس کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ جیسے کسی ذہنی کش مکش میں مبتلا ہو رہی ہو۔ اس نے شگفتہ پر سراسیمگی سی طاری دیکھی تھی۔ اس کے نازک لبوں کی پنکھڑیاں آپس میں پیوست سی ہو گئی تھیں۔ وہ اس طرح سے خاموش تھی جیسے اس کے ہونٹ سی دیئے گئے ہوں۔ ان کے درمیان سکوت کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ شگفتہ کو جیسے جواب دینے سے گریز تھا۔

"میں آپ کی خاموشی سے کیا نتیجہ اخذ کروں کہ..........آپ نے میرے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔" اویس نے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔

"فیصلہ کرنا امی کا کام ہے۔" وہ بدستور اپنی نگاہیں نیچی رکھ کر بولی۔ "میری زندگی اور مستقبل کے فیصلے کا اختیار انہی کے پاس ہے۔"

"جب میری امی دوبارہ آپ کے ہاں گئی تھیں تب آپ کی امی نے شاید یہ کہا تھا کہ شگفتہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرے گی۔" وہ ریاکاری سے بولا۔

"اللہ میری امی کو آخری سانس تک سلامت رکھے۔ انہیں حیاتی دے۔" وہ تڑپ کر بولی۔ اس کا چہرہ تمتما سا گیا۔ "کیا آپ ہمارے معاشرے کی ایک شریف لڑکی کو اس حد تک آزاد اور بے شرم محسوس کرتے ہیں کہ وہ بڑوں کے ہوتے ہوئے سرِراہ اپنی زندگی



کے فیصلے سناتی پھرے؟"

"میری بات کا مطلب یہ نہیں تھا۔ آپ چونکہ ایک پڑھی لکھی لڑکی ہیں۔ اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہیں۔ اس لئے اب لڑکیوں سے بھی ان کی مرضی کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے۔ مستقبل کا فیصلہ ان پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسلام نے بھی اس بات کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس میں بے شرمی کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"میں آپ سے بات کرنے اور چائے پینے اس لئے چلی آئی کہ آپ ہمارے محسن ہیں۔ آپ نے بہت بڑا احسان کیا ہے۔ ہم اسے کبھی نہیں اتار سکتے ہیں۔ امی نے آپ کی امی کو دو مرتبہ صاف جواب دے دیا۔ آپ اپنے اس احسان کا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اس کے صلے کی تمنا ہے نا؟"

اویس سناٹے میں آ گیا۔ شگفتہ اس قدر صاف گو اور کھری بات کرنے والی ہوگی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس کا خیال تو یہ تھا کہ وہ اس کا مدعا جان کر شرما اور لجا جائے گی لیکن اس کے جواب نے اویس کی طبیعت صاف کر دی تھی۔ اس پر اوس پڑ گئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ شگفتہ کے دل کے کسی کونے میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کی وجاہت اور احسان سے بھی متاثر نہیں ہوئی ہے۔ اسے پچھتاوا سا ہوا کہ اس نے پہلی ہی ملاقات پر اس موضوع پر بات کیوں کی۔ ایسی جلد بازی کی ضرورت کیا تھی۔ دو چار ملاقاتوں کے بعد یہ بات کہتا تو شاید بات بن جاتی۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ بات بگڑ گئی تھی۔ کمان سے تیر نکل چکا تھا۔ اب وہ اندر ہی اندر خجل سا ہو رہا تھا۔ اسے یکایک خوف سا محسوس ہوا کہ کہیں شگفتہ اٹھ کر چلی نہ جائے۔ اس نے ندامت سے کہا۔ "میں اس دل آزاری کے لئے آپ سے معذرت خواہ ہوں پلیز! آپ مجھے معاف کر دیں۔"

شگفتہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کے حسین چہرے پر ناگواری اور تندی چھائی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے تاثرات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ اویس نے اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر کہنا شروع کیا۔ "میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کی امی نے آپ کا رشتہ دینے سے اس لئے انکار کیا کہ میں ایک رشوت خور افسر ہوں۔ میں اس بات کا سچے دل اور پوری دیانت داری سے اعتراف کرتا ہوں کہ میں واقعی ایک راشی افسر ہوں مجھے دفتر کے ماحول اور حالات نے اس رستے پر چلنے پر مجبور کیا۔ میں ایسا نہ کرتا تو پھر ملازمت نہ کر سکتا تھا۔ گندے تالاب میں ایک مچھلی پاک و صاف کسی صورت میں نہیں

رہ سکتی ہے۔ ناجائز آمدنی کی ریل پیل نے مجھے اندھا بنا دیا۔ ایک برائی نے کئی برائیوں کو جنم دیا۔ میں اتنی دور نکل گیا کہ کبھی مجھے واپسی کا خیال نہ آیا۔ نہ کسی نے روکا ٹوکا' نہ اس بات کا احساس دلایا کہ یہ راستہ غلط ہے۔ حتیٰ کہ میری ماں اور بھائی بہنوں نے بھی منع نہ کیا۔"

اویس نے توقف کیا۔ شاید وہ اس کی بات کا جواب دے گی لیکن شگفتہ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس کی باتیں بڑی توجہ اور خاموشی سے سن رہی تھی۔ اس کے چہرے سے ناگواری کے تاثرات مٹ گئے تھے۔ شگفتہ کا دھیان اپنی طرف دیکھ کر اس کا حوصلہ بلند ہوا۔ اس نے پھر سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ "میں ایک اچھا آدمی بن سکتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ نے میری زندگی کا ہم سفر بننا قبول کر لیا۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں یکسر بدل جاؤں گا۔ آپ ہی مجھے کندن بنا سکتی ہیں۔ آپ میری آزمائش کر کے دیکھیں تو سہی۔" اویس نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ "دلدل میں ڈوبتے ہوئے شخص کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے۔ کیا میں آپ کے سہارے اس غلاظت کی دلدل سے نہیں نکل سکتا ہوں؟ اگر کوئی شخص دلدل میں دھنستا جا رہا ہے تو کیا اسے دلدل میں ڈوبنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے؟ وہ دھنس رہا ہے تو اسے دھنستے ہی رہنے دینا چاہئے......... بولئے مس شگفتہ.........؟"

شگفتہ کا سر بدستور جھکا ہوا تھا۔ اس نے اوپر نہیں اٹھایا۔ جیسے اوپر اٹھانے سے نظروں میں تصادم ہو جائے گا۔ دل کی بات اور جذبات آنکھوں سے عیاں ہو جائیں گے۔ اس کے چہرے پر ایک سرخی پھیل گئی تھی جس نے اس کے حسن کو اور نکھار دیا تھا۔ وہ خاموشی کے طلسم میں اس طرح ڈوبی ہوئی تھی جیسے اپنے دل کی دھڑکنیں سن رہی ہو۔ اس کی دھڑکنیں شور مچا رہی ہوں مگر اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ اس وقت کس کش مکش میں مبتلا ہے۔

"مس شگفتہ!" اویس کی آواز بھرانے لگی۔ "میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں جس کے اظہار کا یہ موقع محل نہیں ہے۔ مگر میں یہ بات کہنے کے لئے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا ہوں۔ آپ جانتی ہیں کہ یہ دل بھی کیسا نادان' ضدی اور سرکش ہوتا ہے۔ کوئی بات سنتا ہی نہیں ہے۔ مانتا ہی نہیں ہے۔ جب سے میں نے آپ کو دیکھا ہے تب سے میں اپنی ذات کو فراموش کر بیٹھا ہوں۔ اس روز سے میں جس آگ میں جل رہا ہوں آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتی ہیں' لیکن آپ کو اس کا احساس ہو بھی کیسے ہو سکتا تھا کیونکہ آپ نے



مجھے اس عالم میں دیکھا ہی نہیں۔ میں آپ کو ایک بات آج صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ........" وہ کہتے کہتے رک گیا اس لمحے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔ یک لخت اس کی سانس بھی رک گئی۔ اس نے ایئر کنڈیشنڈ ہال میں اپنی پیشانی عرق آلود محسوس کی۔ پھر اس نے رک رک کر کہا۔ "میں آپ کے بغیر یہ کٹھن اور کرب ناک زندگی گزار نہیں سکتا ہوں۔ آپ نے میرے بارے میں تکلیف دہ فیصلہ کیا۔ انکار کیا تو پھر اس معاشرے کا ایک ایسا بدترین شخص بن جاؤں گا جس کی مثال نہیں ملے گی۔"

اویس کو خود خبر نہیں تھی کہ وہ عالم جنوں میں شگفتہ سے کیا کچھ کہہ گیا ہے۔ جب وہ دل کی بات حسن کے دربار میں کہہ چکا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا ہے۔ اس کے اعصاب پھول کی طرح ہلکے ہو گئے۔ وہ اذیت ناک کرب سے بھی نکل آیا تھا جس نے اس کا سکون چھین رکھا تھا۔ شگفتہ بت بنی بیٹھی تھی۔ اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں تھے۔ اس کے سراپا میں کوئی لہر اٹھی نہ جنبش پیدا ہوئی۔ اس کی پلکیں ساکت تھیں۔ اس کی آنکھیں میز کی سطح کو دیکھ رہی تھیں۔ اسے بے حس و حرکت پا کر اس نے اپنی بات میں ایک اور گرہ لگائی۔ "مجھے اب اس موضوع پر ایک لفظ بھی نہیں کہنا۔ میں نے جو کچھ کہنا تھا وہ بے کم و کاست کہہ دیا۔" پھر اس نے کپ اٹھا کر ٹھنڈی چائے سے حلق تر کر لیا۔

چند لمحوں کے بعد شگفتہ کے رخسار دہک اٹھے۔ اس کے جسم میں ارتعاش پیدا ہوا۔ پھر اس نے اپنی پلکوں کی چلمن اوپر اٹھائی۔ اس کی آنکھوں میں صاف و شفاف آسمان کی چمک سی تھی۔ وہ اس کی خالی پیالی دیکھ کر مسکرائی پھر اس نے رسیلی آواز میں کہا۔ "کیا میں آپ کے لئے اور چائے بنا دوں؟"

"جی ہاں بنا دیں۔" اویس اسے خوش دیکھ کر سرشار ہو گیا' جیسے اس نے پالا مار لیا ہو۔ "آپ چائے بنا کر پلاتی رہیں' میں پیتا رہوں گا۔"

"اچھا!" یک بارگی وہ کھل اٹھی۔ اس کی آنکھوں میں جیسے ان گنت دیئے جل اٹھے تھے۔ وہ شوخی سے بولی۔ "اتنی ساری چائے کی پتی کہاں سے آئے گی؟"

"سیلون' سلہٹ اور جہاں جہاں پیدا ہوتی ہے وہاں سے منگوا لوں گا۔ چائے کی پتی کی کمی بالکل بھی نہیں ہے۔" اویس نے کہا۔

چائے کا عرق ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس نے ویٹر کو بلا کر چائے منگوائی' چائے آنے تک ان کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ ویٹر چائے دے کر چلا گیا۔ شگفتہ نے پھر دو کپ چائے

بنائی۔ پھر شگفتہ نے چائے پیتے ہوئے یک لخت ہچکچاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "کیا آپ رشوت لینا بند نہیں کر سکتے؟"

"میں نے آپ سے کہا نا کہ آپ نے مجھے اپنا ہم سفر بنا لیا تو رشوت لینا بند کر دوں گا۔ آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں نے آج اور ابھی سے رشوت لینا بند کر دیا ہے۔"

"اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آپ رشوت لینا بند کر دیں گے کیونکہ جب منہ سے خون لگ جاتا ہے تو اس سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہو جاتا ہے۔"

"یہ ایک مرد کا قول ہے.........." وہ بڑے اعتماد سے بولا۔ "آدمی کسی کام کو چھوڑنا چاہے تو بہت کچھ چھوڑ سکتا ہے۔ اب میں پلٹ کر دیکھوں گا نہیں۔"

"قول نبھانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔" شگفتہ کی مترنم آواز لہرائی۔ "میرے چچا مرحوم کہتے تھے کہ جس کو ایک بار یہ موذی مرض لاحق ہو جاتا ہے تو وہ دائمی مریض بن جاتا ہے۔ میرے چچا خفیہ پولیس انسپکٹر کے عہدے پر آخری وقت تک فائز رہے تھے۔ وہ اپنے اصول اور قول و فعل کی وجہ سے اپنے محکمے میں اپنی مثال آپ تھے۔ وہ بتاتے تھے کہ ان کے کسی ساتھی نے کسی مجبوری کے تحت صرف ایک مرتبہ رشوت کیا لے لی' وہ ہمیشہ کے لئے اس لعنت کا عادی ہو گیا' راشی بن گیا' مرتے دم تک راشی رہا۔ اسی لئے چچا جان نے کڑے سے کڑے وقت میں بھی رشوت لینے سے احتراز کیا تھا۔"

اویس کے وجود پر شگفتہ کی باتیں زہریلے ڈنک کی طرح لگیں۔ وہ اچھل پڑا۔ اب اس کی سمجھ میں آیا کہ افروزہ بیگم نے اس کے بارے میں اتنا کچھ کیسے معلوم کر لیا۔ افروزہ بیگم نے شاید اپنے مرحوم دیور کے کسی دوست سے اس کے بارے میں تحقیقات کروائی ہوں گی۔ کوئی عام شخص ہوتا تو اس کے بارے میں اتنی چھان پھٹک نہیں کر سکتا تھا۔ اسے یاد آیا کہ ایک روز اس کے چپراسی نے کہا تھا کہ کوئی اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنے آیا تھا۔ اس نے اس بات پر کان نہیں دھرا تھا اور نہ اس کا خیال افروزہ بیگم کی طرف جا سکا تھا۔ نہ اسے کسی بات کی فکر تھی۔

شگفتہ نے اپنا سینڈوچ اور چائے ختم کی۔ پھر اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھتی ہوئی سراپا سمیٹنے لگی۔ "مجھے دیر ہو رہی ہے اجازت دیں۔"

اویس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی غزال آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔ "کیا میں آپ کی زبان سے اپنے بارے میں کوئی فیصلہ سن سکتا ہوں؟"

شگفتہ کے رسیلے لبوں پر ایک دل کش تبسم بکھر گیا۔ وہ پلکیں جھپکاتی ہوئی شہد آگیں



لہجے میں بولی۔ "آپ نے کچھ دیر پہلے مجھ سے کہا تھا کہ اس موضوع پر ایک لفظ نہیں کہوں گا۔" اس نے اویس نے نظریں چار کیں۔ "کیا ایسے شخص سے اس کے ثابت قدم رہنے کی توقع کی جا سکتی ہے؟"

شگفتہ نے اس کی طبیعت صاف کر دی تھی۔ وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ پھر اس نے اپنی خفت مٹانے کے لئے دور کھڑے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا کہ وہ بل لیتا آئے۔ بل ادا کرنے کے بعد وہ شگفتہ کو باہر ساتھ لے آیا پھر اس نے شگفتہ کو بوہری بازار کی نکڑ پر اتار دیا۔ اسے بیوٹی پارلر کے لئے میک اپ کے کچھ لوازمات خریدنے تھے۔ رخصت کرتے ہوئے شگفتہ سے کہے بغیر نہ رہ سکا۔ "کل میں اپنی امی اور بہنوں کو آپ کے ہاں بھیج رہا ہوں۔"

شگفتہ نے جواب نہیں دیا لیکن اس کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔ وہ حیا آلود سی ہو کر اسے اللہ حافظ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ اویس اس جگہ پر کھڑے ہو کر اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی تھی لیکن دل سے اوجھل نہ ہو سکی تھی۔ اس نے شگفتہ کی باتوں' اس کے چہرے سے بھانپ لیا تھا کہ شگفتہ نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ وہ اس سے شادی کرنے پر آمادہ ہے۔

دوسرے دن شام کے وقت اس کی امی اور بہنیں شگفتہ کے ہاں سے ہو کر آئیں تو ان کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ شگفتہ نے جو تاثر دیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شادی کے لئے رضامند ہے۔ اس نے سراسیمگی سے پوچھا۔ "کیا شادی سے پھر انکار کر دیا ہے؟"

"انکار نہیں کیا ہے۔" زیب النساء نے جواب دیا۔ "بیٹی کا رشتہ دینے کے لئے تیار ہیں لیکن ان کی تین شرائط بڑی سخت ہیں۔"

"کیسی شرائط؟" اویس نے حیرانی سے کہا۔ "آپ مجھے بتائیں۔ انہوں نے کیا شرائط پیش کیں؟ میں بھی تو سنوں۔"

"سب سے پہلی شرط تو یہ ہے کہ تمہیں شادی سے ایک قبل ماہ دو سو گز کا مکان خرید کر شگفتہ کے نام کرنا ہو گا۔" زیب النساء شرائط بتانے لگیں۔ "دوسری شرط یہ ہے کہ تین لاکھ روپے قومی بچت کے مرکز میں اس کے نام سے جمع کرا کے اس کے سارے سرٹیفکیٹ دینے ہوں گے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ حق مہر دو لاکھ روپے ہو گا جو نکاح کے فوراً بعد ادا کر دیا جائے گا۔ ورنہ رخصتی عمل میں نہیں آئے گی۔"

اویس بڑا حیران سا ہوا۔ اس نے پوچھا۔ "ان شرائط کی وجوہات کیا ہیں؟ میری سمجھ

میں کچھ نہیں آرہا ہے کہ انہوں نے یہ شرائط کیوں پیش کی ہیں؟"

"اس کی وجہ افروزہ بیگم نے یہ بتائی ہے کہ تم کل کسی دن کسی وجہ سے ان کی بیٹی کو چھوڑو گے تو وہ کہاں جائے گی۔ کیا کرے گی؟ وہ اس کے تحفظ کے لئے یہ ضمانت چاہتی ہیں۔ بصورت دیگر وہ اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کے لئے بالکل بھی تیار نہیں ہیں۔"

"واقعی ان کی شرائط بڑی کڑی ہیں۔" اویس نے کہا۔ "انہوں نے بیس لاکھ روپے زرِ ضمانت کے طور پر طلب کئے ہیں۔"

"میں تو آپ کو مشورہ نہیں دوں گی کہ آپ ان کی بات مان لیں۔" نجمہ نے زہرخند ہو کر کہا۔ "افروزہ بیگم بیٹی دے رہی ہیں یا سودے بازی کر رہی ہیں؟ ان کی لڑکی.........اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت حسین ہے۔ حسین ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔"

"آپ نے انہیں یہ سمجھایا نہیں کہ یہ آپ زیادتی کر رہی ہیں؟" اویس نے ماں سے کہا۔ "کہیں رشتے سودے بازی سے طے ہوتے ہیں؟"

"میں نے انہیں کتنا سمجھایا' نجمہ اور خالدہ بیٹھی ہیں ان سے پوچھ لو۔" زیب النساء بولیں۔ "اس خر دماغ عورت کے مغز میں کوئی بات ہی نہیں آرہی تھی۔ بس وہ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ ان شرائط کی رٹ بار بار لگائے جارہی تھیں۔ انہوں نے ان شرائط کو انا کا مسئلہ بنالیا ہے۔"

"افروزہ آنٹی کو اپنی بیٹی کے حسن و جمال پر کچھ زیادہ ہی گھمنڈ ہے۔" خالدہ کہنے لگی۔ "اس لئے وہ اترا بھی رہی ہیں۔ بھائی جان! اس میں کوئی شک نہیں کہ شگفتہ بلا کی حسین اور ایسی پُرکشش ہیں کہ ایسی حسین لڑکیاں دکھائی نہیں دیتی ہیں۔ کسی لڑکی کا اتنا حسین ہونا بھی اچھا نہیں ہوتا۔ وہ وبال بن جاتی ہے۔ آپ اس کے لئے فکرمند نہ ہوں۔ ہم کوشش کر کے بہت ہی پیاری سی لڑکی آپ کے لئے ڈھونڈ لائیں گی۔"

"مجھے بھی ضد ہو گئی ہے۔" اویس نے کہا "میں اس لڑکی سے شادی کر کے رہوں گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھ سے شادی کیسے نہیں کرے گی؟"

"آپ کی اس سے شادی اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ آپ اس کی تینوں کڑی شرائط پوری کر دیں۔" نجمہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں اس کی ماں کی تینوں شرائط پوری کر دوں گا۔" اویس مسکراتا ہوا بولا۔ "امی! آپ کل ہی افروزہ بیگم سے جا کر کہہ دیں کہ آپ کی تینوں شرائط منظور ہیں۔



اس ایک ہفتے میں مکان اور قومی بچت میں رقم جمع ہو جائے گی۔"

"کیا؟" زیب النساء اس طرح اچھل پڑیں جیسے انہیں برقی جھٹکا لگا ہو۔ دونوں بہنیں بھونچکی ہو کر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔ وہ حیرت آمیز لہجے میں بولیں۔ "کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔ اس شادی پر بیس لاکھ کی رقم خرچ کرو گے۔ جبکہ وہ شگفتہ کو جہیز میں سات جوڑے اور چاندی کے زیور کے ایک سیٹ کے سوا کچھ نہیں دیں گی۔ نہ جوڑے کی رقم ملے گی نہ فرنیچر ملے گا' نہ برتن وغیرہ۔ نہ مہندی کی تقریبات ہوں گی۔ شادی ہال میں مہمانوں کی خاطر تواضع کولڈ ڈرنک سے ہوگی۔ انہوں نے یہ بات صاف صاف کہہ دی۔"

"اس کے باوجود گھاٹے میں نہیں رہوں گا اور نہ ہی یہ گھاٹے کا سودا ہے۔" اویس نے مسکراتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

"یہ سراسر گھاٹے کا سودا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟" زیب النساء نے اپنے بیٹے کو ایسے دیکھا جیسے وہ اپنے حواس کھو بیٹھا ہو۔

اویس نے ماں اور بہنوں کو اعتماد میں لینے کے بعد کہا۔ "اصل بات یہ ہے کہ افروزہ بیگم اور ان کی بیٹی شگفتہ میری اور آپ سب کی آزمائش کر رہی ہیں۔ میں آپ لوگوں کو بہت بڑی راز کی بات بتا رہا ہوں۔ آپ لوگوں میں سے کسی نے بھی اس راز کو ظاہر کیا اور ماں بیٹی کو یہ تاثر دیا کہ آپ لوگ ان کے راز اور ان کی اصلیت اور دہری زندگی سے واقف ہیں تو پھر بات بگڑ جائے گی۔ ہمیں انجان رہنا ہے اور بڑی خاموشی سے تماشا دیکھنا ہے۔ افروزہ بیگم' نذیر احمد خاں کی بیوی ہیں اور شگفتہ ان کی اکلوتی اولاد ہے۔"

"یہ نذیر احمد خان کون ہیں؟" زیب النساء نے بیٹے کو متعجب نظروں سے دیکھا۔ "میں ان کا نام پہلی بار سن رہی ہوں۔"

"وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہیں۔" اویس اپنی ماں اور بہنوں کو ان کے بارے تفصیل سے بتانے لگا۔ "وہ پاکستان کے چند سرمایہ داروں میں سے ایک ہیں جن کی دولت کا شمار انہیں خود کرتے ہوئے دشواری پیش آتی ہے۔ ان کی تعمیراتی فرم خان بلڈرز کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے سات کارخانے ہیں۔ سوات میں بھی ان کے دو کارخانے ہیں۔ رہائش و دفتری عمارتیں' مرغ بانی اور گلبانی اور مچھلی کے وسیع فارمز ہیں۔ کون سا ایسا شہر ہے جس میں ان کی جائیداد نہ ہو۔ اس کراچی شہر میں ایک فائیو اسٹار ہوٹل ہے۔ وہ اس کے مالکان میں سے ہیں۔ وہ کروڑ پتی نہیں بلکہ ارب پتی آدمی ہیں۔"

"کیا.........؟" زیب النساء بھونچکی ہو گئیں۔ پھر وہ بے یقینی سے بولیں۔ "اتنے

بڑے شخص کی بیوی اور بیٹی اسی گز کے مکان میں عام سی زندگی کیوں اور کس لئے گزار رہی ہیں؟ ان کے گھر میں تو ایک الماری اور دو چارپائیوں کے سوا کچھ نہیں۔ صرف ایک صوفہ سیٹ پڑا ہے۔"

"افروزہ بیگم کی کسی بات پر اپنے شوہر سے ناچاقی ہو گئی تھی جس کی بنا پر وہ ایک عام قسم کی زندگی گزار رہی ہیں۔ وہ اپنے شوہر سے کسی قیمت پر صلح صفائی کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بیٹی کو باپ سے زیادہ ماں سے محبت ہے۔ باپ بیٹی کو بہت چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنے سارے اثاثے بیٹی کے نام کر دیئے ہیں۔ وہ اپنے دستخط سے جب اور جس وقت چاہے ایک کروڑ کی رقم نکال سکتی ہے۔ جائیداد اور جس کارخانے کو چاہے بیچ سکتی ہے۔ بیٹی کو دولت اور آسائش کی زندگی پسند نہیں ہے۔ تاہم اسے باپ کی موت کے بعد جائیداد' دولت اور کاروبار سنبھالنا ہے۔

"افروزہ بیگم کو ایسے داماد اور بیٹی کے لئے ایسے شوہر کی ضرورت ہے جو مخلص ہو۔ دولت کا لالچی نہ ہو' یہ دیکھنے اور پرکھنے کے لئے انہوں نے یہ مطالبات پیش کر دیئے ہیں۔ نیز انہیں ایک ایسے داماد کی بھی ضرورت ہے جو بیوی کا کاروبار سنبھالنے میں مدد کر سکے۔" اویس نے کہا۔

"یہ سب کچھ تمہیں کیسے معلوم ہوا.........؟" زیب النساء نے اچنبھے سے کہا۔ "کیا تمہیں شگفتہ نے بتایا ہے؟ یا افروزہ بیگم نے.........؟"

"مجھے ان کی کوٹھی کے چوکی دار جمعہ خان نے بتایا جو میرے دفتر میں دو سال پہلے چپراسی تھا۔" اویس نے جواب دیا۔ "باپ کبھی کبھی اپنی بیٹی کو دو ایک دن کے لئے گاڑی بھیج کر بلا لیتے ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ساٹھ لاکھ کی گاڑی میں شگفتہ کو جاتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"ایک ارب پتی کی بیٹی سے شادی کرنے کے بعد کیا آپ اس کے غلام ہو کر نہیں رہ جائیں گے؟" نجمہ بولی۔ "وہ بیس لاکھ روپے اپنے نام کروا کر کیا آپ کو بالکل مفلس و قلاش نہیں کر رہی ہے؟ آپ ذرا ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کر کے دیکھیں۔ پھر آپ کو احساس ہو گا کہ میں سچ کہہ رہی ہوں یا غلط......... سارا کھیل تو مجھے افروزہ بیگم کا دکھائی دیتا ہے۔ وہ عورت بہت تیز' گہری اور چالاک قسم کی ہے۔"

"نجمہ ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹے!" زیب النساء نے بیٹی کی تائید کی۔ "تم بیس لاکھ روپے اس لڑکی پر قربان کر کے پچھتاؤ گے۔"



"امی جان! میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔" اویس نے استہزائی لہجے میں کہا۔ "میں نے پہلے سے ہی ایک منصوبہ بنا رکھا ہے۔ اس منصوبے کے تحت میں شگفتہ سے شادی کر رہا ہوں آپ سب دیکھیں گی صرف ایک سال کے اندر ہی میں اپنی بیوی کے اثاثوں کا مالک بن چکا ہوں گا۔ شگفتہ بہت سیدھی سادی ہے۔ افروزہ بیگم واقعی شاطر قسم کی عورت ہے۔ میں ان کا ایسا بندوبست کروں گا کہ وہ ساری زندگی بے بس اور مجبور رہیں گی۔"

"تو کیا آپ اس طرح ارب پتی بن جائیں گے........." خالدہ نے حیرت اور پُرمسرت لہجے میں پوچھا۔ "پھر شگفتہ آپ کی محتاج ہو جائے گی۔"

"ہاں........." اویس نے سر ہلایا۔ "اس لئے میں بیس لاکھ روپے افروزہ بیگم کی بیٹی کے نام کر رہا ہوں۔ اس سے افروزہ بیگم کو مجھ پر بھروسا ہو جائے گا۔ وہ مجھے بے غرض اور مخلص سمجھیں گی۔ میرے جذبوں کی قدر کریں گی۔ میں کوئی بے وقوف نہیں ہوں جو بیس لاکھ روپے کا کھیل کھیل رہا ہوں۔"

"اللہ کرے' آپ جلدی سے شگفتہ کے ارب پتی شوہر بن جائیں۔" خالدہ چہک کر بولی۔ "پھر ہم سب لوگ یورپ کی سیروسیاحت کو جا سکیں گے۔"

"تم لوگوں کے جو جو خواب ہیں' خواہشیں ہیں' تمنائیں ہیں انہیں میں پورا کروں گا لیکن اس کے لئے تم لوگوں کو ایک سال صبر کرنا ہو گا۔"

اویس نے شگفتہ سے جھوٹ کہا تھا کہ وہ رشوت لینا چھوڑ دے گا' وہ کسی صورت میں رشوت لینے سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ اتنی اچھی بالائی آمدنی سے اپنا ہاتھ کھینچ نہیں سکتا تھا۔ رشوت کا بازار ہر محکمے میں گرم تھا۔ رشوت کہیں کم کہیں زیادہ لی جاتی تھی۔ وہ جس محکمے میں تھا وہاں سب سے رشوت لی جاتی تھی۔ وہ اپنے محکمے میں سب سے رشوت لیتا تھا۔ اس نے شگفتہ سے شادی کرنے کے لئے ریاکاری سے کام لیا تھا۔

دوسرے دن زیب النساء نے افروزہ بیگم سے مل کر کہہ دیا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر ان کی دونوں شرائط پوری کر دی جائیں گی۔ شادی والے دن نکاح کے فوراً بعد ان کے ہاتھ میں شگفتہ کی حق مہر کی رقم دو لاکھ روپے رکھ دی جائے گی۔ ان کی تینوں شرائط منظور ہیں۔

اویس نے نارتھ ناظم آباد میں تیسرے دن دو سو گز کے ایک مکان کا سودا دس لاکھ روپے میں کیا۔ پھر اسے خرید کر شگفتہ کے نام رجسٹری کر دی۔ تمام کاغذات اور چابی شگفتہ

کو دے دی۔ کاغذی کارروائی کے دوران شگفتہ اور افروزہ بیگم ساتھ رہی تھیں۔ اس تیسرے دن تین لاکھ کے ڈیفنس سرٹیفکیٹ بھی شگفتہ کے نام لے کر دیئے۔ اس دوسرے دن افروزہ بیگم نے اس کی ماں اور بہنوں کو بلا کر شادی کی تاریخ ایک ماہ کے طے کر دی۔ زیب النساء کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی کہ شادی کی تاریخ طے کرنے تقریب میں ماں بیٹی کے سوا کوئی نہ تھا۔ ایک رشتہ دار بھی نہ تھا۔ زیب النساء نے اس وجہ پوچھی تو افروزہ بیگم نے کہا کہ تمام رشتہ دار ان سے سخت ناراض ہیں کیونکہ انہو نے خاندان کے کسی بھی لڑکے کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لئے بھی کہ خاند میں ایک لڑکا بھی ایسا نہیں ہے جو ان کی بیٹی کے لائق ہو۔ اگر کسی ایک لڑکے میں ذرا قابلیت ہوتی تو وہ شگفتہ کی شادی کر دیتیں۔

شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد اویس نے اپنی ماں کو دو لاکھ کی رقم شادی تیاری کے لئے دی۔ یہ رقم کپڑے اور صرف زیورات کے لئے تھی پھر اس نے شا کے تیسرے دن ولیمہ کے لئے ہال بک کرایا۔ افروزہ بیگم نے شادی کے کارڈ چھپوانے انکار کر دیا تھا۔ افروزہ بیگم نے اس سے کہا کہ اول تو وہ رشتے داروں کو مدعو نہیں کر گی۔ صرف دو ایک رشتہ داروں' اپنی سہیلیوں اور ان کے شوہروں کو شادی اور ولیمہ م زبانی طور پر مدعو کریں گی۔

افروزہ بیگم نے مہندی کی تقریب کی سخت مخالفت کی تھی۔ ان کے نزدیک یہ ایک فضول سی رسم تھی۔ اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔ صرف اس بات کی اجازت دی تھی ان کی دونوں بہنیں اور دو سہیلیاں آکر دلہن کو مہندی لگا جائیں۔ ان کی طرف سے کو مہندی لگانے والا نہیں تھا۔ جب انہوں نے شگفتہ کو مایوں بٹھایا تھا تب انہوں نے اس گھر والوں کو مدعو کر لیا تھا۔ ان کے گھر پر دارالامان کی لڑکیاں موجود تھیں جنہیں افرو بیگم نے ڈھولک پر گیت گانے کے لئے مدعو کر لیا تھا۔ ان سے بڑی رونق اور چہل پہل گئی تھی۔

مگر اویس نے اپنی مایوں اور مہندی کی تقریبات نہایت شان دار' پُرزور اور دھو دھام سے کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اس کی ماں اور بہنیں بھی یہی چاہتی تھیں کہ تقریبات ایسی ہوں کہ مثال بن کر رہ جائیں۔ گلی کے باہر جو شامیانہ اس تقریب کے لئے لگایا تھا وہ اتنا بڑا تھا کہ اس نے پوری گلی گھیر لی تھی۔ گلی بھی تین سو فٹ چوڑی تھی چراغاں اتنا زبردست اور خوبصورت تھا کہ جو دیکھتا' دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ آتش بازی کا بھی



خصوصی اہتمام کیا گیا۔ نجمہ' خالدہ اور ان کی سہیلیوں نے فلمی گانوں اور ان کی ہیجان خیز دھنوں پر ایسے ہوش ربا رقص کئے تھے کہ اس تقریب میں شریک لڑکے' لڑکیاں مرد اور عورتیں بھی خوب محظوظ ہوئی تھیں۔ اویس کے لئے یہ ایک نیا انکشاف تھا کہ اس کی دونوں بہنیں رقص کرنے میں ملکہ رکھتی ہیں۔ جبکہ اس نے کبھی ان دونوں کو رقص کرتے یا اس کی تربیت حاصل کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ گھر پر ہوتا کب تھا جو اسے ان باتوں کی خبر ہوتی۔ ویسے اس کے علم میں یہ بات تھی کہ اس کی بہنوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ چونکہ وہ دونوں ایک انگلش میڈیم اسکول اور کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ وہاں ہائی سوسائٹی کی لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ ان دونوں نے اپنی کسی سہیلی سے رقص سیکھا ہوگا۔ اس تقریب میں ان کی جو سہیلیاں آئی تھیں وہ بڑی شوخ' چنچل تھیں' ان میں الٹر پن تھا۔ طرح دار بھی تھیں۔ اس سے بہت جلدی فری ہو گئی تھیں۔ ان کی بدولت تقریب اور بھی حسین' رنگین اور پُرکیف ہو گئی تھی۔ ساری رات جشن کا سماں رہا تھا۔ محلے میں کیا پورے شہر میں ایسی مہندی شاید ہی کسی کی ہوئی ہوگی۔

کھانے کے اسٹال لگائے گئے۔ کل تین اسٹال تھے۔ ایک چکن کا' دوسرا بکرے کے گوشت کا اور تیسرا مچھلی کا تھا۔ اس میں ہر چیز وافر مقدار میں تھی۔ اس کے علاوہ کولڈ ڈرنک بھی تھا۔ آئس کریم کی گاڑی کھڑی تھی۔ جس کا جتنا جی چاہے' جو چاہے وہ لے کر کھائے۔ اس نے دل کھول کر پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ وہ اپنی بالائی آمدنی کو یہاں خرچ نہیں کرتا تو کہاں کرتا۔ اس نے اپنا ولیمہ اس سے زیادہ شان دار طریقہ سے کرنے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ گھر والوں کی خواہش تھی کہ ولیمہ کی تقریب گلی میں اور گھر کے سامنے ہو۔

مہندی کی تقریب یک طرفہ تھی۔ شگفتہ کے ہاں سے صرف تین چار لڑکیاں مہندی لے کر آئی تھیں۔ اویس کو مہندی لگا کر اور اس سے نیگ پانچ ہزار روپے لے کر چلی گئی تھیں۔ انہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ افروزہ بیگم تو اس کے لئے بھی تیار نہ تھیں۔ زیب النساء کے بے حد اصرار اور نجمہ اور خالدہ کے بہت کہنے اور سننے پر انہوں نے مہندی بھیج دی تھی۔ زیب النساء نے انہیں دو سو مہمان تک لانے کے لئے کہا تھا۔ دو مہمان بھی نہ آئے تھے۔

افروزہ بیگم نے شگفتہ کے باپ کا نام جو دیا تھا وہ شیر محمد خان تھا۔ اویس کے علم میں یہ بات تھی بلکہ اسے چوکی دار جمعہ خان نے بتایا تھا کہ اس کے صاحب کا اصلی نام نذیر

احمد خان نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا نام اس لئے بدل لیا ہے کہ پہلے وہ ایک عام قسم کے آدمی تھے۔ سبزی فروش تھے۔ قسمت اور حالات نے ان کی ایسی کایا پلٹی کہ وہ رئیس زادے بن گئے۔ اس لئے انہوں نے اپنا نام نذیر احمد خان رکھ لیا تھا۔ اسے نام سے کوئی غرض نہ تھی۔ اسے آم کھانے سے مطلب تھا۔ شادی سے ایک دن قبل وہ چوکی دار جمعہ خان کو شادی میں مدعو کرنے گیا تو اس نے معذرت کرلی تھی۔ کیونکہ اس کے صاحب ملک سے دس دن کے لئے باہر تھے۔ وہ اس وجہ سے آ نہیں سکتا تھا۔ اسے ان کی اجازت کے بغیر اپنے گھر جانے کی اجازت بھی نہ تھی۔ اس کے صاحب کی کل کسی وقت واپسی متوقع تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ صاحب کل آگئے تو وہ ان سے اجازت لے کر حاضر ہو گا۔ اس نے اویس کو بڑی گرم جوشی سے شادی کی پیشگی مبارک باد دے دی۔

شادی والے دن اس کی برات تین بسوں اور تین کوسٹروں اور بہت ساری گاڑیوں میں شادی ہال پر بڑے طمطراق سے پہنچی تھی۔ دلہن والوں کے مہمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے۔ نذیر احمد خان چونکہ امریکہ سے کراچی نہیں پہنچے تھے اس لئے وہ شادی میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ افروزہ بیگم اور کچھ عورتوں نے دلہا اور خواتین کا پُرجوش استقبال کیا اور پھولوں کے ہار پہنائے۔

زنانہ حصے میں شگفتہ دلہن بنی بیٹھی آسمانی حور لگ رہی تھی۔ عورتوں نے جو اسے دیکھا تو دیکھتی رہ گئی تھیں۔ انہوں نے دل کھول کر اس کی تعریف زیب النساء اور دلہے کی بہنوں سے کی تھی۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ اسے آبِ کوثر سے نہلا کر نور کے سانچے میں ڈھال کر یہاں بٹھا دیا گیا ہو۔ وہ پریوں کی شہزادی لگ رہی تھی۔ اویس نے صرف اپنی طرف سے ویڈیو کیمرے والے کا بندوبست کیا تھا۔ افروزہ بیگم کی طرف سے تصویر کشی کا کوئی انتظام نہ تھا۔

نکاح ہوتے ہی زیب النساء نے دو لاکھ کی رقم افروزہ بیگم کے ہاتھ پر رکھ کر آخری اور تیسری شرط پوری کر دی تھی۔ رخصتی کے وقت اویس اندر آیا۔ اس نے جو شگفتہ کو دلہن کے روپ میں دیکھا تو مسحور ہو کر رہ گیا۔ رخصتی میں ایک دو گھنٹے ویڈیو بنانے کی وجہ سے لگ گئے تھے۔ چونکہ شادی ہال گیارہ بجے خالی کرنا تھا بارہ بج چکے تھے اس لئے یہ سلسلہ موقوف کرنا پڑا تھا۔

دلہن کو رخصت کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں تو اویس نے اندر ہی اندر سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ اسے بھی رخصتی کی بڑی جلدی اور بے تابی تھی۔ رخصتی میں



جتنی دیر ہو رہی تھی اسے اندر ہی اندر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ کسی سے جلد رخصت کرنے کے لئے کہہ نہیں سکتا تھا۔ ویڈیو فلم بننے کی وجہ سے پورے دو گھنٹے ضائع ہو گئے تھے۔ ہر کسی کا دلہا دلہن کے ساتھ ویڈیو بنانا اس کے لئے بڑا کرب ناک بن گیا تھا۔ وہ انہیں روک نہیں سکتا تھا۔ منع نہیں کر سکتا تھا۔ شادیوں میں رخصتی میں غیر معمولی تاخیر اس ویڈیو کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اویس کو رخصتی کی اس لئے بھی جلدی اور بہت بے تابی تھی کہ شگفتہ کے حسن و جمال کی تابانی نے اس کے دل کی دھڑکنیں تیز کر دی تھیں۔ وہ جلد سے جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا تاکہ ملن کی گھڑی آ جائے۔ اس گھڑی اور اس دن کے لئے اس نے بڑے پاپڑ بیلے تھے۔ بیس لاکھ روپے کا جوا بھی کھیلا تھا۔ افروزہ بیگم اپنی بیٹی کی شادی اپنے گھر کے سامنے شامیانہ لگا کر کرنا چاہتی تھیں۔ کیونکہ وہ شادی ہال کے اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں اس لئے اویس نے شادی ہال اپنے خرچ پر بک کرا کے انہیں دیا تھا۔ گھر کے سامنے شامیانے لگانے سے نہ صرف اس کے مہمانوں بلکہ افروزہ بیگم کو بھی سخت تکلیف ہو جاتی۔ گلی تنگ اور چھوٹی تھی۔ مکان بھی بہت چھوٹا تھا۔ خاطر خواہ انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔

افروزہ بیگم نے اپنی بیٹی کو رخصت کرنے سے پہلے اس کی خوب بلائیں لیں۔ اسے دعائیں دیں تو ان کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔ انہوں نے بیٹی کا لمبا سا گھونگھٹ نکال دیا پھر وہ اسے اپنے ساتھ لے کر بیرونی دروازہ کی طرف بڑھیں۔ شگفتہ بھی سسک رہی تھی لیکن اویس آج دل میں خوش ہو رہا تھا کہ آخر کار جیت اس کی ہوئی ہے۔ اس نے ماں بیٹی کو خوب بے وقوف بنایا تھا۔ فریب دیا تھا۔

افروزہ بیگم کے دائیں بائیں کچھ عورتیں تھیں۔ شگفتہ کے ساتھ اور آگے پیچھے زیب النساء نجمہ ' خالدہ اور رشتہ دار اور محلے کی عورتیں تھیں۔ چند قدموں کا فاصلہ طے ہوا تھا کہ اچانک بجلی چلی گئی۔ بجلی کے جاتے ہی شادی ہال گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ عورتوں اور بچوں کے شور سے ہال گونج اٹھا۔ افراتفری اور ہڑبونگ سی مچ گئی۔ کیونکہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ اس کے علاوہ اندھیرے میں دھکم پیل ہونے لگی۔ کرسیاں بھی گر رہی تھیں۔ زیب النساء' نجمہ اور خالدہ کو کسی نے دھکا دے کر گرا دیا تھا۔

ہال کے دروازے پر کھڑے مردوں نے ہال کے منیجر سے چلا کر جنریٹر جلانے کے لئے کہا۔ اس نے کہا کہ وہ ٹھیک ہونے گیا ہے پھر کچھ مردوں نے اندر آکر دیا سلائیاں اور

لائٹر جلائے۔ دلہن گردن جھکائے ان ننھی منھی روشنیوں میں باہر آئی دلہا کی گاڑی کی ٹ
جلائی گئی پھر بسوں اور دوسری گاڑیوں کی روشنیاں بھی پھیل گئیں۔ افروزہ بیگم نے گاڑ
کے پاس جا کر بیٹی کو گاڑی میں سوار کرایا۔

اویس گاڑی میں شگفتہ کے پاس بیٹھ گیا جو گردن جھکائے اور لمبا سا گھونگھٹ نکالے منہ پر رومال والا ہاتھ رکھ کر سسک رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد برات واپس چل پڑی۔ جب وہ لوگ۔ گھر پہنچے تو اس گھر کی بجلی بھی گئی ہوئی تھی۔ کسی اور خرابی کی بنا پر بجلی چلی گئی تھی۔ موم بتی کی روشنی میں اسے حجلۂ عروسی میں پہنچایا گیا۔ اس کا چھوٹا بھائی رشید الیکٹریشن کو لینے چلا گیا جو پچھلی گلی میں رہتا تھا۔

اویس اندھیرے گرمی اور عورتوں کی وجہ سے گھر سے باہر کھڑا دوستوں سے بات کرنے لگا۔ الیکٹریشن آگیا تھا۔ وہ اپنا کام کر رہا تھا۔ اویس کے دوست اس کی دلہن کے حسن و جمال کی بڑی تعریف کر رہے تھے۔ اس کے انتخاب کو سراہ رہے تھے۔ دل کھول کر داد دے رہے تھے۔ اس کی خوش بختی پر رشک کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بجلی آگئی گھر جگ مگا اٹھا۔ اویس نے دل میں سکون کا سانس لیا۔

تھوڑی دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس نے گھر کے اندر ایک غلغلہ سا دیکھا۔ وہ اس کی وجہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ اس نے نجمہ کو دیکھا وہ بدحواسی میں اندر سے نکل کر اس کی طرف آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ چہرہ سفید پڑتا چلا گیا تھا۔ آنکھوں سے خوف و ہراس جھانک رہا تھا۔ وہ اور اس کے دوست اس کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اویس گھبرا گیا۔ اس کا خیال شگفتہ کی طرف گیا کہیں اسے کچھ ہو تو نہیں گیا ہے۔

"بھائی جان.......... بھائی جان.........." نجمہ کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ "آپ جلدی سے اندر چل کر دیکھیں۔ امی.......... امی.......... آپ کو.........."

وہ دوستوں سے معذرت کر کے بجلی کی سی تیزی سے اندر لپکا۔ حجلۂ عروسی کے اندر اور باہر عورتیں اور لڑکیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس کی امی ہذیانی لہجے میں چیخ رہی تھیں۔ "کون ہو تم..........؟ جلدی سے بتاؤ.......... نہیں تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔ تمہیں ختم کر دوں گی۔"

اس نے کمرے میں داخل ہو کر دیکھا بستر کے پاس اس کی امی اور عورتیں کھڑی ہوئی تھیں۔ پہلے تو وہ یہ سمجھا کہ شاید محلے کی کسی عورت نے دلہن کے کمرے میں داخل



ہو کر کسی کی نظریں بچا کر شاید کوئی چیز چرانے کی کوشش کی ہے۔ اسے عین موقع پر دھر لیا گیا ہے۔ شادی والے گھروں میں عموماً ایسا ہوتا تھا۔ بعض عورتیں تو دلہن کے زیورات دیکھنے کے بہانے اس صفائی سے زیورات اتار لیتی تھیں کہ دلہن کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ شاید کسی عورت نے یہاں بھی ایسی کوئی حرکت کی ہوگی جسے کسی نے دیکھ لیا۔ اس کی امی نے سونے کے زیورات کے تین قیمتی سیٹ شگفتہ کو پہنائے ہوئے تھے۔

خالدہ جو عورتوں کے درمیان پھنسی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی سراسیمگی سے بولی۔ "بھائی جان! غضب ہوگیا ہے۔ دلہن بدل گئی ہے۔ کوئی اور دلہن آگئی ہے۔ یہ شگفتہ نہیں ہے.......... آپ آگے جا کر دیکھ لیں.......... شگفتہ نہ جانے کہاں غائب ہو گئی.........."

"کیا پاگل ہو گئی ہو..........؟" اویس اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ خالدہ کیا کہہ رہی ہے۔ وہ ششدر ہو کر بولا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دلہن بدل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ آج وہاں صرف ایک ہی شادی تھی۔ کوئی دوسرا شادی ہال بھی تو وہاں نہیں ہے.......... دلہن کیسے بدل سکتی ہے؟ کوئی دلہن کہاں سے اور کیسے آسکتی ہے؟ ہم لوگ دلہن لے کر آئے ہیں۔"

"میں جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں بھائی جان! آپ آمنہ باجی سے پوچھ لیں انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا۔" خالدہ نے پاس کھڑی ہوئی عورت کی طرف اشارہ کیا۔ آمنہ باجی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ "خالدہ سچ کہہ رہی ہے۔ یہ کوئی اور لڑکی ہے جو دلہن بنی بیٹھی ہوئی ہے اور یہاں آگئی ہے۔"

زیب النساء نے اس کی آواز سن کر اپنی جگہ سے اسے پکارا۔ "اویس! ادھر آؤ.......... جلدی سے آؤ۔ یہ دیکھو.......... یہ کیا کہہ رہی ہے؟"

عورتوں کی سرگوشیوں کی آواز میں اس نے ایک لرزتی' کانپتی ہوئی آواز سنی۔ "میں اویس صاحب کی بیوی ہوں.........."

اویس حیرت اور غصے سے کانپتا' عورتوں کو چیرتا اور ایک طرف ہٹاتا ہوا بستر کے پاس پہنچا۔ ایک لڑکی عروسی جوڑے میں ملبوس دلہن بنی بیٹھی تھی۔ یہ جوڑا بھی بالکل ویسا ہی اسی رنگ کا تھا جیسا شگفتہ نے پہن رکھا تھا۔ یہ لڑکی بھی بہت خوبصورت تھی۔ موہنی سی صورت تھی۔ اگلے لمحے اسے جیسے ہزار واٹ کا برقی جھٹکا لگا۔ اسے ایسا لگا جیسے دسویں منزل سے نیچے پھینک دیا گیا ہو۔ وہ بھونچکا ہو کر اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔ یہ لڑکی کوئی اور نہیں

تھی۔ ثمرین تھی۔ ثمرین اسے خوف و دہشت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے منہ سے نکل گیا۔ "تم.........؟"

"ہاں میں.........." ثمرین نے جلدی سے کہا۔ "آپ کی بیوی ثمرین! جسے آپ نے شادی کر کے چھوڑ دیا......... میں اپنے گھر آ گئی ہوں۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہے اویس بیٹے؟" زیب النساء نے ششدر ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم نے اس سے شادی کی تھی؟"

"جی ہاں.......... امی جان!" اویس سے پہلے ثمرین بول اٹھی۔ "آپ کے بیٹے نے ایک سال پہلے مجھ سے شادی کی تھی........ میں ان کی.........."

"ذلیل........ کمینی عورت! تیری یہ مجال کہ تو یہاں آ گئی.......... تجھے یہاں کون لے کر آیا.......... تو کس کے ساتھ آئی ہے؟" اویس چراغ پا ہو گیا۔

"آپ مجھے گالیاں مت دیں۔" ثمرین نے تیزی سے کہا۔ "میں کوئی طوائف یا بازاری عورت نہیں ہوں۔ میں ایک شریف عورت ہوں۔ آپ کی بیوی ہوں.......... اس گھر کی عزت اور بہو ہوں........... میں آپ کے ساتھ شادی ہال سے گاڑی میں بیٹھ کر آئی ہوں۔"

"تم میری کوئی بھی نہیں ہو......... دفع ہو میری نظروں سے.......... نہیں تو میں پولیس کو بلا کر جیل میں سڑا دوں گا۔" اویس بگڑ کر بولا۔

"میں آپ کی سب کچھ ہوں میرے سرتاج!" ثمرین نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "آپ کے دل میں یہ حسرت ہے تو آپ یہ شوق بھی پورا کر لیں، لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ حوالات میں، میں نہیں آپ جائیں گے۔ اس لئے کہ آپ نے میرے ساتھ فریب کیا ہے۔ مجھ سے شادی کر کے مجھے دھوکہ دیا ہے۔"

"دھوکہ تو تم نے اور تمہارے آدمیوں نے میرے ساتھ کیا ہے.......... شگفتہ کو غائب کر کے تمہیں اس کی جگہ بھیج دیا ہے۔"

"آپ چونکہ ساری زندگی معصوم اور غریب لڑکیوں کے ساتھ دھوکہ کرتے آئے ہیں اس لئے آج آپ کو دھوکا دیا گیا ہے۔ آپ دھوکہ کھا گئے۔ یہ سب کچھ میں نے نہیں بلکہ شگفتہ اور اس کی ماں نے کیا ہے۔ اس لئے کہ پہلے میں حق دار ہوں آپ کی اور اس گھر کی.........."

"یہ سب کیا ہے بیٹے.........؟" زیب النساء چکرا کے بولیں۔ "میری تو کچھ سمجھ



میں نہیں آ رہا ہے۔ کیا تم نے اس سے واقعی شادی کی تھی؟"

"یہ عورت جھوٹی اور مکار ہے۔ آپ اس کی باتوں پر نہ جائیے۔ اس ذلیل عورت کو گھر سے نکال پھینکیں۔"

ثمرین نے اپنا پرس کھول کر اس میں سے نکاح نامے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی نکال کر ان کی طرف بڑھائی۔ "آپ اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی ہیں۔"

اویس نے آگے بڑھ کر فوراً ہی نکاح نامہ کی کاپی ماں کے ہاتھ سے لے کر اس کے پرزے پرزے کر دیئے پھر وہ پیچ و تاب کھاتا ہوا زیب النساء سے بولا۔ "سو روپے دیں تو ایسے دس جعلی نکاح نامے مل جاتے ہیں۔ یہ ہمیں بلیک میل کر رہی ہے۔ افروزہ بیگم کی کوئی چال ہے۔"

"آپ خدا کو حاضر و ناظر جان کر قسم کھائیں کہ آپ نے مجھ سے شادی نہیں کی۔ میں آپ کی بیوی نہیں ہوں۔" ثمرین نے کہا۔

"قسمیں جھوٹے کھاتے ہیں۔" اویس نے جھڑک کر کہا۔ "مجھے قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چلو......... یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

"آپ قسم نہ کھائیے......... قرآن شریف پر ہاتھ رکھ کر صرف اتنا کہہ دیں کہ تم میری بیوی نہیں ہو۔" ثمرین نے اس سے کہا۔

"مکار عورت.......... تم نے قرآن شریف کو کیا سمجھ رکھا ہے۔ تم اس کی بے حرمتی کر رہی ہو......... کیا یہ کتاب اسی کام کے لئے ہے؟" اویس برافروختہ ہو گیا۔ ثمرین اسے چاروں طرف سے گھیر رہی تھی۔ اس کا راستہ مسدود کر رہی تھی۔ "میں کلام پاک کی بے حرمتی نہیں کر سکتا ہوں۔"

"آپ حیلے بہانے نہ کریں۔" ثمرین نے تیزی سے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ آپ نہ تو قسم کھائیں گے اور نہ قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر شادی کا اقرار کریں گے اس لئے کہ آپ جھوٹے ہیں۔ آپ کے دل میں چور ہے۔ آپ نے مجھے بے وقوف بنا کر مجھ سے شادی کر لی........ آپ نے مجھے دھوکہ دیا ہے پھر بھی میں یہاں آپ کی کارستانیوں کی کہانی نہیں سناؤں گی۔ اس لئے کہ آپ میرے شوہر ہیں۔ میری محبت ہیں۔ میری زندگی ہیں۔"

"امی! آپ اس پاگل عورت کی بکواس سنتی جا رہی ہیں۔" وہ ماں پر غصہ ہو گیا۔ "آپ لوگوں سے اتنا نہیں ہو رہا ہے کہ اس کمینی عورت کو دھکے دے کر گھر سے نکال

دیں جو گھر کا سکون غارت کرنے آئی ہے۔ افروزہ بیگم کے اشارے پر ناچ رہی ہے۔"

ثمرین نے پرس سے کچھ تصویریں نکال کر زیب النساء کی طرف بڑھائیں۔ "یہ ہیں ہماری شادی کی تصویریں.......... اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ ان تصویروں میں ہم دونوں دلہا دلہن بنے ہوئے ہیں۔ کیا یہ تصویریں بھی جھوٹی ہیں۔ دیکھ کر بتائیں۔"

اویس نے چاہا کہ اس کے ہاتھ سے تصویریں جھپٹ لے۔ ثمرین پوری تیاری سے آئی تھی۔ اسے اس بری طرح شکنجہ میں کس لیا تھا کہ وہ نکل نہیں سکتا تھا۔

ثمرین نے اسے تصویریں جھپٹنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ تصویروں والا ہاتھ کمر کے پیچھے لے گئی تاکہ اویس چھین نہ لے۔

"اویس ایک منٹ صبر کرو مجھے تصویریں دیکھ لینے دو۔ جھوٹ کیا اور سچ کیا ہے اس کا پتا چل جائے گا۔" زیب النساء بولیں پھر انہوں نے ثمرین کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ "لاؤ.......... یہ تصویریں مجھے دو۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرے بیٹے نے تم سے واقعی شادی کی؟"

ثمرین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے زیب النساء کی طرف تصویریں بڑھا دیں۔ "آپ دیکھ لیں۔ تصویریں جھوٹ نہیں بولتی ہیں۔"

زیب النساء نے اس کے ہاتھ سے تصویریں لے کر انہیں ایک ایک کر کے دیکھنا شروع کیا۔ اسی اثناء میں نجمہ اور خالدہ اور دو تین عورتیں بھی ان کے قریب کھڑی ہو کر ان تصویروں کو دیکھنے لگیں۔ اویس کے بدن میں کاٹو تو لہو نہیں تھا۔ اس کی پوزیشن بڑی خراب ہو گئی تھی۔ ثمرین نے اس سے بڑا زبردست انتقام لیا تھا۔ اس کی ساری عزت خاک میں ملا دی تھی۔ شگفتہ کا پُراسرار طور پر شادی ہال سے غائب ہو جانا ثمرین کا اس کی جگہ آ جانا یہ سب کچھ بے حد پُراسرار بن گیا۔ دونوں کمروں میں محلے کی اور خاندان کی عورتیں بھی تھیں۔ ان کی نظروں میں وہ گر گیا تھا۔ اسے بڑی سبکی سی محسوس ہو رہی تھی۔

ایک خیال بجلی کے کرنٹ کی طرح اس کے ذہن میں آیا تو وہ بولا۔ "امی جان! اصل بات کیا ہے یہ میں بتاتا ہوں.......... یہ دراصل ایک ڈرامے کی تصویریں ہیں جو گزشتہ سال کیئرک ہال میں ہوا تھا ثمرین نے اس ڈرامے میں ہیروئن کا اور میں نے ہیرو کا رول ادا کیا تھا۔ آپ جانتی ہیں میں اسکول کے زمانے سے ڈراموں میں کام کرتا آ رہا ہوں۔ اب مجھے یہ بلیک میل کرنے آئی ہے۔"



"یہ باتیں تو بعد میں ہوتی رہیں گی۔" نجمہ بولی۔ "پہلے یہ تو اس سے معلوم کریں کہ شگفتہ کہاں ہے۔ اس نے ہمارے ساتھ یہ حرکت کیوں اور کس لئے کی ہے؟ اس کا شگفتہ سے کیا تعلق ہے؟ اس وقت ماں بیٹی کہاں ہیں؟"

"آپا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" خالدہ تائیدی لہجے میں بولی۔ "ہمارے ساتھ زبردست فراڈ کیا گیا ہے۔ ہمیں ان لوگوں کو بخشنا نہیں چاہئے۔"

"سب سے پہلے تو تمام عورتوں کو رخصت کر دیں۔" اویس نے کہا۔ "پھر ہم اس بلیک میلر عورت سے نمٹتے ہیں۔ اس سے شگفتہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔"

زیب النساء نے بڑی نرمی اور شائستگی سے تمام عورتوں کو رخصت کر دیا۔ یہ ساری محلے کی تھیں جو یہ سنسنی خیز اور حیرت ناک واقعہ دیکھنے کے لئے رک گئیں تھیں۔ یوں تو وہ شگفتہ کو دیکھنے کے لئے رکی تھیں لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور نکل آیا تھا۔ ان عورتوں کے جانے کے بعد نجمہ باہر کا دروازہ بند کر کے چلی آئی۔ اویس نے ثمرین کو کرخت لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اب تم اپنی یہ اداکاری' ڈرامہ بازی اور بلیک میلنگ بند کرو۔ بالکل سچ سچ بتاؤ کہ شگفتہ کے غائب ہونے کا کیا ڈرامہ ہے؟ ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ تم اس کی جگہ کیوں اور کیسے آگئیں..........؟"

"آپ مجھ پر تہمت لگا رہے ہیں۔" ثمرین تیزی سے کہنے لگی۔ "آپ جھوٹ بول کر میری کردار کشی کر رہے ہیں لیکن یہ بات آپ یاد رکھیں کہ آپ نے جو اپنی صفائی پیش کی ہے اس کے بارے میں اوپر والا جانتا ہے کہ سچ کیا ہے۔ جھوٹ کیا ہے۔ آپ مجھے اور دنیا والوں کو دھوکا تو دے سکتے ہیں لیکن اللہ کو نہیں۔ نہ میں کوئی ڈرامہ بازی کر رہی ہوں اور نہ بلیک میلنگ نہ یہ تصویریں کسی ڈرامے کی ہیں۔ کسی دن دودھ اور پانی الگ ہو جائے گا۔ آپ کا اصل چہرہ آپ کے گھر والے بھی دیکھ لیں گے۔ میں تو یہاں اپنے حقوق حاصل کرنے آئی ہوں۔"

"پھر تم نے اپنی بکواس شروع کر دی۔" اویس نے بگڑتے ہوئے برہمی سے کہا۔ "میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔"

"میں ایک روز یہاں آئی تو اس روز آپ کے ہاں مہندی کی تقریب تھی۔ چراغاں ہو رہا تھا۔ جشن اور عید کا سا سماں تھا۔ میں نے ایک عورت سے پوچھا جو آپ کی پڑوسی تھی۔ اس نے بتایا کہ آپ کی شادی شگفتہ نامی لڑکی سے ہو رہی ہے۔ اتفاق سے اس وقت ایک ٹیکسی میں تین چار لڑکیاں آپ کی مہندی لے کر لڑکی والوں کے ہاں سے آئی ہوئی

تھیں۔ ان کی واپسی کے وقت میں ان کا تعاقب کرتی ہوئی لڑکی کے گھر پہنچی۔ دوسرے دن میں ان کے ہاں پہنچی۔ شگفتہ کی والدہ افروزہ آنٹی اور شگفتہ کو میں نے آپ کے بارے میں بتایا کہ آپ نے مجھ سے شادی کر کے جی بھرنے تک ساتھ رکھا پھر ایک چودہ برس کی لڑکی سے شادی کر لی اور مجھے طلاق دینا چاہتے تھے کہ میں روپوش ہو گئی۔ آنٹی نے مجھ سے ثبوت مانگا میں نے بطور ثبوت نکاح نامہ اور یہ تصویریں دکھا دیں۔ پھر انہوں نے مجھے دلاسا دیا کہ میں صبر کروں۔ آنٹی نے کہا کہ تمہارا شوہر مجھے اس لئے پسند نہیں کہ وہ ایک راشی افسر ہے۔ اس نے مجھ پر ایک ایسا احسان کیا ہے کہ میں کبھی اتار نہیں سکتی ہوں۔ شگفتہ اس سے شادی کرنے پر اس لئے آمادہ ہوئی کہ اس نے نیک آدمی بننے اور رشوت لینا بند کرنے کا عہد کیا لیکن اس نے ہم سے ریاکاری اور منافقت کی۔ وہ اب بھی رشوت لے رہا ہے۔ میں اور شگفتہ اسے سبق دینے کا سوچ رہی تھیں کہ تم آگئیں۔

"آنٹی نے ایک ایسے شخص کی مدد حاصل کی جس نے ایک منصوبے کے تحت نہ صرف شادی ہال بلکہ آپ کے ہاں کی بجلی بھی اُڑا دی۔ جس وقت ہال کی بجلی چلی گئی تھی اس وقت میں نے اور شگفتہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ میں شگفتہ کی جگہ آ گئی۔ افروزہ آنٹی اور شگفتہ ہال کے دوسرے راستے سے نکل گئیں۔ یہ ہے ساری کہانی۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں۔" ثمرین نے یاسیت سے کہا۔

"تم یہاں سے ابھی اور اسی وقت چلی جاؤ۔" اویس نے ترختے لہجے میں کہا۔ "میں تو تم سے بعد میں نمٹوں گا پہلے شگفتہ اور آنٹی افروزہ سے نمٹ لوں گا۔ ماں اور بیٹی میرے ہاتھ سے کہاں بچ کر جائیں گی۔ انہوں نے میرے ساتھ جو مذاق کیا ہے اس کا مزہ چکھا کر رہوں گا۔"

اویس کے کہنے پر نجمہ اور خالدہ' ثمرین کو دھکے دے کر باہر نکالنے کے لئے بڑھیں تو ثمرین بولی۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود چلی جاتی ہوں لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ آپ نے جس طرح دوسری لڑکیوں کی زندگی تباہ و برباد کی ہے' ان کی بددعاؤں سے آپ بچ نہیں سکیں گے۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ آپ کو اپنے کئے کی بہت بڑی سزا ملے گی۔ آپ کو شگفتہ کبھی نہیں ملے گی۔"

ثمرین اتنا کہہ کر بستر سے اتری اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ خالدہ اس کے پیچھے لپک گئی تاکہ باہر کا دروازہ بند کر سکے۔ اس کے جانے کے بعد اویس نے کہا۔ "یہ ایک نیم پاگل اور نفسیاتی مریضہ ہے۔ میں ابھی اور اسی وقت ماں بیٹی کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ میں



ان دونوں کو ایسی سزا دوں گا کہ ساری زندگی بھول نہیں سکیں گی۔ ان دونوں نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ ناقابل معافی ہے۔"

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس لڑکی کے چکر میں مت پڑو۔ افروزہ بیگم نے جو شرائط پیش کی ہیں اس میں ان کی کوئی چال ہے۔ وہ ریاکار لگتی ہیں۔ نمبر ایک فراڈی ہیں لیکن تم نے میری ایک نہ سنی۔ تم پر اس لڑکی کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ آخر سولہ سترہ لاکھ روپے کی چوٹ ماں بیٹی دے گئیں۔ اس کے علاوہ سوا لاکھ روپے کے زیورات بھی گئے جو میں نے اسے پہنائے تھے۔ مہندی پر تم نے ایک لاکھ روپے خرچ کر دیئے.......... اس سے کیا حاصل ہوا؟ ہم لوگ مذاق بن گئے۔ اس لڑکی ثمرین نے ہم سب کی عزت دو کوڑی کر کے رکھ دی۔ اب محلے میں ہمارا خوب مذاق اڑے گا۔ لوگ ہم پر ہنسیں گے۔"
زیب النساء نے ایک ہی سانس میں دل کی بھڑاس نکال دی۔

"وہ دونوں میرے ہاتھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی ہیں۔ نہ میرے پیسے ہضم کر سکتی ہیں۔ میں ان سے نہ صرف اپنی رقم معہ سود کے وصول کروں گا بلکہ ان سے بے عزتی کا بدلہ بھی لوں گا۔ مجھے شگفتہ سے ایسی امید ہرگز نہ تھی۔ میں تو اسے بہت اچھی لڑکی سمجھتا تھا۔"

"کتنی خوبصورتی اور ہوشیاری سے دلہن بدل دی گئی۔ ہمارے فرشتوں کو خبر نہ ہو سکی۔ ہم سب دھوکا کھا گئے۔" نجمہ نے حیرت سے کہا۔

"افروزہ آنٹی مجھے پہلی ہی ملاقات میں ایک آنکھ نہیں بھائی تھیں۔" خالدہ کہنے لگی۔ "ان کے چہرے سے ہی محسوس ہوتا تھا وہ بہت تیز اور کائیاں قسم کی ہیں۔ ان کے مجرمانہ ذہن کی وجہ سے ان کے شوہر نے انہیں اپنے گھر اور اپنی زندگی سے نکال دیا اس لئے وہ الگ رہ رہی ہیں۔"

"اب آپ کیا کریں گے بھائی جان؟" نجمہ نے پوچھا۔ "یہ شادی خانہ بربادی میں بدل گئی ہے۔ ہم تو محلے والوں اور رشتہ داروں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔"

"میں ابھی کپڑے بدل کر ماں بیٹی کی تلاش میں جا رہا ہوں۔" اویس نے جواب دیا۔

"رشید کہاں ہے؟ وہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔"

"اس وقت رات کا ایک بج رہا ہے۔ تمہارا ان کی تلاش میں جانا مناسب نہیں ہے۔" ماں نے کہا۔ "کل دیکھ لینا۔ رشید بہت پہلے ہی ان عورتوں کو ان کے گھروں کو پہنچانے گیا ہوا ہے جن کے ساتھ کوئی مرد نہیں آیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر میں آتا ہی ہوگا۔

کیوں اس سے کیا کام ہے؟"

"نہیں.......... میں کل نہیں بلکہ ابھی اور اسی وقت جاؤں گا۔" اویس نے کرخت لہجے میں کہا۔ "ہم پر ایک قیامت گزر گئی ہے میں گھر بیٹھ جاؤں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو گا آپ نہیں جانتی ہیں کہ اس وقت میری اندر سے کیا کیفیت ہو رہی ہے۔ رگوں میں لہو ابل رہا ہے۔ اپنا وجود انگاروں پر محسوس کر رہا ہوں۔ میں سوچ رہا تھا کہ رشید کو لے جاؤں.......... میں اس کا انتظار نہیں کروں گا۔ اکیلا ہی نکل جاؤں گا۔"

ماں اور بہنوں نے اسے سمجھایا کہ اتنی رات گئے نکلنا کسی طرح مناسب نہیں ہے لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ وہ کپڑے بدل کر اپنی موٹر سائیکل لے کر نکل گیا۔ سب سے پہلے وہ افروزہ بیگم کے مکان پر پہنچا۔ ایک بڑا سا تالا دروازے پر پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اتفاق سے اس کے موٹر سائیکل کی آواز سن کر پڑوسی نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا۔ وہ باہر آئے۔ اویس نے دیکھا وہ عمر رسیدہ شخص ہیں۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کے پڑوس میں افروزہ بیگم رہتی تھیں، وہ کہاں ہیں؟"

"انہوں نے آج صبح یہ مکان خالی کر دیا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "یہ مکان میرا ہے۔ میں نے انہیں کرائے پر دیا ہوا تھا۔"

"وہ کس لئے؟" اویس نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کل تک تو انہوں نے مکان خالی کرنے کے بارے میں مجھ سے نہیں کہا تھا۔"

وہ شخص بولا۔ "آج صبح انہوں نے بغیر کوئی وجہ بتائے، نوٹس دیئے بغیر ہی مکان خالی کر دیا اور ایک ماہ کا کرایہ دے کر چلی گئیں۔ میری بیوی کو شاید انہوں نے یہ بتایا تھا کہ وہ اپنے ذاتی مکان میں شفٹ ہو رہی ہیں۔"

"آپ کو ان کے مکان کا پتا معلوم ہے تو بتا دیں۔" اویس نے کہا۔ "مجھے ان سے ایک بے حد ضروری کام ہے اس لئے میں اتنی رات گئے آیا ہوں۔"

"نہ انہوں نے اپنا پتا بتایا اور نہ ہی ہم نے پوچھا۔ ہمیں اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ افروزہ بیگم ملنسار عورت نہیں تھیں۔"

اویس نے بغیر کسی تاخیر کے اسی وقت اپنی گاڑی دبائی اور اس مکان پر جا پہنچا جو نارتھ ناظم آباد میں تھا جسے اس نے خرید کر شگفتہ کے نام کیا ہوا تھا۔ اس مکان کے دو کمروں میں روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا تو تھوڑی دیر کے بعد اندر سے دو جوان لڑکے باہر آئے۔ انہوں نے اسے حیرت سے دیکھا تو اس نے ان لڑکوں سے



دریافت کیا۔ "اس مکان میں افروزہ بیگم رہتی ہیں نا؟ میں ان سے ملنے آیا ہوں۔"

"اس مکان میں ہم لوگ رہتے ہیں۔" ایک لڑکے نے جواب دیا۔ "کوئی ایک ہفتہ ہوا یہ مکان ہم نے مس شگفتہ سے بارہ لاکھ روپے میں خریدا ہے۔"

"کیا؟" وہ ششدر سا ہو گیا۔ اس کے سارے بدن میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی۔ "اس مکان کو بیچ دیا مجھے اس کا علم تک نہیں۔ آپ لوگوں کو مس شگفتہ کے گھر کا پتا معلوم ہے۔ دراصل میں ایک بہت ضروری کام کے سلسلے میں ان سے ملنے آیا تھا۔"

"نہیں، ہمیں ان کا پتا معلوم نہیں ہے۔ انہوں نے رجسٹری میں اپنا جو پتا لکھایا وہ نارتھ کراچی کا ہے۔ وہ کاغذات دیکھ کر میں بتا سکتا ہوں۔"

"وہ پتا تو میرے پاس بھی ہے۔" اس نے کہا۔ "اب وہ اس مکان میں بھی نہیں ہیں۔ اسے خالی کر گئی ہیں۔ میں وہیں سے ہو کر آ رہا ہوں۔"

اویس وہاں سے روانہ ہوا تو اس کے تن بدن میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ شگفتہ نے یہ مکان بیچ دیا تھا جیسے اس کے باپ کا تھا۔ اس نے یہ مکان شگفتہ کو بیچنے کے لئے تو خرید کر نہیں دیا تھا۔ شگفتہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ اس مکان کو کرائے پر اٹھا دے گی لیکن اس مکان کو بیچ کر اس نے دو لاکھ روپے کا منافع بھی کما لیا تھا۔ نقد رقم بارہ لاکھ کی مالک بن گئی تھی۔ یہ رقم اس نے بغیر ڈکار لئے ہضم کر لی تھی۔

☆======☆======☆

وہ اپنی موٹر سائیکل پر جا رہا تھا تو اس کا دماغ چولہے پر چڑھی ہانڈی کی طرح کھول رہا تھا۔ غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس کی نس نس میں خون ابل رہا تھا۔ دن کا وقت ہوتا، سڑک پر ٹریفک ہوتا تو وہ ایکسیڈنٹ کر بیٹھتا کیوں کہ کھولتے ہوئے دماغ کی طرح گاڑی بھی بے قابو ہو رہی تھی۔ اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ شگفتہ اور اس کی ماں اس کے ساتھ اتنا بڑا کھیل کھیلیں گی۔ حالانکہ اس نے ان کے ساتھ کھیل کھیلنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ اس نے جو ایک بساط بچھائی وہ الٹ گئی تھی۔ اسے لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ یہ سارا کھیل افروزہ بیگم ہی کھیل رہی تھی، لیکن اسے اس بات پر حیرت، دکھ اور غصہ تھا کہ شگفتہ اپنی ماں کے اس گھناؤنے کھیل میں شریک کیوں ہو گئی؟ پھر اسے اچانک ثمرین کا خیال آیا۔ سارے فساد کی جڑ تو ثمرین تھی۔ ثمرین نے ہی ماں بیٹی کو اس کے خلاف بہکایا، ورغلایا، بھڑکایا تھا۔ پھر اسے خیال آیا کہ ثمرین تو ان سے شادی سے تین دن پہلے ملی تھی۔ شگفتہ نے تو مکان دس بارہ دن پہلے ہی فروخت کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک

منصوبے کے تحت ہی شگفتہ اس سے شادی کرنے کے لئے تیار ہوئی تھی۔ اس کے سامنے کڑی شرائط پیش کر دی تھیں۔ پھر انہوں نے ثمرین کو چارہ بنایا تھا۔ ثمرین نے ان کا ساتھ دیا۔ ثمرین کی وجہ سے اس کے گھر والے بے عزت ہو کر رہ گئے تھے۔

آج جو واقعہ پیش آیا تھا وہ اس قدر تلخ اور بھیانک تھا کہ وہ سوچتے ہوئے بار بار جھنجلا رہا تھا۔ اس کا دل قابو سے باہر ہو چکا تھا اور دماغ پر ہتھوڑے برس رہے تھے۔ اس کی حالت ایک سلگتی ہوئی بھٹی کی سی تھی جس کی گہرائیوں میں سینکڑوں ہزاروں آتش فشاں لاوا اگل رہے تھے۔ اسے ایک عورت نے کھلے میدان میں چیلنج کر دیا تھا۔

اویس نے اندر ہی اندر تپتے ہوئے سوچا۔ کیا وصل کی رات' سہاگ اور سپنوں کی رات' ارمانوں بھری رات' زندگی کے ایک نئے سفر کے آغاز کی رات' ایسی تلخ' بھیانک اور دل خراش ہوتی ہے؟ کیا کسی کی زندگی میں ایسی رات آئی ہو گی جیسی اس کی زندگی میں آئی ہے؟ اس وقت حجلۂ عروسی میں ہونے کے بجائے ویران اور سنسان سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا ہے۔ اپنی دلہن کو ڈھونڈنے کے لئے خاک چھان رہا ہے۔

آج جن کی شادی ہوئی ہو گی وہ اس وقت سپنوں جیسی حسین اور رنگین رات میں کھوئے ہوئے ہوں گے۔ جس روز سے اس کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تھی تب سے وہ سہاگ رات کا خواب دیکھتا ہوا آ رہا تھا۔ آج صبح بھی اس نے تصور میں حجلۂ عروسی میں شگفتہ سے باتیں کی تھیں۔ محبت کی باتیں۔ عہد و پیمان بھی کئے تھے لیکن اس تصور کی اسے تعبیر نہیں مل سکی تھی۔ ماں بیٹی نے بڑی سفاکی اور بے رحمی سے اس کے آبگینہ دل پر پتھر دے مارا تھا۔ اس کی کرچیاں اس کے وجود میں چبھ گئی تھیں۔ پھر اسے جمعہ خان کا خیال آیا۔ وہ ڈیفنس سوسائٹی جا کر اس سے صاحب کی بیوی بیٹی کی رہائش کا پتا پوچھ سکتا تھا۔ شاید اس کے صاحب کے ڈرائیور کے ذریعے سے وہ ان کے گھر کے پتے پر پہنچ جائے۔ شاید ماں بیٹی نے انہیں اپنی رہائش کے بارے میں بتایا ہو۔ لیکن اس وقت جانا مناسب نہیں تھا کیونکہ یہاں سے ایک گھنٹے کی مسافت تھی اور پھر راستے میں گشتی پولیس کی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ موٹر سائیکل سواروں کے سخت دشمن ہوتے تھے۔ وہ بلا وجہ روک کر دس قسم کے الٹے سیدھے سوالات کرتے تھے۔ مشکوک نظروں سے دیکھتے تھے۔ پریشان کرتے تھے۔ گو وہ سرکاری افسر تھا۔ اس کے پاس شناخت نامہ تھا لیکن وہ اس لئے بھی اس وقت جانا نہیں چاہتا تھا کہ وہ بے حد تھکا ہوا تھا اور پھر جانا بھی فضول تھا کیونکہ ڈرائیور کہیں اور رہتا تھا۔ اس وقت ڈرائیور کے گھر پر جانا مناسب نہیں تھا۔



وہ گھر واپس پہنچا تو اس کا بھائی اور بہنیں سو چکی تھیں۔ زیب النساء اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ انہوں نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ پورے گھر اور اس کے ماحول پر ایک سوگواری سی چھائی ہوئی تھی۔ وہ اپنی گاڑی کھڑی کر کے نشست گاہ میں آیا اور اس نے اپنے آپ کو بڑے صوفے پر گرا دیا۔ وہ اپنے کمرے میں جانا نہیں چاہتا تھا جو دلہن کی طرح سجایا ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں جانے کے خیال سے ہی وحشت سی ہو رہی تھی۔ اس نے صوفے پر نیم دراز ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس وقت اسے بڑی تھکن سی محسوس ہو رہی تھی۔

چند لمحوں کے بعد اس نے چاپیں سن کر اپنی آنکھیں کھول دیں۔ زیب النساء نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہوا بیٹے! اس کا کچھ پتا چلا؟ تم نے اسے کہاں کہاں تلاش کیا؟ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ اس وقت جا کر اسے ڈھونڈنا فضول ہے۔"

"میں پہلے تو اس کے گھر گیا اس پر تالا پڑا تھا۔ وہ مکان پڑوسی کا تھا جو اس نے انہیں کرائے پر دے رکھا تھا۔ مالک مکان نے بتایا کہ انہوں نے کوئی وجہ بتائے بغیر آج صبح اچانک مکان خالی کر دیا اور ایک ماہ کا کرایہ دے کر کہیں چلی گئیں۔ کہاں اور کس جگہ پر گئیں کچھ پتا نہیں چلا۔ میں اس مکان پر گیا جو دس لاکھ روپے میں خرید کر شگفتہ کے نام کیا تھا۔ شگفتہ نے دس بارہ دن پہلے وہ مکان بارہ لاکھ روپے میں فروخت کر دیا۔ اب ماں بیٹی کہاں ہیں یہ کل ہی پتا چل سکے گا۔ ان کا پتا صاحب کے ڈرائیور سے ملے گا۔"

"ایک بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ماں بیٹی کو ایسی گھٹیا اور پنچ حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" زیب النساء کہنے لگیں۔ "تمہارے جانے کے بعد سے میں یہی بات مسلسل سوچ رہی تھی' ایک ارب پتی باپ کی بیٹی کو کیا یہ زیب دیتا ہے کہ ہماری عزت سے کھیلے۔ کسی لڑکی نے آ کر ان کے کان بھرے ہمارے خلاف بھڑکایا اور بہکایا تو کیا ان کا یہ فرض نہیں بنتا تھا کہ ہم سے آ کر بات کرتیں۔ اپنا شک دور کرتیں۔ پوچھتیں کہ اس میں کتنی صداقت ہے۔ اس کے برعکس ایک اجنبی لڑکی کی باتوں پر یقین کر لیا۔ فریب دینے سے تو بہتر تھا کہ شادی سے انکار کر دیتیں۔ یہ حرکت تو نہ کرتیں۔ شادی سے انکار کر دیتیں تو اس قدر دکھ نہ ہوتا جو اب ہو رہا ہے اور غصہ بھی آ رہا ہے۔ جی چاہ رہا ہے کہ ماں بیٹی کا منہ نوچ لوں۔"

"تم نے ایک نئی خبر سنائی ہے کہ ماں بیٹی نے وہ مکان بیچ دیا جو بیٹی کے نام کیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ فریب سے حق مہر کی رقم بھی پہلے ہی وصول کرلی تھی۔ کاش! ہمیں ذرا پہ
کسی نہ کسی طرح علم ہو جاتا کہ ان کے کیا ارادے ہیں تو اس کی نوبت ہی پیش نہ آتی
شگفتہ کے باپ نے ایسی بیچ حرکتوں کی وجہ سے اپنی بیوی کو الگ کر رکھا ہوگا۔ ماں نے بی
کو خراب کرکے رکھ دیا ہے۔ یہ بیٹی بھی کیسی ہے جو ماں کے اشاروں پر چل رہی ہے۔"

"میں سوچتا ہوں تو میرا دماغ بھی کچھ کام نہیں کرتا ہے۔ اب اس معمے کو کل ہی
حل کرسکتا ہوں۔ مجھے سونے دیں مجھے نیند آرہی ہے۔"

اویس بیدار ہوا تو صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ پورے گھر پر خاموشی اور ویرانی سی
طاری تھی۔ زیب النساء کے کمرے سے باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ عورتیں
شاید ان سے ملنے اور کل کے واقعے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے آئی ہوئی
تھیں۔ وہ منہ دھو کر ناشتا کئے بغیر گھر سے نکل گیا۔ اس کا جی اچھا نہیں تھا۔ اس کی حالت
اس ہارے ہوئے جواری کی سی تھی جس کے پاس داؤ پر لگانے کے لئے کچھ نہیں بچا تھا۔

جمعہ خان کو اس نے کل کے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اس کی زبانی پتہ
چلا کہ صاحب امریکہ سے نہیں لوٹے ہیں۔ پھر اس نے رسمی باتوں کے بعد ڈرائیور کے
بارے میں پوچھا۔ وہ سرونٹ کوارٹر میں تھا۔ اویس نے شگفتہ کا پتا مانگا تو اس نے فوراً ہی
ایک کاغذ پر لکھ دیا۔

پتا گلشن اقبال کے ایک فلیٹ کا تھا۔ اسے سمرین اپارٹمنٹ ڈھونڈنے میں کوئی دقت
نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دھڑکتے دل سے اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ چند
ثانیوں کے بعد دروازہ کھلا۔ اس کے سامنے ایک حسین اور نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔ اویس
نے اسے فوراً ہی پہچان لیا۔ یہ وہی لڑکی تھی جسے اس نے اس روز شگفتہ کے ساتھ گاڑی
میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "فرمائیے! آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"میں شگفتہ صاحبہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اویس نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں
مرکوز کرکے بڑی آہستگی سے کہا تاکہ شگفتہ اور افروزہ بیگم اس کی آواز سن کر چھپ نہ
جائیں۔ اس لڑکی کو دیکھ کر اسے یقین آگیا کہ شگفتہ اور اس کی ماں اندر ہوں گی جبھی یہ
لڑکی شگفتہ سے ملنے آئی ہے۔

"جی میں شگفتہ خان ہوں۔" اس لڑکی نے جواب دیا۔ "میں آپ کی کیا خدمت کر
سکتی ہوں؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

"آپ شگفتہ ہیں؟" اسے یقین نہیں آیا۔ اویس کو لگا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔



مسٹر نذیر احمد خان کی صاحب زادی.........."

"جی ہاں......... میں وہی شگفتہ خان ہوں۔ پلیز آپ اندر تشریف لائیں۔ باہر
کھڑے ہو کر باتیں کرنا مناسب نہیں لگ رہا ہے۔" وہ شائستگی سے بولی۔

اویس چکرا گیا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا چکر ہے۔ یہ لڑکی اپنے آپ
کو نذیر احمد خان کی بیٹی بتا رہی ہے۔ وہ الجھا ہوا سا اندر داخل ہوا۔ لڑکی اسے نشست گاہ
میں لے آئی۔ یہ تین کمروں کا نہایت آراستہ و پیراستہ اور بے حد صاف ستھرا فلیٹ تھا۔
فرش پر قالین بچھے ہوئے تھے۔ ہر کمرا ائرکنڈیشنڈ تھا۔ ٹیلی فون تھا۔ چھبیس انچ کا بڑا اور
خوبصورت رنگین ٹیلی ویژن ٹرالی پر رکھا ہوا تھا۔ فریج اور ڈیپ فریزر بھی تھا۔ اس خواب
ناک ماحول سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ صاحبِ حیثیت لوگ ہیں۔ اندر کے کمرے سے ایک
عورت فاخرانہ لباس میں ملبوس نشست گاہ میں آئی۔ چالیس برس کے لگ بھگ عمر تھی۔
اس لڑکی کی ماں لگ رہی تھی۔ لڑکی نے اویس سے کہا۔ "آپ میری ممی برجیس خان
ہیں۔"

اویس نے انہیں سلام کیا۔ عورت نے بیٹی کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں سوالیہ
تھیں۔ لڑکی اپنی ماں سے بولی۔ "آپ مجھے پوچھتے ہوئے آئے ہیں۔ انہیں یقین نہیں آرہا
ہے کہ میں شگفتہ ہوں۔ میں نے ان کی تسلی کرانے کے لئے اندر لاکر بٹھایا ہے۔"

"یہ میری بیٹی شگفتہ ہے اور میں اس کی ماں ہوں۔" عورت بولی۔ "آپ کو کس
لئے یقین نہیں آرہا ہے؟ آپ کو یہاں کا پتا کس نے اور کیوں دیا؟"

"بات یہ ہے کہ مجھے جمعہ خان نے بتایا کہ شگفتہ' صاحب کی بیٹی ہیں۔ وہ اپنی ممی
کے ساتھ رہتی ہیں۔ ایک روز گاڑی میں' میں نے انہیں ایک اور لڑکی کے ساتھ دیکھا
تھا۔ جمعہ خان اس لڑکی کا نام نہیں جانتا تھا۔ ان کے ساتھ جو لڑکی بیٹھی تھی اس کا نام
شگفتہ ہے۔ یہ میں جانتا تھا۔ میں جمعہ خان کے بتانے سے غلط فہمی میں مبتلا ہوگیا کہ یہ وہ
شگفتہ ہیں اور صاحب کی بیٹی ہیں۔"

"اوہ......... اب میں سمجھی کہ بات کیا ہے؟" شگفتہ خان متبسم ہو کر بولی۔ "آپ
شاید اس شگفتہ کی بات کر رہے ہیں جو دارالامان اور بیوٹی پارلر میں ملازمت کرتی ہے۔ وہ
تو میری عزیز از جاں سہیلی ہے۔ اتفاق ہے ہم دونوں کا نام شگفتہ ہے۔ وہ بھی پٹھان
خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔"

"جی ہاں......... دراصل میں انہی شگفتہ سے ملنے آیا تھا مجھے غلط فہمی ہو گئی۔

اویس کہنے لگا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ کا نام بھی شگفتہ ہی ہے۔ جمعہ خان نے مجھ سے کہا تھا کہ شگفتہ نذیر احمد خان صاحب کی بیٹی ہیں۔ آئی ایم ساری۔ میری وجہ سے آپ کو زحمت ہوئی۔"

"آپ کو کس طرح سے اور کیسے غلط فہمی ہو گئی تھی کہ میری سہیلی شگفتہ نذیر احمد خان صاحب کی بیٹی ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"ایک روز میں ڈیفنس سوسائٹی میں اس گلی سے گزر رہا تھا جہاں آپ کے والد کی کوٹھی ہے۔ ایک گاڑی میرے سامنے سے گزر کر آپ کے والد کی کوٹھی میں داخل ہوئی تھی۔ آپ اور اس شگفتہ کو میں نے دیکھا۔ میں اس شگفتہ سے دو ایک دن پیشتر مل چکا تھا۔ اتفاق سے آپ کے والد کی کوٹھی کا چوکی دار جمعہ خان میرے دفتر میں کبھی ملازمت کرتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ گاڑی میں یہ دونوں لڑکیاں کون تھیں۔ اس نے مجھ سے کہا کہ ایک تو صاحب کی بیٹی شگفتہ ہیں۔ دوسری ان کی سہیلی ہے۔ میں ان کے نام سے واقف نہیں ہوں۔ مجھے آپ کا نام معلوم نہیں تھا۔ میں نے آپ کی سہیلی شگفتہ کو نذیر صاحب کی بیٹی سمجھ لیا۔ اس نے بتایا تھا کہ کسی وجہ سے آپ اور آپ کی امی الگ رہتی ہیں۔ کبھی کبھی آپ کے والد آپ کو گھر گاڑی بھیج کر بلا لیتے ہیں۔ اتفاق سے وہ شگفتہ بھی اپنی امی کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ اس بنا اور اتفاق پر میری غلط فہمی کو مزید تقویت پہنچی۔"

"اب تو وضاحت سے بات اور صاف ہو گئی۔" وہ کہنے لگی۔ "میری سہیلی کا نام جمعہ خان تو کیا ڈرائیور بھی نہیں جانتا ہے اس لئے کہ وہ اس روز پہلی بار میرے ساتھ گھر آئی تھی۔ اچھا آپ یہ بتائیں کہ آپ میری سہیلی کو کب سے اور کیسے جانتے ہیں؟"

"ایک روز رات کے وقت میں نے مس شگفتہ کی امی کو اپنی جان پر کھیل کر غنڈوں کے ہاتھوں سے بچالیا تھا۔" اویس نے جواب دیا۔ "پھر میں انہیں ان کے گھر چھوڑنے گیا تھا تو وہاں آپ کی سہیلی سے ملاقات ہو گئی تھی۔ اس ملاقات کے بعد میں نے شگفتہ کو آپ کو ساتھ دیکھا تھا۔"

"ادہ.......... تو آپ اویس صاحب ہیں؟" وہ خوش ہو کر گرم جوشی سے بولی اور اس نے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیا۔ "آپ نے پہلے کیوں نہیں اپنا تعارف کرایا؟ شگفتہ اور اس کی امی نے بھی آپ کی بہادری' خلوص اور جذبے کی بڑی تعریف کی۔ آپ کا کارنامہ بھی سنایا۔"



"وہ تو میں نے اپنا فرض ادا کیا تھا۔" اویس نے انکساری برتی۔ "میری جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔"

"نہتے ہو کر تین مسلح بدمعاشوں سے مقابلہ کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔" برجیس خان نے کہا۔ "واقعی بہت عظیم شخص ہیں۔ آپ جیسا جذبہ ہر شخص میں موجود ہونا چاہئے۔ میں نے جب افروزہ بیگم اور شگفتہ کی زبانی آپ کا کارنامہ سنا تو میرے دل میں آپ سے ملنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ آج عجب اتفاق ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔"

"آپ شگفتہ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں؟" وہ بولی۔ "آپ اس کے گھر چلے جاتے وہاں اس کی امی بھی تو ہوتی ہیں۔"

"میں کل ان کے گھر پر گیا تھا ملنے کے لئے۔" اویس نے کہا۔ "گھر پر تالا تھا۔ پڑوسی نے بتایا کہ وہ مکان خالی کر کے چلی گئی ہیں۔ وہ کہاں اور کس محلے میں گئی ہیں بتا کر نہیں گئی تھیں۔ اچانک کیوں مکان خالی کر دیا یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ میں غلط فہمی میں کہ وہ نذیر خان صاحب کی صاحب زادی ہیں' آپ کے والد کی کوٹھی پر پہنچا ڈرائیور نے مجھے یہاں کا پتا لکھ کر دیا۔ یہاں آ کر میری غلط فہمی دور ہو گئی۔"

"آپ شگفتہ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔ "کیا اس سے بہت ضروری کام آن پڑا ہے؟"

"میری والدہ اس سے ملنا چاہتی ہیں۔" اویس نے جھوٹ بولا۔ "وہ ایک ضرورت مند اور پریشان حال عورت کو دارالامان داخل کرانا چاہتی ہیں۔ شگفتہ اس عورت کو اس ادارے میں داخل کرا سکتی ہیں۔ وہ ایک غریب بے سہارا اور بیوہ بھی ہے۔"

"آپ شگفتہ سے دارالامان یا بیوٹی پارلر جا کر کیوں نہیں ملتے؟ اس سے مل کر اس کے گھر کا پتا لے لیں۔ ایک منٹ ٹھہریں میں اسے ابھی فون کر کے اس سے نئے گھر کا پتا لے لیتی ہوں۔ حیرت ہے اس نے مجھے شفٹنگ کے بارے میں نہیں بتایا۔"

وہ اٹھ کر ٹیلی فون والی میز کی طرف جانے لگی تو ایک پل کے ہزارویں حصے میں اس نے سوچا اس کے ٹیلی فون کرنے سے شگفتہ کو خبر ہو جائے گی کہ وہ یہاں موجود ہے پھر وہ اپنا پتا ہرگز نہیں بتائے گی۔ بہتر تو یہ ہے کہ وہ خود ہی پہنچ جائے اس طرح شگفتہ سے اس کی ملاقات ہو جائے گی۔ اس نے فوراً کہا۔ "مس خان! ٹیلی فون مت کریں میں خود ہی جا کر ان سے مل لوں گا۔"

وہ ٹیلی فون کی میز کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اپنا ہاتھ ریسیور کی طرف اٹھا بھی لیا تھا۔ اویس کی بات سن کر پلٹی پھر ریسیور کریڈل پر رکھتی ہوئی بولی۔ "میرے خیال میں یہ زیادہ مناسب رہے گا۔ ویسے بھی دارالامان کا نمبر بڑی مشکل سے ہی ملتا ہے۔"

"اچھا اب اجازت دیں۔" اویس نے کھڑے ہوتے ہوئے اجازت چاہی۔ "میں زحمت دینے پر معذرت خواہ ہوں۔"

"پلیز! آپ تشریف رکھیں۔" وہ اس کے پاس آکر بولی۔ "آپ چائے یا ٹھنڈا پئے بغیر نہیں جائیں گے۔ نہ ہی جانے دوں گی۔"

"آپ تکلف نہ کریں۔" اویس نے ٹالنا چاہا۔ اسے شگفتہ کے پاس جانے اور اس سے ملنے کی جلدی ہو رہی تھی اس کے اندر اضطراب کی لہر اٹھی۔ اسے خوف سا ہو رہا تھا کہ کہیں شگفتہ وہاں سے نکل کر چلی نہ جائے۔ اسے پہلے خیال نہ آیا تھا ورنہ وہ اب تک وہاں جا چکا ہوتا۔

"تکلف کی بات نہیں ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "شگفتہ کو جب یہ معلوم ہو گا کہ میں نے آپ کی کوئی خاطر تواضع نہیں کی تو میری شامت آجائے گی۔ آپ اس کی امی کے محسن ہیں اس لحاظ سے ہمارے بھی محسن ہیں۔ ہم اور شگفتہ کے گھر والے الگ الگ نہیں ہیں۔"

وہ چائے بنانے چلی گئی۔ اویس اس کی ممی سے باتیں کرنے لگا۔ وہ تھوڑی ہی دیر میں چائے بسکٹ نمکو اور پیسٹری لے آئی۔ پیزا بھی تھا۔ چائے کے دوران اویس اس کی پُرلطف باتوں اور ان کی محبت سے محظوظ ہوتا رہا۔ ان کی سادگی، خلوص، شخصیت اور اپنائیت کے انداز نے بہت متاثر کیا تھا۔ ماں اور بیٹی میں غرور اور تکبر بالکل بھی نہیں تھا۔ وہ لگتی ہی نہیں تھیں کہ ارب پتی ہیں۔ وہ اس سے بہت فری ہو کر باتیں کرتی رہی تھیں۔ جب وہ وہاں سے نکلا تو اس نے دل میں سوچا کہ کاش! اس کا رشتہ اس شگفتہ سے ہو جاتا۔ شادی ہو جاتی کتنا اچھا ہوتا۔ یہ بھی کسی قیامت سے کم نہیں ہے۔ جمعہ خان کی وجہ سے اسے دھوکا اور غلط فہمی ہوئی تھی کہ شگفتہ نذیر احمد خان کی بیٹی ہے۔ ورنہ وہ اتنا بڑا جوا نہیں کھیلتا۔ اس نے ستاروں پر کمند ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ اسے ہر قیمت پر شگفتہ کو تلاش کرنا تھا۔ اس کے نہ ملنے کی صورت میں وہ رقم اور اس سے بھی محروم ہو کر رہ جاتا۔

اویس دارالامان پہنچا تو پتا چلا کہ شگفتہ لمبی رخصت پر گئی ہوئی ہے۔ بیوٹی پارلر پہنچا تو



وہاں بھی اسے یہی بتایا گیا تھا۔ گھر واپس جاتے ہوئے جب وہ قومی بچت کے مرکز کے سامنے سے گزرنے لگا تو اس نے دل میں سوچا ڈیفنس سرٹیفکیٹ کے بارے میں کیوں نہ پتا کرتا چلے۔ آیا وہ شگفتہ کے پاس ہیں یا اسے بھی ٹھکانے لگا دیا گیا۔ اس نے اس دفتر سے سرٹیفکیٹ لے کر شگفتہ کو دیئے تھے۔ یہاں پر اس کا دوست کام کرتا تھا۔ اس نے چیک کر کے بتایا کہ پانچ دن پہلے انہیں کیش کرا لیا گیا ہے۔ اس کا خدشہ درست ثابت ہوا تھا۔ یہاں بھی اس نے ہاتھ کی صفائی دکھا دی تھی۔

جلتی پر تیل گر گیا تھا۔ اس کے اندر نفرت اور انتقام کی جو آگ تھی وہ بھڑک اٹھی تھی۔ شگفتہ اور اس کی ماں نے پورے پندرہ لاکھ روپے ہتھیا لئے تھے۔ فریب دہی کی تھی۔ یہ ایک طرح کی ڈکیتی کی واردات تھی۔ پھر ایک خیال کے تحت وہ ویڈیو فلم والے کے پاس پہنچا تاکہ فلم کیسٹ جلد سے جلد حاصل کر سکے۔ اس میں شگفتہ اور اس کی ماں کی فلم بھی تھی۔ یہ شادی کا ثبوت تھا۔ ویڈیو والے نے بتایا کہ آج صبح ہی لڑکی کی ماں آکر لڑ جھگڑ کر اس سے شادی کی ویڈیو کیسٹ لے گئی۔ پھر وہ قاضی صاحب کے ہاں پہنچا۔ شگفتہ کی ماں وہاں سے بھی نکاح نامے کی تمام کاپیاں مہر لگوا کر لانے کے بہانے لے گئی تھی۔ ماں بیٹی نے کوئی کونہ نہیں چھوڑا تھا۔ انہوں نے ہر کام ایک منصوبہ بندی کے تحت کیا تھا۔ وہ دنگ ہو کر رہ گیا تھا۔

جب اس نے گھر پہنچ کر ماں اور بہنوں کو تفصیل سے ساری باتیں بتائیں تو زیب النساء اس سے تلخ لہجے میں بولی۔ "تم اپنی غلط فہمی اور جلد بازی کی وجہ سے ڈوبے ہو۔ اس میں سارا قصور تمہارا اپنا ہے۔ جب اس عورت نے کڑی شرائط پیش کی تھیں جبھی میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ مجھے ماں ایک نمبر فراڈی محسوس ہوئی تھی وہ نہ صرف لاکھوں کی رقم لے گئی بلکہ زیورات بھی لے گئی۔ تم ہاتھ ملتے رہ گئے۔"

"میں ماں بیٹی کو کسی قیمت پر بخشوں گا نہیں۔ انہیں دو ایک دن میں تلاش کر کے ڈھونڈ نکالوں گا۔ جیل کی ہوا کھلا دوں گا۔" وہ غصے سے بولا۔

"میرا خیال تو یہ ہے کہ ماں بیٹی یہ شہر چھوڑ کر اندرون سندھ، بلوچستان یا پنجاب چلی گئی ہوں گی۔" زیب النساء بولیں۔ "زندگی گزارنے کے لئے پندرہ لاکھ کی رقم ماں بیٹی کے لئے بہت ہے۔ بینک یا قومی بچت میں ڈپازٹ کرانے سے ماہانہ بیس ہزار روپے تو مل جایا کریں گے۔"

"آپ نے مس شگفتہ خان کو اس کی سہیلی اور ماں کے فریب اور کرتوتوں کے

بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" نجمہ بولی۔
"اس لئے کہ میں ایک بار شگفتہ سے مل کر اصل حالات معلوم کرنا چاہتا ہو
افروزہ بیگم نے ہی بیٹی کو خراب کیا اور بہکایا ہے۔"
"میرے خیال میں تو بات ثمرین کی وجہ سے بگڑی ہے۔" خالدہ نے اپنا خیال ظا
کیا۔ "آپ ثمرین سے مل کر ماں بیٹی کا پتا معلوم کریں وہ آپ کے بہت کام آسکتی ہے۔
آپ نے اسے دھتکار دیا لیکن اب بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"
"کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں ایک مکار' فریبی اور کمینی عورت کی مدد لوں جس نے
سب کی عزت خاک میں ملانے کی کوشش میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی؟" اویس کا پارہ چ
گیا۔ "وہ ایک نمبر کی فراڈی ہے۔ وہ مجھے اپنا شوہر بتا رہی ہے۔ بلیک میل کر رہی ہے۔
کبھی گھر آئے تو اسے اندر گھسنے نہیں دینا جوتے مار کر نکال کر دینا۔ اگر تم اس کی چکن
چپڑی باتوں میں آگئیں تو وہ اس گھر کے سکون کو غارت کر کے رکھ دے گی۔"
اویس دس بارہ دن تک شہزاد کو اپنے ساتھ لے کر ماں بیٹی کو شہر کے چپے چپے
تلاش کرتا رہا۔ اس نے کوئی محلہ نہیں چھوڑا۔ دکان داروں سے پوچھا۔ چھوٹے بڑے
بازاروں میں بھی جاکر معلوم کیا۔ اسے رقم سے زیادہ شگفتہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا غ
تھا۔ رقم کے بارے میں وہ اتنا فکر مند نہیں تھا کیونکہ یہ رشوت کی رقم تھی اس کے جانے
کا اسے اتنا درد نہیں ہوا تھا جتنا شگفتہ کے ہاتھ نہ آنے کا تھا۔ اس کے پاس ابھی رقم کی کو
نہیں تھی۔ جتنی رقم گئی تھی اس سے زیادہ رقم تو وہ ڈیڑھ دو مہینے میں آسانی سے پیدا کر
سکتا تھا۔

شہزاد کا کہنا بھی وہی تھا جو اس کی ماں کا تھا۔ ماں بیٹی اندرون ملک چلی گئی ہیں۔ وہ
کراچی میں ہوتیں تو ابھی تک کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتیں۔ اس نے سوچا تھا کہ
لاہور' پنڈی اور اسلام آباد جاکر انہیں تلاش کرے پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی
کر دیا کیونکہ کسی دوسرے شہر اور صوبے میں جاکر ماں بیٹی کو تلاش کرنا آسان نہ تھا اور پھر
اس میں دن بھی بہت لگ سکتے تھے۔ پھر اس نے تھک ہار کے ماں بیٹی کی تلاش ترک کر
دی لیکن جب بھی وہ کسی بس اسٹاپ' بازار' تفریحی مقامات اور شادی بیاہ کی تقریب میں
جاتا تو وہاں موجود عورتوں میں اسے تلاش کرتا تھا۔ اسے نہ افروزہ بیگم دکھائی دیں نہ شگفتہ
لیکن اسے اس بات کی امید ضرور تھی کہ کسی دن افروزہ بیگم یا شگفتہ اس سے طلاق کے
لئے رابطہ قائم کریں گی۔ اس سے طلاق لئے بغیر شگفتہ شادی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اس



ا نکاح شگفتہ سے شرعی ہوا تھا۔
ثمرین اس روز جو ہنگامہ کھڑا کر کے گئی تھی اس کے بعد اس نے بھی اپنی شکل
کھائی نہیں تھی۔ ایک گہری خاموشی ثمرین کی طرف سے بھی تھی جو اسے کسی طوفان کا
یش خیمہ لگ رہی تھی۔ اس نے شہزاد سے کہہ رکھا تھا کہ کوئی انمول یا نایاب چیز دکھائی
ے تو اسے ضرور بتائے کیونکہ عورت کے بغیر وہ زندگی گزارنے کا عادی نہیں ہے۔ زیب
النساء نے اسے چھ سات حسین لڑکیوں کی تصویریں دکھائی تھیں۔ وہ بے حد پُرکشش
ھیں۔ ان میں سے کسی ایک سے شادی کر کے زندگی گزارنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بندھ
جاتا اس کے لئے اسے طلاق دینا ناممکن ہو جاتا۔

☆======☆======☆

ایک روز رات کے وقت وہ گھر پہنچا تو زیب النساء اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ کھانے سے فراغت کے بعد اس کا بھائی اور بہنیں ٹی وی لاؤنج میں ڈش پر پروگرام دیکھنے چلی گئیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا کسی کے تصور میں کھویا ہوا تھا کہ زیب النساء کمرے میں آگئیں۔

"تمہیں اپنی شادی کی فکر نہیں ہے تو بہنوں کی شادی کی فکر تو کرو۔" زیب النساء نے تیز و تند لہجے میں کہا۔ "نجمہ کے لئے حیدر آباد سے ایک رشتہ آیا ہے۔ یہ رشتہ، رشتہ لگانے والی عورت لائی ہے۔ لڑکا بینک میں سیکنڈ کلاس افسر ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال کیا ہو سکتا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ "اگر یہ رشتہ آپ کو پسند ہے، اچھا لگتا ہے تو پھر بسم اللہ کر دیں۔ دیر مت کریں۔"

"لڑکا دیکھے بغیر ہی آنکھیں بند کر کے ہاں کر دوں؟" وہ تنک کر بولیں۔ "کیا لڑکیوں کے رشتے اس طرح ہوتے ہیں؟"

"لڑکا بینک میں ملازمت کر رہا ہے اور کیا چاہئے؟ اس کی تنخواہ بھی اچھی ہو گی۔ بینک میں تنخواہ بہت اچھی ملتی ہے۔ بینک میں کام کرنے والے لڑکوں کے رشتے نصیب سے آتے ہیں۔ کیا لڑکے والوں نے لڑکی پسند کر لی ہے؟"

"صرف تنخواہ اور ادارہ نہیں دیکھا جاتا ہے۔" وہ تڑ سے بولیں۔ "شکل و صورت، اخلاق اور کردار بھی دیکھا جاتا ہے۔ محلے والوں سے پوچھا جاتا ہے کہ لڑکا کیسا ہے۔ لڑکے والوں نے آج آکر لڑکی پسند کر لی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ لڑکا آکر دیکھ جائیں۔"

"آپ ایسا کریں کہ رشید کو ساتھ لے کر حیدر آباد چلی جائیں۔ لڑکا پسند آجائے تو منگنی اور شادی کی تاریخ طے کر آئیں۔" اس نے مشورہ دیا۔

"رشید کی عمر ہی کیا ہے!" زیب النساء نے برہمی سے کہا۔ "سولہ سترہ برس کی عمر کا ہے۔ بہنوں سے چھوٹا ہے اس میں وہ بات اور شعور نہیں ہے جو بڑوں میں ہوتا ہے۔ تم باپ کی جگہ ہو۔ تم جا کر لڑکے کو بینک میں دیکھو پھر محلے میں جا کر معلومات کرو۔ پھر لڑکے



والوں کے ہاں بھی جاؤ۔ لڑکا پسند آجائے تو پھر منگنی اور شادی طے کر لینا۔ میں تمہارے ساتھ اس لئے چل نہیں سکتی ہوں کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے.......... میں پیر کے دن صبح جا کر شام کو لوٹ آؤں گا۔" اس نے کہا۔ "میں پھر نہیں جاؤں گا کیونکہ دفتر کے کام کا حرج ہوتا ہے۔"

"میں چاہتی ہوں کہ تمہارا رشتہ بھی طے ہو جائے۔ بھائی بہن کی شادی ایک ہی دن میں ہو جائے۔ ایک بہت پیاری لڑکی میری نظر میں ہے۔"

"دو تین برس تک میری شادی کا نام نہ لیں۔" اویس نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "میرا دل ٹوٹ چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ نجمہ اور خالدہ کی شادی جتنی جلد ہو سکے ہو جائے۔ رشتہ لگانے والی عورت سے کہیں کہ وہ خالدہ کے لئے بھی کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈ کر لائے۔"

اویس شادی کے لئے تیار ہو جاتا اگر اس نے زاہدہ کو دیکھ نہ لیا ہوتا۔ یہ ایک نیا شکار تھا۔ گو وہ شگفتہ کے مقابلے کی نہیں تھی لیکن ایسی بھی نہ تھی کہ شبستان سجایا نہ جائے۔ ایسے شکار ذرا کم ہی ہاتھ لگتے تھے۔ اویس کبھی کبھی اپنے دوست ستار بھائی کی دکان پر وقت گزارنے اور شکار کی تلاش میں آجاتا تھا۔ یہ محلے کے بازار کی دکان تھی۔ ستار بھائی سنار تھے۔ کوئی ان کی دکان پر سونا بیچنے یا گروی رکھنے آجاتا تھا۔ کوئی کسوٹی پر پرکھوا لیتا تھا۔ شام کا وقت تھا وہ اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا۔ ستار بھائی سونے کی پرکھ میں مصروف تھے۔ ایک عورت اپنا زیور کسی مجبوری کے تحت بیچنے آئی تھی۔ دکان کے سامنے ایک رکشا آکر رکا۔ اس میں دو برقع پوش عورتیں تھیں۔ اس نے دونوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ ایک عورت تو فربہی مائل بدن کی تھی۔ اس نے اپنا جسم اور چہرہ نقاب میں چھپایا ہوا تھا۔ ہاتھ پیر گورے گورے تھے۔ وہ عورت اپنی جسامت سے عمر والی لگ رہی تھی۔ دوسری جو تھی وہ چودہ پندرہ برس کی لگ رہی تھی۔ اس نے رکشا سے اترنے سے پہلے اندر ہی نہایت احتیاط اور اہتمام کے ساتھ سر پاؤں تک برقعے کو سنبھالا۔ اویس تو اب عمر اور تجربے کے اس دور سے گزر رہا تھا جب خط کا مضمون لفافہ دیکھ کر ہی بھانپ جایا جاتا ہے۔ یہاں تو مضمون کے عنوان میں مرمریں انگلیاں اور مکھن سے پاؤں برقع سے باہر سامنے تھے۔ دبیز برقع کی تہوں سے اویس نے اس کے باریک سے باریک خدوخال تک پڑھ لئے اور پھر کچھ نہ سہی اویس کو مورنی سی چال اور قیامت کی موزونی، قد ہی سب کچھ بتانے کے لئے بہت کافی تھا۔ جب وہ رکشا سے اتر کر رقص کے انداز میں دکان

کی طرف آنے لگی تو اویس کو برقع کے اندر بہت کچھ کہہ گئی۔ ستار بھائی تو پکے سونے بھٹی میں تپا کر پرکھتے رہے۔ اویس نے کچھ قدموں کے فاصلے سے کچی چاندی پرکھ لی۔

برقعے میلے کچیلے تھے، ان میں سے جھانکتا ہوا لباس بھی عام اور میلا میلا سا تھا۔ غربت تو نیچے سے اوپر تک ٹپک رہی تھی۔ وہ دکان میں اندر داخل ہو کر ایک طرف کو ہو گئی تھیں۔ ستار بھائی ایک وقت میں ایک ہی گاہک نمٹا سکتے تھے کیونکہ سونے کا معاملہ تھا۔ اویس سمجھ گیا تھا کہ مجبوری انہیں یہاں کھینچ لائی ہے۔ وہ کوئی چیز بیچنے آئی ہیں۔ ایسا شکار سر راہ کہیں دکھائی دیتا تو وہ چارہ ڈال دیتا۔ کسی دکان پر ایسی فتوحات میں کئی دن لگ جاتے اور موقع تلاش کرنے کے بعد ایک مہم سی سر کرنی پڑتی لیکن اب جو مہم سامنے تھی اسے سر کرنے کے لئے مزاج میں ٹھنڈک اور ٹھہراؤ ضروری تھا۔ وہ برسوں سے سانپ پر سانپ مارتا چلا آ رہا تھا۔ لاٹھی کبھی نہ ٹوٹی تھی۔ ستار بھائی کو اس کی زندگی کے دوسرے رخ کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ یہاں اسے اپنی کامیابی محال دکھائی دے رہی تھی۔ کوئی تدبیر تقدیر کے ساتھ ہم آغوش ہوتی ہوئی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ گاہک عورت چلی گئی تو وہ دونوں کاؤنٹر کی طرف بڑھیں۔

عورت نے برقعے کے اندر ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی ایک پوٹلی تھی۔ اسے کھولا تو اس میں سونے کی دو چوڑیاں تھیں بہت پرانی اور آب و تاب سے محروم، مگر سونا تو سونا ہی ہوتا ہے۔ ستار بھائی ان چوڑیوں کو کسوٹی پر پرکھ رہے تھے۔ وہ چاندی کو دیکھ رہا تھا جس میں سونے سے کہیں زیادہ آب و تاب چمک تھی۔ بدن ایسا بھڑکیلا کہ لباس اور برقعے میں چھپا نہ رہ سکا تھا۔

اسی وقت مغرب کی اذان ہوئی تو اس کی خوش قسمتی کا در جیسے کھل گیا۔ ستار بھائی نے دونوں عورتوں کو اسٹولوں پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ چوڑیاں واپس کرتے ہوئے بولے۔ "میں مغرب کی نماز پڑھ کر دس منٹ میں آتا ہوں پھر آپ سے بات ہوگی۔"

ستار بھائی دکان ہی نہیں بلکہ ان دونوں کو بھی جیسے اس کے حوالے کر گئے تھے۔ راستہ صاف اور نہایت آسان سا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا رخ ان کی طرف کر کے ہمدردی اور اپنائیت کے لہجے میں پوچھا۔ "خاتون! آپ اتنی اچھی چوڑیاں کس لئے بیچ رہی ہیں؟"

"اس لئے کہ مکان کا چھ ماہ کا کرایہ ادا کرنا ہے۔" عورت نے دل گرفتہ لہجے میں جواب دیا۔ "میرے شوہر چھ ماہ سے بیمار ہیں۔"

"کیا چوڑیاں بیچنے سے یہ مسئلہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا.......... پھر کیا کریں گی؟



کیا اور بھی سونے کا زیور ہے؟"

"یہ آخری چوڑیاں رہ گئی تھیں جو بیچ رہی ہوں۔" وہ گہری سانس لے کر بولی۔ "اتنی رقم تو مل جائے گی کہ چھ ماہ کا کرایہ ادا کرنے کے بعد دو تین ماہ کا کرایہ اور تین چار ماہ کے گزارے کے لئے رقم بچ جائے گی، جب تک میرے شوہر کو انشاء اللہ ملازمت مل جائے گی۔"

"آپ کے گھر میں کل کتنے افراد ہیں؟" اس نے پوچھا۔ "ان چوڑیوں سے کتنی رقم ملنے کی امید ہے؟"

"کل چار افراد ہیں۔ یہ میری سب سے بڑی بیٹی ہے۔ آٹھویں جماعت میں زیر تعلیم ہے۔ ایک دس سال کا لڑکا ہے وہ پانچویں جماعت میں پڑھ رہا ہے۔ ایک ہم میاں بیوی ہیں۔" وہ بولی۔ "ان چوڑیوں کی فروخت سے سات آٹھ ہزار روپے مل جائیں گے۔"

"یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ سات آٹھ ہزار روپے مل جائیں گے؟ یہ آپ کا اندازہ ہے، اس کے چھ ہزار روپے سے زیادہ نہیں ملیں گے۔"

"ہم نے ایک دکان دار کو چوڑیاں دکھائی تھیں اس نے سات ہزار آٹھ سو روپے لگائے تھے۔ ہم ستار بھائی کے پاس آئے ہیں کیونکہ ستار بھائی بڑے نیک اور شریف آدمی ہیں۔ وہ بہت اچھی قیمت دیتے ہیں امید ہے کہ آٹھ ہزار روپے سے اوپر مل جائیں۔"

"ایسا کریں.......... آپ چوڑیاں فروخت نہ کریں۔" اویس نے کہا۔ "چوڑیاں بہت اچھی ہیں کسی اور وقت کام آ سکتی ہیں۔"

"چوڑیاں نہیں بیچیں گے تو کرایہ کہاں سے دیں گے؟ کھائیں گے کہاں سے؟ اس کے علاوہ دکان داروں کا قرض بھی سر پر ہے۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں میں آپ کا مسئلہ حل کر دوں گا۔ آپ مجھے گھر کا پتا دے کر سیدھے گھر جائیں میں پیچھے پیچھے آ رہا ہوں۔"

"لیکن ہمارے پاس ایک دھیلا بھی نہیں ہے۔ نہ بس میں جا سکتی ہیں نہ رکشا میں۔" اس عورت کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔

"کرایہ مجھ سے لے جائیں۔" اویس نے پیڈ اور قلم لڑکی کی طرف بڑھایا۔ "اس پر پتا لکھ دیں۔ صحیح پتا لکھیں۔ مکان نمبر بھی ہو۔"

لڑکی نے پتا لکھنے کے لئے چہرے سے نقاب الٹا تو وہ اس کے چہرے کو نظروں کی گرفت میں لئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔ یہ کچی کلی تھی جو پوری آب

و تاب سے کھل رہی تھی۔ معصومیت رخصت ہو رہی تھی' بچپن جوانی کو راہ دے
تھا۔ لڑکی کی لکھائی اچھی اور صاف نہ تھی۔ تیسری جماعت کی سی لکھائی تھی تاہم اس نے
اپنا پورا پتا ٹھیک لکھا تھا۔ پڑھا جا رہا تھا۔

اویس نے اپنے بٹوے سے پچاس روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔
اس نے عورت سے اس کا نام پوچھا تو عورت نے اپنا نام رقیہ' لڑکی کا نام رفیہ اور اپنے
شوہر کا نام شرافت بتایا۔ پھر وہ دکان سے اسے سلام کرتی ہوئی نکلیں' اور ایک خالی رکشہ
روک کر اس میں سوار ہو کر چلی گئیں۔ یہ عورت اپنا زیور بیچنے کے لئے شاہ فیصل کالونی
سے آئی تھی۔ یہ کالونی یہاں سے بہت دور تھی۔

ستارہ بھائی مغرب کی نماز پڑھ کر آئے تو ان عورتوں کو دکان میں نہ پاکر حیرت کا
اظہار کیا۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ کل آئیں گی۔ انہیں بہت جلدی تھی۔ ستارہ بھائی نے
اسے بتایا کہ یہ عورت رقیہ غریب گھرانے کی ہے۔ کوئی ڈیڑھ دو برس سے کوئی نہ کوئی
زیور لا کر بیچتی رہتی ہے۔ اس نے اب تک اپنی شادی کا بہت سارا زیور لا کر بیچ دیا ہے۔
اب چوڑیوں کی باری آئی تھی۔ جانے واپس کیوں چلی گئی جبکہ وہ اسے بہت اچھی قیمت
دیتے ہیں۔ اس لئے بھی کہ اس کے زیور کا سونا ایک نمبر کا اور کھرا ہوتا ہے۔ مجبوریاں
بھی کتنی بری چیز ہوتی ہیں۔

جب وہ اس عورت کے گھر پہنچا تو گھر میں ماں بیٹی کے سوا کوئی نہ تھا۔ دونوں بے
پردہ ہی اس کے سامنے آگئی تھیں۔ ان کا سخت پردہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ بیٹی بلا کی حسین
تھی۔ اس کا اندازہ تو اسے دکان پر ہی ہو گیا تھا۔ ماں بھی کم نہ تھی۔ اس نے عورت کو
دلاسا دیا کہ وہ اس کے شوہر کو تین چار ہزار روپے کی ملازمت دس بارہ دن میں دلا دے
گا۔ دو دن کے بعد آکر مکان کا کرایہ بھی ادا کر دے گا۔ گھر کے خرچ کے لئے دو تین ہزار
روپے بھی الگ دے گا۔ کل سہ پہر کے وقت وہ اپنے شوہر کو لے کر اس کے فلیٹ پر
آجائے۔ گھر سے نکلتے وقت اس نے دو سو روپے لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیئے جو تھوڑی
دیر پہلے آیا تھا۔ ماں کے کمرے سے جانے کے بعد وہ اس لڑکی رفیہ کے بارے سوچنے لگا۔
یہ گھر کچھ ایسے حالات کا شکار تھا کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر سکتے تھے۔ وہ لڑکی کے
باپ کو کسی بھی پرائیویٹ فرم میں صرف ایک ٹیلی فون کر کے ملازمت دلا سکتا تھا لیکن
ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ ماں بیٹی جب ستار بھائی کی دکان پر آئی تھیں
اس قدر سخت پردہ کئے ہوئے تھیں کہ چہرہ بالکل بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ رقیہ نے بیٹی



کے ہاتھ میں دس روپے کا نوٹ دے کر اس کے لئے سموسے منگوائے تو بیٹی بے پردہ ہی
باہر نکل گئی تھی۔ جس وقت وہ مکان سے باہر آکر اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر رہا تھا رقیہ
دروازے پر باہر کھڑی تھی اس نے دوپٹہ بھی ٹھیک سے نہیں اوڑھا ہوا تھا۔ گلی میں
مردوں کی آمدورفت تھی۔ پردے کا یہ تضاد اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

اس نے رقیہ اور اس کے شوہر کو فلیٹ پر تین بجے سے چار بجے کے درمیان آنے
کا وقت دیا تھا۔ وہ اپنے فلیٹ پر دو بجے ہی پہنچ گیا تھا۔ مغرب کی اذان تک میاں بیوی
نہیں آئے تو اسے تشویش سی ہوئی چونکہ اس کی اپنی غرض تھی' اس لئے وہ رقیہ کے
مکان پر پہنچا وہاں پہنچ کر اسے پتا چلا کہ ماں بیٹی کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ ماں بیٹی
گھروں میں ماسی کا کام کرتی تھیں وہاں سے زیور چرا کر دور دراز کی دکانوں پر لے جاکر بیچ
دیتی تھیں۔ تین دن پہلے ماں بیٹی نے ایک گھر سے دو چوڑیاں چرائی تھیں۔ گھر والوں کی
رپورٹ پر پولیس نے رقیہ کے گھر پر چھاپہ مارا تو مسروقہ مال برآمد ہو گیا تھا۔ ماں بیٹی نے یہ
اعتراف کیا تھا کہ وہ کوئی دو برس سے سونے کے زیورات چوری کر کے بیچتی چلی آرہی
ہیں۔ جب بھی وہ چوری کا کوئی زیور بیچنے دکان پر جاتی تھیں یہ تاثر دیتی تھیں کہ وہ تنگ
دستی اور بعض مجبوریوں کی بنا پر شادی کا زیور بیچ رہی ہیں۔

اویس اپنے دل میں سوچے بغیر نہیں رہ سکا کہ کراچی میں کیسے کیسے فن کار بھرے
پڑے ہیں۔ اس نے دل میں شکر ادا کیا کہ وہ بال بال بچ گیا۔ کل اس کی موجودگی میں گھر
پر چھاپہ پڑ جاتا تو وہ عورت اور اس کی بیٹی اسے کسی مصیبت میں پھنسا سکتی تھیں۔

☆======☆======☆

پیر کے دن اویس اپنی بہن نجمہ کے رشتے کے سلسلے میں کوچ سے حیدر آباد روانہ ہو
گیا۔ حیدر آباد پہنچنے تک وہ سارا راستہ شگفتہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ تین مہینے کا
عرصہ گزر چکا تھا۔ شگفتہ اور اس کی ماں کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا لیکن وہ اب بھی خاموش
نہیں بیٹھا تھا۔ ان کی تلاش جاری تھی۔ زخم تازہ تھا جیسے کل ہی لگا ہو۔ وہ ناامید اور
مایوس نہیں ہوا تھا۔ اس کا دل کہتا تھا کہ شگفتہ کراچی میں ہوئی تو ایک روز ضرور اس سے
ملاقات ہو گی کب تک چھپے گی کیری پتوں کی آڑ میں۔ وہ شگفتہ کی گہری اور ہم نام سہیلی
سے اس کے بارے میں دریافت کرنے اور اپنے اعتماد میں لے کر سب کچھ بتانے اس کے
فلیٹ پر گیا تھا۔ پتا چلا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ کچھ عرصے کے لئے لندن گئی ہوئی ہے۔ وہ
مل جاتی تو اس کی مشکل حل ہو جاتی۔ اس کی شگفتہ اسے مل جاتی۔ وہ شگفتہ کے لئے آج

بھی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔
زیب النساء نے رشتہ لگانے والی عورت کے توسط سے لڑکے والوں کو اطلاع دے دی تھی کہ وہ لڑکے کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے لئے بینک پر آ رہا ہے۔ وہ حیدر آباد کے بس اسٹاپ پر اتر کے بینک چلا گیا جو قریب ہی تھا۔ وہ لڑکے سے ملا‘ اس سے کچھ دیر باتیں کیں۔ لڑکا اسے اچھا لگا۔ بہت پسند آیا۔ اس کا اور نجمہ کا جوڑ بہت اچھا تھا۔ اب لڑکے کے بارے میں لڑکے کے محلے میں جاکر معلوم کرنا اور اس کا گھر بھی دیکھنا تھا۔ وہ بینک سے رکشا لے کر لطیف آباد چھ نمبر آ گیا۔

وہ مکانوں پر پڑے ہوئے نمبر دیکھتا جا رہا تھا اسے مکان نمبر دو سو بیس کی تلاش تھی۔ دو سو نمبر کے مکانوں کی قطار تھی وہ مکان نمبر دو سو بارہ پر سے گزرتے ہوئے ایک دم سے ٹھٹک کے رک گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک پل کے لئے دھند سی چھا گئی۔ دھند چھٹی تو اس نے دیکھا اس مکان کے ایک کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ پورے کمرے کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ سنگھار میز کے سامنے ایک بے حد جوان عورت جو گلابی ساڑھی میں ملبوس تھی کھڑی ہوئی اپنے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ وہ بہت حسین تھی۔ اتنی حسین تھی کہ اسے چاند دیکھے تو شرمائے۔ یہ مہ جمال کوئی اور نہ تھی اس کی اپنی شگفتہ تھی اس کی بیوی تھی۔ اس کا حسین سپنا تھی۔ اس کی وہ منزل تھی جس کو پانے کو وہ پُل صراط سے گزر رہا تھا مگر دوسری طرف فریبی اور دغا باز بھی تھی۔ چھلاوہ تھی۔ شگفتہ نے اسے بڑی خوبصورتی سے بے وقوف بنایا تھا۔ صحرائی لومڑی تھی۔ پُراسرار طور پر غائب ہو گئی تھی مگر اب وہ بچ کر نہیں جا سکتی تھی۔ وہ دروازے کی طرف تیزی سے بڑھا۔

پھر وہ دو قدم چل کر ٹھٹک کے رک گیا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ کہیں یہ کوئی اور لڑکی تو نہیں ہے؟ کہیں اس کی نظروں کو دھوکا تو نہیں ہوا ہے۔ یہ شگفتہ کے بجائے کوئی اور لڑکی ہوئی تو پھر لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ کیونکہ یہ لڑکی سفید شلوار قمیض میں نہیں بلکہ ساڑھی اور بلاؤز میں تھی۔ اس بات کا بھی تو امکان ہو سکتا ہے اس لڑکی کی شباہت شگفتہ سے ملتی جلتی ہو۔ مکان میں داخل ہونے اور دستک دینے سے پہلے اسے اچھی طرح سے اپنا اطمینان اور تسلی کر لینا چاہئے۔ پھر وہ گھوم کر اس جگہ آ گیا جہاں سے اس نے کمرے کے اندر جھانکا تھا۔

اس نے اس طرح سے بہت ہٹ کر کھڑکی سے جھانکا کہ لڑکی کی نظر اس پر نہ پڑ سکے۔ وہی پری چہرہ‘ حسن و جمال کا مجسمہ‘ ریشمی گھٹاؤں میں گھرا مہتاب‘ ہاں وہی تھی۔



اس کے دل کی دھڑکن۔ اسے اس لمحے ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ مہینوں کے بعد نہیں بلکہ صدیوں کے بعد اس کے سامنے موجود ہے۔

یہ شگفتہ ہی تو تھی۔ وہ کیسے دھوکا کھا سکتا تھا اس کی تصویر دل کے نہاں خانے میں نقش تھی۔ وہ سحر زدہ سا ہو کر شگفتہ کو دیکھ رہا تھا جیسے وہ جاگتے میں کوئی سہانا خواب دیکھ رہا ہو۔ اس کے دل میں جو غصہ اور نفرت تھی وہ یک لخت مٹ گئی تھی۔ ساری کثافت ڈھل گئی تھی۔ شگفتہ کے چہرے کی معصومیت نے اس پر سکتے کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ وہ بے حس و حرکت کھڑا تھا اور اس کے پیر جیسے زمین میں گڑ کر اس کا ایک حصہ بن گئے تھے۔

اس نے شگفتہ میں ایک نمایاں تبدیلی محسوس کی تھی۔ آج وہ سفید براق لباس میں نہ تھی جو اس کا مخصوص پہناوا تھا۔ اس نے گلابی رنگ کی ساڑھی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہنا ہوا تھا جس میں اس کا حسن پھوٹا پڑ رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اتنی جلدی یہ نمایاں تبدیلی کیسے۔ جب اس نے پہلی بار شگفتہ کو دیکھا‘ پھر جب دوسری بار بھی ملا تھا تو اس پر کسی کلی کا دھوکا ہوا تھا جیسے وہ مہکتی ہوئی کلی ہو۔ رات کی رانی ہو۔ مگر وہ اس ساڑھی میں تو شاداب بدن کی ایک حسین و جمیل عورت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے بدن میں ایک عجیب سا سحر انگیز گداز پیدا ہو گیا تھا۔ ریشم جیسا وجود لگ رہا تھا۔ بلاشبہ یہ روپ بڑا دل کش تھا۔ شاید اس لباس کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس لباس نے اس کی شخصیت کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

شگفتہ نے اسی لمحے کنگھی سنگھار میز پر رکھی اور اپنے دونوں ہاتھ پیچھے لے جا کر ناگن زلفوں کو سینے پر پھیلایا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ کالی کالی بدلیاں چھا گئی ہوں۔ پھر اس نے اپنے لمبے ریشمی سیاہ بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا پھر چوٹی کو بڑی نفاست اور سلیقے سے گوندھا پھر خوب اچھی طرح سے کس کر اس کا چھوٹا اور خوبصورت سا جوڑا بنا لیا جس نے اس کی جاذبیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا تھا۔

اویس مبہوت سا ہو کر شگفتہ کو دیکھتا رہا تھا۔ یک لخت اسے ہوش آیا۔ شگفتہ کو گھورنے سے وہ اس کی نظروں میں آ سکتا تھا۔ اس نے عجلت سے ایک طرف ہٹ کر اپنے آپ کو شگفتہ کی نظروں سے بچانے کی کوشش کی۔ کیونکہ شگفتہ سے نظریں چار ہونے کی صورت میں اسے خبر ہو جاتی پھر وہ اپنے بچاؤ کی کوئی ایسی تدبیر کرتی کہ وہ ہاتھ ملتا رہ جاتا۔ اس لئے وہ شگفتہ کی نظروں میں آنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تین یا چار قدم ہٹ کر ایک

ایسی جگہ پر کھڑا ہو گیا جہاں سے وہ شگفتہ کی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔

اویس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں۔ اس کی نس نس میں جو خوشی پھوٹی تھی اس کی جگہ خوف کی سرد لہر نے لے لی۔ پہلے تو اس کے جی میں آیا کہ وہ اس مکان کا دروازہ توڑتا ہوا اور دندناتا ہوا اندر داخل ہو جائے۔ پھر وہ منظر کیسا حیرت انگیز اور سنسنی خیز ہو گا جب شگفتہ اسے اپنی نظروں کے سامنے اچانک اور غیر متوقع پا کر بھونچکی ہو جائے گی اور اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آئے گا۔ کتنا اچھا موقع ہے۔ وہ اسے آج ابھی اور اسی وقت اپنے ساتھ لے کر جا سکتا ہے۔ اسے ساتھ لے جانے کا شرعی اور قانونی حق بھی بنتا ہے۔

اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف دامن گیر ہوا کہ شگفتہ کی ماں افروزہ بیگم نے شگفتہ کو ساتھ لے جانے نہیں دیا اور کوئی ہنگامہ کھڑا کر دیا تو وہ کیا کرے گا؟ یہ محلّہ اور علاقہ اس کے لئے اجنبی ہے۔ وہ اس بات کے امکان کو خارج نہیں کر سکتا تھا کہ شگفتہ شاید اپنی ماں کا ساتھ دے۔ ایسی صورت میں اس کی پوزیشن بڑی نازک ہو جائے گی پھر اسے یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر جانا پڑے گا۔

مگر شگفتہ تو اس کی اپنی ملکیت اور جیون ساتھی ہے۔ اس کا شگفتہ پر ہر طرح کا حق ہے۔ کچھ بھی ہو وہ اسے ہر قیمت پر ساتھ لے جائے گا۔ کیونکہ وہ اس کی جائز بیوی ہے اسے ساتھ لے جانے اور شگفتہ کے چلنے کا دارومدار شگفتہ پر ہے۔ اس کی وہ بیوی ہو۔ کی ضمانت دے دے تو پھر اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی۔ شگفتہ کو اپنی بیوی ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس جو گواہ ہے وہ شگفتہ ہی ہے۔ اگر شگفتہ نے اس کے حق میں گواہی دے دی تو پھر افروزہ بیگم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی ہیں اور نہ راستے کا پتھر بن سکتی ہیں۔ بالفرضِ محال شگفتہ نے اپنی ماں کا ساتھ دیا تو وہ محلے والوں پر کیسے ثابت کر سکتا ہے کہ شگفتہ اس کی بیوی ہے۔ اس کے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے جس سے وہ شگفتہ کو اپنی بیوی ثابت کر سکے۔ شگفتہ کی ماں نے تو ساری جڑیں کاٹ دیں۔ اس کے پندرہ سولہ لاکھ روپے بغیر ڈکار لئے ہضم کر لئے۔ وہ ان کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ سوچتے ہی اس کا جوش و خروش اور عزم و حوصلہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اس کے لئے اس وقت اپنے آپ کو شگفتہ کا شوہر ثابت کرنا بہت مشکل تھا۔ عورتوں کے مقابلے میں کوئی اس کی سنتا نہیں۔ مانتا نہیں۔ وہ اس پر ہر لحاظ سے بھاری پڑ جاتیں۔ دبا کر رکھ دیتیں۔



اویس نے ان باتوں پر سوچتے اور غور کرتے ہوئے دروازے کی طرف قدم بڑھایا۔ اب وہ صرف سوچتے رہنے میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے چند قدم طے کئے تھے کہ اسے خیال آیا کہ شگفتہ کی ماں گھر پر ہونے کی صورت میں اس کی راہ میں مزاحم ہو سکتی ہے۔ شاید گھر میں اور لوگ بھی ہوں گے جو اسے اکیلا پا کر اور سرکشی کرتا ہوا دیکھ کر اس کی پٹائی کرنے یا جان لینے کی کوشش کریں۔ اس کے پاس کوئی ایسی چیز تو ہونی چاہئے جس سے وہ مداخلت اور اپنی حفاظت کر سکے۔ نہتا گھر میں داخل ہونا کسی بھی لحاظ سے مناسب اور بہتر نہ تھا۔ اسے کسی چیز کی ضرورت ہو گی۔

اس ایک خیال کے آتے ہی وہ ایک دم سے ٹھٹک گیا پھر وہ تیزی سے گھوما۔ اس نے یہاں آتے ہوئے راستے میں بہت بڑا بازار دیکھا تھا جس میں ہر قسم کی دکانیں تھیں۔ اس نے بازار پہنچ کر ایک تیز دھار کا خوف ناک قسم کا چاقو خریدا جو بٹن دبانے سے ایک جھٹکے سے کھل جاتا تھا۔ اس نے چاقو کو اچھی طرح سے کاغذ میں لپیٹ لیا تاکہ کسی کو اس پر چاقو کا دھوکا نہ ہو۔ اس چاقو کو بڑی احتیاط سے اپنی جیب میں اس طرح رکھ لیا کہ اسے نکالنے میں آسانی ہو۔

جس وقت وہ شگفتہ کے گھر کے سامنے رکا اس کی ایک عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ اس نے کبھی ایسی کیفیت محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے بہ دقت تمام اپنی دگرگوں حالت پر قابو پایا۔ اس نے دروازے پر دستک دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس میں رعشہ پیدا ہوا۔ پھر اس نے وقفے وقفے سے دروازے پر دستک دی۔

چند لمحوں کا انتظار بھی اس کے لئے جان لیوا بن گیا تھا۔ اس نے پیروں کی چاپیں سنیں جو گھر کے اندر کی خاموش فضا میں ابھری تھیں اور پھر دروازے کے پاس پہنچ کر ڈوب گئیں۔ اس نے اپنے سینے میں سانس رکتی ہوئی محسوس کی۔ دوسرے لمحے فضا میں کانوں میں رس گھولنے والی آواز لہرائی۔ ”کون ہے بھئی؟“

اویس کے پاس اس سوال کا جواب تھا مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ شگفتہ اس کی آواز سن کر دروازہ نہیں کھولتی۔ اس لئے خاموشی ہی بہتر تھی۔ وہ گنگ سا ہو کر پتھر کے منجمد مجسّمے کی طرح کھڑا رہا۔ اسے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ دروازہ کھلتے ہی جیسے بم پھٹ جائے گا۔ شگفتہ کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔ وہ حیرانی کے پہاڑ تلے دب کر رہ جائے گی۔

اندر چٹخنی گری پھر دروازہ کھلا۔ اس کی نظروں کے سامنے شگفتہ موجود تھی۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے میں پیوست ہوئیں۔ نہ تو کوئی بم پھٹا اور نہ کوئی دھماکا ہوا۔ شگفتہ

کے حسین چہرے پر کسی خوف اور حیرت کی پرچھائیں تک نہ تھیں۔ نہ وہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکی تھی۔

"فرمایئے؟" اس نے ساڑھی کا پلو شانے پر درست کرتے ہوئے بڑی اجنبیت سے پوچھا۔ "آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"کس سے ملنا ہے؟" اویس نے چونک کر اسے گھورا۔ پھر وہ حیرت آمیز استہزائی لہجے میں بولا۔ "آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟ میں اویس ہوں۔"

"اویس صاحب!" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرانی بھر گئی مگر چہرہ سپاٹ سا تھا۔ "معاف کیجئے.......... میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔"

اس کا آخری جملہ بھالا بن کر اویس کے دل میں اتر گیا۔ اسے شگفتہ سے اس دیدہ دلیری اور ریاکاری کی توقع نہیں تھی۔ شگفتہ کے اس طرح ڈھٹائی سے مکر جانے پر اس کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی لیکن یہ دیکھ کر اسے شدید حیرانی ہو رہی تھی کہ شگفتہ کے چہرے اور آنکھوں میں عیاری کا شائبہ تک موجود نہیں ہے۔

اویس کو احساس ہوا کہ بیٹی بھی ماں سے عیاری میں کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ اپنی ماں سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ کتنی بڑی اداکارہ ہے۔ کتنی شان دار اور خوبصورت اداکاری کر رہی ہے اسے پہچاننے سے صاف انکار کر رہی ہے۔ کس قدر انجان اور بھولی سی بن رہی ہے۔

اویس نے اس کی بات کو مذاق پر محمول کیا۔ اس نے اپنی حیرت اور غصے کو دباتے ہوئے تمسخر سے پوچھا۔ "کیا آپ نے واقعی مجھے نہیں پہچانا؟"

"سچ پوچھئے تو مجھے کچھ یاد نہیں آرہا ہے کہ آپ کون ہیں؟ آپ سے کب ملاقات ہوئی۔ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

"بڑی حیرت کی بات ہے کہ آپ نے مجھے نہیں پہچانا؟" اویس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "میں کراچی سے آیا ہوں۔ اب تو یاد آگیا ہوگا؟"

"معاف کیجئے گا اویس صاحب!" اس کے حسین چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ "میں بہت شرمندہ ہوں کہ مجھے آپ کے بارے میں کچھ یاد نہیں آرہا ہے۔"

اویس فضول قسم کی رسمی باتوں میں اپنا وقت نہیں ضائع کرنا چاہتا تھا۔ اس کے نزدیک ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ وقت ضائع کرنا حماقت تھی۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ شگفتہ گھر پر اکیلی ہے' اور کوئی فرد موجود نہیں ہے۔ ہوتا تو اب تک سامنے آچکا ہوتا۔



اسے ایک سنہرا موقع ہاتھ آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سیدھی انگلی سے کبھی گھی نہیں نکلتا ہے۔ اب جبکہ اچانک اور غیر متوقع منزل سامنے آگئی تھی۔ وہ نامراد ہو کر جانا نہیں چاہتا تھا۔

اس کی اداکاری' ریاکاری اور منافقت نے اویس کو مشتعل کر دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ شگفتہ اسے بے وقوف بنا رہی ہے۔ وہ اس لئے اسے پہچاننے سے انکار کر رہی ہے کہ حساب بے باق کرنا ہوگا۔ وہ پندرہ سولہ لاکھ روپیہ جو لے کر اُڑی ہے دینا پڑیں گے اور پھر اس کے ساتھ جانا پڑے گا۔ یک لخت اس پر وحشیانہ پن سوار ہو گیا۔ چہرہ لال ہو کر خوف ناک دکھائی دینے لگا اور پھر اس کی آنکھوں سے سفاکی جھانکنے لگی۔ وہ اویس کی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا سی گئی۔ اس کا حسین چہرہ پیلا پڑ گیا اور پھر سفید ہوتا چلا گیا۔ اویس اس کی طرف جارحانہ انداز سے بڑھا تو وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑی۔ پھر وہ بدحواس سی ہو کر تیزی سے پیچھے ہٹی۔ وہ سخت متوحش سی ہو رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ فوراً ہی دروازہ بند کر دے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر جیسے ہی دروازہ بند کرنا چاہا اویس نے پیر آگے بڑھا کر دروازے میں پھنسا دیا۔ اس سے پل بھر کی بھی تاخیر ہو جاتی تو دروازہ بند ہو چکا ہوتا پھر اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے دروازے کو اس قدر زور سے دھکا دیا کہ دروازہ ایک شور کے ساتھ کھل گیا۔ وہ فرش پر جا گری اور بکھر سی گئی۔

اویس نے اندر داخل ہوتے ہی بجلی کی سی سرعت سے دروازے کو اندر سے بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ جب اویس چٹخنی لگا کر پلٹا تو اتنی دیر میں وہ سنبھل چکی تھی اور کھڑے ہو کر اپنا لباس درست کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے خوف و ہراس جھانک رہا تھا۔

اویس نے جیب سے عجلت سے چاقو نکالا اور اس پر چڑھا ہوا کاغذ پھاڑ دیا۔ چاقو باہر آیا تو وہ دہشت زدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔ اویس کے ہاتھ میں کھلا چاقو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہونے لگے اور اس کی رگوں میں لہو منجمد ہو گیا تھا۔ اسے اپنے آپ کو سنبھالنا بہت دشوار ہو رہا تھا۔

اویس نے فضا میں چاقو لہرایا تو وہ ایک قدم اور پیچھے ہٹی۔ ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بھاگنے اور بچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور پھر اس کے اور اویس کے درمیان فاصلہ بھی بہت کم تھا۔ اس کے حلق میں گرہیں پڑ رہی تھیں۔ "تت تم۔ کون ہو؟" وہ ہکلائی۔

اویس اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کرخت لہجے میں بولا۔ "خوب۔ بہت خوب ملکہ عالیہ نے اب بھی اس خادم کو نہیں پہچانا؟"

"خبردار......... تم میرے قریب نہ آنا۔" وہ پھنسی پھنسی آواز میں ہذیانی انداز سے
چیخی اور اسے اس قدر قریب دیکھ کر سرک سی گئی۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"کیا تمہیں اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں کیا چاہتا ہوں؟ میرے ارادے کیا ہیں؟ میری
نیت کیا ہے؟" اویس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"اپنی بکواس بند کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" وہ اس کی بات کا غلط مطلب سمجھ
کر پھنکاری۔ "تم نے مجھے کیا سمجھا ہوا ہے؟"

"میں تمہیں اپنے ساتھ عزت اور شرافت سے لے جانے کے لئے آیا ہوں۔"
اویس نے تیز و تند لہجے میں کہا۔ "اگر تم تھوڑی سی معاملہ فہمی کا ثبوت دو اور چالاکی اور
فریب کے بجائے عقل سے کام لو تو میں تمہیں معاف کرنے کو تیار ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تم
میرے ساتھ سیدھی طرح چل رہی ہو کہ نہیں؟"

"میں کہتی ہوں کہ تم سیدھی طرح یہاں سے جاتے ہو کہ نہیں۔" وہ ہیجانی لہجے
میں بولی۔ "ورنہ شور مچا کر سارے محلے کو اکٹھا کرلوں گی۔"

اویس نے ایک پل میں سوچا کہ اگر اس نے واقعی شور مچا دیا کہ بچاؤ' بچاؤ تو پھر لینے
کے دینے پڑ جائیں گے پھر اس مصیبت سے اس کے لئے چھٹکارا پانا آسان نہیں ہوگا۔ اس
نے اندر سے دروازے کو جو چٹخنی لگا دی ہے یہ تو اور بھی غلط کام ہو گیا ہے۔ بند دروازہ
دیکھ کر لوگ اسے درندہ صفت اور خطرناک بدمعاش سمجھیں گے پھر اس کا سارا منصوبہ
چوپٹ ہو جائے گا۔ اس کا جو حشر ہو گا وہ تو ہو گا ہی......... اس کے علاوہ اسے پولیس کے
حوالے کر دیا جائے گا۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ لپک کر اس کے
پاس پہنچا اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے دبوچ لیا۔ پھر وہ اس کی نظروں کے سامنے
چاقو نچاتے ہوئے بڑی بے رحمی سے بولا۔ "اگر تم نے شور مچایا تو یہ چاقو تمہارے سینے
میں اتار دوں گا......... تمہیں ذبح کر دوں گا۔"

اس کا بدن دہشت سے لرزنے لگا۔ اسے اپنی نظروں کے سامنے فرشتۂ اجل کھڑا
دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں جیسے اس دھمکی نے اس کے بدن سے
سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ اسے اپنے حواس مجتمع کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں کانپنے لگی
تھیں۔

اویس کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ وہ موت کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ کر بھی
اسے پہچاننے سے انکار کر رہی ہے۔ یہ وقت ان باتوں کے سوچنے کا نہیں تھا۔ اس نے بغیر



ی تاخیر کے کمرے کا جائزہ لیا پھر اسے اپنی گرفت سے آزاد کر کے اس کے منہ پر سے
ھ اٹھایا اور اس کا بازو پکڑ کر کمرے کے ایک ایسے کونے میں کھڑا کر دیا جہاں سے وہ
اگ نہ سکے پھر وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر مکان کا جائزہ لینے لگا۔

اس کے فرار کی ایک راہ بھی نہیں رہی تھی۔ وہ اس تاک میں تھی کہ اسے صرف
یک پل ملے۔ وہ صحن کی طرف بھاگ نکلے۔ مگر اویس تو اس راہ میں حائل تھا۔ ادھر وہ
اگتی بھی تو کیسے بھاگتی۔ اس میں تو اپنی جگہ سے ہلنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔ اس کی
ٹی پھٹی دہشت زدہ نظریں اویس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اویس نے گھر میں داخل ہونے سے پیشتر ہی اندازہ کر لیا تھا کہ گھر میں وہ اکیلی ہے۔
گھر میں چھائے سناٹے نے جیسے اس کی تصدیق کر دی تھی کہ اس کے سوا گھر میں کوئی
ہیں ہے۔ وہ اکیلی ہی موجود ہے۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ افروزہ بیگم ہوتیں تو اور اچھا ہوتا۔
یک ہی وقت میں دونوں سے نمٹا جا سکتا تھا۔

"تم......... کیا چوری کے ارادے سے آئے ہو؟" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں
پوچھا۔ "تمہیں جو کچھ لینا ہے لے کر چلتے بنو........."

"نہیں......... میں چوری کے ارادے سے نہیں آیا ہوں۔ میں کوئی چور ڈاکو نہیں
ہوں۔ میں تو صرف تمہیں قتل کرنے کے ارادے سے آیا ہوں۔"

"تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو.........؟ کس لئے؟" وہ حوصلہ پا کر بولی۔ اس کے لہجے
میں خوف کی جگہ حیرت تھی۔ "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"یہ پوچھو کہ تم نے کیا کچھ نہیں بگاڑا ہے؟" اویس نے سرد سفاک لہجے کہا۔ "تم
اور تمہاری ماں نے میرے احسان کا بدلہ کمینگی سے دیا ہے۔"

"کس نے' میں نے......... میری ماں نے.........؟" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں
حیرانی بھر گئی۔ "تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔"

"ہر کسی کو بار بار بے وقوف بنانا بہت مشکل ہوتا ہے۔" اویس بگڑ کر برہمی سے
بولا۔ "کیا تم نے مجھے اندھا سمجھا ہوا ہے؟"

"یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو؟ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا ہے مجھے کیا
ضرورت پڑی کہ تمہیں بے وقوف بناؤں۔ جبکہ میں تمہیں جانتی تک نہیں ہوں۔"

"سنو......... اس قدر انجان بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے آخری بار
پوچھ رہا ہوں کہ تم میرے ساتھ سیدھی طرح چل رہی ہو یا نہیں؟"

"میں تمہارے ساتھ کس لئے چلوں؟ تم کون ہوتے ہو مجھے اپنے ساتھ زبردستی
لے جانے والے؟" وہ تنک کر بولی۔

اویس نے اس کے گلے کے نیچے چاقو رکھ دیا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم ہنسی خوشی
میرے ساتھ کراچی چلو۔"

"تمہارا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا ہے۔" وہ اچھل سی پڑی۔ اس کی آنکھیں حیرت
سے پھیل گئیں۔ "کہیں تم پاگل خانے سے فرار تو نہیں ہوئے ہو؟"

"سنو شگفتہ!" اویس نے اس کے گلے کے نیچے سے چاقو ہٹاتے ہوئے کہا۔ "اب
تمہاری کوئی چال کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔ تم میرے ساتھ جو کچھ کر رہی ہو وہ ناقابل
معافی ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے گھر والے بھی تمہیں کچھ بھی
نہیں کہیں گے۔ بہتر ہے اب تم سیدھی طرح راہِ راست پر آجاؤ۔"

"شگفتہ؟" وہ بڑے زور سے چونکی۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے جھانکتی ہوئی
دہشت کی جگہ حیرانی نے لے لی۔ "کیا شگفتہ آپ کی بیوی ہے؟"

"ہاں.......... لیکن تم اس طرح کہہ رہی ہو جیسے تم شگفتہ نہیں بلکہ کوئی اور
ہو.......... سنو.......... ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ تم نے کیا مجھے بچہ سمجھ رکھا ہے؟"

"جی ہاں!" اس نے تائید کے انداز میں سر ہلایا۔ "میں واقعی شگفتہ نہیں ہوں۔ میرا
نام شائستہ ہے۔ آپ نے مجھے شگفتہ سمجھ لیا؟"

"میں نے تم سے کہا نا کہ اب تمہاری کوئی چال کامیاب نہیں ہو سکتی۔" اویس نے
تپے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب یہ مذاق بند کرو۔ بہت ہو چکا۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ شگفتہ میری چھوٹی بہن کا نام ہے۔ میں اس کی
بڑی بہن شائستہ ہوں۔ اب یقین آیا؟"

"لطیفہ بالکل نیا اور بہت ہی اچھا ہے۔" اویس نے تمسخر سے ایک زوردار قہقہہ لگایا
پھر ہنسا۔ "تمہیں کتنے لطیفے یاد ہیں؟"

"اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں آرہا ہے تو اڑوس پڑوس اور اس گلی میں کسی
سے بھی میرے بارے میں پوچھ لیں۔" شائستہ نے اپنی بات ختم کر کے ساڑھی کے پلو سے
اپنی چاند سی پیشانی پونچھی جو عرق آلود ہو رہی تھی۔ پھر اس نے گردن اور چہرے سے بھی
پسینہ پونچھا۔ پھر گہرا سانس اندر کھینچا۔ جیسے اس کے سر سے کوئی ناگہانی بلا ٹل گئی ہو۔
دوسرے لمحے اس کے چہرے پر طمانیت بکھر گئی جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا



ہو۔

"تمہارے پاس شاید ٹرمپ کا آخری کارڈ رہ گیا تھا جو تم نے پھینکا ہے۔" اویس نے
استہزائیہ لہجے میں کہا۔ "یہ فریب بھی خوب ہے جو تم مجھے دے رہی ہو۔"

"صرف آپ ایک ہی نہیں بلکہ ساری دنیا ہم دونوں بہنوں کے بارے میں دھوکا
کھاتی چلی آرہی ہے۔" شائستہ رک رک کر بولی۔ "گو ہم دونوں جڑواں بہنیں نہیں ہیں
مگر ہم شکل ہیں اور ایک جیسی ہیں۔ ساری دنیا یہ سمجھتی ہے کہ ہم دونوں جڑواں بہنیں
ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چھوٹی اور بڑی بہنیں جڑواں بہنوں کی طرح ہوں؟ میں نے
بھی کسی سے یہ بات نہیں سنی؟" اویس نے کہا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا؟" وہ تکرار کے انداز میں بولی۔ "کیا بعض ماں بیٹی میں اتنی
مماثلت نہیں ہوتی ہے کہ وہ بہنیں لگتی ہیں؟"

"تم کچھ بھی کہہ لو.......... میں اس بات کا یقین کرنے کے لئے بالکل بھی تیار نہیں
ہوں۔ یہ انہونی سی بات ہے۔" اویس بولا۔

"آخر آپ کس طرح اور کیسے اس بات کا یقین اور اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں۔
ہماری عمروں میں بھی تین سال کا فرق ہے۔" وہ بولی۔

اویس تذبذب میں پڑ گیا۔ اسے شائستہ کے ایک ایک لفظ اور لہجے میں سچائی کی بو
محسوس ہو رہی تھی۔ یہ ایک ایسی سچائی تھی جسے جھٹلانے کے لئے اس کے پاس کوئی راستہ
نہیں تھا۔ پھر بھی نہ جانے کیوں وہ فوری طور پر شائستہ کی بات کا یقین کرنے کے لئے اپنے
آپ کو آمادہ نہیں کر پا رہا تھا۔

اس نے تو یہ سنا ہوا تھا کہ جڑواں بہنیں یا بھائی ہی ہم شکل ہوتے ہیں۔ اندر سے
اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ ایسی دو بہنیں جو جڑواں نہیں ہیں اور جن کی عمروں میں تین
سال کا فرق ہے۔ وہ ہم شکل ہیں۔ ان میں ذرا برابر بھی فرق نہیں ہے۔ بڑی عجیب اور
حیرت انگیز بات ہے۔

اس لمحے اویس کا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ وہ اب بھی مشکوک تھا۔ عورت
ذات کا کوئی بھروسا بھی تو نہیں تھا۔ اس نے جو زخم کھائے تھے وہ ابھی ہرے تھے۔ وہ تب
تک مندمل ہو سکتے تھے جب اسے اس کی شگفتہ اور اس کی ساری دولت مل جائے۔ اس
نے شگفتہ کے سلسلے میں قدم قدم پر جو دھوکے کھائے تھے اب وہ کسی قیمت پر ایسا کوئی

دھوکا کھانا نہیں چاہتا تھا۔ شائستہ کی باتوں نے اسے عجیب شش و پنج میں مبتلا کر دیا تھا۔ شائستہ نے اس سے بڑے اعتماد سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اڑوس پڑوس میں اس کے بار میں پوچھ کر اپنی تسلی کر لے۔

اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ پڑوس میں جا کر شائستہ کی بات کی تصدیق کر گا۔ یہ عورت اسے دھوکا دینے کے لئے فریب سے کام لے رہی ہے اور اس پر نفسیاتی ڈال رہی ہے۔ جب تک اس کی اچھی طرح تسلی نہ ہوگی وہ یہاں سے نہیں جائے گا۔

اویس کو الجھن میں دیکھ کر اور اس کا چہرہ بھانپ کر شائستہ بولی۔ "قدرت نے دونوں میں ایک فرق ضرور پیدا کر دیا ہے تاکہ ہم دونوں کی شناخت میں کسی کو دشواری ہو۔ اگر یہ فرق نہ ہوتا تو پھر بڑی مشکل پیدا ہو جاتی۔ جانے کیا کچھ ہو جاتا اور ہو سک تھا۔"

"فرق؟" اویس نے چونک کر حیرت سے پوچھا۔ اسے ایسا کوئی ذرہ برابر بھی فر اس میں دکھائی نہیں دے رہا تھا جو وہ شگفتہ کی بڑی بہن معلوم ہو۔ وہ اسے پھر بے وقو بنانے کے لئے ایک نیا حربہ آزما رہی تھی۔ یہ عورت کس قدر شاطر قسم کی ہے۔

"حیرت ہے آپ کو یہ فرق دکھائی نہیں دے رہا ہے۔" وہ متعجب ہو کر بولی۔ "جب شگفتہ آپ کی بیوی ہے۔ آپ کو فوراً محسوس ہو جانا چاہئے تھا۔"

اویس نے پھر اس کا ناقدانہ نظروں سے سر تاپا جائزہ لیا۔ اب بھی اسے کسی فرق احساس نہیں ہو رہا تھا۔ "مجھے تو تم میں اور اس میں کوئی فرق دکھائی نہیں دے رہا ہے۔"

شائستہ کے رس بھرے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے خوبصورت مرمریں ہاتھ پیشانی تک لے جا کر پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کو ہٹایا۔ پیشا کے افق پر مانگ کے پاس زخم کے مندمل ہو جانے کا گہرا نشان موجود تھا۔ "یہ زخم نشان...... بچپن میں میری کسی شرارت کا نتیجہ ہے...... اگر یہ نشان میری پیشانی موجود نہ ہوتا تو آپ مجھے شگفتہ ہی سمجھتے اور پھر میری کسی بات کا یقین نہ کرتے۔ شا فرشتے بھی گواہی دیتے تو یقین نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں کی جسامت ایک سی ہے۔ رنگ روپ اور قد و قامت بھی۔ آواز میں بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ ہم دونو ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ کیا آپ نے کبھی شگفتہ کی پیشانی پر کسی زخم کا نشان دیکھا تھا؟"

"نہیں۔" اویس نے سر ہلا کر اقرار کیا۔ اسے یاد آیا کہ شگفتہ سے ہوٹل کی ملاقا ایک ایسی ملاقات تھی جو خاصی دیر تک رہی تھی۔ وہ اس کی نظروں کے سامنے اور بہ



قریب بیٹھی تھی۔ اس کی چاند سی پیشانی پر ایک خراش تو کیا شکن تک موجود نہ تھی۔ بے داغ تھی۔ صاف و شفاف تھی۔ اگر شگفتہ کی پیشانی پر کسی زخم کا نشان یا خراش ہوتی وہ نظروں سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ اسے آخرکار تسلیم کرنا پڑا کہ اس کی نظروں کے سامنے جو عورت سہمی ہوئی سی کھڑی ہے وہ شگفتہ نہیں بلکہ شائستہ ہے۔ اس کی نظروں کے سامنے سے پردہ اٹھ گیا ہے۔

اویس کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی گہری تاریکی میں گرتا چلا جا رہا ہو۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے۔ اسے اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں رہا ہے۔ وہ بے بس سا ہو گیا ہے۔ اس کی زندگی میں پھر سراب آ گیا تھا۔ تقدیر اس کے ساتھ ایسا سنگ دلانہ مذاق کرے گی اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے اسے دیکھ کر خوش ہو گیا تھا کہ اس کی گمشدہ جنت مل گئی ہے لیکن وہ ابھی بھی جہنم سے کہاں نکلا تھا۔

چاقو کے دستے پر اس کے ہاتھ کی گرفت آپ ہی ڈھیلی پڑتی چلی گئی۔ پھر اس کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ جس وقت وہ جھک کر فرش سے چاقو اٹھا رہا تھا تب اس کے ذہن میں یہ خیال بجلی کی طرح آیا کہ اگر شائستہ، شگفتہ کی بڑی بہن ہے تو وہ اپنی بہن کی شادی میں شریک کیوں نہیں ہوئی؟ کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی بہن اپنی سگی بہن کی شادی اور خوشیوں میں شریک نہ ہو؟

اویس پھر مشکوک سا ہو گیا۔ اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے اپنی چھوٹی بہن کی شادی میں شرکت کیوں نہیں کی؟"

"کس کی شادی میں؟" شائستہ نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔ اس کے چہرے پر ابھی خوف کا سایہ سا تھا۔ "میں سمجھی نہیں۔"

"اپنی حسین ترین بہن مس شگفتہ کی شادی میں۔" اویس نے کرخت لہجے میں کہا۔ "کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے؟"

شائستہ کے چہرے پر چھائی ہوئی وحشت کی جگہ تحیر نے لے لی۔ اس نے متعجب ہو کر بوکھلائے انداز میں پوچھا۔ "کیا شگفتہ کی شادی ہو گئی؟"

یک لخت شائستہ کو جیسے اپنی غلطی اور متضاد باتوں کا احساس ہوا تو وہ چونک کر خجالت سے کہنے لگی۔ "معاف کیجئے۔ آپ کے اس چاقو اور آپ کے جارحانہ رویے نے مجھے اس قدر بدحواس کر دیا کہ میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔ دل بیٹھا جا رہا ہے۔ مجھے خود نہیں معلوم کہ میں نے کیا کہا تھا اور کیا کچھ بک رہی ہوں۔ میں نے چند لمحے پہلے سوچا تھا کہ

آپ سے دریافت کروں کہ شگفتہ سے آپ کی شادی کب اور کہاں ہوئی؟"

اویس نے مشکوک ہونے پر پھر سے چاقو اس کی نظروں کے سامنے لہرا دیا تھا۔ ا
نے چاقو کو بند کرکے اس پر کاغذ چڑھا دیا۔ اب اس کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی۔
اس نے کہا۔ "حیرت کی بات ہے کہ چھوٹی بہن کی شادی کی اطلاع بھی نہیں ہے؟"

"بالکل بھی نہیں ہے۔" شائستہ نے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "اگر میں با
ہوتی تو آپ سے کیوں پوچھتی؟"

"کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ماں اپنی بڑی بیٹی کو چھوٹی بہن کی شادی کی اطلاع ن
دے اور اسے شرکت کی دعوت بھی نہ دے؟"

"اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی۔ "آپ مجھے پہلے
یہ بتائیں کہ آپ کی شادی شگفتہ سے ہوئی تو کون سا ایسا چکر چلا تھا جس نے آپ کو ا
کے اندھے جنون کے جذبات میں مبتلا کر دیا؟ اور پھر آپ نے مجھے شگفتہ کیسے فرض کر لیا
آپ کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شگفتہ نے آپ سے شادی کرنے کے بعد کوئی
سنگین کھیل کھیلا ہے اور آپ کو دھوکا دے کر روپوش ہو گئی ہے؟"

"تمہارا قیاس تو اپنی جگہ درست ہے۔" اویس نے تیزی سے کہا۔ "مجھے کچھ ا
محسوس ہو رہا ہے کہ آپ سب مل کر مجھے بے وقوف بنا رہی ہیں؟"

"معلوم نہیں کیوں ابھی تک آپ کی تسلی نہیں ہوئی ہے۔ ابھی تک آپ شک
شبہ کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں۔ وہم کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہ تھا۔ میر
پاس کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو مجھے ساری زندگی پتا نہ چلتا کہ شگفتہ
آخر کار شادی ہو گئی ہے۔"

"آخر کار شادی ہو گئی ہے کیا مطلب؟" اویس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔ "میں ا
بات سے یہ سمجھ رہا ہوں کہ اس کی شادی نہیں ہو پا رہی تھی۔"

"میری امی شگفتہ کی شادی کرنے کے بجائے لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹتی ر
ہیں۔ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگ ٹھگ لئے گئے۔"

"تو آپ کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ کی امی جان فراڈی ہیں؟" وہ تم
آپ کے تخاطب پر آ گیا۔ "اس قدر گری ہوئی حرکتیں کر رہی ہیں؟"

"جی ہاں۔" شائستہ نے ایک مجرم کے انداز میں اپنا خوشنما سر جھکا لیا۔ اس
چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ وہ چند لمحوں تک ساکت پلکوں سے فرش کو گھو



پھر وہ گنگ سی ہو گئی جیسے کوئی بات کہنے سے گریز کر رہی ہو یا الفاظ ڈھونڈ رہی ہو۔ پھر
تی ہوئی آواز میں بولی۔ "معلوم نہیں کیوں میری امی ایک نوسرباز کی طرح ہو گئی
ان کی حرکتوں سے میری زندگی بھی اجیرن ہو کر رہ گئی ہے۔ میں انہیں کیسے سمجھاؤں
"

"کاش! ایک بار آپ کی امی سے میری ملاقات ہو جائے۔" اویس نے چاقو جیب میں
تے ہوئے کہا۔ "میں انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک چکا ہوں۔"

"آپ کیا کریں گے؟" شائستہ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور اس کی خوب صورت آنکھوں
خوف و ہراس جھانکنے لگا۔

"انہیں اس طرح سے راہِ راست پر لے آؤں گا کہ پھر ساری زندگی ایسی حرکت
یں کریں گی۔ کسی کی عزت سے نہیں کھیلیں گی۔"

"اب آپ کی ساری باتیں ایک ایک کر کے میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔" شائستہ
ت سے بولی۔ "آپ نے جو کچھ کیا اس کے لئے میں آپ کو کوئی دوش نہیں دوں گی۔
پ کی جگہ ہوتی تو شاید میں بھی یہی کرتی۔ کاش! میں نے اس ماں کے پیٹ سے جنم نہ
ہوتا۔" اس کی آواز بھرا سی گئی۔

اویس اس کے اخلاق اور باتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس کے چہرے پر
ہٹ پھیل گئی۔ اس نے شائستہ کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے کہا۔ "میں آج یہاں
ی اور کام سے آیا تھا اور ادھر سے گزر رہا تھا کہ معاً آپ پر کھڑکی کھلی ہونے کی وجہ
نگاہ پڑ گئی تھی۔ آپ کو دیکھ کر میں آپ کو شگفتہ سمجھا۔ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ بھی
ھوکا کھا جاتا۔ پھر میں آپے میں نہیں رہا۔ آپ کی امی اور شگفتہ نے میرے ساتھ جو کھیل
لا ہے اس نے مجھے نفرت اور غصے سے پاگل کر رکھا ہے اس لئے میں آپ کے محلے کے
بازار سے یہ چاقو خرید کر لے آیا۔ اسے میں نے اپنی حفاظت کے لئے خریدا تھا۔ اس سے
ی کی جان لینا مقصود نہیں تھا۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کو بہت
ہراساں کیا۔ معذرت چاہتا ہوں۔"

"آپ خدا کا شکر ادا کریں کہ میں نے آپ کو قتل جیسے سنگین جرم سے بچا لیا۔"
شائستہ کہنے لگی۔ "آپ پر ایک جنونی کیفیت سی طاری تھی۔ ایسے وقت آدمی کی عقل کام
یں کرتی ہے۔ وہ اندھا سا ہو جاتا ہے اور پھر ایسے عالم میں خود پر قابو پانا بڑا مشکل ہو جاتا
گر میں آپ کے ہاتھوں موت کا نشانہ بن جاتی تو میرے شوہر غم و صدمے سے شاید خود

کشی کر لیتے۔ اللہ جانے پھر میری معصوم بچی کا کیا حشر ہوتا۔"

اویس اپنے دل میں اس کی بہادری اور حوصلے کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ ا
کی جگہ کوئی اور عورت ہوتی تو وہ کب کی خوف و دہشت سے بے ہوش ہو چکی ہوتی۔ م
شائستہ تو بڑے دل گردے کی عورت ثابت ہوئی تھی۔ اس نے خوف زدہ ہونے ک
باوجود خود پر قابو پالیا تھا۔

"آیئے۔" شائستہ نے ساڑھی کا پلو سینے اور شانے پر درست کرتے ہوئے بڑ
شائستگی سے کہا۔ "اندر جا کر بیٹھیں۔ کب تک کھڑے رہیں گے؟"

"کون میں؟" اس نے متعجب نظروں سے دیکھا اور کہا۔ "نہیں مجھے اجازت دیجئے۔
میں اب اس قابل نہیں رہا ہوں کہ اس گھر میں ایک لمحے کے لئے بھی ٹھہروں۔"

"آپ ایسی باتیں کرکے مجھے شرمندہ نہ کریں۔" شائستہ بولی تو اس کے لہجے
شرمساری جھلک رہی تھی۔ "ابھی جو کچھ ہوا وہ محض غلط فہمی کی بنا پر ہوا اس میں نہ
آپ کا کوئی دوش ہے اور نہ میرا۔ یوں بھی میرا آپ سے ایک رشتہ ہے۔ میں اس رشتے
کے ناتے آپ کو جانے نہیں دوں گی۔"

"میرا دل اندر سے ملامت کر رہا ہے کہ میں نے آپ کو شگفتہ سمجھ کر ہراساں کیا
کیا۔ میں نرمی اور شائستگی سے بھی پیش آسکتا تھا۔"

"اب آپ اس باب کو بند کردیں۔" شائستہ شگفتگی سے بولی۔ "شگفتہ سے شاد
ہونے کے بعد آپ کا مجھ سے ایک اٹوٹ رشتہ ناتا قائم ہو گیا ہے۔ میں آپ کو غیروں
طرح جانے نہیں دوں گی۔ اب تو آپ اپنوں میں شامل ہو گئے ہیں۔ یہ رشتہ خون
رشتے سے بھی بڑھ کر ہے۔"

اویس اس کی بات کو رد نہ کرسکا۔ شائستہ کی بات اپنی جگہ درست تھی۔ شائ
جس اپنائیت سے اصرار کر رہی تھی اس نے اسے رکنے پر مجبور کر لیا تھا۔ وہ شائستہ
رہنمائی میں ملحقہ کمرے میں پہنچ کر اس کمرے کو دیکھ کر چونک سا گیا۔ یہ نشست گاہ
جو بڑی سادگی سے آراستہ و پیراستہ تھی۔ اس کی آرائش و زیبائش میں ایک عجیب
حسن جھلک رہا تھا۔ اس کمرے میں ایک صوفہ سیٹ چار کرسیاں' کھانے کی میز اور ا
گوشے میں رنگین ٹیلی ویژن سیٹ رکھا ہوا تھا۔ ٹیلی ویژن پر ایک خوبصورت سے فر
میں ایک رنگین تصویر لگی ہوئی تھی۔ اس تصویر میں شائستہ اور ایک مرد کے درمیان ا
پانچ برس کی بہت ہی خوبصورت اور پیاری سی بچی بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ اس نے شائ



ئستہ پیشانی کے زخم سے کی تھی۔

"یہ میری دنیا ہے۔" شائستہ نے تصویر کی جانب اشارہ کیا۔ "تسنیم آج صبح ہی اپنی
ی سے ملنے گئی ہے۔ اسے اس کے ابو رات دس گیارہ بجے تک گھر لے کر آئیں
"

اویس نے تصویر میں لڑکی کو ایک ٹک دیکھتے ہوئے کہا۔ "ماشاء اللہ بڑی پیاری بچی
۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔"

جب اویس صوفے پر ٹک گیا تو شائستہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔
ثانیوں کی خاموشی کے بعد وہ ندامت کے انداز میں بولی۔ "میں آپ کو کچھ زحمت دینا
ہتی ہوں اگر آپ کچھ خیال نہ فرمائیں تو اپنی شادی کی کہانی سنا دیں۔ میں یہ جاننا چاہتی
ں کہ میری امی نے آپ کے ساتھ ایسی کون سی گھناؤنی حرکت کی جس نے آپ کے
نے میں انتقام کی آگ بھڑکا دی۔" پھر وہ توقف کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے سراپا میں
ب لہر سی اٹھی۔

"ایک منٹ اویس صاحب!" اس کے لہجے میں شائستگی سی تھی۔ "بعض اوقات
قاتیں بھی کیسے کیسے عجیب سے واقعات کو جنم دیتے ہیں۔ یقین ہی نہیں آتا ہے۔ یہ
ب واقعات کسی خواب و خیال کی طرح لگتے ہیں۔ اچھا کچھ دیر کے لئے اجازت دیں تو
ں چائے بنا کر لے آؤں پھر آپ سے باتیں ہوں گی۔"

"پلیز! آپ تکلف نہ کریں۔" اویس نے رسمی طور پر انکار کرتے ہوئے کہا۔
میرے لئے یہی کافی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔"

شائستہ نہیں مانی وہ اسے پڑھنے کے لئے اخبار اور رسالے دے کر صحن کی طرف
لی گئی۔ جہاں باورچی خانہ تھا۔ وہ نصف گھنٹے کے بعد ٹرے لے آئی تو اس میں چائے'
ن کے پکوڑے اور شیر خورمہ بھی تھا۔ چائے اور کھانے کے دوران اس نے اپنی رام
کہانی سنائی جسے اس نے بڑے غور سے سنا۔

ادھر اویس اپنی رام کہانی سناتے ہوئے بار بار بہک سا رہا تھا۔ اس کی نظریں بار بار
شائستہ کے حسین اور شاداب چہرے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ نگاہیں اس کے قابو میں نہ
تھیں۔ معلوم نہیں کیوں اسے یہ گمان سا ہونے لگتا تھا کہ یہ شائستہ نہیں ہے شگفتہ ہے۔
اس کی آنکھیں فریب کھا رہی ہیں۔

اویس نے جب اپنی کہانی ختم کی تو شائستہ نے تاسف انگیز لہجے میں کہا۔ "اف

میرے خدایا! میری امی بھی کیسی احسان فراموش ہیں۔ آپ نے ان کی عزت و آبرو اور زندگی اپنی جان پر کھیل کر بچائی انہوں نے اس کا یہ صلہ دیا؟ اور پھر اس پر بس نہیں کیا آپ کے ساتھ ایسا سنگین کھیل کھیلا اور ایسا گھناؤنا مذاق کیا جو ذلالت کی انتہا ہے۔ سچ پوچھئے تو افروزہ بیگم کسی معافی کے قابل نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ میری سگی ماں ہیں۔"

"اس گھناؤنے کھیل میں آپ کی بہن اور میری بیوی بھی شامل ہے۔ شگفتہ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اپنی خبیث ماں کے اشاروں پر ناچے۔"

"اویس صاحب! خدا کے لئے میری معصوم بہن کو کوئی دوش نہ دیں۔ وہ بڑی نیک اور بے حد سیدھی سادی اور بڑے اچھے دل کی مالک ہے۔ یہ سب کچھ میری امی کا کیا دھرا ہے۔ انہوں نے ماضی میں کتنے ہی لڑکوں کو بے وقوف بنایا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شگفتہ کی ان سب سے منگنیاں کیں مگر بات کبھی شادی تک نہ پہنچی۔ ان کی انہی حرکتوں کے باعث میں نے ان سے قطع تعلق کرلیا ہے۔" اس نے توقف کرکے گہرا سانس لیا۔

"امی یہ سب کچھ دولت کے حصول کے لئے کررہی ہیں۔ انہوں نے شگفتہ کے بے مثال حسن کو آلہ کار بنا رکھا ہے۔ انہوں نے مجھے بھی اپنی نظروں میں ذلیل و رسوا کرکے رکھ دیا ہے اور خود روپوش ہوکر بیٹھ گئی ہیں۔"

شگفتہ اپنی بات ختم کرکے خاموش ہوئی تو اویس نے دیکھا کہ اس کے چہرے کی شفق کی جگہ زردی نے لے لی ہے۔ وہ انتہائی دل شکستہ نظر آرہی تھی۔ اویس چند لمحوں تک اس کا چہرہ تکتا رہا' پڑھتا رہا جیسے وہ کوئی کھلی کتاب ہو۔ چہرہ جو دل کا آئینہ ہوتا ہے۔

"آپ کو تو اس بات کا علم ہوگا کہ آپ کی امی اور بہن کہاں روپوش ہیں؟" اویس نے پوچھا۔ "ان سے رابطہ تو رہتا ہوگا؟"

"نہیں۔" اس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "جب تعلق ختم کرہی لیا ہے تو معلوم کرکے کیا کرنا ہے کہ دونوں کہاں ہوں گی؟ البتہ شگفتہ سے ملنے کو دل بہت تڑپتا ہے۔"

"تو کیا آپ کو ان کے بارے میں واقعی کوئی خبر نہیں ہے کہ وہ کہاں ہوں گی؟ کسی سے ان کی رہائش کے بارے میں کیا پتا نہیں چل سکتا ہے؟"

"وہ دونوں کراچی میں ہی ہوں گی۔ ان کے کراچی سے باہر کسی شہر میں جاکر رہنے کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی رشتہ دار وغیرہ کراچی کے علاوہ کہیں اور نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں' میں کراچی میں جو رشتہ دار رہتے ہیں ان سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔" شائستہ



نے جواب دیا۔

"میں آپ کے کسی رشتہ دار یا ملنے والے کو نہیں جانتا ہوں۔" اویس نے کہا۔ "آپ کسی ایک رشتہ دار کا پتا مجھے بتادیں۔ میں ان سے معلوم کرلوں گا۔"

"ان میں سے کسی کا نام پتا دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔" شائستہ سوچتی ہوئی بولی۔ "کوئی آپ کی مدد نہ کرے گا۔ آپ مجھے اپنا مکمل پتا لکھ کردے دیں۔"

شائستہ اپنی بات ختم کرکے ساتھ والے کمرے میں گئی۔ لیٹرپیڈ اور بال پین لے کر آئی اور اویس کو دیتے ہوئے بولی۔ "میں دو تین دن کے بعد کسی بھی دن ایک کام کے سلسلے میں کراچی آرہی ہوں۔ شگفتہ اور امی کا کسی سے پتا چلا تو آپ کو اس کی اطلاع دے دوں گی یا شگفتہ کو آپ کے ہاں پہنچادوں گی۔"

"سچ!" اویس کی آواز میں مسرت چھلک پڑی۔ وہ سرشاری سے بولا۔ "شگفتہ مجھے مل گئی تو آپ کا یہ احسان ساری زندگی بھلا نہ سکوں گا۔"

"اس میں احسان کی کیا بات ہے؟" شائستہ نے خجل ہوتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہ چاہتی ہوں کہ کسی طرح امی کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوجائے۔"

"میں تو شگفتہ اور آپ کی امی کو اسی صورت میں معاف کرسکتا ہوں کہ شگفتہ کو باعزت طور پر میرے ہاں پہنچادیں۔ ان سے باز پرس بھی نہیں کروں گا۔"

"حیرت کی بات ہے کہ امی نے اتنے اچھے آدمی کی قدر نہ کی۔ دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ احسان کا صلہ یہ دیا کہ آپ کو تکلیف پہنچائی۔"

اویس نے ایک ورق پر اپنے گھر کا پتا' گھر اور دفتر کا بھی ٹیلی فون نمبر لکھ کردیا۔ شائستہ نے اس کے ہاتھ سے کاپی لے کر پتے پر ایک نظر ڈالی پھر وہ دوسرے کمرے میں جا کر کاپی الماری میں رکھ آئی تو وہ جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا تو پھر اس نے کہا۔ "مجھے آپ سے مل کر جو خوشی ہوئی اس کا اندازہ آپ نہیں کرسکتی ہیں۔ جب بھی آپ کراچی آئیں تو اپنی بچی اور شوہر کے ساتھ میرے ہاں آنا نہ بھولئے گا۔ آپ کا انتظار رہے گا۔"

"میرا یا شگفتہ کا؟" شائستہ نے متبسم ہوکر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "کیا شگفتہ کے بغیر بھی آسکتی ہوں آپ کے ہاں؟"

"دونوں کا ہی۔" اویس نے سٹپٹا کے جواب دیا۔ پھر دوسرے لمحے مسکرا دیا۔ "آپ اس کے بغیر بھی آگئیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"اب آپ کہاں جا رہے ہیں؟" شائستہ نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ آپ کھڑے
کیوں ہو گئے ہیں؟ تشریف رکھیئے نا۔ پلیز!"

"کراچی واپس جا رہا ہوں۔" اویس نے جواب دیا۔ "آپ کو میری وجہ سے بڑی
پریشانی اور زحمت ہوئی ہے' میں اس کے لئے پھر معذرت خواہ ہوں۔"

"ایسی بھی کیا جلدی ہے؟ کراچی یہاں سے کون سا دور ہے؟ بس میں صرف دو تین
گھنٹے کا سفر تو ہے۔" شائستہ ہنس کر بولی۔

"میرا کراچی دن ڈوبنے سے پہلے پہنچنا ضروری ہے۔ اس لئے میں یہاں زیادہ دیر
رک نہیں سکتا ہوں۔ اس لئے اجازت چاہوں گا۔" وہ بولا۔

"میں آپ کو ایسے جانے نہیں دوں گی۔ میرے شوہر کو معلوم ہو گا تو وہ بگڑ جائیں
گے۔ مجھ پر سخت ناراض ہوں گے کہ میں نے آپ کی کوئی خاطر مدارت نہیں کی۔" وہ
ایک ہی سانس میں بولی۔ "آپ ایک دن کے لئے اس غریب خانے پر رک جائیں۔ رات
کا کھانا کھالیں۔ کل صبح چلے جائیں آپ کو میرے شوہر سے مل کر بہت خوشی ہو گی۔"

"میں حیدر آباد اپنی بہن کے رشتے کے سلسلے میں آیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
آگ لینے گئے تو انہیں پیغمبری مل گئی۔ میں یہاں آیا تو آپ مل گئیں۔ گویا ایک طرح سے
مجھے اپنی منزل مل گئی یا میں اپنی منزل کے بہت قریب پہنچ گیا ہوں۔ میں لڑکے سے اس
کے بینک میں مل کر آیا ہوں۔ اس کا گھر تین چار گھر چھوڑ کر ہے۔ اس کے اور اس کے
گھر والوں کے بارے میں محلے والوں سے معلوم کرنا ہے۔ اگر آج رات گھر نہیں پہنچا
میرے گھر والے بہت پریشان ہو جائیں گے۔ آپ جانتی ہیں کہ کراچی اور حیدر آباد کا سفر
کس قدر خطرناک ہے۔ آئے دن حادثات ہوتے رہتے ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں آپ کو روکوں گی نہیں۔" شائستہ بولی۔ "میری دلی خواہش
تھی کہ رات رک جاتے کیونکہ آپ سے مل کر مجھے بہت ہی خوشی ہوئی۔ لڑکے کا نام
مجھے دے دیں میں لڑکے کے بارے میں معلومات حاصل کر کے خط سے آپ کو اطلاع
دے دوں گی۔"

"اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔" اویس نے اپنی جیب سے وہ کاغذ نکال کر
شائستہ کی طرف بڑھا دیا جس پر لڑکے کے کوائف درج تھے۔ شائستہ نے اس کے ہاتھ سے
کاغذ لیا تو اس کی مخروطی انگلیوں نے اویس کی انگلیوں کو چھو لیا۔ اویس کو ایسے محسوس ہوا
کہ اس کی انگلیوں نے ننگی تاروں کو چھو لیا ہو۔ اس کے سارے بدن میں خون کی روانی



تیز ہو گئی۔ اس نے شائستہ کی طرف دیکھا تو اسے ایسے محسوس ہوا کہ شائستہ کی آنکھوں
میں جیسے ان گنت پیغام جھانک رہے ہیں۔ اس نے سوچا کہیں اس کے پراگندہ احساسات تو
نہیں ہیں جنہوں نے شائستہ کو اس انداز سے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس کی آنکھوں کی
خود سپردگی جیسے اس سے کہہ رہی تھی۔ نہ جاؤ' رک جاؤ' آپ مجھے شگفتہ کے ناتے بہت
عزیز ہیں۔ میرا دل آپ کی رفاقت کو بہت ترس رہا ہے۔ ایک اور احساس اس کی نس نس
میں سنسناہٹ بن کر دوڑ رہا تھا۔ اتنے بڑے گھر میں ایک پُرشباب اور بہت حسین و جمیل
عورت اس کی نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کے خون کی گردش نے اس میں ایک
تپش سی پیدا کر دی تھی۔ اس نے سوچا۔ کیا شائستہ بھی اس آنچ کو محسوس کر رہی ہو گی؟
پھر وہ ایک دم سے چونکا۔ اسے یہاں سے جلد سے جلد نکل جانا چاہئے۔ کیونکہ ناگ کی
طرح مرد کا کوئی بھروسا نہیں ہوتا ہے۔ دونوں کی ایک ہی فطرت ہوتی ہے۔ مرد کا پیر پھسلتے
آخر دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ اس کے علاوہ تنہائی ہے۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا بھی نہیں ہے۔
یکجائی تو زہریلے سانپ سے کہیں زہریلی ہوتی ہے۔ غلاظت کی دلدل میں گرنے سے وہ نہ
صرف شگفتہ سے سدا کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے گا بلکہ شائستہ کی نظروں میں ذلیل ہو جائے
گا۔

شائستہ حسرت و یاس کے لہجے میں بولی۔ "اویس صاحب! کاش! آپ سے ملاقات ہی
نہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔ کل کلاں جب شگفتہ کے علم میں آج کی بات آئے گی کہ میں نے
آپ کے ساتھ غیروں کا سلوک کیا ہے تو وہ دل میں کیا سوچے گی؟ کہے گی کہ میں نے آپ
کو ایک رات بھی مہمان نہیں بنایا؟"

"آپ فکر نہ کریں۔" اویس بے اختیار مسکرا دیا۔ "میں اس روز آپ کی صفائی اور
سفارش کر کے آپ کو بچا لوں گا پھر شگفتہ کو آپ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔"

یہ امر اس کی سمجھ سے بالا تر تھا کہ شائستہ اسے کیوں اور کس لئے بڑی محبت اور
اپنائیت سے روک رہی ہے؟ یہ تو ٹھیک تھا وہ رشتے سے اس کی سالی تھی لیکن اس کا اس
کے شوہر کے آنے تک رکنا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ کیونکہ اس کے شوہر کے
آنے میں چھ سات گھنٹوں کی دیر تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ گھر میں کوئی تیسرا فرد نہیں
تھا۔ ان کے درمیان کسی وقت بھی شیطان آسکتا تھا۔ ایسا خلوص و جذبہ کسی کام کا نہیں
تھا۔ اس کے یہاں رہنے سے کسی بھی لمحے یہ سب کچھ کسی جھاگ کی طرح بیٹھ سکتا تھا۔
اس کا دل بھی خود سے نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ ایک حسین اور پُرشباب عورت کی رفاقت

سے محروم ہو جائے کیونکہ اس کی باتیں بڑی دل موہ لینے والی تھیں اور ہنسی بھی بڑی دل کش تھی۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہ بالکل شگفتہ کی طرح تھی۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا رہا تھا جیسے وہ شگفتہ سے باتیں کر رہا ہو۔ اس میں دل میں اتر جانے والی شوخی بھی تھی۔ اس کے اندر ایک جنگ سی ہو رہی تھی۔ نیکی اور بدی کی جنگ' وہ ایک کڑی آزمائش اور سخت امتحان کے دور سے گزر رہا تھا۔ شائستہ کی آنکھوں کی زبان اس سے جیسے کہے دے رہی تھی۔ تم فطری تقاضوں سے انکار کر رہے ہو۔ اپنے آپ سے لڑ رہے ہو۔ تم اپنے دل کو سمجھا رہے ہو کہ یہ انجانا راستہ ہے۔ تم فطرت کے خلاف باتیں کر رہے ہو......... اس نے شائستہ سے نظریں چرائیں۔ شائستہ ادھ کھلی آنکھوں سے اس چور تماشائی کو دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ عورت فلسفی نہیں ہوتی' دانشور نہیں ہوتی۔ اس کی تخلیق آدم کے پہلو سے ہوئی تھی۔ اس لئے آدم شناس ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے سامنے کھڑے ابن آدم کو سمجھ رہی تھی بلکہ سمجھ چکی تھی۔ آخر وہ بڑی جدوجہد کے بعد اس طلسم سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس نے کراچی پہنچ کر اپنے گھر والوں کو شائستہ سے ملاقات کا سنسنی خیز اور عجیب وغریب احوال من و عن سنایا۔ سب کے سب جیسے سکتے میں آ گئے تھے۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی طلسماتی کہانی ہو۔ نجمہ بولی۔ "بھائی جان! خدانخواستہ آپ کے ہاتھوں سے وہ شدید زخمی ہو جاتیں یا انہیں کچھ ہو جاتا تو پھر کتنی بڑی مصیبت نازل ہو جاتی۔ آپ کو نفرت اور غصے کے جنون میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ آپ کو کیا ہو گیا تھا؟"

"میں نے تو اسے محض ڈرا دھمکا کر یہ اعتراف کروانے کی کوشش کی تھی کہ وہ شگفتہ ہے لیکن اس کے انجانے پن' بے نیازی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے غصہ آ گیا تھا۔ میں اپنے تئیں یہ سمجھا تھا کہ وہ ڈھونگ کر رہی ہے۔ یہ اداکاری ہے۔ مجھے فریب دے رہی ہے۔ میں نے اس کی باتوں اور اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بیٹی بے قصور ہے اور سب کچھ کیا دھرا اس کی ماں افروزہ بیگم کا ہے۔ اس قدر گہری شباہت دیکھ کر میری عقل خود حیران ہو رہی تھی۔ اس لئے مجھے بہت دیر تک اس کی کسی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔" اویس نے کہا۔

"آپ ان کے شوہر اور بچی سے تو مل کر آتے بھائی جان!" خالدہ بولی۔ "ایک دن رک جاتے تو کوئی فرق تو نہیں پڑتا۔"

"شائستہ نے مجھ سے بہت کہا' بے حد اصرار کیا کہ میں ایک رات تو رک جاؤں۔



مگر میں رکا نہیں' رکتا بھی کیسے؟ تم لوگ پریشان ہو جاتے۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں بھائی جان! آپ پی سی او یا کسی بھی دکان سے ہمیں ٹیلی فون کر کے بتا دیتے کہ میں کل آ رہا ہوں۔" نجمہ بولی۔

"اتنی سی بات میرے دماغ میں نہیں آئی۔" اویس کفِ افسوس ملتا ہوا بولا۔

"آئندہ کبھی ایسا اتفاق ہوا تو رک جاؤں گا۔"

"کسی دن ہم سب کو حیدر آباد لے کر چلیں۔" خالدہ بولی۔ "شائستہ سے ملنے کا بڑا اشتیاق پیدا ہو رہا ہے۔ ذرا ہم بھی ان کے دیدار تو کر لیں۔"

"آخر اس مکان کی رقم' فکسڈ ڈپازٹ اور حق مہر کا کیا ہو گا جو افروزہ بیگم نے بے وقوف بنا کر اینٹھ لیا۔ اس کے بارے میں کچھ سوچا؟" زیب النساء بولیں۔

"شگفتہ مل جائے گی تو وہ سب کچھ مل جائے گا۔ شائستہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ایک ایک پائی اپنی ماں سے وصول کر کے دے گی۔" اویس نے دلاسا دیا۔

"اللہ شائستہ کو سدا خوش و خرم رکھے۔" زیب النساء نے پلو اٹھا کر آسمان کی طرف منہ کر کے دعا دی۔ "اس نے میرا دل باغ باغ کر دیا ہے۔"

اویس کو حیدر آباد سے آئے ہوئے تیسرا دن تھا۔ وہ دفتر میں بیٹھا ایک اہم فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے پاس غیر محسوس انداز سے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔ وہ سمجھا کہ دفتر کا چپراسی ہو گا۔ چائے کا وقت ہے۔ چائے لانے کے لئے پوچھنے آ گیا ہو گا۔ اویس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ "میں کچھ دیر پہلے تو دو مہمانوں کے ساتھ چائے پی چکا ہوں۔ اب مجھے چائے نہیں چاہئے۔ تم جاؤ۔"

"اگر تم نے چائے پی لی ہے تو میں کیا کروں؟ تم بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ میں چائے پئے بغیر ٹلتا نہیں ہوں۔" اس آواز میں شوخی کا عنصر تھا۔

اویس کو یہ آواز مانوس لگی۔ اس نے چونک کر سر اٹھا کے سید صاحب کو دیکھا جو کھڑے مسکرا رہے تھے۔ سید صاحب کو وہ دفتر میں دیکھ کر اچھل گیا۔ سید صاحب سے اس کی برسوں سے شناسائی تھی۔ وہ شادی دفتر چلا رہے تھے۔ عجیب جھکی قسم کے آدمی تھے۔ اکثر کنوارے اور جوان لڑکوں سے رابطہ قائم کر کے ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے تھے اور ان لڑکوں کو ان لڑکیوں سے شادی کرنے پر مجبور کرتے تھے جن کے رشتے ان کے پاس ہوتے تھے۔ وہ بڑی کامیابی سے اپنا بزنس چلا رہے تھے۔

وہ سید صاحب کو دیکھ کر اپنی کرسی فوراً چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دل میں انہیں

صلواتیں سناتا اور بظاہر مسکراتا ہوا بولا۔ "سید صاحب! آپ تشریف رکھیں۔"
سید صاحب نے پہلے تو اس سے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا پھر کرسی پر بیٹھ گئے۔ تو اس نے پوچھا۔ "فرمایئے! کیا پینا پسند فرمائیں گے؟"

"بیٹے صرف چائے، وہ بھی دودھ پتی اور چکن سینڈوچز یا پھر چکن پیٹیز اگر اس سے میرا پیٹ نہیں بھرا تو پھر دوسرا راؤنڈ بھی ہوگا۔" وہ بولے۔

اویس نے چپراسی کو بلا کر ان کی فرمائش نوٹ کروانے کے بعد جلے بھنے لہجے میں پوچھا۔ "آج جناب کی تشریف آوری یہاں کس سلسلے میں ہوئی ہے؟"

"بیٹے! مجھے کل ہی معلوم ہوا کہ تمہاری شادی ڈرامائی انداز سے ایک افسوس ناک واقعے کی نذر ہو گئی۔ میں نے سنا تو مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔" وہ توقف کر کے گہرا سانس لیتے ہوئے اپنائیت سے بولے۔ آخر انہیں چائے اور پرتکلف ناشتا بھی تو حلق سے اتارنا تھا۔ اس لئے وہ دل جوئی اور خوشامد سے کام لے رہے تھے۔ "یہ سب کچھ کیسے اور کیونکر ہوا تھا؟ کیا لڑکی اور اس کی فراڈی ماں کا کچھ پتا چلا؟ مجھے بڑا افسوس ہوا سن کر۔"

"نہیں سید صاحب! ماں بیٹی کا کچھ پتا نہیں چلا۔" اویس کے دل پر نشتر سا لگا۔ "میرے ساتھ زبردست فراڈ ہوا۔ اس واقعے نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔"

"تم جیسا ذہین اور دور اندیش جوان اس فریب اور چکر میں کیسے آگیا؟ سنا ہے کہ اس نو سرباز قسم کی عورت نے تمہارے لاکھوں روپے ہڑپ کر لئے ہیں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہوگا کہ آپ کسی اور موضوع پر گفتگو کریں۔ ان باتوں سے میرے دل کو بڑی اذیت ہوتی ہے۔ ویسے آپ نے بتایا نہیں کہ کس لئے تشریف لائے ہیں؟"

سید صاحب نے اس کے جواب میں دستی بیگ سے ایک سربمہر لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور بولے۔ "جو ہو چکا ہے اس پر مٹی ڈالو۔ میری مانو تو اب دوسری شادی کے بارے میں سوچو۔ میں تمہارے لئے نگینہ جیسا رشتہ لایا ہوں۔ اس لفافے میں اس لڑکی کی تصویریں اور کوائف موجود ہیں۔ لڑکی والوں کا پتا بھی درج ہے۔ لڑکی کی تصویریں اچھی طرح دیکھ لو۔ لڑکی اگر پسند آجائے تو اپنی ماں اور بہنوں کو بھی تصویریں دکھا لینا اور پھر لڑکی کے گھر سیدھے پہنچ جانا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس سے اچھا رشتہ تمہیں ساری زندگی نہیں مل سکتا ہے۔ بات پکی ہو جائے تو میری مٹھائی اور فیس پہنچا دینا۔ سمجھے برخوردار۔"



"بہت بہت شکریہ سید صاحب!" اویس نے بے دلی سے لفافہ لے کر میز کی دراز میں فائلوں اور کاغذات کے نیچے دبا دیا۔ اسے کسی رشتے سے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ وہ کہتا تو سید صاحب لیکچر دینے بیٹھ جاتے۔ وہ ان سے پیچھا چھڑانے کی غرض سے بولا۔ "میں یہ لفافہ آج ہی اپنی امی کو لے جا کر دے دوں گا۔"

سید صاحب کے لئے چائے اور سینڈوچز آگئے تو انہوں نے اس پر ہاتھ صاف کئے۔ چائے پی، فراغت پا کر اٹھے اور بولے۔ "اچھا بیٹا! تمہارا بہت بہت شکریہ۔ اول تو یہ لڑکی پسند نہ آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بالفرضِ محال کسی وجہ سے پسند نہیں آئی تو پھر تم کسی دن میرے دفتر چلے آنا۔ خدا حافظ!"

"خدا حافظ!" اویس نے گرم جوشی سے جواب دے کر دل میں سکون کا سانس لیا۔ سید صاحب کے اس قدر جلد ٹل جانے کا یقین نہیں آیا۔ ورنہ دوسرے راؤنڈ کا امکان تھا۔

☆======☆======☆

اس رات کے واقعے سے ثمرین کے سینے میں جو گھاؤ لگا تھا وہ اور گہرا ہو گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اویس اس قدر شقی القلب بھی ہوگا۔ اس گھاؤ نے جیسے ناسور کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ثمرین نے بہت چاہا، بہت کوشش کی کہ وہ اویس سے نفرت کرے لیکن اس کے دل کے کسی کونے میں نفرت کی رمق بھی پیدا نہیں ہو سکی تھی۔ اس نے اپنے دلِ ناداں کو بہت سمجھایا تھا کہ آخر وہ کس آس پر، کس امید پر اور کس بات پر اس سنگ دل کو پانے کی تمنا کر رہی ہے جو ہرجائی ہے، بھنورا صفت ہے، خود غرض اور ریاکار بھی ہے۔ آخر وہ ایسا خواب کیوں اور کس لئے دیکھ رہی ہے جس کی تعبیر اسے کبھی نہیں مل سکتی اس کے وجود کے اندر ایک زخم جو بولتا رہتا ہے اس میں سے لہو رستا رہتا ہے پھر بھی وہ اس کی دیوانی بنی ہوئی ہے۔ اب تو تمناؤں کے سوکھے ہوئے پتے اس کی تنہائی کی شاخوں سے ٹوٹ کر پھڑپھڑاتے رہتے۔ اس کی طرف اس بے وفا کا دھیان کیوں نہیں جاتا وہ اس کے بارے میں کیوں نہیں سوچتا۔ آخر وہ کس امید پر جی رہی ہے؟ وہ اسے بھول کیوں نہیں جاتی ہے؟

اس روز وہ ایک منصوبے کے تحت شگفتہ کی جگہ دلہن بن کر اویس کے ہاں پہنچ گئی تھی اسے امید تھی کہ اویس اور اس کے گھر والے اسے قبول کر لیں گے۔ اس روز اس کے سینے میں اویس نے ریاکاری کا جو خنجر پیوست کیا تھا اس نے اسے جاں کنی کے عالم میں

مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے اویس کی ماں بہنوں اور دوسری عورتوں کو اپنا نکاح نامہ اور شادی
کی تصویریں دکھائی تھیں لیکن کسی نے اس کی بات کی سچائی پر یقین نہیں کیا تھا۔ اسے
دھکے دے کر گھر سے نکال دیا گیا تھا۔ اسے غصے سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ اویس
کے سفید جھوٹ کا ہر کسی نے اعتبار کر لیا تھا۔ کسی نے بھی اس کی ہمدردی اور حمایت میں
ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ کوئی اداکارہ نہیں تھی۔ اس نے اسٹیج پر کام کرنا تو درکنار آج
تک اسٹیج کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اسٹیج کا ایک ڈرامہ تک نہیں دیکھا تھا۔ نہ اویس نے
کبھی کسی اسٹیج پر کام کیا تھا اور پھر شادی کی تصویروں سے یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ یہ اسٹیج
ڈرامے کی ہیں۔ اویس نے نکاح نامہ پھاڑ کے اس کے پرزے پرزے کر دیئے تھے۔ کوئی
اس نکاح نامہ کو غور سے دیکھتا اور پڑھتا تو اسے جھٹلا نہیں سکتا تھا مگر اس روز اس کی
قسمت نے ساتھ نہیں دیا تھا۔ اگر اویس کی ماں اور بہنوں میں سے کسی ایک نے ساتھ دیا
ہوتا تو آج اس وقت وہ اس گھر میں ہوتی۔ اس کی زندگی میں بہار ہوتی۔ چاندنی چٹک رہی
ہوتی۔ اویس اس کا اپنا ہوتا۔

وہ آج کل اپنی خالہ زاد بہن سلطانہ کے ہاں رہ رہی تھی۔ اس کی امی دو تین ماہ کے
لئے لاہور اپنی بڑی بہن کے ہاں گئی ہوئی تھیں۔ وہ صبح سویرے گھر سے نکل رہی تھی کہ
سلطانہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے غیر متوقع برقعے میں دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا۔ "اس
وقت تم کہاں جا رہی ہو ثمرین؟"

ثمرین اس کے پاس آکر افسردگی سے بولی۔ "میں جا بھی کہاں جا سکتی ہوں؟ آپ تو
جانتی ہیں کہ میں باہر نکلتی ہوں تو کہاں جاتی ہوں۔"

"کیا اویس کو چھپ کر دیکھنے جا رہی ہو؟" سلطانہ کے چہرے پر گہرا استعجاب چھا گیا۔
"یہ تم اس طرح چھپ کر کیوں دیکھتی رہتی ہو؟"

"ہاں آپا........ میں اس ہرجائی کو دیکھنے جا رہی ہوں۔" ثمرین نے جیسے اعتراف
کیا۔ "میں اس سنگ دل اور خود غرض کو چھپ چھپ کر ہی دیکھنا چاہتی ہوں۔ اسے کچھ
دنوں سے نہیں دیکھا ہے۔ معلوم نہیں کیوں اسے جب تک نہ دیکھ لوں میرے دل کو قرار
نہیں آتا ہے۔ میں بے چین سی رہتی ہوں۔"

"تم ایک مکار اور فریبی شخص کے پیچھے اندھی ہو کر عقل سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی
ہو۔" سلطانہ نے اپنا سر پیٹ لیا۔ "میں تمہیں اس قدر بے وقوف نہیں سمجھتی ہوں۔"

"پھر میں کیا کروں آپا' کہاں جاؤں؟ وہ مجھے ناکردہ گناہوں کی کتنی بڑی سزا دے رہا



ہے؟ آپ بھی جانتی ہیں۔" ثمرین نے ایک سرد آہ بھری۔

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ تم اس سے طلاق لے لو۔ تمہاری شادی کہیں
بھی ہو جائے گی۔ کیونکہ تم ابھی جوان اور بہت حسین ہو۔ اور پھر اس شادی کے بارے
میں تمہاری امی اور ایک دو لوگوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تم ایک سیاہ کار کے پیچھے اپنی
زندگی اور مستقبل تباہ کیوں کر رہی ہو؟"

"وہ تو مجھے کسی مجبوری کی بناء پر طلاق نہیں دے پا رہا ہے۔ وہ نکاح نامہ مانگ رہا
ہے۔ وہ مجھے طلاق دیتے ہوئے نہ جانے کیوں اس قدر خائف سا ہے۔ وہ میری ذات سے
بہت ڈرتا ہے۔ پھر بھی مجھے اپنے ساتھ رکھنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اب تو وہ شگفتہ کے
لئے خوار ہو رہا ہے۔ شگفتہ نے اسے بہت اچھا سبق دیا ہے۔ پہلے تو میں یہ چاہتی تھی کہ
وہ یہ کچے بندھن توڑ کر مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔ مگر اب میں ایسا نہیں چاہتی
ہوں۔"

"وہ کیوں؟" سلطانہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "یہ جانتے ہوئے کہ اب وہ
تمہارا نہیں ہو سکتا ہے پھر بھی اپنے آپ کو فریب دے رہی ہو؟"

"میں ایسا محسوس کر رہی ہوں کہ وہ مجھ سے جتنا دور ہوا جا رہا ہے میں اس کے اتنا
ہی قریب ہوتی جا رہی ہوں۔ میری محبت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔"

"گویا تم نے اپنی ساری زندگی اس ریاکار کے پیچھے تباہ کرنے کا احمقانہ فیصلہ کر لیا
ہے۔" سلطانہ نے بگڑتے ہوئے تنک کر کہا۔ "یہ کیا پاگل پن ہے ثمرین! میں آج ہی اس
کے دفتر جا کر اس سے بات کرتی ہوں کہ وہ تمہیں طلاق دے دے۔ اسے نکاح نامے کی
کاپیاں اور تصویریں مل جائیں گی۔"

"نہیں آپ ایسا کوئی فیصلہ نہیں کرنا' یہ قدم نہیں اٹھانا۔ میں اس سے کبھی طلاق
نہیں لوں گی۔ اس نے طلاق دے دی تو وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

ثمرین اپنی بات کہہ کر تیر کی طرح باہر نکل گئی۔ سلطانہ بھونچکی سی ہو کر رہ گئی۔
اسے اندازہ نہ تھا کہ ثمرین' اویس سے اس قدر شدید محبت کرنے لگی ہے۔ یہ جانتے
ہوئے بھی کہ اب ثمرین اس کے لئے ایک مسلے ہوئے' روندے ہوئے پھول سے زیادہ
نہیں ہے۔ وہ حسن پرست ہے۔ سیاہ کار ہے۔ شادی کی آڑ میں اپنی خواہشات پوری کرتا
ہے۔ غریب اور نادار لڑکیوں سے شادی کر کے انہیں دھوکا دیتا ہے پھر بھی وہ اس کی محبت
کی آگ میں جل رہی ہے۔ یہ کیا پاگل پن ہے۔ یہ کیسی محبت ہے۔ یہ کیسا محبت کا جنون

ہے۔ محبت کا جذبہ بھی کیسا عجیب سا ہوتا ہے۔ یہ آدمی کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے۔
ثمرین گھر سے نکل کر اپنی گلی سے ہوتی ہوئی مین روڈ پر آئی۔ وہ بس اسٹاپ پر پہنچ کر بس کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کے روٹ کی بس آئی تو اس میں سوار ہو کر وہ اویس کے گھر کے علاقے کے بس اسٹاپ پر اتر گئی پھر اس کے محلے کی طرف بڑھی۔ اس نے اپنا پورا چہرہ نقاب میں چھپایا ہوا تھا۔

اویس کے محلے کے قریب ہی ایک دوسرا بس اسٹاپ تھا جہاں سے بسیں مخالف سمت کو جاتی تھیں۔ اسی بس اسٹاپ کے پاس ایک پان کی دکان تھی۔

اسے اویس کے معمولات کا پوری طرح علم تھا۔ اویس روز ہی اپنے گھر سے نکل کر اسی پان کی دکان پر آتا تھا۔ ان دنوں جب اس نے کوئی شکار پھانس کر اپنے ہاں رکھا ہوا ہوتا تھا۔ آج کل اس کے سنہرے پنجرے میں کوئی پنچھی نہ تھا۔ وہ اس دکان پر آکر سگریٹ اور پان خریدتا تھا۔ وہ اسے اس دکان پر کئی بار دیکھ چکی تھی۔ وہ بس اسٹاپ پر کھڑے ہو کر اس گلی کی سمت اپنی نگاہیں مرکوز کئے کھڑی رہی جدھر سے اویس کو اپنی موٹر سائیکل پر نمودار ہونا تھا۔

کوئی ایک گھنٹے کے کربناک اذیت کے انتظار کے بعد اسے اویس کی موٹر سائیکل دکھائی دی۔ وہ چاند کی طرح نمودار ہوا۔ اویس کو دیکھتے ہی اس کا دل سینے میں بلیوں اچھلنے لگا۔ وہ بڑی وارفتگی سے اس دکان کی طرف بڑھی تاکہ کہیں کھڑے ہو کر اویس کو قریب سے دیکھ سکے۔ اویس کی موٹر سائیکل رکی نہیں وہ تیزی سے مین روڈ کی طرف بڑھ گیا۔ یہ دیکھ کر اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ اسے ایک صدمے کا سا احساس ہوا۔ پھر وہ مین روڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ اویس کو جی بھر کے دیکھنے بھی نہیں پائی تھی کہ وہ ٹریفک کے ہجوم میں شامل ہو کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ گم صم سی کھڑی بڑی حسرت و یاس سے اس سمت دیکھتی رہی تھی۔ اویس اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا لیکن دل سے تو نہیں ہوا تھا۔ اس کے سینے میں جیسے غم کا سمندر شور کر رہا تھا۔ مگر وہ تو اس سے بڑے بڑے صدمات سے گزر چکی تھی۔ یہ نشتر اس کے لئے کوئی نیا نہیں تھا۔ اب تو وہ عادی ہو چکی تھی۔

اسی اثنا میں اس نے اپنے شانے پر ایک نرم و نازک ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ اس نے چونک کر ترچھی نظر سے اپنے شانے کی طرف دیکھا تو اسے ایک بہت خوبصورت اور سڈول ہاتھ دکھائی دیا۔ اس حسین ہاتھ کی ایک مخروطی انگلی میں ایک جڑاؤ انگوٹھی چمک



رہی تھی۔ یہ نسوانی ہاتھ تھا۔ اس ہاتھ کے لمس سے محبت کی گرمی اس کے جسم میں بجلی کی لہروں کی طرح اترتی چلی گئی تھی۔ ثمرین کے گھوم کر دیکھنے سے پہلے ہی وہ گھوم کر اس کی نظروں کے سامنے آگئی۔ ثمرین اسے دیکھتے ہی اچھل پڑی اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ ”دردانہ! تم؟“

دردانہ بھی سیاہ برقعے میں ملبوس تھی اور سیاہ نقاب میں سے اس کے سرخ و سپید چہرے کی رنگت اس طرح چھلک رہی تھی جس طرح کانچ کی صراحی سے شراب چھلکتی ہے۔ ابہام کی کیفیت نے اس رنگت کے جادو کو اور بڑھا دیا تھا۔ وہ نقاب الٹ کر حیرت سے بولی۔ ”تم نے مجھے خوب پہچانا ہے؟“

”چاند تو چاند ہوتا ہے میری جان! وہ لاکھ کتنے ہی گہرے بادلوں میں چھپا ہوا کیوں نہ ہو اس سے کیا ہوتا ہے۔ کیا میں اپنے چاند کو پہچان نہیں سکتی ہوں؟“

”مگر یہ چودھویں کا چاند بس اسٹاپ پر اور پھر ان بادلوں میں کیسے؟“ ثمرین متعجب ہو کر بولی۔ ”بھئی تمہیں کبھی برقع پسند نہیں تھا۔ تم تو کہتی تھیں کہ یہ پھانسی کے قیدیوں کا لباس ہے۔ آخر تم نے برقع اوڑھ لیا۔ میں اپنی زندگی میں پہلی بار تمہیں پھانسی کے قیدیوں کے لباس میں دیکھ رہی ہوں۔ یہ کیا انقلاب ہے؟“

”میں نے اپنی زندگی میں آج پہلی بار تمہیں پھانسی کے قیدیوں کا یہ لبادہ پہنا ہے۔“ دردانہ ہنس کر بولی۔ ”تم پہلی شناسا عورت ہو جس نے مجھے برقع میں دیکھا ہے۔ تم نے مجھے کیسے پہچان لیا؟ میں اتنی گوری تو ہوں نہیں کہ تمہاری طرح میرا حسن بھی نقاب سے چھلک پڑے۔“

”اگر تو سات پردوں میں بھی چھپی رہے تب بھی میں تجھے ایک نظر میں ہی پہچان لوں؟ کیونکہ تو میری جانِ وفا' جانِ دل' جانِ آرزو رہی ہے۔“ ثمرین نے توقف کر کے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ”تو تیری نقاب اُڑی جا رہی ہے اور چہرے کو عریاں کر رہی ہے۔ اسی وجہ سے انکشاف ہو گیا کہ ان بادلوں میں ایک چاند چھپا ہوا ہے یار! میں تجھے بھلا کیسے نہیں پہچانوں؟ ہماری دوستی اور محبت تو ایک مثال تھی دوسروں کے لئے؟“

”بس...... بس...... اب تو یہ شاعری بند کر۔“ دردانہ نے کہا۔ ”بس اسٹاپ پر اور بھی لوگ کھڑے ہیں۔ وہ تیری باتیں سن کر ہنسیں گے۔“

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم اس وقت برقع پہن کر کہاں مٹرگشت کرنے نکلی ہو کہاں سے آرہی ہو؟ کہاں جا رہی ہو؟“ ثمرین نے دریافت کیا۔

"میں بچوں کو اسکول چھوڑ کر آ رہی تھی کہ تم پر نگاہ پڑ گئی۔ میں نے تاڑ لیا کہ شکار میرا ہی ہے۔ یہ تم سویرے سویرے یہاں کیسے؟" دردانہ نے پوچھا۔ ثمرین کے چہرے پر یکایک زردی سی چھا گئی۔ اس کی آنکھوں سے حزن و ملال جھانکنے لگا تو دردانہ گھبرا گئی۔

"میری جانم! خیریت تو ہے؟"

"بس خیریت ہی نہیں ہے میری جان!" دردانہ کے اپنائیت بھرے لہجے کو سن کر اس کا دل بھر آیا تھا۔ آنکھوں کے کناروں میں صاف شفاف موتی دمکنے لگے۔ ثمرین نے اپنے آنسو چھپانے کے لئے جلدی سے چہرے پر نقاب ڈال لی تو دردانہ بولی۔ "چل میرے گھر چل وہاں چل کر ہم دونوں ایک دوسرے کے دکھڑے سنیں گی۔"

دردانہ اس کی ہم جماعت رہ چکی تھی۔ اس کی عزیز از جان سہیلی تھی۔ دردانہ کی دوستی اور بے لوث محبت پر اسے ہمیشہ ناز رہا تھا۔ یوں تو سہیلیاں بہت تھیں لیکن اس کے جیسی مخلص ایک بھی نہ تھی۔ دردانہ کی محبت کا جو چراغ اس کے دل میں جلا تھا وہ جلتا ہی رہا تھا مگر جب دردانہ کی شادی ہوئی تو اسے ایسا لگا تھا جیسے اس کی محبت، خلوص اور دوستی کو چھین لیا گیا ہو۔ شادی کے بعد لڑکیوں کی دوستی سسرال میں جا کر دفن ہو جاتی ہے۔ دردانہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ مگر وہ اس سے کبھی کبھار مل لیتی تھی۔ دردانہ شادی کے ایک سال کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ ایران چلی گئی تھی۔ اس کی دردانہ سے دو تین مہینے خط و کتابت ہوتی رہی تھی پھر دردانہ کی طرف سے خط اور اس کے خطوں کا جواب آنا بند ہو گئے تھے پھر اس نے بھی خط لکھنا بند کر دئے۔

آج سات آٹھ برسوں کے ایک لمبے عرصے کے بعد اچانک اور غیر متوقع اس کی ملاقات ہو گئی تھی۔ جس کا اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا۔ دردانہ کا گھر زیادہ دور نہ تھا۔ سڑک کے اس پار تھا۔ وہ دردانہ کے گھر میں داخل ہوئی تو دردانہ کے خوبصورت گھر کو دیکھ کر اس کے سینے میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔ اسے دردانہ کا گھر بہت پسند آیا تھا۔ بڑے سلیقے کا گھر تھا۔ دردانہ بچپن ہی سے نفاست پسند واقع ہوئی تھی۔ اس کی نفاست پسندی گھر کے سلیقے اور آرائش و زیبائش سے جھلک رہی تھی۔ آسودگی کی چھاپ تھی۔ جنت کا نمونہ تھا۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں لگ رہی تھی۔ اس گھر میں دردانہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ رہتی تھی۔ نہ ساس تھی نہ نند اور نہ دیور۔ اس نے بھی ایسے ہی گھر کا خواب دیکھا تھا مگر خواب تو بڑے دغاباز ہوتے ہیں۔ اس کے خوابوں کے سارے نگر اجڑے پڑے تھے۔



دردانہ کا شوہر صادق اپنی بیوی کے انتظار میں تھا کہ وہ گھر آئے تو دفتر جائے۔ دردانہ کے گھر میں داخل ہوتے ہی وہ ثمرین سے رسمی انداز سے سلام علیک اور چند ثانئے بات چیت کر کے اپنی شان دار اور نئی کار میں دفتر چلا گیا۔ کیونکہ آج اسے دفتر جانے میں دیر ہو رہی تھی۔ جب دردانہ کی شادی ہوئی تھی تب اس نے صادق کو دیکھا تھا۔ ایران جانے سے پہلے بھی وہ اس سے مل چکی تھی۔ وہ بہت خوبصورت اور پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اور دردانہ بہترین جوڑا تھے۔ جس نے بھی دیکھا، سراہا تھا۔ وہ اسے بڑی گرم جوشی اور اخلاق سے ملا تھا۔ اس میں خوش مزاجی بھی تھی۔ اس کی طبیعت نے ثمرین کو بہت متاثر کیا تھا۔

دردانہ نے ابھی ناشتہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ٹیلی ویژن جو نشست گاہ میں تھا آن کر دیا تھا تاکہ ثمرین بیٹھ کر پروگرام دیکھتی رہے۔ اتنی دیر میں وہ ناشتا تیار کر لے۔ ثمرین نہ اپنی دہ مہمان کی نہیں بلکہ ایک سہیلی کی حیثیت سے آئی تھی۔ کچن میں وہ دردانہ کا ہاتھ بٹاتی رہی۔ دونوں نے مل کر پراٹھے بنائے۔ انڈوں کا آملیٹ بنایا۔ قیمہ فرائی کیا پھر مکھن، ملائی اور جام جیلی سے کھانے کی میز سجا کر بیٹھ گئیں۔ اس نے دردانہ کو افسردہ سا پایا۔ اس نے افسردگی کو تھکن پر محمول کیا۔

ثمرین کو کچھ پتا نہیں تھا کہ دردانہ کے کتنے بچے ہیں اور نہ ہی اسے پوچھنا یاد رہا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "ہاں جانم! تم نے ان سات برسوں میں کتنا اسکور کیا؟"

"صرف دو میری جان!" دردانہ نے ہاتھ سے وکٹری کا نشان بنایا۔ "ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا چھ برس کا.......... لڑکی چار برس کی ہے۔"

"صرف دو؟" ثمرین کا چہرہ حیرت سے سوالیہ نشان بن گیا۔ "مگر تم تو کہتی تھیں کہ میں پوری کرکٹ ٹیم تیار کروں گی۔ بارہواں کھلاڑی بھی ہوگا۔ خاندان کے سارے ریکارڈ توڑ دوں گی۔ میں ان کی کپتان بن جاؤں گی۔ صادق کوچ ہوں گے۔ اب وہ بلند بانگ دعوے کیا ہوئے؟"

"بدمعاش کہیں کی!" دردانہ نے اس کی پشت پر دوہتڑ جمایا اور کہا۔ "آج کل کے بچے! خدا کی پناہ! میرے یہ دونوں بچے پورے گیارہ عدد بچوں پر بھاری ہیں۔ مجھے ایک پل کے لئے بھی چین نہیں لینے دیتے ہیں۔ اسکول سے گھر آنے کے وقت تک مجھے بڑا آرام اور سکون ملتا ہے۔"

"دن میں بچے.......... رات میں بھائی جان تنگ کرتے رہتے ہوں گے۔ کیوں کہ تم

آج بھی شعلہ مجسم اور شعلہ ساماں دکھائی دیتی ہو۔" ثمرین بولی۔

دردانہ نے ایک سرد آہ بھری۔ اس کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔ اس کی بڑی بڑی
خوبصورت آنکھوں میں جیسے ساری دنیا کا غم سما گیا۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔ "ایک بات سچ سچ
بتانا جھوٹ نہیں بولنا۔ ابھی تم نے کہا کہ میں آج بھی شعلہ مجسم اور شعلہ ساماں ہوں۔ یہ
سچ بات ہے یا جھوٹ؟ یا صرف مذاق ہے۔"

"بخدا اس میں مذاق کی کوئی بات نہیں ہے۔ ان سات برسوں میں تم حیات آفریں
ہو گئی ہو۔ تم میں بڑی کشش اور گداز پیدا ہو گیا ہو۔ سچ پوچھو تو تم دو بچوں کی ماں بالکل
بھی نہیں دکھائی دیتی ہو۔ تمہارا جسم ذرا بھی ڈھلا نہیں ہے۔ تمہارا سراپا قیامت ہے۔
اس میں کوئی مبالغہ' جھوٹ اور مذاق بالکل نہیں ہے۔"

"تمہیں یہ سن کر دکھ سے زیادہ حیرت ہو گی کہ صادق دوسری عورت کے چکر میں
پڑ کر مجھ میں کیڑے نکال رہا ہے۔ مجھ سے دور ہوتا جا رہا ہے۔"

"کیا کوئی عورت تم سے بھی زیادہ حسین و جمیل ہو سکتی ہے؟ وہ کتنی ہی حسین کیوں
نہ ہو وہ تمہاری جگہ نہیں لے سکتی ہے۔ کسی بے حیا عورت نے اپنا جال پھینکا ہو گا۔ کسی
دوسری وجہ سے اس عورت نے انہیں اسیر کر لیا ہو گا۔ کیا بھائی جان کو اس بات کا ذرا
احساس نہیں کہ ایسی عورتیں طوائف ہوتی ہیں؟"

"تم جانتی ہو کہ میرا حسن میرے لئے ہمیشہ ایک پرابلم رہا ہے۔" دردانہ یاسیت
کہنے لگی۔ "اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اپنے حسن سے کوئی عداوت یا کبھی کوئی نفرت
سی رہی ہو۔ کوئی مرد کسی عورت کی خوبصورتی سے اتنا پیار نہیں کرتا جتنا وہ خود کرتی
میں اس لئے پریشان تھی کہ اس حسن کی وجہ سے میرا رشتہ طے نہیں ہو پا رہا تھا۔ خاندان
والے ایک طرف تھے' دوسری طرف ملنے والے اور پڑوسی۔ مرد کہتے ہیں کہ خوبصورتی
میں ایک تاثر بھی ہوتا ہے۔ مگر مرد ایسا کیوں کرتے ہیں؟ وہ اس تاثر کو خریدنے کی
کوشش کرتے ہیں؟ اگر کسی کے اندر کوئی خوبصورتی نہیں ہے تو وہ باہر کی خوبصورتی
کر کیا کرے گا؟ مردوں میں بڑا دوغلا پن ہوتا ہے۔ تم جانتی ہو کہ صادق سے میری شادی
محبت کی شادی ہے۔ شادی سے پہلے اس کا منہ میری جان' مائی ڈارلنگ کہتے ہوئے
جاتا تھا۔ شادی کے لئے ہاتھ جوڑتا تھا۔ ایک نگاہ کے لئے ترستا تھا۔ گڑگڑاتا تھا۔ پاؤں
تھا۔ شادی کے بعد رفتہ رفتہ محبت کا رنگ و روغن اترنے لگا۔ آج اور کل کے صادق
بہت فرق ہے۔" وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہو گئیں



لمحوں کے بعد وہ گہری سانس لے کر بولی۔ "محبت کی شادی کا کتنا حسرت ناک انجام
ہوتا ہے۔ کیسی دردناک زندگی ہو جاتی ہے۔"

"تم گویا کانٹوں پہ چل رہی ہو۔" ثمرین بولی۔ "مجھے گھر میں قدم رکھ کر بھائی جان
سے مل کر ایسا لگا جیسے تم دونوں بہت خوش ہو۔ زندگی بڑی خوشگوار ہے۔"

"تم نے میری درد بھری کہانی سن لی۔ تم دکھی نہ ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہاری شادی
کہاں ہوئی؟ تمہاری ازدواجی زندگی کیسی گزر رہی ہے؟" دردانہ نے پوچھا۔

پھر ثمرین نے اسے اپنی پوری کہانی من و عن سنا دی۔ اس سے کوئی بات نہیں
چھپائی۔ جب کہانی سنا چکی تو دردانہ بولی۔ "میری جان! تمہاری کہانی تو مجھ سے بھی زیادہ
دردناک اور الم ناک ہے۔ کیا عورت ظلم کی چکی میں پسنے کے لئے پیدا ہوئی ہے؟ آخر
عورت کے ساتھ ایسا ستم' ایسا مذاق کیوں اور کس لئے ہوتا ہے؟"

"میں خود بھی اکثر تنہائی میں سوچتی رہتی ہوں۔ مرد عورتوں کو کھلونا سمجھتے ہیں۔ جی
بھر گیا تو اسے توڑ کر پھینک دیا۔ کیوں؟" ثمرین بولی۔

"ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ مرد ذات بڑی کمینی چیز ہے۔ وہ ہماری نرم
دلی اور خلوص و ایثار اور محبتوں سے ناجائزہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہمیں بہت کمزور' بے بس
اور مجبور سمجھتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ ایسے خبیث فطرت شوہروں کو ایسی عبرتناک سزا
دی جائے کہ وہ ساری زندگی یاد رکھیں۔"

"کیا تمہارے خیال میں مجھے اپنے شوہر سے بھیانک انتقام لینا چاہئے؟" ثمرین نے
حیرت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "محبت کو نفرت میں تبدیل کر دوں؟"

"ہاں۔" دردانہ بولی۔ "اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اولیس کسی بھی طور سے
محبت کے نہیں بلکہ نفرت کے قابل ہے۔ اس سے انتقام لینا فرض ہے۔"

ثمرین نے چونک کر حیران نظروں سے دردانہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے
چنگاریاں بھڑک رہی تھیں اور عارض دہک اٹھے تھے۔ ثمرین بولی۔ "اس طرح تو ہم اپنی
محبت کو کھو دیں گی۔ پامال کر دیں گی۔ ہم نے اس لئے تو محبت نہیں کی' شادی نہیں کی کہ
اسے دردناک انجام تک پہنچا دیں۔"

"میں کب یہ چاہتی ہوں کہ صادق کو کھو دوں۔ تم اپنے اولیس کو کھو دو۔ میں کسی
قیمت پر اپنے صادق کو کھونا نہیں چاہتی ہوں۔ کیونکہ وہ میرا سہاگ ہے۔ میرے بچوں کا
سایہ ہے۔ ان کا باپ ہے۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ ساری زندگی اس کا سایہ موجود

رہے۔ میرے ذہن میں ایک ایسی تدبیر ہے کہ سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ اس پر ہم دونوں نے عمل کیا تو تمہیں تمہارا اویس اور مجھے میرا صادق مل جائے گا۔"

"اگر ایسی کوئی تدبیر تمہارے ذہن میں موجود ہے تو پھر میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تدبیر کیا ہے۔ جلدی سے بتاؤ؟"

"بڑی آسان سی تدبیر ہے۔" دردانہ کے چہرے کے تاثرات یکایک بدل گئے۔ چہرے پر سفاکی چھا گئی۔ "تم اویس کے چہرے پر تیزاب پھینک دو۔"

"کیا کہا........ اس کے چہرے پر تیزاب پھینک دوں؟" ثمرین کے ہاتھ سے چائے کی پیالی چھوٹتے چھوٹتے بچی۔ "اپنے ہاتھوں سے؟"

"ہاں........ میری جان!" دردانہ نے سرہلایا۔ پھر وہ خشونت سے بولی تو اس کی آنکھوں سے درندگی جھانکنے لگی۔ "یہی اس کا حل ہے۔ اس طرح ہم اپنے اپنے شوہروں کو پا سکتی ہیں۔ تم اویس کے چہرے پر تیزاب پھینکو گی اور میں صادق کے چہرے پر۔ انہیں نہ کھونے کی یہی آخری صورت باقی رہ گئی ہے۔"

"مگر دردانہ جانی!" وہ متذبذب ہو کر بے قراری سے پہلو بدل کر بولی۔ "تم نے شاید یہ نہیں سوچا ہوگا کہ اس طرح سے ان کے چہرے مسخ ہو جائیں گے۔ بگڑ جائیں گے۔ کوئی ان کے چہروں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ وہ بہت ہی بدصورت ہو جائیں گے۔ تم اس کا تصور کر سکتی ہو؟"

"ہاں۔ مجھے اس بات کا احساس اور تصور بھی ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اویس کے دل سے 'وجود سے پیار کرتی ہو یا اس کے چہرے سے؟" دردانہ نے پوچھا۔

"مم........ میں اویس سے پیار کرتی ہوں۔ اس کے وجود سے۔ اس کی روح سے۔" ثمرین جذباتی ہو کر بولی۔ "محبت کہیں چہروں سے کی جاتی ہے؟"

"کیا حرج ہے اگر ذرا چہرہ بگڑ جائے۔" دردانہ نے تلخی سے کہا۔ "تمہارا اویس اور میرا صادق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا ہو جائے گا۔ شگفتہ کیا' میرے شوہر کی محبوبہ کیا' کوئی بھی ہمارے خوابوں اور گھروں کو اجاڑ نہیں سکے گا۔ پھر یہ مرد ساری زندگی کے لئے ہمارے غلام ہو کر رہ جائیں گے۔"

"تم نے کیا تدبیر سوچی ہے!" ثمرین نے خوش ہو کر بے ساختہ اس کا منہ چوم لیا۔ "لیکن کیا شوہر کا بدصورت چہرہ ہمارے لئے قابل برداشت ہوگا؟"



"اس تدبیر کے علاوہ میرے ذہن میں کوئی اور تدبیر نہیں آسکی تھی۔" دردانہ کہنے لگی۔ "ہم شوہر کا کتنا بھی خیال رکھیں۔ اس کی کتنی ہی خدمت کیوں نہ کریں۔ اس کی ہر ہر خواہش کے آگے اپنا سر تسلیم خم کیوں نہ کریں۔ کتنا ہی سج دھج کر اس کے سامنے کیوں نہ جائیں۔ اس کے باوجود ہمیں گھر کی مرغی دال برابر سمجھے گا۔ جب وہ بدصورت ہو جائے گا تو اس کے نزدیک کوئی عورت نہیں پھٹکے گی۔ وہ خود ہی کسی دوسری عورت کی طرف راغب نہیں ہوگا۔ رفتہ رفتہ ہم اس کے چہرے کی بدصورتی کی عادی ہو جائیں گی۔ صرف اور صرف ہمارا شریک سفر ہوگا۔ کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے نا؟"

ثمرین چند لمحوں تک سوچتی رہی۔ پھر اس کی خوبصورت آنکھیں چمک اٹھیں۔ "مجھے منظور ہے میرے چاند! کیا تمہارے پاس تیزاب موجود ہے؟"

"ہاں۔" دردانہ نے سرہلایا اور وہ ثمرین کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے سرگوشی کی جیسے دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ "میرے پاس اتفاق سے تیزاب کی ایک شیشی اور پستول فاضل ہے۔ وہ میں تمہیں دے دوں گی۔ اصل کام پستول کرے گا۔ پستول بڑے کام کی چیز ہے۔"

"پستول؟" ثمرین کے سارے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کے سینے میں ہیبت سی بیٹھ گئی۔ اس نے دہشت زدہ ہو کر سوچا۔ دردانہ کا منصوبہ کیا قتل کا بھی ہے؟ بات صرف چہرہ بگاڑنے کی ہے۔ پھر وہ تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ "مجھے پستول چلانا نہیں آتا ہے۔ مم........ میں پستول نہیں چلاؤں گی۔"

دردانہ اس کی بات سن کر اور اس کا چہرہ متغیر دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "اری او احمق! میں جو پستول دوں گی وہ کھلونا پستول ہوگا۔"

"کھلونا پستول کا کیا کام ہے؟" ثمرین نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔ "تم مجھے صرف تیزاب دے دو۔ میں اسے اویس کے چہرے پر پھینک دوں گی۔"

"تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو۔" دردانہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اس پستول میں تیزاب بھرا جائے گا۔ پھر اس سے چہرے پر پچکاری ماری جائے گی۔ پستول سے پچکاری مارنے میں یہ آسانی ہے کہ کم سے کم تیزاب بھی پھینکا جا سکتا ہے۔ تم اویس کے صرف ایک رخسار پر بڑی احتیاط سے پچکاری مارنا۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ اس کی آنکھ پر نہ پڑے ورنہ اس کی آنکھ ضائع ہو جائے گی پھر وہ ساری زندگی کے لئے کانا ہو جائے گا۔"

"پھر تو یہ پستول واقعی بڑے کام کی چیز ہے۔" ثمرین خوش ہو کر بولی۔ "اس پستول

سے بڑی آسانی ہو جائے گی۔ کام بہت آسان ہوگیا۔"

"میں نے یہ کھلونا پستول بچوں کو لا کر دیا تھا۔ انہی کے لئے' اور ایک دوسرے پچکاری مارتے ہوئے خیال آیا کہ کیوں نہ اس سے کام لیا جائے۔"

"مگر دردانہ........." ثمرین کو ایک خیال آیا تو وہ فوراً ہی چونکتے ہوئے بولی۔ "تم نے دوسرے پہلو پر بھی سوچا ہے کہ.........؟"

"کون سا پہلو؟" دردانہ نے اس کی بات کے درمیان کہا۔ "تم جانے کیا سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہو؟ دل میں ڈر رہی ہو؟"

"دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کے چہرے پر تیزاب پھینکنے سے کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟ مجھ سے بدظن ہو کر جیل کی ہوا نہیں کھلا دے گا؟"

"لیلیٰ کی بیٹی! تمہیں اس کے سامنے جا کر اس کے چہرے پر پچکاری تھوڑی مارنا ہے۔ یہ کام تو اس طرح کرنا ہے کہ اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو۔"

"وہ کیسے؟" ثمرین نے متحیر ہو کر اپنی پلکیں جھپکائیں۔ "اس طرح تو میں ساری زندگی بھی اس کے منہ پر پچکاری مار نہ سکوں گی۔"

"جب وہ گہری نیند سو رہا ہو تب بے خبری میں اس کے چہرے پر تیزاب کی پچکاری مار دینا اور فوراً ہی وہاں سے بھاگ نکلنا۔" دردانہ بولی۔

"ہاں۔ یہ زیادہ مناسب اور آسان رہے گا۔" ثمرین نے سر ہلایا۔ "لاؤ مجھے تیزاب اور پستول دے دو۔ پھر بھی یہ کام بڑے دل گردے کا ہے۔"

"اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے ثمرین! جب تک ہم اپنے سیاہ کار شوہروں کو سبق نہ دیں گی وہ سدھریں گے نہیں۔" دردانہ بولی۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ انہیں سبق دینا اشد ضروری ہے۔ اگر اس کا چہرہ میں بدنما نہ کر سکی تو پھر میری ساری زندگی بدنما ہو کر رہ جائے گی۔"

دردانہ نے کچن میں سے ایک پستول اور ایک چھوٹی رنگین شیشی لا کر اسے دکھائی۔ اس شیشی میں تیزاب بھرا ہوا تھا۔ اسے بتایا کہ پستول میں کس طرح سے تیزاب بھرا جائے گا۔ اس نے ایک مرتبہ پستول بھر کے دکھایا۔ پھر اس نے ثمرین سے کہا کہ وہ بھی پستول میں تیزاب بھر کے دکھائے۔ ثمرین نے اسے تیزاب بھر کے دکھایا۔ پھر اس نے پستول اور تیزاب کو بڑی احتیاط سے اپنے پرس میں رکھ لیا۔

جب وہ دردانہ کے ہاں سے نکلی تو اس وقت دن کے بارہ بج رہے تھے۔ وہ بہت



خوش تھی۔ اس کے ہونٹوں پر تلخ مگر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

ثمرین گھر پہنچ کر کچھ دیر دردانہ کی زندگی کے بارے میں سوچتی اور اس کی باتوں کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ پھر اس نے دردانہ کے بتائے ہوئے منصوبے پر غور کرنا اور اس کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس کے نزدیک دردانہ نے بڑی اچھی تدبیر سوچی تھی۔ اس طرح کھوئی ہوئی منزل پھر سے مل سکتی تھی' لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا۔ اس کے لئے بڑا مشکل تھا کہ اویس کے گھر میں چوروں کی طرح داخل ہو کر اور سب کی نظریں بچا کر اویس کے چہرے پر تیزاب پھینک آئے۔ اسے اس بات کا بھی خیال رکھنا تھا کہ تیزاب اویس کے پورے چہرے پر نہ پڑے۔ اگر اویس فلیٹ میں ہوتا تو تیزاب اس پر پھینکنا اس کے لئے مشکل نہ تھا۔ اس کے پاس اس فلیٹ کی ایک ڈپلی کیٹ چابی تھی جو اس نے موقع پا کر بنا کر رکھی ہوئی تھی۔ اس بات کا اویس کو علم نہ تھا۔

دردانہ نے اسے بڑی سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ اس منصوبے میں نہ تو کسی کو شریک کرے' نہ ہی کسی پر بھروسا کرے اور نہ ہی کسی کو ہمراز بنائے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی کزن سلطانہ کو بھی اعتماد میں نہ لے۔ اس لئے کہ اسے ہر کوئی اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا۔ وہ دو دن تک عجیب شش و پنج میں مبتلا رہی تھی۔ ذہنی کش مکش نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ اسے اویس تک پہنچنے کے لئے کوئی دوسرا اور سہل راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے فلیٹ کے چوکی دار سے غیر محسوس انداز سے مل کر معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ اویس نے بہت دنوں سے اپنے فلیٹ میں جھانکا تک نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اویس نے کوئی نیا شکار نہیں پھانسا تھا۔ شادی نہیں کی تھی۔ شاید نہ کرنے کا ارادہ تھا۔ اس لئے کہ وہ شگفتہ کے غم میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔

کوئی پانچویں دن وہ دردانہ سے ملنے اس کے ہاں پہنچی تو دردانہ نہیں تھی۔ البتہ دردانہ کی نند زاہدہ موجود تھی۔ اس نے پہلی بار زاہدہ کو دیکھا تھا۔ اس سے ملی تھی۔ جب اس نے اپنا تعارف کرانے کے بعد دردانہ کے بارے میں پوچھا تو زاہدہ نے جواب دیا۔

"وہ جیل میں ہے۔"

"دردانہ جیل میں ہے؟" ثمرین اس طرح اچھل پڑی جیسے اسے سنسنا دینے والا برقی جھٹکا لگا ہو۔ وہ سمجھ گئی کہ اس نے اپنے شوہر کے چہرے پر تیزاب پھینکا ہو گا جب ہی اسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ اس نے انجان بن کر پوچھا۔ "کس جرم میں دردانہ کو جیل میں ڈالا گیا ہے؟"

"اس نے اپنے شوہر کی دوست عورت کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا تھا اس عورت کی ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی ہے اس عورت کے رشتہ داروں نے پولیس میں دردانہ کے خلاف رپورٹ درج کرا کے اسے جیل میں ڈال کر چھوڑا اور وہ عورت اسپتال میں زیرِ علاج ہے۔"

"دردانہ نے عورت کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا۔" ثمرین دنگ رہ گئی۔ اسے معاً خیال آیا کہ دردانہ نے تو اپنے شوہر کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اسے بھی یہی مشورہ دیا تھا پھر اس نے یہ غیر متوقع حرکت کیوں اور کس لئے کی؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ دردانہ نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس سے تو سارا مقصد فوت ہو گیا۔ اگر دردانہ کا شوہر کسی دوسری عورت کی طرف ملتفت ہو گیا تو وہ کیا کرے گی؟

اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد زاہدہ سے پوچھا۔ "دردانہ کو کتنے دنوں کی سزا ہوئی ہے؟"

"ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے۔" زاہدہ نے جواب دیا۔ "صادق اسے ضمانت پر رہائی دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شاید وہ دو ایک دن میں ضمانت پر رہا ہو جائے۔"

"دردانہ نے یہ حرکت کس لئے کی؟" ثمرین نے اسے ٹٹولنے کے خیال سے پوچھا۔ "مجھے یقین نہیں آرہا ہے کہ وہ ایسی حرکت بھی کر سکتی ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم کہ دردانہ نے کس بنا پر یہ حرکت کی۔ صادق نے بتایا تھا کہ اسے اس عورت سے کسی وجہ سے سخت نفرت تھی۔" زاہدہ نے جواب دیا۔

اس نے محسوس کیا کہ زاہدہ ایک تیز اور گہری عورت ہے۔ کسی وجہ سے وہ اصل بات بتانے سے گریز کر رہی ہے پھر اس نے زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔

کوئی ایک ہفتے کے بعد وہ دردانہ کے ہاں پہنچی تو دیکھا کہ دردانہ گھر پر موجود ہے۔ وہ تنہا ہی تھی۔ صادق اور زاہدہ گھر پر نہیں تھے۔ بچے بھی اسکول گئے ہوئے تھے۔ وہ تین دن پہلے ضمانت پر رہا ہو کر آئی تھی اور بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دردانہ کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے لپٹ گئی۔ پھر اسے بے تحاشا چوم لیا۔ دردانہ اسے اپنے بیڈ روم میں لے آئی تاکہ یہاں اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کی جا سکیں۔

ثمرین نے انتہائی بے صبری اور بے چینی سے پوچھا۔ "میرے چاند تُو نے یہ کیا کیا؟ اس عورت کے چہرے پر تیزاب کیوں پھینک دیا؟"

"اس لئے کہ اس حرافہ نے اپنی مصیبت کو دعوت دی تھی۔ خود اپنے پیروں پر



کلہاڑی ماری، ظاہر ہے اس کا یہی حشر نشر ہونا تھا۔"

"میں تمہاری بات سمجھی نہیں۔" ثمرین نے پلکیں جھپکائیں۔ "اس نے تمہارے ساتھ کیا بدتمیزی کی؟ تمہیں دھمکیاں تو نہیں دی تھیں؟"

"وہ اس روز میرے سینے پر مونگ دلنے کے لئے صادق کے ساتھ بڑی بن ٹھن کر گھر آئی تھی، میں نے پھر اس کا شاندار استقبال کیا۔"

"لیکن اس کی اتنی ہمت کیسے ہوئی؟ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے شوہر کے چہرے پر تیزاب پھینکوں گی۔ تم نے مجھے بھی یہی مشورہ دیا لیکن تم نے عین وقت پر عورت کو نشانہ بنا دیا۔"

"پوری کہانی سنو تو پھر ساری بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔" دردانہ کہنے لگی۔ "اس روز میں نے صادق کی آواز سنی جو صاف سنائی نہیں دی تھی۔ میں نے تصدیق کرنے کے لئے حسبِ معمول کھڑکی سے باہر جھانکا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ وہ محترمہ بڑی شانِ بے نیازی سے اگلی نشست پر اس طرح براجمان ہیں جیسے گاڑی ان کے باپ کی ہو اور صادق بھی ملکیت ہوں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ اس عورت کی آنکھوں میں خود سپردگی تھی۔ صادق تو اس کے غلام کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ ہندوستانی فلموں جیسا رومانی منظر دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ میرے جی میں آیا کہ اس کمینی کی ایسی خاطر تواضع کروں کہ ساری زندگی مجھے یاد رکھے لیکن میں نے بڑی مشکل سے اپنے غصے پر قابو پایا۔

"میں اسے کوئی دو تین مرتبہ صادق کے ساتھ زیب النساء اسٹریٹ، بوہری بازار اور طارق روڈ پر شاپنگ کرتے ہوئے دیکھ چکی تھی۔ میں اسے خوب پہچانتی تھی۔ اسے اور اس کے چہرے کو کیسے بھول سکتی تھی جو میرا گھر اجاڑنے اور میرے بچوں کا مستقبل تباہ کرنے تلی ہوئی تھی۔ وہ ڈائن سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ جس وقت وہ اپنا سراپا سمیٹ کر کسمساتی ہوئی سی کار سے اتری تو دیکھا کہ کسی دلہن کی طرح خوب سج دھج کر آئی ہے۔ میرا ماتھا ٹھنکا مجھے اپنے دل میں کوئی نوکیلی سی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی کہ کہیں صادق نے اس سے شادی تو نہیں کر لی۔ اس کے لباس اور میک اپ سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ محترمہ زیورات سے بھی لدی پھندی ہوئی تھیں۔ میرا مشکوک ہو جانا اس لئے بھی فطری تھا کہ اس کے ہاتھوں میں مہندی بھی لگی ہوئی تھی۔ مجھ پر کوئی بجلی سی آگری تھی۔ چند لمحوں کے لئے ساکت سی ہو گئی مگر میرے دل کی حالت اندر سے بڑی

غیر ہو رہی تھی۔

"وہ دونوں بڑی ڈھٹائی سے اندر آئے۔ کچھ دیر کے بعد انکشاف ہوا کہ ان کی ابھی شادی خانہ آبادی نہیں ہوئی ہے بلکہ اسی ہفتے بڑی دھوم دھڑکے اور روایتی انداز سے ہونے والی ہے۔ وہ ڈائن کسی سیاسی اپوزیشن لیڈر کی طرح مجھ سے براہ راست بات کرنے آئی تھی۔ وہ رسمی باتوں کے بعد بڑی اداؤں اور نخروں سے کہنے لگی۔ "ہم دونوں میں اتنی انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہے کہ اب ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر ایک دن تو کیا ایک گھنٹہ بھی نہیں رہ سکتے ہیں۔ اس لئے ہم دونوں آئندہ ہفتے شادی کر رہے ہیں۔ شاید آپ کو صادق نے بتایا ہوگا؟

"آپ اسی گھر میں رہیں گی جس طرح رہتی چلی آ رہی ہیں۔ ہم گلشن اقبال کے فلیٹ میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ صادق ایک دن آپ کے ساتھ رہیں گے اور ایک دن میرے ساتھ' میں بڑی حقیقت پسندی کا ثبوت دے رہی ہوں لہٰذا آپ سوچیں کیا کرنا ہے' میں کسی قیمت پر نہیں چاہوں گی کہ صادق آپ کو طلاق دے دیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ بھی حقیقت پسندی کا ثبوت دیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرلیں۔"

دردانہ نے چند لمحے توقف کیا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لینے کے بعد زہریلے لہجے میں اپنی کہانی جاری رکھی۔ "ثمرین! تمہیں کیا بتاؤں؟ جب اس کی باتیں میرے لئے ناقابل برداشت ہوگئیں تو میں اپنی جگہ سے اٹھی اس نے پوچھا۔ "آپ کہاں چلیں؟" میں نے مسکرا کے جواب دیا۔ "آپ تشریف رکھیں تاکہ میں آپ کی اچھی طرح سے خاطر تواضع کرسکوں۔ بعد میں آپ کو اور میرے شوہر کو کوئی شکایت نہ ہو۔"

میری بات سن کر وہ کہنے لگی۔ "پلیز! بہن آپ تشریف تو رکھیں' ابھی آپ سے بہت سارے معاملات طے کرنے ہیں۔ بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"

میں نے اسے برجستہ جواب دیا۔ "آپ مجھے بہن نہ کہیں' کیونکہ بہن بنانے سے نکاح حرام ہو جائے گا۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھیں۔"

یہ سنتے ہی اس کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ پھر فق ہوگیا پھر زرد سا پڑ گیا۔ میں دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے مجھے روکنے کی کوشش کی۔

میں دوسرے کمرے کے پردے کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہو گئی۔ کمرے میں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ اس سکوت کو آخر میرے شوہر نے ہی توڑا۔ وہ اس کمینی سے فرمانے لگا۔ "او شیبا ڈارلنگ! تم نے تو واقعی کمال کر دیا۔ تم نے کتنی خوبصورتی سے دردانہ کو شیشے



میں اتار لیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم نے مجھے اتار رکھا ہے۔ تم میری جان' عورت نہیں جادوگرنی ہو' تم نے تو اس پر جادو کر دیا ہے' ہے نا؟"

وہ صادق کی بات سن کر اترائی' مسکرائی پھر کھنکتی ہوئی بولی۔ "ڈارلنگ! مجھے تو حیرت ہے کہ تم نے اس بوتل جیسی سفید چمڑی کی عورت کے ساتھ آٹھ برس کیسے نباہ کرلیا؟ اس کے علاوہ یہ سلیقہ مند بھی نظر نہیں آتی ہے یہ تو گھر میں کسی نوکرانی کی طرح لگ رہی ہے۔"

"واٹ نان سنس!" میرے شوہر اس کے کان کے پاس اپنا منہ لے جا کر بولے۔ "حسن بنگال اور ان ناگن زلفوں نے مجھے ایسا اسیر بنا لیا ہے۔ جو نمک تمہارے چہرے پر ہے وہ دردانہ میں کہاں.......... تمہارا اس کا کوئی مقابلہ نہیں ہے' تم لاکھوں میں ایک ہو۔"

صادق کچھ اور کہنا چاہتے تھے مگر اس کمینی نے صادق کے ہونٹوں کو بولنے نہیں دیا تو مجھے ایسا لگا کہ میرے اندر کا آتش فشاں یک لخت پھٹ پڑا ہو۔ اچھا ہوا گھر میں سچ مچ کا کوئی پستول نہیں تھا۔ ورنہ اس کی تمام گولیاں اس عورت کے سینے میں اتار دیتی۔ پھر کیا تھا ادھر میرا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ اس منظر کو دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں رہی تھی۔ میں نے کھلونا پستول میں تیزاب بھرا پھر تیزی سے لپکتی ہوئی کمرے میں پہنچی تو وہ دونوں دنیا مافیہا سے بے نیاز بنے ہوئے تھے۔ جلتی پر تیل چھڑکنے کے لئے اس عورت نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ بے شرمی' بے حیائی اور دیدہ دلیری کی انتہا تھی کہ گھر میں میری موجودگی میں محبت کا ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔ وہ کمینی میرے وجود کو ڈسنے آئی تھی۔ زہریلی ناگن تھی۔

میں ان کے قریب پہنچ کر ہذیانی لہجے میں چیخی۔ "کیا یہ عروسی کمرا ہے؟ تم لوگوں کو محبت کا کھیل کھیلنے کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ملی؟"

وہ دونوں تڑپ کر الگ ہو گئے اور جھینپ گئے۔ صادق کا چہرہ تو جھک گیا اور پورے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی تھی۔ ان کی نگاہوں میں اتنی تاب نہ رہی تھی کہ مجھ سے نظریں چار کرسکیں اور پھر انہیں موقع ملتا تو شاید وہ کمرے سے تیر کی طرح نکل جاتے۔

مگر اس حقیقت پسند اور بے شرم پر تو کچھ اثر نہ ہوا۔ اس میں جیسے شرم نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی عورت نہیں دیکھی اگر اس میں شرافت

نام کی کوئی چیز ہوتی تو وہ چلو بھر پانی میں ڈوب مرتی۔ وہ جھینپی جھینپی سی ہنسی سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ سی چمک تھی۔ اس کی آنکھیں کہے دے رہی تھیں کہ دیکھا تم نے.......... میں نے تمہارے شوہر کو کیسا غلام بنا رکھا ہے۔ اب یہ میری مٹھی میں ہے۔ میرا سب کچھ ہے۔ میرے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے' اب میں تمہیں دودھ میں گری ہوئی مکھی کی طرح جب چاہے نکال کر پھینک سکتی ہوں۔

جب میں نے اس کی نظروں کے سامنے پستول لہرایا تو اس نے اسے ایک عام سا کھلونا پستول سمجھا۔ وہ بڑے زور سے ہنسی۔ اس کی ہنسی میرے سینے میں خنجر کی طرح اتر گئی۔ پھر وہ بولی۔ "کیا تم ہماری محبت کا امتحان لینا چاہتی ہو؟ تم اصلی پستول لے کر بھی آؤ تو ہماری محبت نہیں مر سکتی ہے۔"

میں نے کرخت لہجے میں کہا۔ "ڈائن......... تم بہت خوش قسمت ہو کہ گھر میں پستول نہیں ہے' کاش! اس وقت سچ مچ کا پستول ہوتا۔"

"پستول ہوتا بھی تو تم کچھ نہ کر سکتی تھیں۔ اچھا ہی ہوا پستول نہیں ہے ورنہ تم ہماری محبت کو دیکھ کر خود کشی کرنے پر مجبور ہو جاتیں۔"

"پستول سے تو میں بہت کچھ کر سکتی تھی۔" میں نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ "تمہاری لاش اور تمہاری میلی اور غلیظ محبت خون میں لت پت ہوتی لیکن تمہاری سزا موت نہیں ہے' کیونکہ تمہیں گولی مارنے سے تم فوراً مر جاتیں۔ یوں تو تمہیں اسی وقت مر جانا چاہئے تھا لیکن بے حیا' بے غیرت اور بے ضمیر نہیں مرتے ہیں۔ میں تمہیں ایک سزا دے رہی ہوں جو تم جیسی چڑیل عورتوں کے لئے سبق ہو گا۔ اذیت سے بڑی سزا کوئی نہیں ہے اور پستول میں تیزاب ہے جو میں تمہارے چہرے پر پھینک رہی ہوں تاکہ تمہارا چہرہ تمہاری طرح داغ دار ہو جائے۔"

جب میں نے پستول سے اس کی طرف شست باندھی تو اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ پھر وہ ہنسی بھول گئی۔ اس نے دہشت زدہ ہو کر ایک چیخ ماری۔

"ڈرو نہیں بہن!" میں نے استہزائی لہجے میں کہا۔ "تم ان چیخوں کی عادی ہو جاؤ گی۔ تمہارا اور چیخوں کا ملن ساری زندگی کے لئے ہو گا۔"

میں نے اس کے ہونٹوں کو نشانہ بنایا جنھوں نے میری امانت اور میرا سہاگ چھیننے کے لئے مجھے یہ منحوس خبر سنائی تھی کہ صادق اب اس کا ہونے والا ہے۔ اس کی چیخ سن کر صادق نے اپنا سر اوپر اٹھایا تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ "صادق آپ کس قدر بدذوق



ہیں۔ آپ نے عشق' سیاہ کاری اور شادی کے لئے کیسی عورت کا انتخاب کیا۔ کیا دنیا میں حسین عورتوں کی کوئی کمی ہے؟ آپ کے لئے کیا کمی ہو سکتی ہے۔ آپ کے پاس گاڑی ہے' اعلیٰ عہدہ ہے' بینک بیلنس ہے سب سے بڑھ کر آپ خوبصورت بھی ہیں۔ اس عورت میں تو حسن و جمال ہے اور نہ ہی اس کا جسم اتنا خوبصورت اور پُرکشش ہے کہ اس پر ریشہ خطمی ہو جایا جائے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ اس نے آپ کو کچھ گھول کر پلا دیا ہے۔ آپ کو سوکن لانا ہی تھی تو ایسی تو لاتے کہ دنیا والے کہتے کہ ہاں بھئی واقعی یہ نگینہ ہے یہ تو پوری ڈائن لگ رہی ہے۔ اس کے چہرے پر کتنی خباثت ہے۔"

اگلے لمحے وہ مجھ سے پستول چھیننے کے لئے مجھ پر چیختے ہوئے جھپٹے جیسے کوئی عقاب اپنے شکار پر جھپٹتا ہے مگر انہیں دیر ہو گئی تھی۔ میں نے پستول کی لبلبی دبا دی۔ میری کلائی صادق کی گرفت میں آئی تو ہاتھ بہک گیا۔ تیزاب کی ایک پچکاری اس کی آنکھ اور چہرے پر پھیل گئی۔ پھر کیا تھا اس کی دل خراش چیخوں نے گھر ہی کو نہیں بلکہ پورے محلے کو سر پر اٹھا لیا۔ میں نے ایک جھٹکے سے کلائی صادق کے ہاتھ سے چھڑوا لی اور دو قدم پیچھے ہٹ کر صادق سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ "خبردار! جو آپ میری راہ میں آئے۔ آپ میری ایک بات کان کھول کر سن لیں' اگر آپ اب بھی اس واقعے سے راہ راست پر نہیں آئے تو پھر سن لیں میں کل تیزاب آپ کے چہرے پر بھی پھینک سکتی ہوں تاکہ کوئی عورت آپ کی طرف دیکھنا پسند نہ کرے۔"

"تم نے یہ اچھا نہیں کیا دردانہ!" صادق نے مجھ سے غصے سے کہا۔ "تم نے اس کے ساتھ بہیمانہ سلوک کیا ہے یہ تمہیں زیب نہیں دیتا تھا۔"

"آپ شکر ادا کریں کہ میں نے تو آپ کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ اس فاحشہ پر اس لئے تیزاب پھینک دیا کہ وہ میرے سینے پر مونگ دلنے آ گئی تھی۔ کیا اسے اور آپ کو زیب دیتا تھا کہ مجھ پر بلا وجہ ظلم کیا جائے' آخر آپ کس لئے اس سے شادی کرنا چاہتے تھے؟"

اس وقت چوں کہ اڑوس پڑوس سے لوگ اس کی دل خراش چیخیں سن کر آ گئے تھے اس لئے صادق نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ جواب بھی کیا دیتے۔ ان کے پاس جواب دینے کے لئے تھا بھی کیا۔ وہ اس وقت مجھ سے بہت خائف اور سراسیمہ ہو گئے تھے کہ کہیں ان کے چہرے پر بھی تیزاب نہ پھینک دوں۔ میں ان کے چہرے پر بھی تیزاب پھینک دیتی اگر میری پڑوسن کے سسر میرے ہاتھ سے پستول نہ چھین لیتے۔

دردانہ نے سانس لینے کے لئے توقف کیا تو ثمرین نے پوچھا۔ "پھر کیا ہوا؟ کیا تمہیں
اسی وقت گرفتار کر کے پولیس لے گئی تھی؟ حوالات میں بند کر دیا تھا؟"

"نہیں۔" دردانہ نے جواب دیا۔ "اس کمینی عورت کی چیخیں سن کر صرف مرد ہی
نہیں بلکہ عورتیں بھی آ گئی تھیں۔ صادق اسے اسی وقت اپنی گاڑی میں ڈال کر اسپتال
لے گئے۔ اس نے دوسرے دن باپ بھائی کے کہنے پر پولیس کو میرے خلاف جھوٹا بیان
دیا یعنی خوب نمک مرچ لگایا پھر پولیس گھر آ کر مجھے گرفتار کر کے لے گئی۔ صادق نے اس
بات کی بہت کوشش کی کہ یہ معاملہ دب جائے۔ پولیس تک نہ پہنچے۔ انہوں نے ایک
بھاری رقم کی پیش کش کی۔ شاید اس عورت سے کہا تھا کہ اس کے صحت یاب ہو جانے
کے بعد اس سے شادی کر لیں گے لیکن وہ نہ مانی۔ وہ تو مجھے جیل بھیجنے پر تلی ہوئی تھی۔
پھر مجھے صادق ضمانت پر رہا کروا کر گھر لے آئے' اب عدالت میں میرے خلاف مقدمہ
چلے گا' ہمارے وکیل صاحب جو رشتہ دار بھی ہیں انہوں نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ تم
فکر نہ کرو' میں اس مقدمے کو اس قدر طول دوں گا کہ وہ خود تنگ آ کر مقدمہ واپس لے
لے گی۔"

"تم نے کیا زبردست اور سنسنی خیز کہانی سنائی ہے' سن کر جی خوش ہو گیا۔" ثمرین
ہنس کر بولی۔ "اس واقعے کا بھائی جان پر کچھ رد عمل ہوا؟ اب ان کے کیا ارادے ہیں؟
عشق کا بھوت سر سے اترا کہ نہیں؟ وہ اپنی لیلیٰ سے شادی کر رہے ہیں؟ وہ اب کہاں
ہے؟"

"اس محبت کا ڈراپ سین تو اسی روز ہو گیا تھا جس روز میں جیل سے رہا ہو کر آئی
تھی۔" دردانہ کہنے لگی۔ "ان کا رد عمل کیا ہونا تھا؟ اس روز صادق بڑے نادم اور شرمندہ
تھے۔ مجھ سے بڑی معافیاں مانگیں کہ ان سے بھول ہو گئی' دراصل اس عورت نے ان کی
کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں غلاظت کی دلدل میں کھینچ لیا تھا۔ پھر انہوں نے دل و
جان سے مجھ سے عہد کیا کہ اب وہ کسی اور عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں
گے۔ صرف میرے ہو کر رہیں گے۔

"میں نے ان سے کہا کہ مجھے آپ کی باتوں اور آپ کی محبت پر اعتبار نہیں رہا ہے۔
آپ جب ایک بار پستی میں گر چکے ہیں تو بار بار گرتے رہیں گے۔ انہوں نے مجھ سے
پوچھا کہ میں کس طرح تمہیں اپنی محبت اور وفاداری کا یقین دلا سکتا ہوں۔ میں نے ان
سے کہا کہ آپ یہ مکان میرے نام لکھ دیں' میرے نام پانچ لاکھ روپے فکسڈ ڈپازٹ کرا



اپنی تنخواہ کا ساٹھ فیصد حصہ مجھے ہر ماہ دیا کریں۔ انہوں نے میری تینوں شرائط مان
پانچ لاکھ کی رقم بینک میں میرے نام سے فکسڈ ڈپازٹ ہو چکی ہے' میرے نام مکان
کاغذات بھی ہو گئے ہیں' تنخواہ کا ساٹھ فیصد حصہ مل چکا ہے۔"

"مبارک ہو میری جان!" ثمرین نے اسے بڑی محبت اور گرم جوشی سے مبارک باد
"تمہیں تمہارا سہاگ اور بچوں کو ان کے باپ کا سایہ مل گیا۔"

"میں تمہارے لئے بھی رات دن دعا کرتی رہوں گی کہ تمہیں تمہارا اویس مل
جائے' تم جلد سے جلد اپنی منزلِ مراد پا لو' تمہاری جھولی خوشیوں سے بھر جائے۔"

"اللہ نے چاہا تو تمہاری دعا قبولیت حاصل کر لے گی کیونکہ تم سچے دل اور دردمندی
سے میرا گھر آباد ہونے کی دعا کرتی ہو۔" ثمرین بولی۔

"حیرت کی بات ہے کہ تم نے اب تک اویس کو راہِ راست پر لانے کے لئے کوئی
قدم نہیں اٹھایا؟ کیوں' کیا کوئی خوف مانع ہے؟" دردانہ نے پوچھا۔

"اصل بات یہ ہے کہ میں موقع کی تلاش میں ہوں۔ اب تک مجھے موقع نہیں ملا
ہے۔ کبھی نہ کبھی تو ملے گا آخر۔ دیر ضرور ہو رہی ہے مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا
ہے۔"

ثمرین نے گو اس روز ہی دردانہ سے تیزاب اور پستول لے کر اپنے گھر لے جا کر
رکھ لیا تھا مگر وہ شروع ہی سے اویس کے چہرے پر تیزاب پھینکنے کے لئے ذہنی طور پر تیار
نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو آمادہ کرنے کی بڑی کوشش کی تھی مگر کامیاب
نہ ہو سکی پھر اس نے منصوبے کو ذہن سے نکال کر پھینکنا بھی چاہا تھا کیونکہ اس منصوبے پر
عمل کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی جرأت اور حوصلہ بھی دم
توڑ رہا تھا۔

ثمرین جب دردانہ کے ہاں سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی تب اس
نے بس اسٹاپ پر اویس کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس نے
اس کے چہرے پر ایک گہری اداسی چھائی ہوئی دیکھی تھی۔ وہ کھویا کھویا سا تھا۔ اس نے اویس کے
چہرے سے محسوس کیا تھا کہ وہ آج بھی شگفتہ کی چاہت اور اس کے حصول کے لئے پاگل
ہے۔ مچھلی بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے۔ فراق کی آگ میں جل رہا ہے۔ اس نے دل
میں سوچا کہ وہ کس آگ میں جل رہی ہے' کیا اویس اس کی تپش محسوس نہیں کر رہا
ہے۔ شگفتہ نے اسے اتنی زبردست چوٹ دی اب بھی عقل نہیں آئی۔ ایک بار آدمی اتنی

بڑی ٹھوکر کھانے کے بعد سنبھل جاتا ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ اویس سے ٹیلی فون پر کر
نہ بات کرکے اس کے دل میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنے کی کوشش کرے لیکن اسے ا
بات کا احساس تھا کہ شگفتہ کا جو بھوت اویس کے اعصاب پر سوار ہے وہ آسانی سے اتر
والا نہیں ہے۔

اس نے ایک رات جاگ کر سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ شگفتہ کا بھوت اس
وقت تک اتر نہیں سکتا ہے جب تک اویس کا چہرہ بگاڑ نہ دیا جائے۔ وہ سوچ سوچ کر
صرف اپنا وقت ضائع کر رہی ہے بلکہ ذہنی اذیت میں بھی مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔ اب اسے
تخت یا تختہ کا انتخاب کرنا ہے۔ آخر وہ کب تک اویس کے فراق کی آگ میں جلتی او
تڑپتی رہے گی۔ وقت کتنی تیزی سے گزرتا اور پر لگا کر اُڑتا جا رہا ہے۔ اسے جلدی کر
چاہئے۔

ثمرین دو مرتبہ رات کے وقت اویس کے فلیٹ میں اس خیال سے گئی کہ شاید
اسے سوتا ہوا مل جائے۔ دن میں بھی ایک دو چکر لگائے تھے۔ اویس اسے نہیں ملا تھا۔
اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ دو ایک دن میں رات کے وقت اویس کے گھر میں
جائے گی۔ اب اس نیک کام میں دیر نہیں کرے گی۔ وہ ایک روز دن ڈوبنے کے بع
اویس کے گھر کے محل و وقوع کا جائزہ لینے کے لئے پہنچ گئی۔ اس نے اویس کے گھر والو
کو ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے دیکھا۔ اویس کی ماں، بھائی اور دونوں بہنیں ٹیکسی میں شا
کسی تقریب میں شرکت کے لئے جا رہی تھی کیونکہ انہوں نے بھڑکیلے لباس پہن ر
تھے۔ پھر اس نے ٹیکسی جانے کے بعد ماسی کو اویس کے گھر سے نکل کر جاتے ہوئے دیک
تو اسے تعاقب کر کے جا لیا۔ ماسی نے اس کے پوچھنے پر بتایا کہ وہ لوگ مہندی کی تقری
میں گئے ہوئے ہیں۔ ان کی واپسی کل دوپہر تک ہوگی۔ ثمرین کے لئے یہ خوش خبر
تھی۔ وہ اس گھر کا باہر سے چکر لگا کر لوٹ گئی۔

ثمرین نے رات دس بجے اس گھر کا ایک چکر لگایا۔ اس وقت باہر سے گھر کی سار
بتیاں جلتی ہوئی دکھائی دی تھیں۔ پھر وہ رات سوا گیارہ بجے آئی۔ پھر اس نے اویس
گھر کا ایک چکر لگایا۔ اس نے گلی میں سے گزرتے ہوئے اویس کے مکان کے گیٹ
پاس کھڑے ہو کر اندر جھانکا۔ اسے اویس کی موٹر سائیکل کھڑی دکھائی دی۔ جس وقت
اندر جھانک رہی تھی اس وقت اندر کے کمروں کی بتیاں ایک ایک کر کے بجھتی گئی تھی
صرف ایک کمرے میں بتی جل رہی تھی۔ وہ چند لمحوں تک کھڑی سوچتی رہی کہ اب ا



سا قدم اٹھانا چاہئے۔ اسے جلد سے جلد کوئی فیصلہ کرنا تھا کیونکہ رات کے گیارہ بج
تھے۔ اس طرح اس کا گلی میں کھڑا ہونا ہر کسی کو مشکوک بنا سکتا تھا۔ یہ معیوب سی
بھی تھی۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ چوروں کی طرح گھر میں داخل ہونے کے سوا کوئی
نہیں ہے۔ اس نے یہ فیصلہ کرنے کے بعد گلی کا جائزہ لیا جو گہری تاریکی میں ڈوبی
تھی۔ اسٹریٹ لائٹ بھی نہیں تھی۔ گلی سنسان اور ویران پڑی تھی۔ سبھی اپنے
میں نشست گاہوں، خواب گاہوں میں بیٹھے ٹیلی ویژن پر ڈراما دیکھ رہے تھے۔ اس
آوازیں گلی میں سنائی دے رہی تھیں۔ اسے تو اپنی زندگی کے ڈرامے سے دلچسپی تھی۔
ڈرامے کا انجام کیا تھا، کیا ہوگا وہ اس سے بے خبر اور بے نیاز تھی مگر اسے انجام اور
نتیجے کی کوئی پروا بھی نہیں تھی۔

ثمرین نے اپنا برقع اتارا۔ اسے اچھی طرح تہہ کرنے کے بعد وہ مکان کے عقبی حصے
طرف اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی بڑھ گئی۔ پرس اور برقع کو اس نے ہاتھ بڑھا کر منڈیر پر
کھا۔ دیوار بہت زیادہ اونچی نہ تھی۔ پھر وہ اس پر کسی بندریا کی طرح چڑھ گئی۔ وہ اسکول
کے زمانے میں آم اور املی کے پیڑوں پر کسی بندریا کی طرح چڑھ جاتی تھی۔ آج اس کی
شاقی کام آ رہی تھی پھر اس کا بدن ہلکا پھلکا سا تھا۔ دیوار پر چڑھ کر اس نے اپنا پرس اور
رقع سنبھالا، سینڈل اس نے دیوار پر چڑھنے سے پہلے ہی نکال کر اندر پھینک دیئے تھے پھر
بڑی احتیاط سے کیاریوں میں اتر گئی۔

کیاریوں سے نکل کر اسے اندھیرے کی وجہ سے سینڈل تلاش کر کے پہننے میں
تھوڑی دیر لگی۔ انہیں پہن کر بغل میں برقع اور پرس سنبھال کر دبے قدموں سے کمرے
کی طرف بڑھی جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ پھر ٹھٹک گئی۔ کھڑکی کے پاس ہی اویس کا پلنگ
گا ہوا تھا۔ اس بستر پر اویس آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹا ہوا تھا۔ ثمرین کو پہلے تو ایسا محسوس
ہوا کہ جیسے وہ گہری نیند سو رہا ہو، دوسرے لمحے وہ سمجھ گئی کہ اویس کسی تصور میں کھویا
ہوا ہے۔ کس کے تصور میں؟ اس کا دل جانتا تھا۔ اس کے لئے یہ بڑا سنہری موقع تھا۔
ایک تو وہ اندھیرے میں کھڑی بڑی آسانی سے اس کے چہرے پر تیزاب سے پچکاری مار
سکتی تھی۔ اویس اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے اسے دیکھ نہیں سکتا تھا اور پھر اس کا
الزام شگفتہ پر آ سکتا تھا بشرطیکہ اویس اس اندھیرے میں دیکھ کر شناخت نہ کر لے۔ اس
طرح اویس کے دل میں اس کے لئے نفرت جنم لے سکتی تھی۔

ثمرین نے کھڑکی سے کسی قدر فاصلے پر کھڑی ہو کر گرد و پیش کا جائزہ لیا تو گھر کے

عقبی حصے میں اسے ایک چھوٹا سا بغلی گیٹ دکھائی دیا۔ گیٹ کے قریب پہنچ کر اس نے گیٹ کا جائزہ لیا تو اس میں تالا لگا ہوا نہیں تھا صرف چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی آہستگی سے چٹخنی کو گرا دیا۔ گہرے سکوت میں ایک ہلکی سی گونج پیدا ہو کر دم توڑ گئی پھر اس نے فوراً ہی اپنی سانس روک لی۔ کہیں اویس نے یہ آواز سن تو نہیں لی ہوگی؟

ثمرین نے اپنا برقع گیٹ کے پاس جو اینٹ رکھی ہوئی تھی اس پر رکھ دیا۔ پھر اپنے سینڈل بھی وہیں چھوڑ دیئے۔ جس طرح اس کی عقل کام کر رہی تھی' اسی طرح وہ اس پر عمل کرتی جا رہی تھی پھر وہ دبے پاؤں بڑی احتیاط سے ایک ایک قدم اٹھاتی ہوئی کھڑکی کے پاس پہنچی تو اس نے دیکھا کہ کمرے کی بتی بجھ گئی ہے۔ زیرو پاور کا بلب جل رہا ہے۔ اویس بستر پر بیٹھا سگریٹ پی رہا ہے۔ اویس کی پشت اس کی جانب تھی۔ وہ اپنی سانسیں روکے اویس کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ اویس جو اس کا اپنا ہوتے ہوئے بھی اس سے دور بہت دور تھا۔ آسمان کے چاند کی طرح دسترس سے باہر۔ جسے دیکھا تو جا سکتا تھا مگر چھونا بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے اور اویس کے درمیان فاصلہ کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا گیا تھا۔ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ آج وہ اس فاصلے کو سدا کے لئے ختم کرنا چاہتی تھی۔

دس منٹ کا عرصہ اس نے بڑی کرب ناک اذیت سے کاٹا تھا اس کے دل و دماغ میں ایک جنگ سی ہو رہی تھی۔ وہ ہچکچا سی رہی تھی۔ اس کے دل کے کسی کونے میں ایک نادیدہ سی آواز کہہ رہی تھی۔ "ثمرین لوٹ جاؤ۔ یہ تم کیا کرنا چاہتی ہو ثمرین؟ کیا محبت کرنے والوں کو یہ سب کچھ زیب دیتا ہے؟ محبت تو ایثار اور قربانی مانگتی ہے۔ تم نے اویس کے چہرے پر تیزاب پھینکا تو تمہاری محبت مرجائے گی۔ تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔"

کوئی دس منٹ کے بعد اویس غسل خانہ جا کر آیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ پانچ سات منٹ تک وہ بستر پر پریشان اور بے چین سا دکھائی دے رہا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ نیند کی پری اسے اپنی مرمریں بانہوں میں سمیٹتی گئی' پھر وہ گہری نیند سو گیا۔ لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ ثمرین کے لئے یہ سنہری موقع تھا۔ اس سے اچھا موقع اسے پھر کبھی نہیں مل سکتا تھا۔ یہ نصیب اور خوش قسمتی کی بات تھی کہ وہ انتقام کی آرزو پوری کر سکتی تھی اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔

ثمرین نے کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر جہاں اتنا اندھیرا نہ تھا جتنا اویس کے کمرے کی کھڑکی کے پاس تھا اپنے پرس کی زپ کھول کر اس میں سے وہ شیشی نکالی جس میں تیزاب



بھرا ہوا تھا۔ پھر پستول باہر نکالا' دھڑکتے دل اور کانپتے ہاتھوں سے پستول میں تیزاب بھرا۔ پھر پستول لئے کھڑکی کے پاس آئی۔ اس نے اپنا ہاتھ کھڑکی کی طرف بڑھایا تو وہ کانپ رہا تھا۔ صرف اس کا ہاتھ ہی نہیں پورا جسم لرز رہا تھا۔ اس کی حالت لرزے کے مریض کی سی ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بس اب صرف چند لمحوں کی دیر ہے' پستول سے تیزاب کی پچکاری نکل کر اویس کے چہرے پر پڑے گی تو اویس کے سارے خواب بکھر کر رہ جائیں گے جو وہ دیکھ رہا ہے۔ وہ ایک دل خراش چیخ مار کے بستر سے نکل آئے گا۔ وہ چیختا ہوا تڑپے گا' چیخے گا اور وہ اس کی محبت پانے کے لئے تڑپ رہی ہے' پھر اویس کو پتا چلے گا کہ درد کیا ہوتا ہے' جلن کیسی ہوتی ہے' تڑپنا کیا ہوتا ہے۔

اویس کی چیخیں سارا محلہ سنے گا' لوگ گھروں سے نکل آئیں گے۔ دروازہ کھٹکھٹائیں گے جب وہ دروازہ کھولے گا تو لوگ اندر داخل ہوں گے۔ وہ اویس کا جلا ہوا چہرہ دیکھ کر دم بخود رہ جائیں گے۔ پھر انہیں اویس بتائے گا کہ کسی نے سوتے میں اس کے چہرے پر تیزاب پھینک دیا ہے پھر لوگ اس شخص کو تلاش کرنے کے لئے جس نے اویس کے چہرے پر تیزاب پھینکا ہے محلے میں پھیل جائیں گے۔ وہ اس وقت تک محلے سے باہر نکل کر کوئی سواری لے کر اپنے گھر پہنچ جائے گی جب لوگوں کی تلاش کے باوجود ان کے ہاتھ کوئی نہیں لگے گا تو اویس یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے گا' ہو نہ ہو یہ حرکت شگفتہ کی ہے۔ اس وقت اویس کی سب سے بڑی دشمن شگفتہ اور اس کی ماں ہی تو ہے۔

ثمرین نے دل میں بڑے دکھ اور کرب سے سوچا' لوگ حلق سے نکلی ہوئی چیخ تو سن لیتے ہیں' جب وہ چیخی تھی اس کی روح چیخی تھی' تب ساری دنیا اندھی اور بہری اور گونگی کیوں ہو گئی تھی؟ ایک مرد نے اس کی ذات کو نہیں ایک عورت کو گالی بکی تھی۔ وہ عورت جو عزت و احترام سے بیاہی گئی تھی۔ اس نے اپنا جسم نہیں بیچا تھا۔ راتیں نہیں بیچی تھیں۔ وہ تو ایک عورت بن کر اویس کی زندگی میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے اپنا وہ جسم مرد کی دسترس میں دے دیا تھا جسے مرد بزورِ طاقت حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ عورت مرد کا پیار' پاکیزہ محبت اور تحفظ پا کر اس کی نذر کر دیتی ہے۔ اویس نے اسے عورت نہیں بلکہ ایک کھلونا سمجھا تھا اور جب اس نے اس کے ظلم و ستم' جبر و استبداد اور نفرت کے خلاف احتجاج کیا تو اویس نے نہ صرف اس کی روح بلکہ وجود کو بھی زخمی کر دیا تھا۔ اسے ایک پھول کی طرح مسل اور روند کر اپنی زندگی سے باہر نکال دیا تھا۔

اویس کو ایک عورت کندن کی طرح نظر کیوں نہیں آئی تھی؟ کیوں نہ آج وہ اس

سے پرانا حساب بے باق کر دے۔ نفرتوں کا انتقام بھی چن چن کر لے لے‘ پھر اویس کو
معلوم ہوگا کہ عورت کا انتقام کیا ہوتا ہے؟ اذیت کیا ہوتی ہے‘ زخمی روح میں کیسی ٹیسیں
اٹھتی ہیں؟

پھر اس نے کچھ سوچ کر پستول اور خالی شیشی کیاریوں میں پھینک دی۔ وہیں کھڑے
کھڑے اس نے دل میں تہیہ کر لیا کہ چاہے کچھ ہو جائے وہ اویس کو پیار و محبت سے جیت
لے گی‘ اسے نفرت کا نشانہ نہیں بنائے گی۔ اس سے انتقام نہیں لے گی۔ محبت کرنے
والے انتقام نہیں لیتے۔

معاً اس کے ذہن میں ایک خیال نے اپنا سر ابھارا‘ کیوں نہ وہ کسی نہ کسی طرح اس
مکان کے اندر داخل ہو کر اویس کے کمرے میں پہنچ جائے‘ اس کے قدموں میں اپنا سر
رکھ دے مگر وہ اس کے قدموں میں اپنا سر کیوں رکھے؟ اویس تو اس کا اپنا ہے‘ کوئی غیر تو
نہیں ہے۔ ان دونوں نے قاضی کے سامنے ایجاب و قبول کیا تھا۔ وکیل اور گواہوں کی
موجودگی میں.......... وہ کوئی داشتہ نہیں ہے۔ اس کی قانونی اور شرعی طور پر بیوی ہے۔ وہ
اویس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیتی ہے۔ اس کے بالوں کو پیار سے سہلاتی ہے‘ اس میں
آہستہ آہستہ انگلیاں پھیرتی ہے تو اس میں شرم کی کیا بات ہے؟ شرم کی بات تو کوئی نہیں
ہے‘ البتہ ایک طوفان آ جائے گا جو تہس نہس کر دے گا۔ اویس نیند سے بیدار ہو کر اسے
دیکھے گا تو اچھل پڑے گا۔ پہلے تو وہ یہ سمجھے گا کہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے جب اسے یہ
احساس ہوگا کہ یہ خواب نہیں ہے ایک حقیقت ہے‘ وہ اس کے سامنے موجود ہے‘ پھر وہ
اس پر بھڑک اٹھے گا اس پر برس جائے گا‘ نفرتوں کی بارش کر دے گا۔

لیکن وہ اس کی نفرت اور غصے کی کوئی پروا نہیں کرے گی۔ اب اسے کوئی شرم‘ کوئی
حجاب‘ کوئی رکاوٹ کوئی جھجک اور خوف نہیں۔ وہ اس سے کہے گی‘ کیا تم مجھے پہچانتے
نہیں ہو؟ میں کوئی غیر نہیں ہوں‘ میں تمہاری ہوں صرف تمہاری.......... تم مجھے اپنی
بانہوں میں سمیٹ لو‘ پھر وہ طیش میں آ جائے گا۔ مشتعل ہو جائے گا۔ وہ نفرت اور غصے
سے کچھ بھی کہتا رہے وہ سنتی رہے گی‘ کچھ نہیں بولے گی۔ آخر وہ کتنی دیر تک اس پر
گرجتا برستا رہے گا۔ جب اس کا غصہ اور نفرت سرد پڑ جائے گی تب وہ اس سے کہے گی کیا
وہ خوبصورت نہیں ہے‘ وہ شگفتہ کی طرح خوبصورت نہیں ہے‘ لیکن اس حد تک تو
خوبصورت ہے کہ کوئی اسے دیکھے۔ اور پھر وہ جوان اور بے حد پُرکشش بھی تو ہے‘ تم
فطری تقاضوں سے انکار کر رہے ہو‘ اپنے دل کو سمجھا رہے ہو کہ میں شگفتہ کی جگہ نہیں



لے سکتی ہوں‘ عورت‘ عورت ہی ہوتی ہے‘ دنیا کی ہر عورت ایک جیسی ہوتی ہے۔ تم
فطرت کے خلاف باتیں کر رہے ہو‘ پھر وہ اس کی باتیں سنتا رہے گا۔ پھر اسے حالات کے
سانچے میں ڈھالنے میں کتنی دیر لگے گی؟ اسے کٹھ پتلی بننے میں کتنی دیر لگے گی؟ جب وہ
اس کا ہاتھ پیار سے تھام لے گی تو اس کے لمس میں محبت کی گرمی محسوس کر کے وہ اس
سے کچھ نہیں کہے گا۔ پھر اس کے دل میں محبت پیدا ہو جائے گی۔ جب محبت جنم لے گی
تو پھر نفرت کا وجود دل کے کسی گوشے میں نہیں رہے گا اور پھر وہ اسے حالات کا خوف دلا
کر بزدل اور اپنا اسیر بھی تو بنا سکتی ہے اسے آخر کار ہتھیار ڈالنے پڑیں گے پھر اس کی
زندگی میں چپکے سے بہار آ جائے گی۔

ثمرین نے اپنا پرس سنبھال کر ساڑھی کا پلو درست کیا‘ پھر اس نے ماحول کا محتاط ہو
کر جائزہ لیا۔ ساری کائنات خاموش تھی‘ البتہ پڑوس کے مکان سے ٹیلی ویژن پر دکھائی
جانے والی کسی فلم کے گانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کے پیار بھرے بول فضا
میں گونج رہے تھے پھر وہ اس مکان کے احاطے میں گھوم کر دروازوں کا جائزہ لینے لگی۔
اسے توقع نہیں تھی کہ کوئی دروازہ یا کھڑکی کھلی ہوگی‘ مگر اس کی قسمت اچھی تھی۔
نشست گاہ کی ایک کھڑکی ہاتھ کے ہلکے سے دباؤ سے کھل گئی تھی۔ اس کھڑکی میں کوئی
گرل لگی ہوئی نہیں تھی۔ کھڑکیوں کے پٹوں میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ چھریرے بدن کا
آدمی آسانی سے کھڑکی کے راستے داخل ہو سکتا تھا۔ ذرا سی کوشش سے وہ نشست گاہ میں
داخل ہونے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

وہ اویس کے کمرے کی طرف دبے پاؤں اور بے آواز چوروں کی طرح بڑھی۔ بڑی
محتاط تھی کہ اندھیرے میں کسی چیز سے ٹکرا نہ جائے۔ اس کا شور سن کر اویس بیدار ہو
سکتا تھا۔ وہ اندھیرے میں راستہ ٹٹولتی ہوئی اویس کے کمرے کے دروازے پر پہنچی۔
دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اویس گہری نیند میں غرق تھا۔ اس کے چہرے پر شادمانی کی لہریں دوڑ
رہی تھیں۔ زیرو کے بلب کی سرخ روشنی سے اس کے چہرے کی شادمانی اور نکھر گئی
تھی۔

وہ دہلیز پر کھڑی چند لمحوں تک اویس کا چہرہ یک ٹک دیکھتی رہی۔ اس کے سینے میں
دل کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگا۔ اس کا گلا سوکھ رہا تھا جیسے وہ دھوپ سے
تپتے صحرا میں کھڑی ہو‘ اسے شدت کی پیاس لگ رہی ہو۔
چند لمحوں کے بعد ثمرین نے اس کے کمرے میں قدم رکھا تو لمحے کے لئے اس کی

آنکھوں میں ایک دھند سی چھا گئی۔ سر چکرا گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے دل اچھل کر حلق میں آ گیا ہو۔ اس نے جو کچھ عزم و حوصلے سے سوچا تھا جس ہمت اور جرأت سے وہ اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ سب کچھ ریت کی دیوار کی طرح بکھرتا ہوا سا لگ رہا تھا۔ اس نے جو کچھ سوچا تھا وہ پورا ہوتا نہیں لگ رہا تھا کیونکہ اویس کی فطرت اور اس کے مزاج سے وہ بخوبی واقف تھی۔

اس کی پیاس ناقابل برداشت ہونے لگی۔ معاً اس کی نظر میز پر پڑی' ایک گلاس پانی سے بھرا ہوا رکھا تھا۔ اسے ایک طشتری سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے میز کے پاس جا کر گلاس اٹھایا اور ایک ہی سانس میں پورا پانی پی گئی۔ پانی پیتے ہی اس کے دل کو بڑا سکون ملا تھا۔ اس کے سینے میں جو وحشت بھری ہوئی تھی' وہ کم ہو گئی۔ اعصاب بھی پھول کر طرح ہلکے لگے پھر سے اس کا حوصلہ عود کر آیا۔

ثمرین اس کے بستر پر غیر محسوس انداز سے دراز ہو گئی۔ اس کا دل اس تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ شق کر کے باہر آ جائے گا۔ اس نے خود پر جلدی سے قابو پایا اسے کسی بات کا خوف نہیں رہا تھا۔ کوئی پروا نہیں تھی۔ اس نے اپنا سر اویس کے پھیلے ہوئے بازو پر رکھ دیا۔ اویس اس لمحہ شگفتہ کا سپنا دیکھ رہا تھا۔ اس نے نیند کی حالت میں محسوس کیا کہ اس کے بازو پر کسی نرم و نازک چیز کا دباؤ پڑ رہا ہے۔ پھر اس کی نیند آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگی۔ ثمرین نے اس کا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔ وہ اس کے لمس میں ایک انوکھا پن اور لطافت سی محسوس کر رہی تھی۔ اس کی نظریں اویس کے چہرے پر مرکوز تھیں جب اس نے محسوس کیا کہ اویس کی نیند ٹوٹ رہی ہے تو اس کا ہاتھ آہستہ سے چھوڑ دیا پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ سوتی بن گئی۔ وہ اویس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھنا اور اس سے نگاہیں ملانا نہیں چاہتی تھی۔

اویس بیدار ہوا تو اس پر نیند کا غلبہ تھا' پلکیں بہت بھاری ہو رہی تھیں۔ کیوں کہ وہ گہری نیند سے بیدار ہوا تھا۔ اس نے نیم وا پلکوں سے دیکھا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی عورت اس کے پہلو میں لیٹی ہوئی ہے' کون ہو سکتی ہے؟ اس نے حیرت سے سوچا۔ یہ عورت کہاں سے اور کیسے آ گئی! اسے عورت کا خوشنما سر تو دکھائی دے رہا تھا لیکن پورا چہرہ نہیں نظر آ رہا تھا۔ چند لمحوں تک وہ خالی الذہن سوچتا رہا۔ نیند کے غلبے پر قابو پانا اور پلکیں پوری طرح کھول کر دیکھنا اس کے لئے دشوار ہو رہا تھا۔ اس کی جدوجہد دم توڑ رہی تھی۔



پھر ایک دم سے اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کا کوندا بن کر لپکا۔ شگفتہ............؟ اس نے اس خیال کے آتے ہی ثمرین کے سر کے نیچے سے اپنا ہاتھ کھینچ کر نکالا پھر وہ ہڑبڑاتا ہوا سا اٹھ بیٹھا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ اس کا تصور بھی نہیں ہے۔ ایک حقیقت ہے۔ شگفتہ بستر میں اس کے پہلو میں لیٹی ہوئی ہے مگر یہ شگفتہ کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ کیسے آ سکتی ہے؟ کیا وہ اسے لے کر آیا ہے؟ کیا وہ خود سے چل کر آئی تھی؟ اس نے اپنی یادداشت کے پٹ کھولے' ذہن کے گوشے خالی پڑے تھے۔ وہ اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ اس پر ایک شرابی کی سی کیفیت طاری تھی۔ ایک نشہ سا طاری تھا جیسے اس نے کئی پیگ چڑھا رکھے ہوں۔

پھر وہ آنکھیں ملتا ہوا ثمرین پر جھک گیا۔ اس کی نس نس میں سرشاری کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔ جیسے ہی اس کی نظر ثمرین کے چہرے پر پڑی وہ بھونچکا سا ہو گیا۔ دوسرے لمحے اسے ہزار واٹ کا برقی جھٹکا سا لگا جیسے اس نے بستر پر زہریلی ناگن کو دیکھ لیا ہو۔

"ثمرین..........! تم..........؟" اویس کی نیند اسے دیکھتے ہی کافور ہو گئی۔ اس کی رگوں میں حیرت' نفرت اور غصے سے لہو ابلنے لگا۔

ثمرین نے کبھی اتنا زہر اویس کے لہجے میں محسوس نہیں کیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے جو نفرت جھانک رہی تھی اس کے وجود کو کسی چاقو کی طرح کاٹتی ہوئی دل میں اترنے لگی تھی۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ اویس اسے دیکھ کر اس قدر نفرت اور غصے کا اظہار کرے گا۔

"ہاں میں۔" ثمرین نے بڑے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ وہ ذہنی طور پر ہر بات کے لئے تیار تھی۔

اویس نے ششدر ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ دل میں حیران تھا کہ ثمرین اتنی رات گئے اس کے کمرے میں کیسے آ گئی۔ دیوار گیر گھڑی میں سوا بارہ بج رہے تھے۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ گھر والوں کے جانے کے بعد اس نے گیٹ بند کیا تھا۔ تمام دروازے اور کھڑکیاں بھی بند کی تھیں۔ کسی کے اندر داخل ہونے کے لئے کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ پھر ثمرین کا اندر آ جانا ناقابل یقین تھا۔

"تم اندر کیسے آئیں؟ کب آئیں؟ کیوں آئیں؟" اویس نے بھڑک کر پوچھا' اس کا دل و دماغ بری طرح کھول رہے تھے۔

"جو دل کے ہاتھوں مجبور ہوتا ہے' جس کی محبت صادق ہوتی ہے' وہ کسی نہ کسی

طرح اندر آ ہی جاتا ہے۔ کسی گھر میں داخل ہونا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ محبت سچی ہو تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور سنگلاخ راستوں کو بھی طے کر لیتی ہے.......... میں بہت دیر سے آئی ہوں۔ تم سے بہت قریب رہی ہوں مگر تم مجھے دیکھ نہ سکے۔ میرے قرب کو محسوس نہ کر سکے۔ میں کیوں آئی.......... تم یہ سوال اپنے آپ سے پوچھو.......... میں یہاں کیوں آئی ہوں یہ تم بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ میں اس لئے یہاں آئی ہوں کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ تم میرے ہو‘ یہ گھر میرا ہے‘ مجھے اس گھر میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا‘ اس گھر میں رہنا میرا قانونی اور شرعی حق ہے۔“

ثمرین کی باتیں اس کے وجود پر ڈنک بن کر لگیں۔ اس کے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ وہ غصے سے کھولتا ہوا بستر سے اترا۔ اس نے ثمرین کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے سوئچ بورڈ کے پاس جا کر ٹیوب لائٹ کا سوئچ آن کر دیا۔ کمرا بھک سے روشن ہو گیا۔ ثمرین حشر سامانیوں کے ساتھ بستر پر بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ بہت حسین اور قیامت خیز لگ رہی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے متزلزل سا ہو گیا۔

”میں نے تمہیں سختی سے منع کیا ہوا تھا کہ اس گھر میں نہیں آنا۔“ وہ برہمی سے بولا۔ ”لیکن تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہی ہو۔ آج تم دوسری مرتبہ پُراسرار انداز سے آئی ہو‘ اس گھر میں‘ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے‘ نکل جاؤ یہاں سے۔“

”مگر میں نے تو تمہیں کبھی اپنے گھر آنے سے منع نہیں کیا۔ تم میرے گھر آتے رہے ہو‘ میں اس گھر میں کیوں نہیں آؤں جو میرا ہے‘ میں کوئی غیر نہیں ہوں اویس! تم مجھے یوں نہ دھتکارو۔“ وہ توقف کر کے اس کی طرف دیکھ کر دلکش انداز سے مسکرائی۔ پھر وہ اس کے غصے سے لطف لیتی ہوئی بولی۔ ”آئی لو یو اویس! تم کتنے ظالم اور بدذوق ہو.......... کوئی ایک سال بعد اپنے پیا کی بانہوں میں‘ میں نے جو محبت اور سکون محسوس کیا ہے اسے تم محسوس نہیں کر سکتے ہو‘ تمہیں میری قدر بھی نہیں ہو رہی ہے میں کوئی اتنی بدصورت بھی نہیں ہوں کہ جو تم مجھ سے اس طرح پیش آ رہے ہو۔ تم محبت کے دو بول بولنے کے بجائے مجھ سے نفرت کا اظہار کر رہے ہو اویس؟“

”تم اپنی بکواس بند کرو۔“ اویس بگڑ گیا۔ ”میں کہتا ہوں تم میری نظروں کے سامنے سے دفع ہو جاؤ‘ میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا ہوں۔“

”یہی بات تم نرمی اور پیار سے بھی کہہ سکتے ہو میرے سانوریا۔“ ثمرین نے ایک



انگڑائی لیتے ہوئے اس کی طرف خودسپردگی سے دیکھا۔ ”دل محبت سے جیتے جاتے ہیں‘ جو اثر محبت رکھتی ہے وہ نفرت میں کہاں.......... تم محبت بھرے لہجے میں کہہ دو.......... ثمرین! پلیز تم بھولے سے بھی اس گھر میں نہیں آنا.......... اب اس گھر میں اور میرے دل میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ میں نے تم سے چوری چھپے جو شادی کی وہ محض راتیں رنگین کرنے کے لئے تھی‘ وقت گزاری کے لئے.......... تمہارا دل بھر گیا تو تم نے کسی اور سے شادی کر لی۔ خیر‘ چھوڑو ان باتوں کو۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم مجھ سے کس لئے سخت ناراض ہو‘ اس لئے کہ تمہارے دل و دماغ پر شگفتہ چھائی ہوئی ہے۔ تم اسے اپنے دل سے نکال نہیں سکے‘ حالاں کہ اس نے تمہیں تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے.......... وہ تمہاری دسترس سے دور ہو گئی ہے۔ اب تم اسے کبھی نہیں پا سکتے ہو‘ کیوں؟“

”تم اپنی منحوس زبان سے شگفتہ کا نام مت لو۔“ اویس بگڑ کر برہمی سے بولا۔ ”تم نے افروزہ بیگم سے مل کر میرے اور شگفتہ کے خلاف سازش کی ہے۔ میں کہتا ہوں تم فوراً ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے نکل جاؤ‘ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“ وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھا۔

”اویس!“ وہ اس کا ارادہ بھانپ کر تیزی سے ہٹ کر پلنگ کے دوسرے کونے میں چلی گئی۔ ”تم مجھے ہاتھ نہیں لگانا‘ سمجھے۔“

”تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟“ اویس چراغ پا ہو گیا‘ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ”تم مجھے کیا سمجھتی ہو! میں اسی وقت اور ابھی سارا محلہ اکٹھا کر کے سب کے سامنے تمہیں گنجا کر کے گھر اور محلے سے دھکے دے کر نکال سکتا ہوں‘ تم اس دن کو بھول گئیں‘ اس دن تمہارا کیا حشر نشر ہوا تھا؟“

”تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے ہو اویس!؟“ اس نے چیلنج کے انداز میں کہا۔ ”میں اس دن کو نہیں بھولی ہوں اور شاید کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ اس روز تم‘ تمہاری ماں اور بہنوں نے مجھے ذلیل کر کے نکال دیا‘ آج کسی میں‘ تم میں ہمت ہو تو سامنے آئے۔ میں پورے محلے کو بتاؤں گی کہ تم نے مجھے گھر بلایا اور اپنی غرض پوری کرنے کے بعد گھر سے نکال رہے ہو‘ تم نے میری بے حرمتی کی ہے۔“

”گویا تم اتنی ذلیل اور گھٹیا حرکت کرو گی؟“ اویس کا پارہ چڑھ گیا۔ ”میں تمہیں اتنا نیچ اور گرا ہوا نہیں سمجھتا تھا۔ مگر تم تو نالی کا کیڑا نکلیں۔“

"جو خود جیسا ہوتا ہے وہ دوسروں کو بھی ویسا ہی سمجھتا ہے۔ تم مجھے سمجھنے میں غلطی کر رہے ہو اویس!" ثمرین کا لہجہ یکایک نرم پڑ گیا۔

"میں تمہیں جتنا جانتا اور سمجھتا ہوں تم خود بھی اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتی ہو گی۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہو چکا ہوں۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"میں نے غصے کی رو میں بہہ کر تم سے جانے کیا کچھ کہہ دیا۔" ثمرین جذباتی لہجے میں بولی۔ "مجھے معاف کر دو.......... میں بڑی نادم اور شرمسار ہوں۔ میں کبھی تمہاری محبت اور عزت پر آنچ آنے نہیں دوں گی۔ تم مجھ سے نہ ملو نہ سہی، مجھے اپنے ساتھ نہ رکھو، نہ سہی۔ صرف محبت کے دو بول تو بول لیا کرو۔"

"اپنی خواہشات کو محبت کا نام نہ دو۔" اویس نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا اسی کو محبت کہتے ہیں؟ کیا کسی سے محبت اسے ذلیل و رسوا کرنے کے لئے کی جاتی ہے؟ رات کے ساڑھے بارہ بج رہے ہیں، بالفرضِ محال میرے گھر والے آ جائیں تو میری کیا عزت رہے گی؟"

"میں دیکھ بھال کے آئی ہوں۔" ثمرین نے ایک گہری سانس لی۔ "میں نے تمہاری ملازمہ سے معلوم کر لیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ تمہارے گھر والے کل دوپہر کے بعد مہندی کی تقریب سے لوٹیں گے۔ میں یہاں کچھ دیر رک کر چلی جاؤں گی مجھے جی بھر کے دیکھ لینے دو۔ تمہیں دیکھ کر میرے سینے میں ٹھنڈک سی بھر رہی ہے۔"

"تمہاری اس قسم کی اوچھی حرکتیں تمہیں میری نظروں میں گرا رہی ہیں۔" وہ زہر خند سے بولا۔ "اگر تم نے ایسی حرکت دہرائی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔ اس بات کو تم اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہاری اس قسم کی حرکتیں میرے دل میں کبھی محبت کا جذبہ پیدا نہیں کر سکیں گی بلکہ نفرت جنم لے گی۔"

"تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو۔" ثمرین نے تلخی سے جواب دیا۔ "تم شگفتہ کی محبت میں مبتلا ہو اس لئے تمہیں کچھ سجھائی نہیں دے رہا ہے اس لئے تم مجھ سے دوغلے پن کی باتیں کر رہے ہو۔ تم نے ہی محبت اور نفرت کو جنم دیا۔ تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"جو سمجھنا ہو سمجھ لو۔" اویس نے بیزاری سے کہا۔ "مجھ پر رحم کرو اس محبت کے ناتے جو تمہیں مجھ سے ہے، مجھ پر احسان کرو، یہاں سے چلتی پھرتی نظر آؤ۔"

اویس کی باتیں سن کر اس کے دل پر جیسے ایک زخم اور لگا۔ اس کے زخموں میں



ایک اور گہرے زخم کا نشان بن گیا تھا۔ اس زخم سے لہو رسنے لگا۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کی آنکھوں سے غم جھانکنے لگا۔ وہ بستر سے نکل کر فرش پر کھڑی ہو گئی، برقع پہننے لگی۔

اویس کو اس لمحے فوراً ہی خیال آیا کہ ثمرین، شگفتہ اور اس کی ماں افروزہ بیگم کو جانتی ہے کہ وہ کہاں رہتی ہیں۔ کیونکہ اس نے ماں بیٹی کو بھڑکا کر اس کے خلاف سازش کی ہے۔ وہ ثمرین سے ماں بیٹی کا پتا معلوم کر سکتا ہے۔ اس کے لئے اسے محبت کا کھیل ثمرین سے کھیلنا ہو گا۔ اسے بے وقوف بنانا ہو گا۔ ثمرین محبت کے نام پر بڑی آسانی سے بے وقوف بن جائے گی۔ وہ بظاہر جتنی تیز ہے اندر سے اتنی ہی سیدھی سادی اور بھولی بھالی ہے۔ اسے شیشے میں اتارنے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ شائستہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ کسی دن آ کر اس کی بہن کی تلاش کرنے میں مدد دے گی یا بہن سے ملاقات ہونے پر اسے اپنے ہمراہ لا کر گھر پہنچا دے گی۔ شگفتہ کو بھیج دے گی۔ اس کی بات سن کر شگفتہ کسی دن بھی گھر آ سکتی ہے۔ وہ نہ جانے کب آئے، اس کے لئے انتظار کا ایک ایک دن بھاری تھا۔

وہ مسکراتا ہوا ثمرین کی طرف بڑھا۔ اس نے قریب پہنچ کر ثمرین کو اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ "کیا تم مجھ سے ناراض ہو گئیں جانم!"

ثمرین کو جیسے صدیوں کے بعد اپنے کانوں میں رس گھلتا ہوا سا محسوس ہوا۔ اس نے چونک کر اور اپنا سر اٹھا کر اویس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اسے یہ سب کچھ حسین سپنے کی طرح لگا، اویس کی آنکھوں میں اس نے محبت کے چراغ جلتے ہوئے دیکھے تو اسے جیسے یقین نہیں آیا لیکن یہ یقین کرنے والی بات تھی۔ وہ اس کے بازوؤں کے حصار میں بے اختیار سمٹتی چلی گئی۔ اویس کے چوڑے چکلے اور مضبوط سینے پر اپنا سر رکھ کر سسک پڑی۔ اس کی آنکھوں سے بہتا ہوا آنسوؤں کا سیلاب اویس کے سینے کو بھگوتا رہا۔ وہ اس کے گرد بازوؤں کا حلقہ تنگ کرتا چلا گیا۔

وہ دونوں جذبات کے طوفان پر قابو نہ پا سکے، ثمرین ایک فیاض اور مہربان عورت بن گئی۔ بدلی بن کر چھا گئی۔ جب طوفان تہس نہس کر کے گزر گیا تب اویس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ یہ حسین آنکھیں خمار آلود ہو رہی تھیں۔ اس پر ایک نشہ سا چھایا ہوا تھا۔ اویس اس کی جھیل سی گہری آنکھوں میں کچھ دیر تک محبت پاش نظروں سے جھانکتا رہا پھر وہ ٹھہر کے کہنے لگا۔ "میری جان ثمرین! مجھے معاف کر دینا، میں تمہارا مجرم

ہوں۔ میں نے تمہاری محبت اور جذبے کی قدر نہیں کی۔ میں نے تمہیں بڑے دکھ دیئے ہیں۔ بڑے کاری زخم لگائے ہیں۔ ان زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑکتا رہا۔

"تم نے کچھ دیر پہلے مجھ سے جو سلوک کیا' باتیں کیں اس نے میرا دل توڑ دیا تھا۔ میں یہاں سے خودکشی کرنے کے لئے جا رہی تھی۔ مجھے خوشی سے زیادہ اس پر حیرت ہے کہ تمہارے اندر ایک لمحے میں میری محبت کا چراغ کیسے جل اٹھا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ میں نے تمہیں پا لیا ہے۔"

"میں نے تمہاری محبت کی آزمائش کی تھی' اب مجھے احساس اور اندازہ ہوا کہ تم مجھے کس قدر چاہتی ہو۔ پھر بھی میں تمہارا مجرم ہوں' ذلیل شخص ہوں۔"

ثمرین نے تڑپ کر اس کے لبوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ دیا۔ "نہیں نہیں اویس! تم یہ........." اویس نے اس کا جملہ پورا ہونے نہیں دیا اس کے ہونٹوں پر جیسے مہر لگا دی تھی۔ چند لمحوں کے بعد اویس نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔ ثمرین کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح تھرتھرا رہے تھے۔ اس پر ایک بے خودی کی سی کیفیت طاری تھی جیسے انجانے خوابوں کی وادی میں کھوئی ہوئی ہو۔

"ثمرین!" اویس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "آج کے واقعے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا جس نے مجھے بے حس کر دیا تھا۔ میں سراب کے پیچھے بھاگتا رہا تھا۔ میں یہ چاہتا ہوں تم مجھے سزا دو......... ایک ایسی اذیت ناک سزا کہ میں ساری زندگی اپنے کئے پر نادم رہوں' تڑپتا رہوں' تم مجھ پر ترس نہیں کھانا ثمرین! میں سزا کا مستحق ہوں' خدا کے لئے تم مجھے معاف نہیں کرنا۔"

ثمرین نے اپنی آنکھیں کھول کر اویس کو دیکھا پھر وہ لرزیدہ سی آواز میں بولی۔ "میرے سرتاج! تم میرے لئے سب کچھ ہو......... میرے مجازی خدا ہو' یہ معافی کس لئے.........؟ محبت کے چند بول میری زندگی کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ تمہاری اس محبت نے آج میرے دل کی ساری کثافت دھو دی ہے۔ بس اب تم میری نظروں کے سامنے رہو۔ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ' اب مجھ میں اتنی سکت نہیں رہی ہے کہ تمہاری جدائی برداشت کر سکوں۔"

"اب میں تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی جدا نہیں کروں گا۔ تم میری ہو ثمرین صرف میری........." اویس بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

"میں تو تمہیں چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی ہوں۔ اس کا خیال بھی نہیں آ



سکتا' میں تمہاری کنیز ہوں اویس۔"

"لیکن میں اب اس فلیٹ میں نہیں بلکہ اس گھر میں زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں تمہیں اس گھر میں عزت و احترام اور روایتی انداز سے لانا چاہتا ہوں۔ اس گھر میں تمہاری بڑی تذلیل ہوئی ہے' میں چاہتا ہوں کہ جس گھر نے تمہیں ٹھوکر لگائی ہے وہ گھر تمہیں اپنی آن و عزت کا تحفہ سمجھ کر سینے سے لگائے' مگر تمہیں اس دن کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"کیسا انتظار اویس!" ثمرین کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔ اس کی پلکیں ساکت ہو گئیں۔ "میں نے تمہیں پانے کے لئے جو صدیوں انتظار کیا وہ ناکافی ہے؟"

"میری بات غور سے سنو اور اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔" اویس اس کے ریشمی سیاہ بالوں کو سونگھنے اور سہلانے لگا جو تکئے پر بکھرے ہوئے تھے۔ "اب تک جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ میں ایک نئی اور خوشگوار زندگی کے آغاز کے لئے اپنا راستہ صاف کرنا چاہتا ہوں۔ اب ہماری خوشیوں کی راہ کا سب سے بڑا پتھر شگفتہ ہے۔ اس نے اور اس کی ماں نے میری ایک کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر پورے پندرہ لاکھ کی رقم ہتھیا لی ہے۔ اس لئے مجھے شگفتہ کو تلاش کرنا ہے' اس کی خبیث ماں افروزہ بیگم کو تلاش کرنا ہے تاکہ ان دونوں کو مزا چکھا دوں۔"

"تم جیسا ذہین اور ہوشیار آدمی ان کی چالاکیوں کے فریب میں کیسے آ گیا۔" وہ اس کے بہکتے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی پشت پر بوسہ ثبت کرتی ہوئی بولی۔ "کل تک ساری دنیا تم سے فریب کھاتی رہی ہے مجھے خود بھی یہ بات سوچ کر بڑی حیرت ہوتی ہے۔"

"ثمرین! خدا کے لئے میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔ "کیا تمہیں احساس نہیں ہو رہا ہے کہ میں جل رہا ہوں۔ میرا وجود زخموں سے چُور چُور ہے۔"

ثمرین نے اس کے گلے میں اپنی مرمریں بانہیں حمائل کر دیں۔ محبت بھری نظروں سے اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ "تم مجھے اب بھی نہیں سمجھے؟"

"اگر تمہیں نہیں سمجھتا اور تمہاری قدر و قیمت کا اندازہ نہیں ہوتا تو میں واپس نہیں آتا۔" اویس اس کے چہرے پر جھک گیا۔

"تم مجھے بتاؤ کہ تمہارے کیا ارادے ہیں؟ زخم کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟ میں تمہارے درد اور زخموں کے لئے امرت بن جاؤں گی۔"

“میں صرف اپنی کھوئی ہوئی دولت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔” اویس نے بہکتے ہوئے کہا۔ “جو مل گیا ہے وہ میرے لئے اس دولت سے بھی بڑھ کر ہے‘ میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے ماں بیٹی کی رہائش کا پتا بتا دو تاکہ میں ان سے اپنی دولت وصول کر لوں‘ ان زہریلی ناگنوں کا سر کچل دوں۔”

“کہیں ایسا تو نہیں کہ تم افروزہ بیگم سے مل کر شگفتہ کو سمجھا بجھا کر اپنے گھر لانا چاہتے ہو؟” ثمرین نے چونک کر اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

اویس ایک لمحے کے لئے اس طرح سے گھبرا گیا جیسے ثمرین نے اسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہو۔ اس کا چہرہ متغیر ہو گیا لیکن اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا پھر وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ “اس نے جو حرکت کی ہے اس کے بعد کیا وہ اس قابل ہے کہ اس گھر میں قدم رکھ سکے؟”

“تمہارا اور تمہارے گھر والوں کا کیا بھروسا؟” وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔ “وہ ایک چاند کا ٹکڑا ہے اس کی ہر غلطی قابل معافی ہو گی۔”

“تم غلط سمجھ رہی ہو ثمرین!” اویس نے بڑے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔ “عزت بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔ شگفتہ اور اس کی ماں نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا اس نے ہماری عزت دو کوڑی کی کر دی‘ ہمیں دنیا والوں کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا۔ کیا اب ہم ایسی ذلیل لڑکی کو گوارا کر سکتے ہیں؟ نہیں.......... کبھی نہیں۔ بس میں اتنا چاہتا ہوں کہ ان سے اپنی پوری رقم وصول کر لوں۔ پھر شگفتہ کو طلاق دوں۔ میں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے۔”

“کیا تم ان سے اپنی رقم وصول کر سکو گے؟” ثمرین نے حیرت سے پوچھا۔ “تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ رقم تمہاری ہے؟”

“پہلے تو میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نکل آئے۔ اگر ماں بیٹی شرافت کی زبان نہیں سمجھیں تو پھر مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ مجھے بہت سے راستے آتے ہیں۔ میرے اثر و رسوخ کا اندازہ تم نہیں کر سکتی ہو‘ میں انہیں ایک گھنٹے میں راہ راست پر لا سکتا ہوں۔”

“تم کچھ خیال نہ کرو تو میں چائے بناؤں۔” ثمرین غیر محسوس انداز سے اس کے بازوؤں سے نکلتی ہوئی بولی۔ “بڑی طلب سی ہو رہی ہے۔”

ثمرین نے بستر سے نکل کر اپنا لباس اور اس کی شکنیں درست کیں۔ آئینے کے



سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں کنگھی کر کے انہیں ٹھیک کیا پھر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ چائے لے کر آئی تو اویس سگریٹ پیتا ہوا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے سفاکی جھانک رہی تھی۔ چائے پیتے ہوئے اویس نے اپنی بے تابی ظاہر نہیں کی۔ اس نے بے پروائی کے انداز سے پوچھا۔ “تم نے ماں بیٹی کے گھر کا پتا بتایا نہیں؟”

“جس روز تمہاری شادی ہوئی تھی اسی روز انہوں نے اپنا پرانا مکان چھوڑ دیا۔” ثمرین نے جواب دیا۔ “تم مجھے ایک دن کی مہلت دو میں تمہیں ان کا نیا پتا لا دوں گی۔”

“تم ایک دن نہیں‘ دو دن کی مہلت لے لو۔” اویس نے جواب دیا۔ “لیکن یہ مہلت کس لئے؟ کیا تم نے دوسرا مکان نہیں دیکھا؟”

“میری ایک سہیلی ہے جو شگفتہ کی عزیز ترین سہیلی ہے۔ میں اس سے مل کر پتا دریافت کروں گی۔ وہ نئے پتے سے واقف ہو گی۔”

“میں صبح تمہیں اپنے ساتھ اس سہیلی کے ہاں لئے چلتا ہوں تم چل کر اس سے پتا معلوم کر کے مجھے بتا دینا تاکہ میں فوری قدم اٹھا سکوں۔”

“میری سہیلی ایک ہفتے کے لئے لاہور گئی ہوئی ہے وہ آج کل میں آنے والی ہے۔ وہ جیسے ہی آئے گی میں تمہیں ٹیلی فون کر کے پتا بتا دوں گی۔”

اویس نے اس کی سہیلی کا پتا معلوم کرنے پر زیادہ اصرار نہیں کیا کہ کہیں ثمرین کو شک نہ ہو جائے پھر اس نے ثمرین کو صبح تک روک لیا۔ ثمرین اتنی رات گئے اپنے گھر کیسے جا سکتی تھی‘ وہ خود بھی جانا نہیں چاہتی تھی۔ آج کی رات اس کے لئے سہاگ رات سے کم نہ تھی۔ ایک برس کے بعد تو یہ ملن کی رات آئی تھی۔

وہ سورج نکلنے سے پہلے گھر جاتے ہوئے بہت خوش تھی۔ اس پر ایک نشہ سا طاری تھا۔ انگ انگ سے مستی ابل رہی تھی۔ پورے جسم میں خون رقصاں تھا۔ اس کے لئے یہ مسرت بے پایاں تھی۔ اس کے لئے وہ پورے ایک برس سے ترس رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی‘ اویس ساری رات اس کے کانوں میں رس گھولتا رہا تھا۔ اس نے ایسی میٹھی محبت بھری باتیں سنی تھیں کہ اسے بڑا رشک آیا تھا وہ اپنے آپ پر نازاں ہو گئی تھی۔

دوسری طرف اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اویس نے ساری رات اسے فریب دیا ہے‘ جھوٹی محبت جتائی ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ اسے ماں بیٹی کا پتا بتا دے‘ یہ سارا کھیل اور ریاکاری صرف اور صرف شگفتہ کے گھر کا پتا معلوم کرنے کے لئے تھی۔ وہ اس کی تہہ میں پہنچ گئی تھی لیکن اس نے اپنی کسی بات سے ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

انجان اور معصوم بنی ہوئی تھی۔ اس نے بھی دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر ان ک
پتا نہیں بتائے گی۔

ثمرین کے جانے کے بعد وہ بستر پر دراز ہو کر بڑی دیر تک ثمرین کے بارے م
سوچتا رہا تھا۔ ثمرین ایک مچھلی کی طرح اس کے جال میں پھنس گئی تھی۔ اسے یقین نہ
تھا کہ وہ اتنی آسانی سے ماں بیٹی کا پتا بتانے اور ان کے گھر لے جانے پر آمادہ ہو جائے گ
اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ کھیلتی رہی۔ پھر وہ شگفتہ کے بارے میں سوچتے سوچ
گہری نیند سو گیا۔ ساری رات جو اس نے جاگ کر ثمرین کے ساتھ گزاری تھی اس نے
تھکا دیا تھا۔

☆======☆======☆



اطلاعی گھنٹی نے اسے بیدار کر دیا۔ گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ وہ آنکھیں ملتا اور
بڑاتا ہوا بستر سے نکل آیا۔ اس نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا صبح کے دس بج رہے
ے۔ ثمرین چھ بجے گئی تھی۔ وہ صرف چار گھنٹے تک سو پایا تھا۔ وہ بیرونی دروازے کی
رف بڑھا۔ خالدہ ہمیشہ اسی بے صبری سے گھنٹی بجاتی تھی اسے خالدہ کی ناوقت آمد پر بڑا
ہ آرہا تھا۔ خالدہ کی وجہ سے اس کی نیند خراب ہو گئی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ صبح صبح
ی بھولی ہوئی کوئی چیز لینے آئی ہو گی۔ جب بھی وہ کسی تقریب میں جاتی تھی تو اکثر ایسا ہوتا
ا کہ وہ کوئی ایسی چیز بھول جاتی تھی جو اس موقع کی ہوتی تھی۔

اویس نے غصے میں آکر ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تاکہ خالدہ کو ایک زوردار
نٹ پلا سکے۔ سامنے جو دیکھا تو وہ چونک پڑا۔ غصے کی جگہ گہرے استعجاب نے لے لی۔
ں کی نظروں کے روبرو کالے رنگ کے برقع میں ملبوس ایک دل کش سراپا لہرا رہا تھا۔ یہ
ئی عورت ہے یا لڑکی ہے' وہ تمیز نہیں کر سکا تھا۔ اس کے چہرے پر پڑی ہوئی نقاب پر
ی کالی بدلیوں کا گمان ہو رہا تھا۔ ان بادلوں کی اوٹ سے اس کی شہابی رنگت پھوٹتی ہوئی
ا دکھائی دے رہی تھی اور نقاب سے چھن چھن کر چاروں سمت بکھر سی رہی تھی۔ نرم و
ک حسین اور گلابی ہاتھوں کی دل کشی بتا رہی تھی کہ اس نقاب میں کوئی چاند ہی چھپا
ہے۔ پہلے تو وہ دل میں سخت حیران ہوا کہ سویرے سویرے اس کے دروازے پر یہ
ن سا چاند آگیا ہے' کس شہزادی کی سواری آگئی ہے؟ پھر اسے خیال کہ اس کی بہنوں
ا کالج کی سہیلیاں اکثر چھٹی کے دن صبح ہی سے آجاتی تھیں۔ ان میں سے شاید کوئی ہو'
ر اس نے کبھی اپنی بہنوں کی ایسی حسین سہیلی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں
ے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "فرمائیے! آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"اویس صاحب سے۔" اس نے جواب دیا۔ اویس کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے اس
ے کانوں میں رس انڈیل دیا گیا ہو۔ اسے لہجہ کچھ مانوس سا لگا تھا۔ اسے یہ گمان بھی ہو رہا
کہ دانستہ لہجہ اور آواز بدلنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

"جی خاکسار کو ہی اویس کہتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "فرمایئے آپ کی کیا خدمت بجالا سکتا ہوں؟"

"اچھا۔" وہ یکایک کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ "خدمت تو آپ نہیں' میں کروں گی........ اسی لئے حاضر ہوئی ہوں۔" فضا میں سات سُر بجنے لگے تھے۔ اگلے لمحے اس نے اپنے حنائی ہاتھ سے نقاب الٹ دیا۔

اویس نے اس چہرے کو بے نقاب دیکھا تو بھونچکا سا ہو گیا۔ دوسرے لمحے وہ خوشی اور تحیر زدہ لہجے میں بولا۔ "شگفتہ! تم؟"

"آپ مجھے شگفتہ ہی سمجھنا چاہتے ہیں تو شگفتہ ہی سمجھ لیں' کیونکہ مجھ میں اور شگفتہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ میری چھوٹی بہن ہے' لیکن میں شائستہ ہوں۔ میری بہن کا پورا اور اصل نام شگفتہ شاہین ہے' شاہین کا بسیرا تو پہاڑوں کی چٹانوں پر ہوتا ہے' وہ شہروں میں اپنا نشیمن نہیں بناتا اور نہ آلودگی کی فضا میں پرواز کرتا ہے۔" شائستہ کا لہجہ بڑا تیکھا اور کھنکتا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر دلفریب مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی پھر وہ شوخی سے بولی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر وقت شگفتہ کے خواب دیکھتے رہتے ہیں اس وقت بھی شاید اس کا خواب دیکھ کر بیدار ہوئے ہیں اس لئے وہ آپ کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے........ اسی لئے آپ کو مجھ پر شگفتہ کا دھوکا ہوا ہے۔"

اویس جھینپ کر گڑبڑا سا گیا۔ "آپ نے بڑی لمبی تمہید باندھ دی۔" پھر اس نے اپنی صفائی پیش کی۔ "مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت دیں۔ یہ میری نظروں کا نہیں بلکہ آپ کے چہرے کا قصور ہے' آپ کے چہرے پر شگفتہ کا گمان ہو رہا ہے اس لئے میں نے آپ کو شگفتہ سمجھا۔"

"اوہ یہ بات ہے۔" شائستہ کی خوبصورت آواز کا زیر و بم اس کے کانوں میں کسی نغمے کے بول کی طرح گونج گیا۔

اویس نے ارادی طور پر اپنا شک و شبہ دور کرنے کی غرض سے اس کی پیشانی کے افق کی طرف دیکھا۔ شائستہ نے نقاب الٹتے ہی برقعے کی نقاب والے حصے کی ڈور کھینچی اور اسے باتوں کے درمیان اتار دیا تھا۔ اس کے گھنے ریشمی سیاہ بال اچانک آزاد ہو کر اس کے چہرے اور شانے پر بکھر گئے تھے جب اس نے سر اٹھایا تھا تو بال مچل کر پیچھے چلے گئے تھے۔ چہرہ بے نقاب ہونے سے اس کی چاند سی پیشانی پر زخم کا مندمل ہو جانے والا گہرا نشان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ شگفتہ نہیں شائستہ تھی اس نشان سے اس کی خوبصورتی ذرہ برابر



بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔

اویس نے اس پل شگفتہ کا جو سندر سپنا دیکھا تھا وہ کسی نازک سے شیشے کی طرح چھناکے سے ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔ اس کی کرچیاں جیسے اس کے دل میں چبھ رہی تھیں۔ اس نے سوچا کتنا اچھا ہوتا شگفتہ آجاتی وہ اسے قبول کر لیتا۔ معاف کر دیتا۔ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ایک گہری اداسی اور مایوسی نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس پر رات کا جو نشہ چھایا ہوا تھا وہ اتر گیا تھا۔ اس کا دل اندر سے بجھ کر رہ گیا۔

اس نے شائستہ کی موجودگی کا احساس کر کے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ ایک خیال کے آتے ہی وہ شائستہ کو اپنے گھر کی دہلیز پر دیکھ کر بہت خوش ہو گیا تھا۔ اسے امید نہ تھی کہ شائستہ اس سے اور اس کے گھر والوں سے ملنے اور اپنا وعدہ نبھانے کے لئے آجائے گی۔ وہ اس سے ناامید ہو گیا تھا اور اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شائستہ نے اسے ٹالنے کے لئے کراچی آکر شگفتہ کی تلاش میں مدد دینے کا وعدہ کیا تھا۔

اویس نے شگفتہ اور شائستہ کے مزاجوں میں نمایاں فرق محسوس کیا تھا۔ شگفتہ میں بڑی سادگی تھی۔ اس سادگی میں ایک پُرکاری بھی تھی۔ اس پر ایک سنجیدگی سی چھائی رہتی تھی۔ وہ کسی قدر محتاط ہو کر بات کرتی تھی مسکراتے ہوئے بات تو کرتی تھی مگر اس میں شوخی نام کو نہ تھی۔ اس میں تمکنت تھی' ایک وقار سا تھا جیسے وہ کسی ملک کی شہزادی ہو' قصے کہانیوں کی پری ہو۔

شائستہ اپنی چھوٹی بہن کے برعکس تھی۔ ضد تھی' حالانکہ وہ شادی شدہ تھی۔ ایک پیاری سی بچی کی ماں بھی تھی۔ اسے ایک سنجیدہ' بردبار اور گھریلو عورت کی طرح ہونا چاہئے تھا مگر وہ شوخ اور زندہ دل عورت کی شکل میں نظروں کے سامنے تھی۔ لفظ لفظ سے شوخی اور شگفتگی ٹپک رہی تھی۔ شائستہ نے اپنائیت اور خلوص کے اظہار میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ اس جذبے نے اسے بے حد متاثر کیا تھا۔

"میں کوئی تصویر یا مجسمہ تو نہیں ہوں جو آپ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہیں؟ نہ میں آسمان سے اتری ہوئی کوئی مخلوق ہوں جس نے آپ پر سکتے کی سی کیفیت طاری کر دی ہے۔" شائستہ نے اس کی محویت کو توڑتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ مجھے اسی طرح دیکھتے رہیں گے؟ اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے؟"

اس نے چونک کر خیالوں کی دنیا سے نکل کر شائستہ کی طرف دیکھا۔ شائستہ نے اسے ایسی تیکھی نظروں سے دیکھا کہ وہ سیدھی اس کی آنکھوں میں ہوتی ہوئی دل میں اتر

گئی تھی۔ اس کے لہجے کی مٹھاس اویس نے اپنی نس نس میں فرحت بن کر اترتی ہوئی محسوس کی۔ وہ اس کے آخری جملے پر کٹ سا گیا تھا۔ وہ بڑا خجل سا ہوا تھا۔ اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے انداز میں کہا۔ "معاف کیجئے' میں آپ کو بدلیوں کی اوٹ میں دیکھ کر پہچان نہیں پایا تھا۔ آپ کو اچانک اور غیر متوقع نظروں کے سامنے پایا تو اپنے آپ کو فراموش کر بیٹھا۔ کیونکہ مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ آپ کی آمد میرے لئے ایک خواب کی مانند ہے' رہی سہی کسر تو نیند کے غلبے نے پوری کردی۔"

"تو گویا آپ اہل نظر واقع نہیں ہوئے ہیں۔" وہ متبسم ہو کر بولی۔ "چاند بدلیوں میں چھپا ہوتا ہے اور عورت برقع میں......... نقاب میں سے تو چہرہ جھانکتا ہے۔"

"میں نے بتایا نا کہ نیند کے غلبے کی وجہ سے آپ کو پہچان نہیں سکا تھا۔ بہنوں کی پردہ دار سہیلیاں آتی رہتی ہیں۔ کیا آپ برقع میں ہی نکلتی ہیں؟"

"جب سے میری امی نے اپنی گھناؤنی حرکتیں شروع کی ہیں تب سے میں نے برقع پہننا شروع کیا ہے۔ میں بغیر برقع کے باہر نہیں نکلتی ہوں۔ دنیا مجھے شگفتہ سمجھتی ہے' اس لئے بھی پردہ داری کرنا پڑتی ہے۔" وہ جواب دے کر مسکرائی۔ اس نے شوخ نظروں سے اویس کی آنکھوں میں جھانکا پھر وہ شوخ لہجے میں بولی۔ "تو اب وضاحت کے بعد اس کنیز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا مجھے آپ کے کسی فیصلے کا انتظار دہلیز پر ہی کرنا پڑے گا؟"

"اوہ معاف کیجئے گا۔" اویس نے خفت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے دروازے کے پاس سے ہٹ کر شائستہ کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ "آیئے تشریف لائیں۔"

"آپ کے دولت کدے پر بڑا سخت امیگریشن ہے' لگتا ہے کہ یہ احتیاط کسی خاص وجہ سے کی جارہی ہے۔ آپ نے مجھے دروازے پر دس منٹ سے روکا ہوا ہے۔"

"پلیز! آپ مجھے شرمندہ نہ کریں' دفتر کا کچھ اثر آگیا ہے۔ دفتری ملازموں کو کچھ عادت ہی ایسی ہو جاتی ہے۔" اویس نے شرمندگی سے کہا۔

شائستہ اس کے پیچھے پیچھے خراماں خراماں سی چلتی ہوئی نشست گاہ میں پہنچی' کچھ سوچ کر ٹھٹک گئی۔ اویس کمرے کے وسط میں پہنچ کر رکا اور اس کی طرف گھوما۔ اس نے شائستہ کو صوفے پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ شائستہ اس کمرے کی آرائش و زیبائش کو دیکھ کر مرعوب سی ہو رہی تھی۔ اس نے جیسے اپنی زندگی میں کبھی ایسا آراستہ و پیراستہ کمرا اور لوازمات نہ دیکھے ہوں۔ وہ لحہ بہ لحہ جیسے اس طلسم کی اسیر ہو رہی تھی۔

شائستہ اس کی آواز سن کر چونکی۔ اس نے برقع اتار کے صوفے کی پشت پر ڈال



دیا۔ پھر ساڑھی کا پلو شانے پر درست کرتے اور بالوں کو پیچھے کرتی ہوئی حیرت سے بولی۔ "کیا آپ کے گھر والے ابھی تک خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں؟ کوئی نظر نہیں آرہا ہے؟ چھٹی والے دن کب تک سوتے رہتے ہیں؟"

اویس اس کی بات سن کر زیر لب مسکرا دیا۔ "گھر والے کل شام سے ہی ایک شادی کی تقریب میں شرکت کرنے کی غرض سے ایک رشتہ دار کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ رات مہندی کی رسم تھی۔ رات کے تین چار تو بج گئے ہوں گے اس لئے رک گئے ہیں۔ آج مغرب کی نماز کے بعد نکاح ہے لیکن رات دس گیارہ بجے سے پہلے کہاں ہوتا ہے۔ شاید سہ پہر کے وقت شادی میں شرکت کے لئے تیار ہونے آئیں......... اتفاق ہے کہ آپ تشریف بھی لائیں تو ان کی غیر موجودگی میں......... خیر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے آپ ایسا کریں تشریف رکھیں۔ میں انہیں ٹیلیفون کرکے آپ کی آمد کی اطلاع دیتا ہوں۔ وہ اس وقت شاید سو رہے ہوں۔ ان لوگوں کے آنے میں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔"

"آپ انہیں کیوں پریشان کرتے ہیں' شادی کا گھر ہے رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔ انہیں سونے دیں ان کی نیند تو خراب نہ کریں۔" وہ بولی۔

"میری امی اور بہنیں آپ سے ملنے کے لئے بہت مشتاق اور بے چین ہیں۔ آپ کو دیکھنے اور بات کرنے کی بڑی خواہش رکھتی ہیں۔ جب انہیں معلوم ہوگا کہ آپ آکر ان سے ملے بغیر چلی گئیں تو میری شامت آجائے گی۔ سارا نزلہ مجھ پر گرے گا۔ انہیں ٹیلی فون کرکے بلانا میرے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔"

"میں کسی اور دن آکر ان سے مل لوں گی۔ میرے پاس وقت کم ہے' کام بہت زیادہ ہیں۔ میں ایک گھنٹہ بھی ضائع کرنا نہیں چاہتی ہوں۔"

جس وقت شائستہ یہ بات کہہ رہی تھی وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ گہرے اودے رنگ کی ساڑھی اور بلاؤز میں ملبوس تھی۔ بلاؤز کی آستینیں بہت چھوٹی تھیں جس کی وجہ سے اس کی مرمریں گوری بانہیں بے نیام تلواروں کی طرح لگ رہی تھیں۔ اس گہرے رنگ کے لباس میں اس کا حسنِ بے مثال پھوٹا پڑ رہا تھا جس کی کرشمہ سازیاں قیامت ڈھا رہی تھیں' مسحور کئے دے رہی تھیں۔ سراپا بھی عجب بہار دے رہا تھا۔ وہ شعلہ مجسم بنی ہوئی تھی۔ اسے شائستہ کے شوہر پر رشک آرہا تھا جو اس عورت کا مجازی خدا تھا۔ دنیا کا خوش نصیب ترین شخص تھا۔

"آج آپ اپنے کام سے آئی ہیں جب ہی آپ اتنی جلدی کر رہی ہیں۔ آئندہ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر نہ آئیں۔ آخر ہمیں بھی خدمت کا موقع دیں۔"

"میں اپنے نہیں آپ کے کام سے آئی ہوں۔" شائستہ نے کہا۔ "مجھے اپنی بہن شگفتہ اور امی کے بارے میں کچھ اڑتی اڑتی سی خبریں ملی ہیں۔"

"سچ!" اویس خوشی سے کھل اٹھا تو شائستہ بے اختیار مسکرا دی۔ اویس نے بے تابی سے پوچھا۔ "کیا وہ دونوں کراچی ہی میں موجود ہیں؟"

"جی ہاں!" اس نے اپنا خوشنما سر ہلایا۔ "حیدر آباد میں ایک رشتہ دار سے کراچی میں ان دونوں کی موجودگی کی بھنک ملتے ہی آپ کی خاطر یہاں بھاگی بھاگی آئی ہوں۔ میری سب سے بڑی تمنا تو یہ ہے کہ بچھڑے ہوئے دو دل مل جائیں تو شاید اس طرح میں اپنی ماں کے سر سے گناہوں کی پوٹلی اتار پھینکوں۔ اس کے کفارہ اور تلافی کی ایک ہی صورت ہے۔ ان کی وجہ سے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی ہوں۔"

"واقعی!" اویس کا چہرہ فرط مسرت سے دمک اٹھا۔ "آپ نے میری خاطر بڑی تکلیف کی ہے' میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی بھلا نہ سکوں گا۔"

"یہ کیسا احسان ہے جس کے لئے آپ میرے اتنے شکر گزار ہو رہے ہیں۔ پلیز! آپ اسے احسان کا نام نہ دیں۔" وہ انکساری سے بولی۔

"اسے احسان کا نام نہ دوں تو پھر کس کا نام دوں.......... سچ پوچھئے تو آپ کے اس احسان نے میری ذات کو خرید لیا ہے۔"

"لیکن جو احسان آپ نے میری امی پر کیا ہے میں تو اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں اتار سکتی ہوں۔" شائستہ نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے کیا احسان کیا ہے.......... میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ میں نے اپنا ایک فرض ادا کیا تھا۔ میری جگہ کوئی اور شخص ہوتا تو شاید وہ بھی یہی کرتا۔"

"آپ کچھ بھی کہہ لیں.......... آپ نے اپنی جان پر کھیل کر اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میری امی کی عزت اور جان بچائی ہے۔ وہ ایک ایسا احسان ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا احسان بھی اس کا نعم البدل نہیں ہو سکتا ہے۔ ہم ساری زندگی احسان کرتے بھی رہیں تو یہ احسان اتر نہیں سکتا ہے۔"

"آپ مجھے میری شگفتہ دلا کر جو احسان کریں گی وہ اس سے بھی بڑا ہو گا۔" اویس نے توقف کر کے موضوع بدلا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہو گا کہ آپ شام کو میرے ہمراہ چل کر



شادی میں شرکت کرلیں۔ اس طرح وہاں میری امی' بھائی اور دونوں بہنوں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

"نہیں.......... یہ ممکن نہیں ہو گا۔" شائستہ نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ میں اپنی ایک سہیلی اور اس کے شوہر کے ساتھ حیدر آباد سے آئی ہوں۔ بس اسٹاپ سے سیدھی آپ کے ہاں چلی آ رہی ہوں۔ میرے شوہر اور بچی حیدر آباد میں ہی ہیں۔ اگر میں رات کے وقت حیدر آباد نہ پہنچی تو بچی اور میرے شوہر بہت پریشان ہوں گے۔ بچی تو میرے بغیر رہ نہیں سکتی ہے۔ پلیز! آج کے لئے مجبور نہ کریں۔"

"آپ کا کسی دن آکر میرے ہاں ٹھہرنا قرض رہا۔" اویس نے کہا۔ "یہ گھر اب کسی غیر کا نہیں بلکہ آپ کی بہن اور بہنوئی کا ہے۔ آپ سے اٹوٹ رشتہ داری قائم ہو گئی ہے۔ میں آپ کی اس نوازش کے لئے بہت ممنون ہوں کہ آپ اپنی بچی اور شوہر کو چھوڑ کر خاص طور پر میرے کام سے آئی ہیں۔"

"رسمی باتوں اور شکریہ ادا کرنے کے لئے بہت بڑا وقت ہے۔" شائستہ خوش دلی سے بولی۔ "بس آپ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ اب ہمیں باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ معلوم نہیں وہ کہاں ہیں۔ انہیں تلاش کرنے میں معلوم نہیں کتنا وقت لگے گا۔"

"آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے دیں تاکہ میں تیار ہو جاؤں۔" اس نے کہا۔ "اتنی دیر میں آپ اخبار پڑھیں' ٹی وی دیکھیں۔"

اویس اپنی خوشی اور اپنی غرض سے اس قدر اندھا ہو گیا تھا کہ وہ نہا کر کپڑے بدلنے کی اجازت لے کر اپنے کمرے میں آیا اور ملحق غسل خانے میں گھس گیا۔ اس نے نہ تو رسمی طور پر اور نہ ہی اخلاقاً شائستہ سے چائے شربت کے لئے پوچھا۔ وہ تو یہ سوچ کر خوشی سے پاگل ہوا جا رہا تھا کہ شائستہ کو ماں بیٹی کے بارے میں کچھ بھنک کسی رشتہ دار سے ملی ہے۔ ثمرین نے ایک دو دن کے بعد بتانے کا کہا تھا۔ اس صورت میں کہ اس کی سہیلی کے لاہور سے واپس آنے پر.......... اب اسے ثمرین کی محتاجی نہیں تھی۔ شگفتہ مل جانے کی صورت میں ثمرین کا پتا کاٹنا تھا۔ طلاق دے کر جان چھڑانا تھی۔ آج شائستہ اسے شگفتہ سے ملانے والی تھی۔ مل جانے کی صورت میں آج کی رات ملن کی رات ہو گی۔ سہاگ رات ہو گی۔ خواب پانے کی رات ہو گی۔

اویس نے جلدی جلدی سے شیو کیا۔ نہایا' کپڑے بدلے' بہت جلدی کرنے کے

باوجود آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت صرف ہوگیا تھا۔ وہ نشست گاہ میں آیا تو وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ کھانے کی میز پر پُرتکلف ناشتہ چنا ہوا ہے۔ شائستہ اس کی منتظر بیٹھی ہے۔

اویس نے میز کے قریب آکر ناشتے کے لوازمات پر ایک نظر ڈالی تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا۔ اسے معلوم تھا کہ گھر میں ڈبل روٹی، انڈوں، دودھ اور مکھن کے سوا کچھ نہیں ہے۔ مگر میز پر تین چار چیزیں موجود تھیں۔

اویس نے اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کرکے تحیرزدہ لہجے میں پوچھا۔ "یہ کہاں سے آئی ہیں؟ کیا آپ اسے لے کر آئی ہیں؟"

"آپ کے گھر کے باورچی خانہ سے ہی یہ تیار ہوکر آئی ہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا۔ میں خالی ہاتھ اور صرف ایک پرس لے کر آئی ہوں۔"

"آپ کو یہ زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دراصل مجھے یاد نہیں رہا ورنہ میں ہوٹل سے ناشتہ لے آتا۔" اویس نے کہا۔

"میں نے سوچا کہ جتنی دیر آپ شیو کریں اور نہائیں، اتنی دیر تک میں اکیلی احمقوں کی طرح بیٹھ کر کیا کروں؟ مجھے ٹیلی ویژن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پھر خیال آیا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔ کیوں نہ آپ کے لئے ناشتہ تیار کردوں۔ ظاہر تھا کہ آپ کو تیار ہوکر نکلنے اور کسی ہوٹل میں جاکر ناشتہ کرنے میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ میں نے وقت بچانے کی غرض سے آپ کی اجازت لئے بغیر باورچی خانے میں جاکر دھاوا بول دیا۔ میں نے اس گھر کو اپنا گھر سمجھتے ہوئے ناشتہ تیار کیا ہے۔ آپ کو میری یہ بے تکلفی ناگوار تو نہیں لگی ہے۔ اگر لگی ہے تو معافی چاہتی ہوں۔"

"پلیز! مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں۔" اویس نے سر کھجاتے ہوئے خجالت سے کہا۔
"میں ویسے ہی بہت شرمندہ ہوں کہ آپ سے چائے شربت کے لئے بھی نہیں پوچھا۔ پھر آپ نے میرا کتنا خیال کیا۔ اتنی ساری چیزیں تھوڑی دیر میں تیار کرکے رکھ دیں۔ آپ کے شوہر بڑے خوش نصیب ہیں کہ انہیں نہ صرف بہت حسین بلکہ بہت سگھڑ بیوی ملی ہے۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو ناحق تکلیف اٹھانا پڑی ہے۔"

"اویس صاحب! آپ میرے ساتھ غیریت برت رہے ہیں، کیا اب یہ میرا گھر نہیں رہا ہے؟ کیا آپ سے میرا کوئی رشتہ ناتا نہیں ہے؟"

"کیوں نہیں ہے......... بالکل ہے۔" اویس کرسی کھینچ کر میز پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
"مگر آپ نے پہلی بار میرے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا ہے۔ بجائے اس کے کہ میں



آپ کی خدمت کروں آپ میری خدمت کر رہی ہیں۔ آخر میزبانی کے کچھ اصول اور آداب تو ہوتے ہیں۔"

"دیکھئے، شگفتہ میری بہن ہے، اس رشتے ناطے سے میں اس گھر کی ایک فرد بن گئی ہوں۔ فرد کی بھی کچھ ذمے داریاں ہوتی ہیں، ہوتی ہیں نا؟"

"جی ہاں!" اویس نے سرہلاکر اعتراف کیا۔ "مجھے بھلا ان باتوں سے کیا انکار ہوسکتا ہے۔ میں آپ سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں۔"

"پھر آپ مجھ سے غیروں اور اجنبیوں کی طرح باتیں کیوں کر رہے ہیں لگتا ہے کہ آپ کو کچھ ناگوار سا احساس ہو رہا ہے۔" وہ کسمساتی آواز میں بولی۔

"اچھا بڑی سالی صاحبہ مجھے معاف کردیں۔" اویس نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ کے بڑی معصومیت سے معافی مانگی تو اس وقت وہ شائستہ کو بہت اچھا لگا تھا۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "سالی سے جیتنا بہت مشکل ہے۔ یہ آج معلوم ہو رہا ہے، ہم ہار گئے جناب!"

گو گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ فراوانی تھی۔ فریج، ڈیپ فریزر، بکرے، گائے اور مرغی کے گوشت سے بھرا رہتا تھا۔ ہر قسم کی سبزیاں اور ترکاریاں بھری رہتی تھیں مگر جب سے ٹیلی ویژن، وی سی آر اور ڈش کی وبا پھیلی تھی تب سے اس کی ماں اور بہن باورچی خانے میں کم دلچسپی لے رہی تھیں۔ کھانے پینے میں یہ بے پروائی روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ ہوٹلوں سے کبھی نہاری آرہی ہے۔ کبھی کڑاہی گوشت، چکن تکے یا بروسٹ آرہا ہے۔ روٹیاں ہوٹل سے منگوا لی جاتی تھیں۔ چولہا صرف چائے اور صبح ناشتے کے لئے انڈے اور ڈبل روٹی سینکنے کے لئے جلتا تھا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے جتنی دیر میں شیو کیا، نہایا اور کپڑے تبدیل کئے۔ اتنی دیر میں شائستہ نے پُرتکلف ناشتہ تیار کرکے میز سجادی تھی۔ اس نے نہ صرف پراٹھے بنائے تھے بلکہ دوسری چیزیں بھی بڑی لذیذ اور ذائقہ دار بنائی تھیں۔ کبھی اس نے اپنے گھر والوں میں ایسی سلیقہ شعاری اور سگھڑپن نہ پایا تھا۔ لذیذ کھانا پکانا کوئی جانتا ہی نہیں تھا۔ اس لئے وہ اکثر کھانا باہر سے کھاکر آتا تھا۔ وہ عادی سا ہوگیا تھا۔

"مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا ہے۔" اویس نے بڑے اصرار سے شائستہ کو بھی کھانے میں شریک کرلیا۔ وہ اس لئے تیار نہیں ہو پارہی تھی کہ وہ ناشتہ کرکے گھر سے نکلی ہے۔ اس نے کھانوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ

آپ نے جادو کے زور سے اتنی جلدی پکا دیا ہے۔"

"اصل بات یہ نہیں ہے۔" شائستہ کے ہونٹوں پر دلکش تبسم ابھر آیا۔ "آخر میں ایک خانہ دار عورت ہوں۔ جلدی سے جلدی دو تین ڈشیں تیار کرنے کے لئے کسی جادو کی نہیں بلکہ تیزی اور مستعدی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ عورت کو اس سے دلچسپی ہونا بھی شرط ہے۔ شگفتہ حالانکہ مجھ سے دو تین برس چھوٹی ہے لیکن امورِ خانہ داری میں مجھ سے دو ہاتھ آگے ہے۔ میں اس کے آگے اپنے آپ کو ایک دم پھوہڑ سمجھتی ہوں۔ اس کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے۔ اب جب کہ آپ کو اس کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کھانے کو ملیں گے۔ آپ اپنی انگلیاں چاٹتے رہ جائیں۔"

"شگفتہ..........؟" اس نے چونک کر کہا۔ "ایک بار اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پی چکا ہوں۔ ایک بار کھانے کا اتفاق ہوچکا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں اسے رجسٹرار کے ہاں سے واپس گھر لے گیا تھا۔ تب آپ کی امی نے لنچ کروایا تھا۔ آپ کی امی نے کہا تھا کہ کھانا شگفتہ نے بنایا ہے اور.........."

اویس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس نے اپنے دل میں پھانس سی گڑتی ہوئی محسوس کی تھی۔ اس کے سینے میں ٹھنڈی آہوں کا ایک غبار سا بھر گیا تھا۔ پھر اس نے اپنی نس نس میں کوئی چیز گرم گرم سیسے کی طرح پگھلتی محسوس کی۔ اس نے کھاتے ہوئے پہلو بدلا پھر وحشت سے سوچنے لگا۔ کاش! اس وقت اس کی نظروں کے سامنے شائستہ کی جگہ شگفتہ بیٹھی ہوئی ہوتی.......... تب کیا ہوتا؟ اس کے سینے میں ایک آگ سی بھڑکنے لگی۔ اس کی نظروں کے روبرو ایک چاند ہوتا۔ فضا میں اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ نغموں کے بول کی طرح گونج رہے ہوتے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک عجیب سا منظر ہوتا۔ دنیا کے ہر حسین منظر سے زیادہ حسین منظر.......... شگفتہ کی حسین صورت اس کی آنکھوں کو چندھیا رہی ہوتی۔

اویس سے ناشتہ ٹھیک سے نہیں کیا جارہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ شگفتہ کا تصور کسی بے رحم پتھر کی طرح اس کے آبگینہ دل پر آلگا تھا۔ شائستہ پر اسے شگفتہ کا گمان ہو رہا تھا۔ مگر شائستہ ایک گھریلو اور باوقار عورت کے روپ میں اس کی نظروں کے عین روبرو تھی۔ قریب بیٹھی تھی۔ کسی تروتازہ مہکتے ہوئے پھول کی مانند.......... گہرے اودے رنگ کی ساڑی اور بلاؤز میں اس کی سج دھج قابل دید تھی۔ وہ شائستہ کے وجود سے پھوٹتی ہوئی ایک عجیب اور سوندھی سوندھی سی خوشبو کو محسوس کر رہا تھا جس کی مہک نے اس کے



وجود کو مہکا دیا تھا۔

ایسی خوشبو' ایسی مہک اس نے کبھی کسی پھول' کسی کلی' سینٹ اور عطر میں بھی نہیں پائی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں کیسی کیسی حسین و جمیل نازک اندام' پُرشباب اور پُرکشش لڑکیوں کو قانونی اور شرعی طور پر اپنا بنا کر وقت گزاری کی تھی۔ مگر ان میں سے کسی ایک میں ایسی خوشبو کی ہلکی سی مہک تک محسوس نہیں کی تھی۔ وہ کلیاں تھیں۔ پھول بن گئی تھیں۔ پھر بھی ان میں ایسی خوشبو اس نے محسوس نہیں کی تھی۔

شگفتہ تو ایک اچھا شعر ہی نہیں بلکہ ایک ایسی غزل تھی جس کے ہر لفظ' مصرعہ اور شعر میں تغزل کا پورا پورا اور گہرا رنگ موجود تھا۔ اس زمین میں کہی گئی غزل تو اس نے نہ تو کہیں سنی تھی اور نہ پڑھی تھی۔ ایسا نظر سے نہیں گزرا تھا جو اس کی مثال بن جاتا۔ وہ کتنی ہی حسین و جمیل لڑکیوں کو تسخیر کرتا رہا تھا۔ مگر اس ظالم نے اسے تسخیر کرکے جیسے بڑی بے رحمی اور سفاکی سے ٹھوکر مار دی تھی۔

"اویس صاحب! آپ ناشتہ کر رہے ہیں یا سوچ رہے ہیں؟" شائستہ کی آواز فضا میں لہرائی۔ اس نے آملیٹ کی پلیٹ اویس کی طرف بڑھائی۔

اویس نے تکلف سے کام لیتے ہوئے انکار کیا تھا کہ وہ آملیٹ نہیں لے گا۔ مگر شائستہ نے آملیٹ کو اس کی پلیٹ میں ڈال دیا پھر وہ شوخی سے بولی۔

"ایک وقت میں ایک ہی کام ہوسکتا ہے۔ یا تو آپ سوچ لیں یا پھر ناشتہ کرلیں۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتی ہیں۔"

"میں تو آپ کی ہمشیرہ کے بارے میں اور آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے موازنہ کر رہا ہوں۔ کیا آپ دونوں ایک جیسی ہی ہیں؟"

"یہ میں کیا کہہ سکتی ہوں.........." وہ اپنے تبسم کی بجلیاں نچھاور کرنے لگی۔ "اس وقت آپ سوچنا اور موازنہ کرنا ترک کردیں۔ اس وقت ذرا ڈٹ کر ناشتہ کرلیں۔ انڈے کھائیں۔ جان بنائیں۔ اس لئے کہ آج کا سارا دن آپ کی بیگم صاحبہ کی تلاش کی نذر ہوگا۔ توانائی خرچ ہوگی۔ کیونکہ کچھ پتا نہیں کہ کہاں کہاں کی خاک چھاننا ہوگی کتنے میل کا فاصلہ طے کرنا ہوگا۔ سو میلوں سے بھی شاید گزرنا پڑے اس لئے جسم میں طاقت ہونا ضروری ہے۔"

"جی.......... جی..........!" اویس نے چونک کر اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ "کیا شگفتہ کی تلاش میں سارا دن غارت ہوگا؟"

"جی ہاں۔" شائستہ ہنس پڑی۔ "شگفتہ گاجر کا حلوہ تو نہیں ہے جو ہر حلوائی کی دکان پر مل جائے۔ اسے تلاش کرنے کے لئے اس شہر کے جانے کن کن علاقوں میں جانا پڑے میں کچھ کہہ نہیں سکتی ہوں۔ شاید پہلی کوشش ہی کامیاب ہوجائے۔ کہیں آپ حوصلہ ہار کے تو نہیں رہ جائیں گے؟"

"آپ اس خاکسار کی فکر نہ کریں۔" اویس نے کہا۔ "میں اپنی موٹر سائیکل پر آپ کو پورے شہر کی سیر چار گھنٹوں میں کرا سکتا ہوں۔"

"میرے خیال میں موٹر سائیکل پر جانا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں ہوگا۔" شائستہ نے تجویز پیش کی۔ "ہم ایک ٹیکسی سارے دن کے لئے کرائے پر لے لیتے ہیں۔"

"ٹیکسی کس لئے؟" اویس نے متعجب ہوکر کہا۔ "ہم دو ہی تو ہیں۔ چار تو نہیں ہیں۔ اور پھر موٹر سائیکل پر تو بہت زیادہ سہولت اور آرام ملے گا۔"

"اس لئے کہ ٹیکسی میں آپ اپنے آپ کو امی کی نظروں سے محفوظ رکھ سکیں گے۔ اگر امی نے آپ کو میرے ساتھ دیکھ لیا تو پھر شگفتہ کا پتا چلانا مشکل ہوجائے گا۔"

شائستہ کی بات کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آرہی تھی۔ وہ اس کی تجویز کے پہلوؤں کا جائزہ لے رہا تھا کہ شائستہ شوخی سے بولی۔ "مجنوں صاحب! پھر آپ کیا سوچنے لگے؟ لگتا ہے کہ سوچتے سوچتے سارا دن گھر پر ہی گزار دیں گے۔ سوچتے رہنے سے لیلیٰ ملنے سے رہی۔"

اویس کو شائستہ کا یہ اندازِ تخاطب پسند نہیں آیا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کی سی لہر دوڑ گئی۔ شائستہ نے اس بات کو اس کے چہرے سے فوراً ہی بھانپ لیا اور بولی۔ "اویس صاحب! آپ سے جو میرا رشتہ ناتا ہے اس کی رو سے میں کچھ مذاق کر سکتی ہوں۔ آپ ایسی باتوں کا دل میں کچھ خیال نہ کیا کریں۔ اگر آپ نے میرے اس مذاق کو محسوس کیا ہے تو میں آپ سے معافی چاہتی ہوں اور اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔"

اویس کا دل صاف ہوگیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے زندہ دلی کے انداز سے کہا۔ "میں بھی اپنا حق محفوظ رکھتا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں اکلوتی سالی صاحبہ!"

اویس نے گھر کو مقفل کیا اور اس کی چابی پڑوس میں دے دی۔ اس خیال سے کہ واپسی میں کسی وجہ سے دیر ہوجائے تو اس کے گھر والوں کو کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مین روڈ پر آکر اس نے ایک خالی ٹیکسی روکی جسے ایک بڑے میاں چلا رہے تھے۔ ان سے معاملات طے کرنے کے بعد اویس نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا۔ شائستہ پچھلی سیٹ پر



بیٹھی۔ اویس نے پہلے تو سوچا تھا کہ وہ اگلی سیٹ پر براجمان ہوجائے گا پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ وہ پچھلی نشست پر شائستہ کے ساتھ ہی بیٹھ گیا کہ باتیں کرنے میں سہولت رہے گی۔ اسے بار بار اپنی گردن گھمانا نہیں پڑے گی۔

شائستہ دائیں جانب کی کھڑکی کے پاس وہ بائیں جانب کھڑکی کے پاس بیٹھ گیا۔ دونوں کے درمیان چند انچوں کا ہی فاصلہ تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے عقبی آئینے میں ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں چلنا ہے؟"

اویس نے شائستہ کی طرف دیکھا تو وہ لمحہ بھر متذبذب سی رہی۔ کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "لانڈھی چلیں۔"

اویس شائستہ کے تذبذب پر ناامید سا ہوگیا تھا کہ شائستہ خود اندھیرے میں ہے۔ وہ اندھیرے ہی میں تیر چلا رہی ہے۔ تاہم اس نے خاموشی ہی بہتر سمجھی۔ وہ اس کی مشکل حل کرنے آئی تھی۔ اس کے جذبے اور اخلاص میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا۔

چند لمحوں کے بعد جب ٹیکسی سڑک پر تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی شائستہ اس کی طرف سرک آئی۔ پھر جھک کر اپنا منہ اس کے کسی قدر قریب لاکر سرگوشی کی۔ "جیسا مجھے بتایا گیا ہے کہ امی کچھ دنوں شگفتہ کے ساتھ لاہور میں رہ کر لوٹی ہیں۔ انہیں شاید آئے تین چار دن ہی ہوئے ہیں۔ لانڈھی میں ایک رشتہ دار کے ہاں عارضی طور پر قیام کیا ہوا ہے اور کرائے کے مکان کی تلاش میں ہیں۔ معلوم نہیں انہیں کرائے کا مکان ملا ہے کہ نہیں۔"

"ان کے پاس لاکھوں کی رقم ہے تو انہیں کرائے کا مکان لینے کی کیا ضرورت ہے؟ شاید وہ اچھا مکان خریدنے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہی ہوں گی۔"

"میں اس ضمن میں اس وقت تک کچھ نہیں کہہ سکتی ہوں جب تک امی یا رشتے دار سے ملاقات نہ ہوجائے۔" وہ کہنے لگی۔ "اگر امی کو مکان نہیں ملا ہے تو پھر وہ اسی رشتہ دار کے ہاں ہوں گی۔ اگر وہ وہاں سے چلی بھی گئی ہوں گی تو ان سے اس گھر کا پتا چل جائے گا جہاں وہ منتقل ہوئی ہیں۔"

"بالفرضِ محال اس رشتہ دار کو آپ کی امی نے پتا بتانے سے منع کیا ہوا ہے تو پھر آپ کیا کریں گی؟ کہاں تلاش کریں گی؟"

"میں بیٹی ہوں۔ وہ میری ماں ہیں۔ وہ مجھے اپنی ماں کا پتا کیوں نہیں بتائیں گے؟ اسی

رشتہ دار نے تو مجھے اطلاع دی تھی کہ امی لاہور سے واپس آگئی ہیں۔"

"آپ کی امی اور بہن تھوڑے دنوں کے لئے لاہور کس لئے گئی تھیں؟ کیا وہاں بھی آپ کے رشتہ دار وغیرہ ہیں؟" اویس نے پوچھا۔

"امی آب وہوا کی تبدیلی اور اپنی ایک سہیلی کی بیٹی کی شادی میں شرکت کے لئے گئی تھیں۔" شائستہ نے جواب دیا۔ "صرف ایک ہفتے میں امی کی صحت سنا ہے بہت اچھی ہوگئی۔ سنا ہے کہ شگفتہ کو وہاں کی آب وہوا نے اس قدر نکھار دیا ہے کہ وہ اور حسین اور شعلہ ساماں ہوگئی ہے۔"

شائستہ کے آخری جملے نے اس کے دل پر کاری زخم سا لگا دیا تھا۔ جب بھی اسے شگفتہ کا خیال آتا اور کسی کی زبان پر شگفتہ کا نام آتا تھا تو وہ اپنے دل میں ایک صدمہ محسوس کرتا تھا۔ جیسے کوئی اپنا سب کچھ کھو کر محسوس کرتا ہے۔ اس کی حالت غیر سی ہوجاتی تھی۔ وہ شائستہ کی بات سن کر کیا جواب دیتا۔ کیا تبصرہ کرتا۔ یہ تو زخموں پر نمک پاشی والی بات تھی۔ وہ دل مسوس کر اور بے قراری سے کسمسا کے رہ گیا۔

"کاش! شگفتہ ہمیں لانڈھی ہی میں مل جائے۔" شائستہ نے بڑی حسرت سے گہری سانس لی۔ "آج میں اسے امی کے جہنم کے عذاب سے نجات دلا کر ہی رہوں گی۔"

ٹیکسی تیز رفتاری سے ایک لمبا راستہ طے کر رہی تھی۔ اویس سوچوں کی دنیا سے نکل کر چند لمحوں کے وقفے وقفے سے شائستہ کے چہرے کی طرف دیکھ لیتا تھا۔

شائستہ جہاں بیٹھی تھی اس کے دروازے کا شیشہ اترا ہوا تھا۔ ہوا سے اس کی نقاب اُڑی اُڑی جاتی تھی۔ جب کسی چوراہے کے سگنل پر ٹیکسی رکتی تھی۔ لوگ بسوں اور گاڑیوں میں سے اسے گھورتے تھے وہ گھبرا کے نقاب ڈال لیتی تھی۔ جب ٹیکسی چل پڑتی وہ نقاب الٹ لیتی تھی۔ پھر اس کا چہرہ جلنے لگتا تھا۔ اس بلب کی طرح جو ایک لمحے روشن ہوتا ہے دوسرے لمحے بجھ جاتا ہے یا ان بدلیوں کی طرح جو کبھی چاند پر چھا جاتی ہیں۔ اس کے چہرے پر خوابیدگی طاری تھی۔ شہابی رنگت پر ایک دھند سی طاری تھی۔ اس کی آنکھیں بھٹکی ہوئی تھیں۔ اویس اس کی طرف دیکھ کر دل میں سوچتا۔ پتا نہیں وہ کیا سوچ رہی تھی۔ شاید یہ سوچ رہی ہو کہ اس کی ماں نے یہ حرکت کیوں کی؟ دھوکے بازی سے کام کیوں لیا۔ یہ شگفتہ کو کیا ہوگیا؟

شائستہ کھڑکی کے پاس سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ کبھی اس کا سراپا کسمساتا تو برقع کی سطح پر بجلیاں کوندنے لگتی تھیں۔ بدن کسی نازک سی شاخ کے مانند لچکتا تو اسے اپنے دل



پر کوئی بجلی سی گرتی محسوس ہوتی تھی۔ ایک قیامت سی گزر جاتی پھر وہ کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے سے اجتناب کرتا تھا۔

اویس کو بار بار یہ خیال سا آتا تھا کہ شائستہ نے اس کی خاطر اور اپنی ماں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے کتنی تکلیف کی ہے۔ وہ شگفتہ کو تلاش کرنے کے بعد اسے واپس حیدر آباد پہنچا دینا چاہتا تھا۔ پھر اسے شائستہ کے شوہر اور بچی کو کسی دن بلا کر شگفتہ کی تلاش میں نکلنا چاہئے۔ یہ بات سوچتے ہوئے اس نے کئی بار ارادہ کیا کہ دل کی بات زبان پر لے آئے۔ وہ اسی خیال سے شائستہ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب وہ اس کی طرف دیکھتا تو دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔ اس کی نگاہیں جیسے شائستہ کے چہرے اور سراپا سے چپک جاتی تھیں۔ ہٹنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

دو ایک مرتبہ شائستہ نے اس کی محویت اور نظروں کی چوری پکڑلی تھی لیکن اس نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ وہ ہنس کر مسکرا کے رہ گئی تھی۔

اس نے کتنی ہی بار اپنی ضدی نگاہوں کو اس حرکت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ باز نہیں آئی تھیں۔ اس کے دل میں کئی بار خیال آیا کہ وہ ٹیکسی کسی پان سگریٹ کی دکان پر رکوا کر سگریٹ خریدنے کے بہانے سے اترے۔ سگریٹ خرید کر اگلی نشست پر بیٹھ جائے۔ اس طرح وہ اپنی نگاہوں پر قابو پا سکتا ہے۔ شائستہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی کہ یہ کیسا شخص ہے جو اسے تاکے جا رہا ہے۔

ٹیکسی ایک لمبا سفر طے کر کے لانڈھی کے علاقے میں داخل ہو کر فیوچر کالونی پہنچی۔ اویس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ تاہم اس نے اپنے آپ کو بہ دقت تمام سنبھالے رکھا۔ شائستہ نے ٹیکسی فیوچر کالونی کی ایک گلی کی نکڑ پر رکوائی۔ اسے انتظار کرنے کے لئے کہا۔ وہ ٹیکسی ہی میں بیٹھا رہا۔ شائستہ ٹیکسی میں سے اتر کے سامنے والی گلی میں داخل ہوئی اور نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

شائستہ کا انتظار اس کے اعصاب پر پہاڑ کا سا بوجھ بن گیا۔ لمحہ لمحہ اس کے لئے بڑا کرب ناک تھا۔ وہ بار بار گھڑی دیکھتا تو اسے ایسا لگتا تھا کہ اس کی سوئیاں رک گئی ہوں۔ پل پل اس پر صدی کی طرح بھاری ہوگیا تھا۔ وہ بے تاب ہو کر بے قراری سے اور مضطرب سا ہو کر اس طرف دیکھ رہا تھا جدھر شائستہ گئی تھی۔ جان لیوا انتظار کی گھڑیاں اس سے کاٹے نہیں کٹ رہی تھیں۔ دل کی دھڑکنیں بھی قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔

ٹیکسی ڈرائیور ٹیکسی سے اتر کر پان سگریٹ کی دکان پر جاکر سگریٹ خرید کر پینے لگا

تب اس نے عقبی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو چونک پڑا۔ اسے اپنا چہرہ برسوں کے مریض کی طرح زرد اور ستا ہوا سا لگا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی جھانک رہی تھی۔ پھر اس کا گلا پیاس سے خشک ہوتا ہوا لگا تو وہ ٹیکسی سے اتر کر حلیم کے ٹھیلے کے پاس گیا۔ وہاں کوئی ہوٹل نہ تھا۔ اس لئے اس نے حلیم کے ٹھیلے پر رکھے ہوئے مٹکے سے گلاس سے پانی لے کر پیا۔

کوئی بیس منٹ کے بعد گلی کی دوسری نکڑ پر شائستہ کا سراپا ابھرا۔ اویس نے اسے آتا دیکھ کر ٹیکسی کا دروازہ کھول دیا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی ٹیکسی میں آکر بیٹھا تھا۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی آئی اور ٹیکسی میں اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اویس کو کچھ اندازہ نہ ہو سکا کیونکہ شائستہ کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ اویس کی حالت اندر سے غیر ہو رہی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ شائستہ نے نقاب الٹا تو اویس نے اس کا چہرہ پڑھ لیا جس پر مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ اب اسے شائستہ سے کچھ معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ شائستہ نے بھی اس سے کچھ نہیں کہا۔

ٹیکسی ڈرائیور جب اسٹیرنگ پر آبیٹھا تو شائستہ نے اس سے کہا۔ "ماڈل کالونی......... ملیر چلو بابا۔"

جب ٹیکسی چل پڑی تو شائستہ نے کہا۔ "ان لوگوں نے کہیں مکان کرائے پر لے لیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کہاں لیا ہے۔ خیال ہے کہ ماڈل کالونی میں لیا ہے۔ وہاں ایک جاننے والے ہیں۔ ان سے شاید معلوم ہوجائے۔ میرا خیال یہی ہے کہ وہ دونوں ماڈل کالونی میں ہوں گی۔"

"کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ انہوں نے جہاں بھی کرائے کا مکان لیا ہے اس کے بارے میں ان لوگوں کو بھی نہیں بتایا۔ آخر کس لئے؟"

"نہ صرف حیرت کی بلکہ غصے کی بھی بات ہے۔ ان لوگوں کو اس بات پر بھی سخت غصہ ہے کہ امی نے ان سے مکان کے بارے میں کیوں چھپایا؟ میرے خیال میں شاید امی نے یہ حرکت اس لئے کی ہوگی کہ ان کے ہاں کسی کی آمدورفت نہ رہے۔ امی میں یہ بڑی بری عادت ہے کہ وہ رشتہ داروں سے بہت دور رہتی ہیں۔ صرف رسمی طور پر تعلقات رکھتی ہیں۔ جس کی وجہ سے رشتہ دار بھی ان سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے ہیں۔"

شائستہ نے بتایا تھا کہ ماڈل کالونی میں اس کے بہت سارے رشتہ دار رہتے ہیں۔ ماڈل کالونی بہت بڑی اور کئی میلوں کے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ ملیر کا علاقہ تھا جس میں



ہوٹل بنی ہوئی تھی۔ اسی لئے ماڈل کالونی کے بازاروں اور گلیوں کی نکڑ پر ٹیکسی رکتی رہی۔ شائستہ ٹیکسی سے اتر کے گلیوں اور مکانوں کی قطاروں میں گم ہوجاتی تھی۔ بلند و بالا عمارتوں کی دوسری تیسری منزلوں کی بھی خاک چھان کر آتی تھی۔ جب وہ آتی تھی اس کے حسین چہرے پر نہ صرف گرد ہی نہیں اور حیرت ہوتی تھی بلکہ مایوسی بھی ہوتی تھی اور آنکھوں سے ناکامی جھانک رہی ہوتی تھی۔

اویس اس کا بشرہ بھانپ کر مایوسی کے اندھیروں میں ڈوب جاتا اور وہ ناامید سا ہوگیا تھا۔ دل کی شکستگی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ وہ حوصلہ ہار چکا تھا۔ مگر شائستہ نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ امید کا دامن اس نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ وہ تھکی نہیں تھی۔ ہاری نہیں تھی۔ مرد بنی ہوئی تھی۔ کسی گلی میں' کسی عمارت کے زینے پر اوپر جانے کے لئے قدم رکھتی تو اس کی رگوں میں خون دوڑنے لگتا تھا۔ وہ بڑی پُرامید ہوکر سیڑھیاں چڑھنے لگتی تھی۔

جب دوپہر کے دو بج رہے تھے تب اویس نے ٹیکسی ایک شان دار قسم کے ریسٹورنٹ کے سامنے رکوائی تاکہ دوپہر کا کھانا کھا لیا جائے۔ اس نے پُرتکلف کھانے کا آرڈر دیا تو اسے اس دن کی یاد آگئی جب وہ شگفتہ کے ساتھ اسی ہوٹل میں اس سے باتیں کررہا تھا۔ دل کی بات زبان پر لے آیا تھا۔ شگفتہ نے اسی دن تو اس کے حق میں فیصلہ کرکے مسرت سے ہمکنار کیا تھا اور گمشدہ جنت کی تلاش میں بڑے عزم و حوصلے سے کوشاں تھی۔ اس نے ویٹر کو کھانے کا آرڈر دینے کے بعد دل شکستگی سے کہا۔ "شائستہ صاحبہ! آج مقدر ہمارا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ اس طرح خاک چھاننے اور بھاگ دوڑ سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ چلئے واپس چلتے ہیں۔ آج نہ سہی' کسی اور دن قسمت آزمائی کرلیں گے۔"

وہ دونوں ہوٹل کے پُرسکون گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اویس کی یہ پسندیدہ اور مخصوص میز تھی۔ وہ جب بھی اس ریسٹورنٹ میں اکیلا یا کسی کے ساتھ آتا تھا تو اسی میز پر بیٹھتا تھا۔ کیونکہ قدرے تنہائی ہوتی تھی۔ ایک ستون کی وجہ سے ہال کے لوگ' ویٹر اور دوسرے یہ میز دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یوں بھی آج چھٹی کا دن ہونے کے سبب ہال خالی خالی سا تھا۔ کچھ میزوں پر صرف جوڑے بیٹھے راز و نیاز میں مصروف تھے۔

اویس کی بات سن کر شائستہ کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی تھی۔ اس نے اویس کی آنکھوں میں جھانکا ان میں سے ناامیدی جھانک رہی تھی۔ وہ حسرت و یاس کی تصویر بنا

بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے دل کی کیفیت عیاں ہو رہی تھی۔ معاً اس کی نظر اویس کے ہاتھ کی طرف اٹھ گئی۔ شائستہ نے بڑی اپنائیت کے انداز سے اس کے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ "کیا آپ کا دل شگفتہ کی محبت سے اچاٹ ہوگیا ہے جو اس کی تلاش جاری رکھنا نہیں چاہتے ہیں؟"

اس نے چونک کر شائستہ سے نظریں چار کرتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ نے کیسے اندازہ کرلیا کہ میرا دل شگفتہ کی محبت سے اچاٹ ہوگیا ہے۔ یہ میری محبت اور جذبے پر بہت بڑا الزام ہے۔ وہ تو میری ذات کا جزو ہے۔ میں اس کے بغیر ادھورا ہوں۔ نامکمل اور بیکار سی شے ہوں۔"

"ابھی آپ نے جو واپسی کے لئے کہا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ نے آج کی ناکامیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔" وہ بولی۔

"معلوم نہیں کیوں میرا دل اندر سے بجھا جارہا ہے۔" وہ دل گرفتہ لہجے میں بولا۔ "میرے دل کے کسی کونے میں اسے پانے کی آس دکھائی نہیں دے رہی ہے۔"

"لیکن میرا دل تو کہہ رہا ہے کہ وہ ضرور مل جائے گی۔" شائستہ نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ "ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ شگفتہ کیا چیز ہے؟"

"آپ کچھ بھی کہہ لیں۔ یہ طفل تسلیاں ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم سراب کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ آپ کی امی کسی نوسرباز سے کم نہیں ہیں۔"

شائستہ نے بڑے خلوص اور اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔ "حوصلے سے کام لیجئے اویس صاحب! بعض اوقات ایک مسافر منزل کے قریب پہنچ کر حوصلہ ہار دیتا ہے۔ منزل کو اس لئے نہیں پا سکتا ہے ناامیدی اور دل شکستگی اسے مایوسی کے اندھیرے میں دھکیل دیتی ہے۔ مجھے کیا غرض تھی کہ میں اتنی دور سے اس کے لئے یہاں آتی۔ یہ آپ کا اور میری امی کا معاملہ تھا۔ اس میں میری بہن بھی شامل تھی۔ ان دونوں سے ایک طرح میرا قطع تعلق ہوچکا ہے۔ میں اپنے گھر میں خوش و خرم زندگی گزار رہی ہوں لیکن ایک جذبہ کشاں کشاں یہاں تک کھینچ لایا ہے۔ وہ ہے آپ کی محبت کا جذبہ۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ جس طرح میں نے اپنی محبت کی منزل پالی اس طرح آپ بھی اپنی محبت کی منزل اور خواب پالیں۔ شگفتہ آپ کو سدا کے لئے مل جائے۔ آپ کا گھر بس جائے۔ آپ جس آگ میں ہر لمحے جل رہے ہیں وہ آگ ہمیشہ کے لئے بجھ جائے۔"

اویس نے اس کی باتوں سے محسوس کیا کہ وہ محبت آشنا ہے۔ اس لئے کہ اس نے



بھی محبت کی اور شادی کرکے اپنا گھر بسالیا۔ اسی جذبے کے تحت وہ آئی ہے۔ اس میں مدد کرنے کا جو جذبہ اور عزم و حوصلہ ہے اس ریاکاری اور منافقت کے دور میں بہت بڑی بات تھی۔ وہ شگفتہ اور ماں کی تلاش میں اس قدر جذباتی اور گرم جوش ہو رہی تھی کہ اسے اپنی واپسی کا خیال اور ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ بھول رہی تھی کہ اسے سہ پہر کے وقت اپنی سہیلی اور اس کے شوہر کے ساتھ حیدر آباد جانا ہے جہاں اس کا شوہر اور بچی اس کے منتظر ہوں گے۔

اویس نے دل میں سوچا کہ شائستہ کو واپسی کا خیال دلانا نہیں چاہئے۔ اسے کسی نہ کسی طرح شگفتہ کی تلاش میں مصروف رکھا جائے تاکہ واپس نہ جاسکے اور رات ہوجائے۔ آج ہر قیمت پر شگفتہ کو تلاش کرنا چاہئے۔ شائستہ اسے تلاش کرکے رہے گی۔ اس کا مشن ادھورا نہیں رہنا چاہئے۔ شائستہ نے اس کے دل میں امید کا چراغ روشن کیا تھا اس نے اس میں ایک نیا ولولہ اور جوش و خروش پیدا کردیا تھا۔ ان دونوں نے خوب سیر ہوکر لنچ کیا تھا۔ ان دونوں نے جو چار گھنٹے دوڑ دھوپ کی تھی اس سے بھوک خوب کھل کر اٹھی تھی۔

وہ دونوں کوئی ایک گھنٹے کے بعد ہوٹل سے نکلے اور پھر ان کے سفر اور مشن کا دوبارہ آغاز ہوا۔ شائستہ تو میر کارواں تھی۔ سہ پہر بھی ڈھل رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک خوف سا دامن گیر تھا کہ کہیں شائستہ کو واپسی کا خیال نہ آجائے۔ وہ اسے یہ بات یاد دلانا بھی نہیں چاہتا تھا۔ پھر اس نے شائستہ کو باتوں میں ایسا الجھایا کہ شائستہ کو واپسی کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اسے شائستہ کی قربت سے ایک عجیب سا سرور محسوس ہو رہا تھا۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کہ یہ خواہش کا کیسا عفریت ہے جو اسے اندر سے جکڑتا جارہا ہے۔ اسے یہ سب کچھ بہت پُرکیف کیوں لگ رہا ہے۔

اب اس کی دلچسپی کا محور شائستہ بن گئی تھی۔ ایک انجانی سی خواہش اس کے دل کے کسی کونے میں سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گئی تھی کہ شگفتہ نہ ملے نہ سہی وہ اس کی قربت میں سنگ سنگ ساری زندگی شگفتہ کو تلاش کرتا رہے۔ شائستہ کی شخصیت اس کی شوخی اور خوبصورت باتوں نے اس کا دل موہ لیا تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ شائستہ اس کے دل و دماغ پر چھا رہی ہے۔

دن ڈوب چکا تھا۔ شام کا سلونا پن رات کے اندھیرے کی آغوش میں سمٹتا جارہا تھا۔ شائستہ کے جوش و خروش اور حوصلے میں کمی نہیں آئی تھی۔ اس نے ناامیدی کو قریب

چھٹکنے بھی نہیں دیا تھا۔ وہ جیسے آج ہر قیمت پر اپنی ماں اور بہن کو تلاش کر کے چھوڑنا چاہتی تھی۔

اویس نے اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ "اب رات کے نو بج رہے ہیں۔ چلیں گھر چلتے ہیں۔ پھر آپ تیار ہو کر شادی میں چلیں وہاں گھر والوں سے ملاقات ہو جائے گی۔ رات گھر پر رک جائیں۔ کل سویرے چلی جائیں۔ اب کوئی صورت ان کے ملنے کی دکھائی نہیں دے رہی ہے۔"

"ناکامی کے اندھیاروں میں امید کی ایک آخری کرن باقی رہ گئی ہے۔" شائستہ بولی۔ "وہ ہے صغیر سینٹر........ صغیر سینٹر میں امی نہیں ملیں تو پھر ہم انہیں کبھی نہیں پا سکیں گے۔ وہاں امی کے نہ ہونے کی صورت میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ شہر ہی چھوڑ کر جا چکی ہیں۔"

شائستہ کی آنکھوں میں نیند کا خمار چھا رہا تھا اور اس کی لانبی لانبی پلکیں نیند سے بوجھل سی ہو رہی تھیں۔ وہ نیند کے غلبے کے خلاف جدوجہد کر رہی تھی مگر اس کی ہر کوشش ناکام ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر پلکوں کی چلمن ڈالی اور سیٹ کی پشت پر اپنا سر ٹیک دیا۔

اویس نے چند لمحوں کے بعد غیرارادی طور پر شائستہ کی طرف دیکھا تو اسے ایسا لگا کہ وہ گہری نیند سو رہی ہے۔ وہ لمبی لمبی سانسیں لے رہی تھی۔ اس کے سینے میں سانسوں کا تموج ہچکولے لے رہا تھا۔ چہرہ بے نقاب تھا۔ اویس کی نگاہیں اس کے حسین چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ شائستہ کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے پھر بھی معصومیت نمایاں تھی۔ زلفیں بکھری ہوئی تھیں۔ چہرے کا گلابی پن ہلکا سا پڑ گیا تھا۔

ٹیکسی بڑی تیز رفتاری سے گہرے ہوتے ہوئے اندھیرے، کچی اور ناہموار اور پکی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی صغیر سینٹر کی طرف جا رہی تھی۔ اسے ڈرائیور کی موجودگی کا احساس نہیں ہوتا تو وہ اس چاند سے چہرے سے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی نظریں نہیں ہٹاتا۔ اسے شگفتہ ہی سمجھ کر اس کے روپ میں ڈھال کر اور اس کا تصور کر کے اپنی نظروں کی پیاس بجھاتا رہتا۔ اس نے اپنی نظریں تو ہٹالی تھیں مگر اسے نظروں پر اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے سے شائستہ کا بت دیکھ رہا تھا۔ جس کے ان گنت روپ تھے۔ ہر روپ اتنا پیارا تھا کہ نظروں کی پیاس ہی بجھ نہیں پا رہی تھی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ وہ شگفتہ کی محبت میں خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے، اور پھر یہ عورت کسی اور کی امانت ہے،



شادی شدہ ہے۔ ایک بچی کی ماں ہے۔ اس کی بیوی کی بڑی بہن ہے۔ ان خیالوں کے آتے ہی وہ اپنی نظریں ہٹالیتا۔

وہ کھڑکی سے باہر جھانکتا ہوا رنگینیاں دیکھ رہا تھا کہ ٹیکسی نے کسی رقاصہ کی طرح لہرا کے ایک گاڑی کو اوور ٹیک کیا اور چوراہے پر تیزی سے چکر کاٹ کر مڑی تو شائستہ کا خوش نما سر اس کے شانے پر ڈھلک آیا۔ اس پر ایسی گہری نیند طاری تھی کہ وہ اس جھٹکے سے بیدار نہیں ہوئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ کیا شائستہ کو جگا دے........؟ یا پھر اسی طرح اسے اپنے شانے پر سر رکھ کر سونے دے۔ اس نے سڑک اور اطراف کا جائزہ لیا۔ صغیر سینٹر زیادہ دور نہیں تھا۔ اس کی بلند و بالا اور پرشکوہ عمارت یہاں سے نظر آ رہی تھی۔

پھر اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر بڑی آہستگی سے شائستہ کا شانہ ہلایا۔ "شائستہ صاحبہ........! شائستہ صاحبہ! اٹھیں جائیں۔"

چند ثانیوں کے بعد شائستہ نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کی پلکیں تھرتھرا رہی تھیں۔ اسے یک لخت جیسے ہی اس بات کا احساس ہوا کہ اس کا سر اور جسم کا بوجھ اویس کے کندھے اور جسم پر ہے وہ چونک کر اور سیدھی ہو کر اٹھ بیٹھی۔ پھر وہ خجل سی ہو کر بولی۔ "معافی چاہتی ہوں........ آپ کو بڑی زحمت ہوئی........ معلوم نہیں میں کیسے ایسے گہری نیند سو گئی؟ شاید یہ صبح اور شام کے سفر کے باعث........"

اویس نے دل میں سوچا کہ بعض اوقات ایک شخص اپنے من کی بات کہنے کے لئے کس قدر مجبور اور لاچار سا اپنے آپ کو پاتا ہے۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو کہی نہیں جا سکتی ہیں۔ صرف محسوس کی جا سکتی ہیں۔ حرکات و سکنات سے یا پھر اپنی آنکھوں کی زبان سے کہی جا سکتی ہیں۔ مگر یہ بات کہنے کی نہیں تھی جو اس کے دل میں حسرت بن کر گھٹ رہی تھی۔ دم توڑ رہی تھی۔ وہ شائستہ سے یہ بات کہہ سکتا تھا کہ تمہارے انوکھے اور لطیف لمس نے تمہارا اسیر بنا دیا ہے۔ میں اب تمہارے حسن کے سحر سے پاگل ہوا جا رہا ہوں۔ میں تمہاری خاطر شگفتہ کو چھوڑ سکتا ہوں۔ اپنی راہیں بدل سکتا ہوں۔ صرف اس لمحے کے کیف کی خاطر........ تمہارے وجود میں کیسا ریشم کا سا گداز ہے، ایسا کسی اور میں کہاں ہوگا؟ دوسرے لمحے اس نے اپنے پراگندہ خیالات کو جھٹک دیا۔ اس نے سوچا وہ اتنا گر کیوں رہا ہے؟ اتنا گر کس لئے رہا ہے؟ یہ کیسا پاگل پن ہے؟ یہ اسے کیا ہوتا جا رہا ہے؟ آخر شائستہ اور شگفتہ میں فرق ہی کیا ہے۔ دونوں بہنیں ہی تو ہیں۔ بات تو ایک ہی

ہے۔

صغیر سینٹر کے بیرونی دروازے سے کسی قدر ہٹ کر ٹیکسی رکی تو وہ اپنا سراپا سمیٹ کر اتری اور اس سے بولی۔ "آپ میرا انتظار کریں۔ میں ابھی دیکھ کر آتی ہوں۔"

پھر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دلکش انداز سے داخل ہوگئی۔ یہ لمبی چوڑی اور پُرشکوہ عمارت تھی۔ اس میں کئی زینے تھے۔ تین سو سے زائد فلیٹ تھے۔ چار منزلہ عمارت تھی۔ باہر سے یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کس بلاک اور کس زینے پر گئی ہے۔ کوئی دس بارہ منٹ کے بعد اس نے شائستہ کو تیزی سے ٹیکسی کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ ٹیکسی سے اتر کے اس کی طرف تیزی سے لپکا اور اسے آدھے راستے پر جالیا۔ شائستہ نے رک کر اپنے چہرے سے نقاب الٹا۔ اس کے حسین چہرے پر ناکامی کی کوئی لکیر نہیں تھی۔ اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں برقی طاقت اور قمقموں جیسی روشنی تھی۔ اس پر ایک عجیب سی سرشاری کی کیفیت طاری تھی۔ اویس نے خوشی اور حیرت سے پوچھا۔ "کیا کوئی اچھی خبر ہے؟"

"جی ہاں!" شائستہ نے اپنا خوش نما سر ہلایا۔ "پہلے آپ ٹیکسی کو فارغ کر دیں پھر آپ کو بتاؤں گی کہ بات کیا ہے؟ خبر کیا ہے؟"

اویس سڑک کی جانب تیزی سے لپکا تو اس کے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اس کی نس نس میں خوشی بھر گئی تھی۔ اس نے خوشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر کرایہ ادا کرنے کے بعد سو روپے بخشش میں بھی دے دیئے۔ ٹیکسی ڈرائیور بہت خوش ہوا۔ اسے دعائیں دیتا ہوا ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ شائستہ سے پوچھنے کے لئے بے تاب ہوا جا رہا تھا کہ کیا خبر ہے؟

وہ کرایہ ادا کر کے تیزی سے پلٹا۔ شائستہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ لپک کے اس کے پاس پہنچا۔ اس نے بے خود ہو کر شائستہ کی بانہہ پکڑلی اور بے تابانہ لہجے میں پوچھا۔ "شگفتہ کی کوئی خبر ہے؟ کیا وہ اس عمارت کسی فلیٹ میں موجود ہے؟"

شائستہ اس کی بے تابی دیکھ کر ہنس پڑی پھر وہ بولی۔ "آپ نے آٹھ نو گھنٹے صبر چھ سات منٹ صبر نہیں کر سکتے ہیں؟"

"جو خبر بھی ہے وہ جلدی سے بتادیں........" اویس کی بے صبری بڑھنے لگی "میرے دل کی دھڑکن رک گئی ہے۔ مجھے خوشخبری لگ رہی ہے۔"



"اللہ کا شکر ہے کہ ہماری محنت' دوڑ دھوپ رائیگاں نہیں گئی۔ آخر ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔" شائستہ مسکرا کے بولی۔

"کیا آپ کی امی اور شگفتہ نے یہیں فلیٹ کرایہ پر لیا ہوا ہے؟ مجھے ان کے پاس لے چلیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نکل جائیں۔"

"اویس صاحب صبر.......... آپ کو ابھی اور صبر سے کام لینا ہو گا۔ مجھے اور آپ کو ان سے ملنے کے لئے انتظار کرنا ہو گا۔" وہ بولی۔

"انتظار کس کا؟ کیسا انتظار؟ کس لئے؟ کیوں؟" اویس نے حیرانی سے کہا۔ "آپ کی بات میں سمجھا نہیں۔"

"شگفتہ اور امی کا انتظار۔" شائستہ نے جواب دیا۔ "ماں اور بیٹی کسی کی شادی میں شرکت کے لئے کچھ دیر پہلے ہی تیار ہو کر گئی ہیں۔ اگر ہم آدھا گھنٹہ پہلے پہنچ جاتے تو ان سے ملاقات ہو جاتی۔ ہمیں ان کی واپسی کا انتظار کرنا ہو گا۔ ہم انتظار کریں گے۔"

"کیا آپ نے یہ دریافت نہیں کیا کہ وہ کس کی شادی میں شرکت کے لئے گئی ہوئی ہیں؟ جگہ کا پتا وغیرہ پوچھا کہ نہیں؟" اویس نے کہا۔

"میں نے پوچھا تھا۔ انہیں کچھ نہیں معلوم ہے کہ کس کی شادی میں گئی ہوں۔" شائستہ کہنے لگی۔ "وہ شگفتہ کی کسی سہیلی کی شادی میں گئی ہوئی ہیں۔ انہیں شادی ہال نام یاد نہیں رہا ہے۔ اگر معلوم بھی ہو جائے تو ہم شادی گھر جا کر کوئی ہنگامہ تو کھڑا نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے۔ زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ہم یہاں ان کا انتظار کریں۔ وہ دو ایک گھنٹے میں واپس آجائیں گی۔"

"مگر ہم ان کا کہاں انتظار کریں؟" اویس نے پوچھا۔ "اگر وہ شادی سے کسی وجہ سے لوٹ کر نہیں آئیں گی تو کیا ہو گا؟ کیا ہم دونوں یہاں بے وقوفوں کی طرح کھڑے ہو کر انتظار کرتے رہیں گے؟ انتظار کرنے کے لئے کیا یہ جگہ مناسب ہے؟ ان کی ہم پر نظر بھی تو پڑ سکتی ہے؟"

"امی نے دو دن پہلے ہی یہاں ایک فلیٹ کرائے پر لیا ہے۔ ہمارے ایک رشتہ دار جو دوسری منزل پر رہتے ہیں امی انہیں اپنے فلیٹ کی چابی دے گئی ہیں کیونکہ امی شگفتہ کی سہیلی کی شادی میں گئی ہوئی ہیں اس لئے ان کے گھنٹے دو گھنٹے میں آنے کا امکان ہے۔ جب وہ آئیں گی تو چابی لینے اس فلیٹ پر جائیں گی۔ وہ کسی وجہ سے بھی اپنے فلیٹ کے علاوہ کہیں اور نہیں جا سکتی ہیں۔"

"تو اب ہم دونوں کیا کریں؟" اویس نے اس کی نشیلی آنکھوں میں ڈوبتے ہوئے پوچھا۔ "انتظار میں تو کچومر نکل جائے گا۔"

"انتظار مجنوں صاحب انتظار!" وہ شوخی سے بولی۔ "سنا ہے کہ انتظار میں بڑا مزہ ہوتا ہے اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"جی ہاں.......... سالی صاحبہ! آپ بالکل بجا فرماتی ہیں۔" اویس نے جزبز ہو کر کہا۔ "ہم بیرونی دروازے پر کھڑے ہو کر ماں بیٹی کا انتظار کریں تاکہ تماشا بنتے رہیں۔ تماشا آپ بنیں گی۔ کیونکہ ماشاء اللہ سے آپ بہت حسین ہیں۔ لوگ گھور گھور کر آپ کو ہی دیکھیں گے۔"

"ہم یہاں کیوں اور کس لئے انتظار کریں.......... انتظار تو امی کے فلیٹ میں ہوگا۔ وہ کس دن کے لئے ہے؟" شائستہ بولی۔

"آپ کی امی کے فلیٹ میں کیا کھڑکی یا چھت کے راستے سے داخل ہوں گے؟" اویس نے شوخ لہجے میں پوچھا۔ "یا دروازہ توڑ کر؟"

"آپ مجھے کیا بے وقوف سمجھتے ہیں؟" شائستہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور اپنی مٹھی کھول دی۔ اس میں چابی تھی۔ "میں ان کے فلیٹ کی چابی لیتی آئی ہوں۔"

اویس چابی دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہماری سالی صاحبہ واقعی بڑی عقل مند ہیں۔ مبارک باد کی مستحق ہیں۔"

افروزہ بیگم نے تیسری منزل پر فلیٹ کرائے پر لے رکھا تھا۔ فلیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی اویس چونک پڑا۔ اس فلیٹ میں جو ٹی وی لاؤنج تھا اس کے ایک کونے میں لکھنے پڑھنے کی ایک چھوٹی میز تھی۔ اس میز پر ایک چھوٹا سا فریم رکھا ہوا تھا جو لکڑی کا تھا اور منقش تھا۔ اس فریم میں ایک رنگین تصویر آویزاں تھی۔ یہ تصویر شگفتہ کی تھی۔ اس کی اپنی شگفتہ کی.......... اس کی منزلِ مراد کی۔ یہ تصویر شگفتہ ہی کی تھی۔ ایک تو وہ سفید لباس میں تھی۔ اس کی صاف و شفاف شہابی پیشانی پر زخم کا مندمل ہو جانے والا کوئی نشان نہ تھا جیسا کہ شائستہ کی پیشانی پر تھا۔

اس میز اور کرسی کے علاوہ اس کمرے میں کوئی اور سامان نہ تھا۔ اس نے میز کے پاس پہنچ کر شگفتہ کی تصویر اٹھالی۔ بڑی دیر تک دھک دھک کرتے دل سے وہ اس بت طناز کو ایک ٹک دیکھتا رہا پھر اس نے تصویر کو واپس اسی جگہ رکھ دیا۔ اس تصویر نے اس کے دل پر قیامت سی ڈھا دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا شائستہ اس کے پیچھے خاموشی سے کھڑی



اسے دیکھ کر شوخ انداز سے مسکرا رہی تھی۔ وہ اس کے اس قدر قریب کھڑی تھی کہ اس کا وجود دہکتے ہوئے آتش فشاں کے پاس محسوس ہو رہا تھا۔ پھر مہک اٹھا تھا۔ اس کے سارے بدن پر میٹھی سی سنسنی دوڑ گئی۔

"تصویر دیکھ کر دل کو سکون اور قرار تو مل گیا ہوگا؟" شائستہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ "میری بہن نے آپ پر واقعی بڑا ظلم کیا ہے۔ اس نے آپ کو واقعی مجنوں بنا کر چھوڑ دیا ہے۔ مجھے اندازہ نہ تھا کہ آپ شگفتہ کو اتنا چاہتے ہیں اتنا مجنوں نے بھی نہیں چاہا تھا۔"

"لیکن اس مجنوں کی لیلیٰ کالی تھی۔" اویس نے کہا۔ "میری لیلیٰ سرخ سفید اور پریوں کی طرح ہے اس لئے اسے زیادہ چاہتا ہوں۔"

شائستہ اس کے پاس سے ہٹ گئی تو اویس نے پھر شگفتہ کی تصویر اٹھالی۔ پھر اس نے چند ثانیوں کے بعد تصویر میز پر رکھ دی۔ مڑ کے دیکھا تو شائستہ برقع اتار رہی تھی اور باورچی خانے کے پاس کھڑی ہو کر اندر جھانکتے ہوئے اس کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھی۔

شائستہ نے اپنا برقع اتار کر کرسی پر پھیلا دیا پھر اس نے اندر سے دروازہ بند کیا۔ اس میں خود کار ایل لاک لگا ہوا تھا جو اندر سے لٹو گھمانے سے کھلتا تھا۔ باہر سے اسے چابی کی مدد سے کھولنا پڑتا تھا۔ شائستہ نے آگے بڑھ کر سوئچ آن کیا تو کمرہ روشنیوں سے جگمگا اٹھا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو ٹھٹک گیا تھا۔ اسے جیسے یقین نہیں آیا۔ اس نے گردن گھما کر شائستہ کی طرف دیکھا۔ شائستہ بھی دہلیز پر پتھر کے کسی منجمد مجسمے کی طرح کھڑی تھی اور بھونچکی ہو کر کمرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

ان دونوں کو جیسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد ان دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اویس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کمرے کو نہایت خوبصورتی اور نفاست سے آراستہ و پیراستہ کر کے حجلۂ عروسی بنایا ہوا تھا۔ اس کی سجاوٹ اور زیبائش غیر معمولی تھی۔ ڈبل بیڈ پر بڑا ہی آرام دہ نرم و گداز بستر موجود تھا۔ چھوٹے بڑے تکیئے ایک طرف سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ پلنگ کو چاروں طرف سے تر و تازہ پھولوں کی لڑیوں سے اس انداز اور خوبصورتی سے سجایا ہوا تھا کہ اس میں ایک حسن نمایاں ہو رہا تھا۔ سجانے والے کی مہارت بھی جھلک رہی تھی۔ پلنگ کے ایک کنارے کے تکیئے کے ساتھ موتیا کے بڑے بڑے ہار، گجرے اور بہت سارے گلاب کے پھولوں کے ہاروں کا انبار نظر آ رہا تھا۔ ان پھولوں کی تر و تازگی بتا رہی تھی کہ انہیں

کچھ دیر قبل ہی یہاں لا کر رکھا گیا ہے جب ہی سارا کمرہ اور فضا پھولوں کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ عجیب اور مست کر دینے والی خوشبو تھی۔ جذبات کو تند کر رہی تھی۔ اس نے اپنے سارے جسم میں ایک کپکپی سی محسوس کی۔ اس کی رگوں میں میٹھا میٹھا درد اور تناؤ پیدا ہو گیا۔

بستر کی ریشمی چادر پر ایک شکن تک نہ تھی۔ بستر کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ بستر پر لیٹنا تو درکنار اس پر کوئی بیٹھا تک نہیں ہے۔ اس پلنگ کے بستر کو دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ کسی کا شدت سے محو انتظار ہے۔ کسی کی راہ تک رہا ہے۔ اس پر ارمانوں کے پھول کھلنے والے ہیں۔ جب کوئی کلی کھلے گی' پھول بنے گی تو اس بستر پر ایک نئی خوشبو پھوٹ پڑے گی۔ اس کمرے کے خواب ناک ماحول' پھولوں کی آرائش' بہتات اور پلنگ نے اس کے دل میں جیسے زہر میں بجھی ہوئی چھری اتار دی تھی۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا سا لگا۔

یک بارگی اس کے سینے میں آرزوئیں انگڑائیاں لینے لگیں۔ اسے شگفتہ سے شادی کا دن یاد آ گیا تھا۔ اس روز اس کا کمرہ بھی ایسے ہی سجایا گیا تھا۔ وہ پھولوں کی خوشبوؤں سے دو تین دن تک مہکتا رہا تھا۔ پھولوں پر اس نے ہزاروں روپے پانی کی طرح بہا دیئے تھے۔ جس کے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا وہ اس کی زندگی میں اس رات نہیں آئی تھی۔ وہ آ جاتی تو ان پھولوں کی خوشبو اس پھول کی خوشبو کے آگے دب جاتی۔ اس نے اس روز کیا کچھ نہیں سوچا تھا۔ کیسے کیسے خواب نہیں دیکھے تھے۔ مگر وہ سب دغا باز نکلے تھے۔ اس رات کی یاد آتے ہی اس پر غم و سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے بستر کی طرف اس طرح سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کے ارمانوں کا خون بکھرا پڑا ہوا ہو۔ وہ چند لمحوں تک خود فراموشی کی حالت میں کھڑا رہا۔ رگوں میں لہو منجمد ہونے لگا تھا۔

اویس خیالوں کی دنیا سے نکل آیا تھا تو معاً اس کی نگاہ شائستہ پر پڑی جو اپنی جگہ بے حس و حرکت اس طرح کھڑی تھی جیسے اس کے پیر فرش کا حصہ بن گئے ہوں۔ وہ ساکت پلکوں منجمد آنکھوں سے بستر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اویس کو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک نظر آئی تھی۔

جب وہ شائستہ کی طرف بڑھا معاً اس کی نظر پلنگ کے پائنتی کی جانب پڑی۔ فرش پر ایک بڑا چرمی سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ پھر اس نے اپنا رخ شائستہ کے بجائے سوٹ کیس



کی طرف کر لیا۔ اس سوٹ کیس کے قریب پہنچ کر اسے اٹھایا تو وہ بہت بھاری لگا۔ اس نے سوٹ کیس فرش پر رکھ کر دیکھا تو وہ مقفل تھا۔ اس سوٹ کیس میں شادی کے کپڑے رکھے ہوئے تھے شاید اسی لئے وہ اتنا بھاری ہو رہا تھا۔

شائستہ نے جو اسے سوٹ کیس الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے پایا تو وہ چونک کر خیالوں کی دنیا سے نکل آئی۔ وہ اویس کے پاس آئی تو اویس نے اس سے پوچھا۔ "آخر یہ کیا چکر ہے؟ اس حجلۂ عروسی کا کیا مطلب ہے؟ اس سوٹ کیس میں شادی کے ملبوسات معلوم ہوتے ہیں۔"

"میری سمجھ میں خود نہیں آ رہا ہے کہ یہ سب کچھ کیا ہے؟" شائستہ نے شدید حیرت سے جواب دیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ شگفتہ کی دوسری شادی کا بندوبست کیا جا رہا ہو؟"

"ایسا ممکن کیوں نہیں ہو سکتا ہے؟" اویس کے لہجے میں زہر بھر گیا۔ "آخر آپ کی امی سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ جو شخص ناجائز دولت کے حصول کے لئے اندھا ہو جاتا ہے وہ سب کچھ کر گزرتا ہے اور پھر اسے اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی ہے۔ یقیناً انہوں نے مجھ جیسا کوئی تگڑا شکار پھانسا ہو گا۔"

شائستہ نے ندامت سے اپنا سر جھکا لیا۔ اس کی چاند سی پیشانی پر شکنوں کا جال پھیل گیا۔ اس کے چہرے کے گلابی پن کی جگہ زردی نے لے لی۔

وہ مردہ لہجے میں بولی۔ "یہ سچ ہے کہ میری امی بڑی فریبی اور دغا باز عورت ہیں لیکن وہ اس قدر گھٹیا اور مذموم حرکت نہیں کر سکتی ہیں۔ شگفتہ کو طلاق دلوائے بغیر اس کی دوسری شادی کیسے کسی سے کر سکتی ہیں؟ ہاں اس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ وہ شگفتہ کی منگنیاں کرتی پھر رہی ہوں۔"

"آخر یہ حجلۂ عروسی کس بات کا ثبوت ہے؟" اویس نے تنک کر پوچھا۔ "کیا آپ کو اب بھی اپنی امی کی ذلالت پر کوئی شک و شبہ ہے؟ کیا منگنی کے موقع پر کمرے کو حجلۂ عروسی کی طرح سجایا جاتا ہے؟ کبھی آپ نے دیکھا اور کہیں سنا ہے؟"

"شاید امی نے فراڈ کا کوئی نیا انداز اپنایا ہو گا؟" شائستہ پلکیں جھپکا کے بولی۔ "آج کل تو لوگ فراڈ کرتے وقت نئے زمانے کو ساتھ رکھتے ہیں۔"

"اچھا تو پھر آپ ہی بتا دیں کہ آپ کی امی نے کس نوعیت کا فراڈ کیا ہو گا زمانے کے ساتھ؟ کیا کوئی خیال آتا ہے آپ کے ذہن میں؟"

"بالکل نہیں۔" شائستہ نے اپنا سر ہلایا۔ "میں کیا کہہ سکتی ہوں جب تک ان سے ملاقات نہیں ہوگی اس وقت تک کچھ کہنا فضول ہے۔"

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آپ کی امی اور شگفتہ کسی شادی کی تقریب میں شرکت کے لئے نہیں گئی ہیں بلکہ شگفتہ کی شادی کرنے کے لئے گئی ہیں۔ یہ کوئی لمبا چکر ہے۔ دلہا کو ٹھگنے کے لئے اس کمرے کو حجلۂ عروسی بنایا گیا ہے یا پھر شگفتہ دلہن بن کر اس فلیٹ میں آنے والی ہے۔ ان دونوں میں سے ایک بات ضرور ہے۔ آپ کے رشتہ دار جو اس عمارت میں رہتے ہیں ان کے علم میں شگفتہ کی شادی کی اطلاع ہوگی۔"

"اگر شگفتہ کی شادی کا کوئی چکر ہوتا اس عمارت میں میرے جو رشتہ دار رہتے ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح اس کی خبر ہو جاتی وہ فوراً مجھے بتاتے۔"

"آپ کی امی ایک نمبر کی کائیاں عورت ہیں۔ وہ کوئی بے وقوف تو ہیں نہیں جو ساری دنیا کو اپنے کارنامے بتاتی پھریں۔"

شائستہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میری امی نے دو تین دن پہلے ہی تو یہ فلیٹ کرائے پر لیا ہے اور پھر اس میں زیادہ سامان بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔ صرف ایک کمرے میں ایک پلنگ اور ایک کرسی ہے۔ دوسرے کمرے میں بھی کچھ نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ پوری طرح شفٹ نہیں ہوئے ہیں۔"

"گھر داماد کے لئے یہ چکر چلایا ہوگا۔" اویس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "کیا معلوم وہ شگفتہ کو نکاح پڑھوانے کے لئے اپنے ساتھ لے گئی ہوں۔"

"اگر ایسی بات ہوتی تو وہ اپنے فلیٹ میں شگفتہ کا نکاح پڑھواتیں۔ انہیں کیا ضرورت تھی اِدھر اُدھر لے جانے کی۔" شائستہ بولی۔

"آپ کی امی نے دانستہ اس فلیٹ میں شادی کی تقریب منعقد نہیں کی ہوگی۔ کیونکہ آپ کے رشتہ داروں کے علم میں یہ بات آجاتی۔"

"وہ کہیں بھی شگفتہ کا نکاح پڑھوا کر کیوں نہ لے آئیں کسی نہ کسی دن تو یہ بات رشتہ داروں کے علم میں آ ہی جائے گی۔" شائستہ نے کہا۔

"میں بتاؤں کہ آپ کی امی کے ذہن میں کیا ہوگا؟ وہ نکاح پڑھوانے کے بعد دلہا دلہن کو لے کر آئیں گی۔ پھر یہ فلیٹ اپنے داماد کے حوالے کر کے کہیں گی کہ...... میرے بچو! تم دونوں خوش رہو...... اب تم دونوں اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو میں تو چلی۔" اویس کہتے کہتے رکا۔ دفعتاً ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں آیا تو وہ یک



لخت اچھل پڑا۔ شائستہ کا شانہ ہلا کر بولا۔ "اب میری سمجھ میں آپ کی امی کا منصوبہ آگیا۔" شائستہ نے چونک کر حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ شائستہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی امی کا منصوبہ کیا ہو سکتا ہے۔ اویس کا چہرہ کسی نامعلوم خیال سے تمتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نفرت اور غصہ جھانک رہا تھا۔ وہ یکایک طیش میں آیا تو اس کا سارا جسم کانپنے لگا تھا۔

شائستہ نے کہا۔ "امی کا کیا منصوبہ ہو سکتا ہے' میں کیا بتا سکتی ہوں' جان سکتی ہوں۔ میں تو کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتی ہوں۔"

"اس لڑکے کو بے وقوف بنا کر ورغلا کر لڑکے سے کہا ہوگا کہ شگفتہ کے نام ایک بڑی رقم بینک میں جمع کرا دو۔ اس طرح جس طرح میرے ساتھ کیا گیا تھا۔ آج کسی مقام پر نکاح کی تقریب بڑی سادگی سے ہوگی۔ شاید ہو گئی ہوگی۔ حق مہر دو تین لاکھ روپے وصول کر لیا ہوگا۔ رخصتی کے بعد دلہا دلہن کو آپ کی امی یہاں لے آئیں گی پھر چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ پھر دلہن اپنا کردار بڑی خوبصورتی سے ادا کرے گی۔ وہ اپنے خوبصورت اور نرم و نازک ہاتھوں سے چائے بنا کر دلہا کو پلائے گی۔ دلہا صاحب چائے پینے کے تھوڑی دیر کے بعد گہری نیند میں ڈوب جائیں گے پھر آپ کی امی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پہنچ جائیں گی۔ جب دلہا کی آنکھ کھلے گی تو وہ غریب اس دنیا اور فلیٹ میں تو موجود ہوگا مگر دلہن صاحبہ اپنے سوٹ کیس سمیت غائب ہوں گی۔ یہ فلیٹ بھی اسی غریب کے نام کرائے پر لیا گیا ہوگا یا پھر اسی کا ہو سکتا ہے۔" اویس نے توقف کر کے شائستہ کی طرف دیکھا جو کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ندامت کی سرخی تھی۔ وہ جیسے اندر ہی اندر شرم سے کٹ رہی تھی۔ اس نے اپنی نگاہیں فرش پر مرکوز کی ہوئی تھیں۔

"کیا آپ کو یہ سنسنی خیز اور انتہائی دلچسپ کہانی پسند آئی؟ واقعی آپ کی امی صحرائی لومڑی سے کم نہیں ہیں۔"

شائستہ اس کی بات کا کیا جواب دیتی۔ اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی تو نہ رہا تھا۔ وہ تو فرش میں گڑی جا رہی تھی۔ اس میں اتنا حوصلہ بھی نہیں رہا تھا کہ فرش سے نگاہیں ہٹا کر اویس کی طرف دیکھے اور اس سے نظریں ملا سکے۔ وہ اپنی ہی نظروں میں گرتی جا رہی تھی۔

کمرے میں ایک گہرا سکوت چھا گیا تھا۔ شائستہ نے اس سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں اویس صاحب!"

"ماں باپ کی وجہ سے بعض اوقات اولاد کو کیسی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کس قدر افسوس ناک بات ہے۔"

"جی ہاں........" شائستہ نے اپنا سر ہلایا۔ "آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اس کے لئے اولاد کو قصور وار ٹھہرانا' دوش دینا غلط ہے۔"

"معلوم نہیں ایسے خبیث ماں باپ کو موت کیوں نہیں آتی ہے جو اولاد کی عزت کا خیال نہیں کرتے ہیں اور دوسروں کی زندگی سے کھیلتے ہیں۔"

شائستہ نے تڑپ کر اپنا چہرہ اس طرح اوپر اٹھایا جیسے اویس نے تڑسے اس کے وجود کو کوڑے کی ضرب لگائی ہو۔ ایک ایک لفظ کوڑا بن کر لگا تھا۔ شاید کوڑا لگتا تو اس کے دل کو اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی ان الفاظ سے ہوئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر جھٹ سے اپنا لرزیدہ ہاتھ اویس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ شائستہ کی خوبصورت آنکھوں میں صاف و شفاف موتی امڈ آئے تھے۔ وہ کانپتے ہوئے لہجے میں اس سے گڑگڑاتے ہوئے بولی۔ "پلیز اویس صاحب! خدا کے لئے میری امی کو ایسے الفاظ سے یاد مت کیجئے' انہیں بددعا مت دیں۔"

"کیوں بددعا نہ دوں؟" اویس نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے ہٹا کر حیرت سے پوچھا۔ "کیا آپ کے خیال میں وہ اس قابل ہیں کہ انہیں اچھے الفاظ سے یاد کیا جائے؟"

"وہ جیسی بھی ہیں میری ماں ہیں۔" وہ افسردگی سے بولی۔ "کوئی بیٹی اپنی ماں کی برائی کسی اور کی زبانی سننا پسند نہیں کرتی ہے۔"

"یہ تو میرے جلے دل سے نکلے ہوئے الفاظ تھے جو آپ نے سنے۔ بالفرضِ محال آپ جو میری جگہ ہوتیں تو آپ کے کیا تاثرات ہوتے؟"

"مجھے اس بات کا بڑا شدید احساس ہے کہ میری امی نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ ناقابل معافی ہے۔ مگر میں کیا کروں اویس صاحب! میں اس ماں کی بیٹی ہوں۔"

"میں بڑے ضبط و تحمل سے کام لے رہا ہوں۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ اس عورت کی بیٹی ہیں جو احسان فراموش اور جانے کیا کچھ ہیں۔"

"اب آپ انہیں معاف کر دیں۔ میری خاطر........ پلیز........ میں آپ کے سامنے جھولی پھیلاتی ہوں۔" شائستہ نے توقف کر کے اس کے آگے اپنی ساڑھی کے پلو کو جھولی بنا کر پھیلا دیا۔ "رحم کی بھیک مانگتی ہوں۔ اللہ رسول کا واسطہ دیتی ہوں۔" "



گڑگڑاتے ہوئے بولی۔

"آپ اپنی امی کے لئے معافی مانگ کر اپنے آپ کو گناہ گار نہ کریں۔ کاش! آپ کی امی نے اس ہیرے کی قدر کی ہوتی۔"

"میں آپ سے ایک بار پھر معافی مانگتی ہوں۔ للہ انہیں معاف کر دیں۔ ورنہ میرے سینے میں پھانس گڑی رہے گی۔"

اویس نے اس کی آنکھوں میں غم کے سائے دیکھے تو اس کا دل بھر آیا۔ "اب میں آپ کی امی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا۔"

"اب ہمیں باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے یہ سوچنا چاہئے کہ کون سا قدم اٹھانا چاہئے۔" شائستہ نے ساڑھی کا پلو سینے پر درست کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "کوئی تدبیر پہلے سے سوچ کر رکھنا چاہئے تاکہ بروقت ہم حالات سے نمٹ سکیں۔"

"کون سا اقدام........ کیسی تدبیر؟" اویس نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ "میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔"

"بالفرضِ محال آپ کا اندازہ درست نکلا........ امی شگفتہ اور دلہا کو لے کر آتی ہیں تب آپ کیا کریں گے؟ کون سا قدم اٹھائیں گے؟"

"جب آپ کی امی اپنی بیٹی اور داماد کو لے کر آئیں گی تب میں لڑکے سے سارا کچا چٹھا بیان کر دوں گا۔ اس کے علاوہ کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے۔"

"تو اب ہم ان کا یہاں انتظار فرمائیں گے۔ انہیں آنے دیں میں بھی امی کی خبر لیتی ہوں۔ ہر بات کی حد ہوتی ہے۔" شائستہ نے تلخی سے کہا۔

اس کمرے میں صرف ایک کرسی تھی۔ پلنگ کے سوا بیٹھنے کے لئے کوئی اور چیز نہیں تھی۔ ایک اور کرسی تھی جو لاؤنج میں تھی۔ اس پر شائستہ نے اپنا برقع پھیلایا ہوا تھا۔ انہیں کھڑے کھڑے باتیں کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اویس پلنگ کے قریب جا کر اس پر جھولتی پھولوں کی لڑیاں ہٹا کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اس نے شائستہ کو پلنگ پر بیٹھنے کے لئے کہا تو وہ بلاجھجک اس کے پاس آ بیٹھی۔ وہ دل میں ذرا حیران ہوا۔ اسے اس کی توقع نہ تھی۔ کیونکہ سامنے کرسی تھی وہ اس پر بیٹھ سکتی تھی۔ اویس اس بات سے خوش ہو گیا تھا کہ شائستہ اس کی ذات سے کوئی خوف محسوس نہیں کر رہی ہے۔ نہ صرف پھولوں کی خوشبو بلکہ شائستہ کے بدن سے پھوٹتی خوشبو بھی اسے مہکا رہی تھی۔ اس کا دل و دماغ مست ہوا جا رہا تھا۔

شائستہ چند لمحوں کے بعد یک لخت ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی تو اس نے حیرت سے دیکھا۔ "خیریت تو ہے......... کیا ہوا؟"

"میں اس فلیٹ کی چابی تو واپس دے آؤں۔" وہ ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے بولی۔ "میں تو اسے لے کر واپس دینا ہی بھول گئی۔"

"چابی لے جا کر دینے کی کیا ضرورت ہے؟" اویس نے کہا۔ "اسے یہیں رہنے دیں۔ انہیں تو ہر صورت میں یہیں تو آنا ہے۔"

"اگر امی کے علم میں یہ بات آگئی کہ میں فلیٹ کی چابی لے گئی ہوں اور ان کا انتظار کر رہی ہوں تو وہ مشکوک ہو جائیں گی......... میری اچانک اور غیر متوقع آمد......... اور پھر انہیں تلاش کر کے میرا پہنچنا انہیں کسی بھی شک و شبہ میں مبتلا کر سکتا ہے۔"

"تو کیا آپ اپنے رشتے دار کو میرے بارے میں اور میرے ساتھ جو واقعہ پیش آیا ہے کیا انہیں بتا چکی ہیں؟" اویس نے دریافت کیا۔

"جی نہیں......... میں نے کچھ نہیں بتایا۔ کیونکہ بتانے سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری امی کی مزید بدنامی ہو۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا کہ انہیں کچھ نہیں بتایا؟ لیکن آپ کی امی سے وہ کہیں گے کہ آپ فلیٹ میں موجود ہیں۔"

"آپ کسی بات کی فکر نہ کریں۔" شائستہ کہنے لگی۔ "میرے ذہن میں ایک تدبیر آ رہی ہے سانپ بھی مر جائے گا لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ میں اس فلیٹ کی چابی لے کر انہیں واپس کر دوں گی۔ ان سے کہوں گی کہ وہ امی اور شگفتہ سے میری آمد کا تذکرہ نہ کریں۔ میں ان سے یہ کہہ کر آ جاؤں گی کہ میں واپس حیدر آباد جا رہی ہوں۔ اس سے یہ ہو گا کہ جب امی چابی لے کر بیٹی داماد کو لے کر فلیٹ میں داخل ہوں گی ہم فوراً بتی جلا دیں گے اور کمرے کا دروازہ بند کر دیں گے۔ ہمیں دیکھتے ہی ان پر بجلی آ گرے گی۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آئے گا۔"

شائستہ نے برقع پہنا اور باہر نکل گئی۔ پھر وہ پانچ سات منٹ کے اندر واپس آ گئی۔ اس نے برقع اتارتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنے رشتے دار کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ اب امی اور شگفتہ کو ہماری موجودگی کی ہوا تک بھی نہیں لگے گی۔ اب ہم ان کا پُرتپاک استقبال کریں گے۔ سرپرائز دیں گے۔"

"شگفتہ کی شادی کر کے آپ کی امی نے ایک ایسی سنگین غلطی کی ہے جس کا خمیازہ



وہ نہیں شگفتہ بھگتے گی۔ اصولی طور پر شگفتہ کو شادی نہیں کرنی چاہئے تھی جبکہ اس کی شادی ہو چکی ہے اور طلاق بھی نہیں ہوئی ہے۔ دوسری شادی باطل اور جرم بن چکی ہے۔"

"ان تینوں کو آنے دیں پھر سوچیں گے۔ فیصلہ کریں گے۔" شائستہ بولی۔ "آپ فکر مند، پریشان اور مشتعل نہ ہوں۔ شگفتہ پر پہلا حق آپ کا ہے۔ کیونکہ آپ کی شادی پہلے ہوئی ہے۔ میں آپ کو ایک چھوٹے سے کام کے لئے زحمت دینا چاہتی ہوں۔ آپ کچھ خیال تو نہیں کریں گے؟"

"ان لوگوں کے آنے کے بعد یہ فیصلہ ہو گا کہ میں شگفتہ کے ساتھ اس فلیٹ میں رک جاؤں گا۔ آپ اور آپ کی امی رشتہ دار کے ہاں رک جائیں گی۔ بستر وغیرہ ہوتا تو آپ دونوں کو اس فلیٹ میں روک لیتا۔ یہ میرا فیصلہ اٹل ہے۔ اچھا کام کیا ہے بتائیں؟" اویس نے کہا۔ "دوسرے شوہر جو آئیں گے انہیں چلتا کر دیا جائے گا۔ میں کسی قیمت پر اس شخص کو شگفتہ کو لے جانے نہیں دوں گا۔ آپ کو میرا ساتھ دینا ہو گا۔"

"وہی ہو گا جو آپ چاہیں گے۔" وہ اپنے پرس میں سے ایک چٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ "یہ نمبر میرے پڑوس کا ہے۔ آپ اس نمبر پر رِنگ کر کے میری پڑوسی کو یہ پیغام دے دیں کہ مسز شائستہ کل آئیں گی۔ ایک بے حد ضروری کام کی وجہ سے میرے ہاں رک گئی ہیں۔ وہ اکیلی بس سے آئیں گی۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ٹیلی فون کرنے سے میرے شوہر مطمئن ہو جائیں گے۔"

"آپ کے شوہر کو میرے ہاں قیام کرنا ناگوارا تو نہیں لگے گا۔ شک و شبہ میں تو نہیں پڑ جائیں گے؟" اویس نے خیال ظاہر کیا۔

"میں روانگی کے وقت ان سے کہہ کر آئی ہوں کہ کسی ہنگامی حالت کی صورت میں کراچی میں ایک دن کے لئے رک بھی سکتی ہوں۔ اگر ایک رات رکی تو اویس صاحب کے ہاں رکوں گی۔" شائستہ زیر لب مسکرائی۔ "میرے شوہر مجھ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ میں نے ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی ہے......... آپ کے ہاں ایک رات قیام کرنے پر بھلا انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ آخر آپ سے میرا رشتہ تو ہے۔"

"مگر دیکھا گیا ہے کہ آپ جیسی حسین عورتوں کے شوہر بڑے شکی مزاج کے واقع ہوتے ہیں۔ ان کا بس چلے تو اپنی بیویوں کو کھونٹی سے باندھ کر رکھیں۔"

"ہوتے ہوں گے۔" شائستہ بے پروائی سے بولی۔ "آپ جلدی سے ٹیلی فون کر کے

آئیں.......... اگر وہ دونوں بلکہ تینوں آ گئے تو انہیں تن تنہا کیسے روک سکوں گی۔ اگر وہ چلے گئے تو پھر آپ پچھتائیں گے۔ آج کی ساری محنت پر پانی پھر جائے گا۔ ہمیں اپنی محنت اور موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

اویس نے نیچے آ کر قریبی کال آفس سے پہلے اپنے گھر ٹیلی فون کیا۔ وہ لوگ ابھی تک شادی سے نہیں لوٹے تھے۔ کیونکہ اس کے ہاں کی ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی تھی۔ پھر اس نے پڑوس میں ٹیلی فون کر کے گھر والوں کے لئے پیغام چھوڑ دیا۔ پھر اس نے حیدر آباد ٹیلی فون کیا۔ وہاں کا ٹیلی فون نمبر خراب ہونے کے وجہ سے مل نہیں سکا۔ اس نے آ کر شائستہ کو بتایا تو وہ بولی۔ "کوئی بات نہیں.......... وہ سمجھ چکے ہوں گے۔"

باورچی خانے میں کاغذ کی ایک تھیلی میں آٹا' چھ انڈے' پکوان تیل کا چھوٹا ڈبہ' پیاز' آلو اور مرچ مسالے وغیرہ موجود تھے۔ گھی بھی تھا۔ گیس بھی تھی۔ شائستہ نے دس بارہ منٹ میں آٹا گوندھ کر پراٹھے پکا لئے۔ چھ انڈوں کا آملیٹ بنا لیا۔ آلو کی بھجیا بھی بنالی۔ جو بنایا تھا اسے میز پر چن دیا۔ کھانے سے پہلے .اور کھانے کے دوران اویس کی نظریں دروازے پر لگی رہیں۔ سینے میں دل دھڑکتا رہا اور نگاہیں بے چین رہیں۔ وہ راہداری میں کوئی آہٹ یا چاپ سنتا تو چونک سا جاتا تھا اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی تھیں۔ اس کے برعکس شائستہ بڑی پُرسکون تھی۔ اس نے اویس کو بڑے چاؤ سے کھانا کھلایا تھا۔ چائے بنا کر پلائی تھی۔ تسلی بھی دے رہی تھی کہ اب جال پوری طرح بچھایا جا چکا ہے۔ اب شکار کے بچ کر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ شائستہ کے دلاسا دینے سے اس کی بے چینی کم ہو جاتی تھی۔

کھانے سے فراغت پا کر وہ دونوں حجلۂ عروسی کے کمرے میں آ گئے۔ کمرے میں جو اکلوتی کرسی تھی وہ اس پر بیٹھ گیا۔ لاؤنج کی بتی گل کر دی گئی تھی کہ کہیں روشنی دیکھ کر انہیں کوئی شک نہ ہو جائے۔ شائستہ تکیئے کے سہارے بستر پر بیٹھ گئی۔ اس نے پھولوں کے ہاروں کے ڈھیر میں سے ایک ہار نکال کر اپنے بالوں کے جوڑے میں لگایا تو اس کے حسن میں چار چاند لگ گئے تھے۔ اویس کو اپنی طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھتے پا کر وہ لجا سی گئی اور سر تا پاؤں گلابی گلابی سی ہو گئی تھی۔

لاؤنج میں جو میز تھی اس پر ایک رسالہ رکھا ہوا تھا۔ وہ اس میں سے رسالہ نکال کر لے آیا۔ یہ شوبزنس کا رسالہ تھا جو اداکاروں کی رنگین تصویروں اور ان کے اسکینڈل کے مضامین سے بھرا ہوا تھا۔ یک بارگی اس نے گہرا سکوت محسوس کر کے رسالے پر سے



نظریں ہٹائیں تو وہ بستر کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

اس نے شائستہ کو گہری نیند میں غرق پایا۔ وہ بستر پر بے ترتیبی کے عالم میں سو رہی تھی۔ وہ چند لمحوں تک دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

اویس نے اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھا تو رات کے بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ باہر گہرا سناٹا طاری تھا۔ رات کی ویرانی اور کمرے کی تنہائی میں ایک عورت کی موجودگی کا احساس اس کی نس نس میں سنسنا رہا تھا۔ بستر پر بکھرا ہوا توبہ شکن سراپا اسے بہکا رہا تھا۔ اس نے اپنے پراگندہ احساسات کو جھٹکنے کی کوشش کی.......... مگر ایک بہت حسین اور بے حد جوان اور پُرشباب عورت اور پھر اس کے بستر پر سونے کے انداز کا منظر دیکھ کر اس کے جذبات میں افراتفری سی پیدا ہو رہی تھی۔ وہ ایک عجیب سی کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ناممکن کی دیوار پھلانگ کر پھسل پڑے گا۔ ضبط کا ایسا امتحان اس نے کبھی نہیں دیا تھا۔ کبھی وہ پُل صراط سے نہیں گزرا تھا۔

اس نے سوچا کہ بہتری اسی میں ہے کہ شائستہ کو جگا دے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پلنگ کے قریب پہنچا تھا کہ شائستہ نے کروٹ بدلی۔ وہ پلنگ کے کنارے پر سو رہی تھی۔ ساڑھی کا پلو ڈھلک کر فرش پر آ رہا تھا۔ کروٹ لیتے وقت وہ پلنگ سے گرنے لگی تھی کہ اس نے تیزی سے لپک کر شائستہ کو دونوں ہاتھوں میں سنبھال لیا۔ وہ ایسا نہ کرتا تو وہ فرش پر گر پڑتی۔ فرش پر قالین نہ تھا۔ اسے سخت چوٹ آ سکتی تھی۔ وہ اس کے ہاتھوں میں آ گئی تھی جیسے پھولوں کا ٹوکرا ہو۔ وہ شائستہ کو پلنگ پر ٹھیک سے لٹا رہا تھا کہ یکایک شائستہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ساڑھی کا پلو گرا ہوا اور اپنے آپ کو اویس کے ہاتھوں میں دیکھا تو اچھل کر بیٹھ گئی جیسے برقی جھٹکا لگا ہو۔ اس نے اویس کی طرف متوحش نظروں سے دیکھا۔ اس پر ایک سراسیمگی سی طاری تھی۔ اس نے فوراً ہی ساڑھی کا پلو اٹھا کر سینے اور شانے پر درست کیا۔ اس کے چہرے سے جو تاثرات عیاں تھے وہ زیادہ اچھے نہ تھے۔

"آپ پلنگ کے کنارے پر سو رہی تھیں۔ کروٹ لیتے ہوئے گرنے لگیں تو میں نے آپ کو فوراً ہی سنبھال لیا اگر میں ایسا نہ کرتا تو آپ فرش پر گر جاتیں۔ خدانخواستہ فریکچر بھی ہو سکتا تھا۔ میں نے دانستہ یہ حرکت نہیں کی ہے۔"

شائستہ نے پہلے تو پلنگ کی طرف دیکھا جیسے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا وہ ممنون نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ.......... میں آپ سے سخت شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کی اس حرکت کا غلط مطلب لیا۔ میں اپنی غلط فہمی کی معافی

چاہتی ہوں۔"

"آپ کو صرف ایک ہی شرط پر معافی مل سکتی ہے۔" اویس نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر کے ایک گہری سانس لی۔

"کیسی شرط؟" شائستہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ "میں آپ کی ہر شرط پوری کرنے کے لئے تیار ہوں۔ شرط بتائیں۔"

"آپ بھی میرے ساتھ جاگتی رہیں ورنہ آپ کو معافی نہیں ملے گی۔ میری یہی شرط ہے۔" اویس نے کہا۔

"آپ کی شرط بڑی کڑی ہے میں اسے پورا نہیں کر سکوں گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور شرط بتائیں میں اسے پورا کر دوں گی۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور شرط نہیں ہو سکتی ہے۔" اویس نے تکرار کے انداز میں کہا۔ "اس لئے کہ اسی میں میری بقا اور سلامتی پوشیدہ ہے۔"

"کیا مطلب؟" شائستہ کے چہرے پر گہرا استعجاب پھیل گیا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "آخر آپ اس شرط پر اتنا زور کس لئے دے رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ آپ کو سوتا دیکھ کر میرے جذبات بھڑکتے رہے ہیں.......... اتنا تو سوچئے کہ میں ایک نامحرم ہوں۔ یہ رات' شباب' سناٹا اور خاموشی مجھے ورغلا رہی ہے.......... مجھے ایک خوف سا دامن گیر ہے کہ کہیں میں غلاظت کی دلدل میں نہ گر پڑوں۔ خدانخواستہ.......... خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو پھر شگفتہ کو میں کبھی نہیں پا سکوں گا۔ میرے چہرے پر اور آپ کے دامن پر سیاہی لگ جائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔"

"مجھے آپ پر بڑا اعتماد ہے۔" شائستہ بولی۔ "آپ ایک نیک' شریف اور فرشتہ صفت ہیں۔ آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں؟"

"دوسری بات یہ ہے محترمہ! کہ میں اکیلا جاگ رہا ہوں۔ بور الگ ہو رہا ہوں۔ اس بوریت کا علاج تو ہونا چاہئے۔" اویس نے کہا۔

"اس بوریت کا علاج آپ کے ہاتھ میں ہے۔ رسالہ پڑھتے رہئے۔ اس میں بہت کچھ ہے اس لئے کہ شوبز کا رسالہ ہے۔" وہ بولی۔

"تیسری بات یہ ہے کہ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔ اگر آپ سو گئیں تو پھر میں بھی سو جاؤں گا۔ آپ جاگتی رہیں تو میں بھی جاگتا رہوں گا۔"

"آپ بجا فرما رہے ہیں۔" شائستہ نے پلنگ سے اترتے ہوئے کہا۔ "میں چائے بنا



کر لے آتی ہوں۔ چائے ہم دونوں کی نیند کو بھگا دے گی۔"

شائستہ جلد ہی دو کپ چائے بنا کر لے آئی۔ اویس نے اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھا۔ رات کے بارہ بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے۔ اس نے شائستہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا پھر اس کے اندر ایک بے تابانہ سی لہر اٹھی۔ سراپا میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ شائستہ اس کے سامنے پلنگ پر بیٹھ کر بولی۔ "کیا بات ہے اس وقت آپ پر ایک اضطراری سی کیفیت طاری ہے؟"

"آخر یہ ماجرا کیا ہے؟ رات کے بارہ بج چکے ہیں۔ ان دونوں میں سے اب تک کوئی نہیں آیا؟" اویس نے کسمساتے ہوئے کہا۔ "ان دونوں میں سے شاید کسی نے مجھے اس وقت دیکھ لیا ہو گا جب میں ٹیلی فون کرنے نیچے گیا تھا۔ وہ شاید رفوچکر ہو گئے ہیں۔"

"ان میں سے کسی نے آپ کو دیکھا ہو گا تو اسے کیا خبر کہ آپ اور میں اس فلیٹ میں موجود ہیں۔" شائستہ نے چائے سپ کرتے ہوئے کہا۔

"شاید آپ کے رشتہ دار نے انہیں آپ کی آمد کے بارے میں بتا دیا ہو گا۔ اس اطلاع نے آپ کی امی کو مشکوک کر دیا ہو گا۔"

"شادی کی تقریبات چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں جب سے ویڈیو فلم کی وبا چلی ہے دیر ہو جاتی ہے۔ ابھی تو صرف ساڑھے بارہ بج رہے ہیں۔"

"ان کے ابھی تک نہ آنے سے میرے اس شک کو تقویت پہنچ رہی ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ کسی کھیل کی تیاری ہو رہی ہے۔"

"آپ اپنے دل میں کسی قسم کے شک و شبہات کو جگہ نہ دیں جتنے خدشات ہیں وہ انشاء اللہ بے بنیاد ثابت ہوں گے۔"

چائے پینے کے بعد شائستہ خالی پیالیاں باورچی خانے میں رکھنے کے لئے چلی گئی۔ وہ رسالے کی ورق گردانی کرنے لگا جو شوبزنس کا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد شائستہ آ کر بڑی بے خوفی اور اعتماد سے بستر پر دراز ہو گئی جیسے اسے اس مرد سے اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس کی نگاہیں شائستہ پر مرکوز ہو گئیں۔ اس نے رسالے کو ایک آڑ اور ڈھال بنا لیا تھا۔ تنہائی جیسے ڈس رہی تھی۔ اس کے جذبات پھر سے تند ہونے لگے۔ اس بستر پر شائستہ کا جسم پانی کے دھارے کی طرح بہہ رہا تھا اور وہ ایک تناور درخت کی طرح جھوم رہا تھا۔ اس نے سوچا تھوڑی دیر پہلے اس نے شائستہ سے اپنے خوف و خدشات کا ذکر کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے چوڑے چکلے سینے اور زبردست بازوؤں

پر ایک نظر ڈالی۔ اس کے لبوں پر ایک گندی سی مسکراہٹ آکر گم ہو گئی۔ شائستہ کو قابو میں کرنا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس نے کبھی قدم آگے بڑھا کر پیچھے نہیں ہٹایا تھا۔ اس کی آنکھیں بے ادب ہو کر سکڑنے لگیں۔ اس نے سوچا شائستہ سے کہے کہ وہ اٹھ کر بیٹھ جائے کہیں طوفان نہ آ جائے اور کشتی کو بادبان سمیت بہا کر نہ لے جائے۔ جب کوئی طوفان آتا ہے وہ ایک اندھے اور کسی خون آشام بھیڑیئے کی طرح آتا ہے۔ پھر وہ کچھ نہیں دیکھتا ہے۔ تاخت و تاراج کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہر چیز تہس نہس کر دیتا ہے۔ وہ اپنے اندر اٹھنے والے طوفان سے خوف زدہ سا ہو رہا تھا۔

اس نے شائستہ سے باتیں کر کے اور ٹوکنے کا ارادہ کیا تھا کہ نیند کا ایک جھونکا آیا۔ پھر یہ سلسلہ دراز ہو گیا۔ اسے نیند کے جھونکے آنے لگے۔ چائے الٹا اثر کر رہی تھی۔ نیند بھگانے کے بجائے اسے لا رہی تھی۔ اس پر تھکن تو پہلے ہی سے سوار تھی۔ اس لئے وہ نیند کے غلبے سے لڑ نہ سکا۔ نیند نے اسے دبوچ لیا اور رسالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ اسے خبر نہ ہو سکی۔

رسالے کے گرنے کی آواز کے شور سے شائستہ نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ وہ ایک نیند لے کر اٹھنا چاہتی تھی۔ اس نے فرش پر سے رسالہ اٹھاتے ہوئے اویس کی طرف دیکھا تو اسے گہری نیند کے عالم میں پایا۔ اس نے اویس کو سوتا ہوا دیکھا تو اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے دل میں مسکراتے ہوئے سوچا نیند تو سُولی پر بھی آ جاتی ہے۔ جب موت کا خوف نیند کو نہیں بھگا سکتا ہے تو اسٹرانگ چائے کیسے بھگا سکتی ہے۔

اس نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔ اویس کا سو جانا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ مرد کا بھروسا نہیں ہوتا ہے۔ اس کا کسی بھی لمحے پیر پھسل سکتا ہے۔ یوں بھی اسے اویس سے خوف سا آنے لگا تھا۔ اویس کی آنکھوں میں جو کچھ تھا اس نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا پھر اسے احساس بھی ہوا کہ اسے یہ لباس پہن کر نہیں آنا چاہئے تھا۔ اس میں اس کا بھڑکیلا بدن اور حشر سامانیاں، کرشمہ سازیاں بہت واضح ہو گئی تھیں۔

"اویس صاحب!" اس نے تھوڑی دیر کے بعد اسے پکارا۔ "ارے جناب جاگ جایئے۔ آپ کی دلہن صاحبہ بس اب آتی ہی ہوں گی۔"

☆======☆======☆

اویس کی آنکھ کھلی تو اس کی نظریں سب سے پہلے شائستہ پر پڑیں جو بستر پر بے



ترتیبی کے عالم میں اس طرح سو رہی تھی کہ اسے کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ یہ منظر بڑا قیامت خیز تھا اور اس کے دل پر قیامت ڈھا گیا تھا۔ وہ یک لخت چونک سا گیا۔ کمرے میں دن کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ اس نے گھبرا کر کے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ اپنی دستی گھڑی میں وقت دیکھا تو صبح کے نو بج رہے تھے۔ اسے حیرت اس بات پر تھی کہ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ساری رات سوتا رہا تھا۔ اس نے کرسی سے نکل کر سراسیمگی سے دروازے کی طرف دیکھا وہ بھڑا ہوا تھا۔ وہ دوڑ کر دروازے کے پاس پہنچا۔ دروازہ کھلا ہوا سا لگا۔ غور سے دیکھا تو واقعی کھلا ہوا تھا۔ جیسے ابھی ابھی کوئی باہر گیا ہو۔

کہیں شگفتہ اور اس کی خبیث ماں آکر چلی تو نہیں گئیں؟ اس خیال کے آتے ہی اویس کو ایسے محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اسے اس عمارت کی چھت سے نیچے پھینک دیا ہو۔ اس کے سر پر ہتھوڑے کی ضرب لگائی ہو۔ وہ تیزی سے پلٹا تاکہ حجلۂ عروسی میں سوئی شائستہ کو جگا کر صورت حال سے آگاہ کرے۔ معاً اس کی نظر میز پر پڑی جس پر شگفتہ کی تصویر رکھی ہوئی تھی۔ وہ تصویر موجود نہ تھی۔ غائب تھی۔ وہ لپک کر کمرے میں آیا اور پلنگ کی جانب بڑھا تو اسے سوٹ کیس کا خیال آیا۔ کمرے میں سوٹ کیس بھی موجود نہ تھا۔ اب کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔ اس کی اور شائستہ کی نیند سے فائدہ اٹھا کر ماں بیٹی سامان لے کر فرار ہو گئی تھیں۔ شاید دلہا کو بھی کہیں لے گئی تھیں۔ ان دونوں کے فرشتوں کو خبر بھی نہ ہو سکی تھی۔

اویس نے شائستہ کو بری طرح جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ وہ نیند سے ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ اس نے اویس کا متغیر چہرہ دیکھا تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ کمرے میں دن کا اجالا اور اپنے لباس کی بے ترتیبی جس نے اسے بے حجاب سا کر دیا تھا دیکھ کر بری طرح چونکی پھر وہ اپنا لباس درست کرتی ہوئی بستر سے نکل آئی۔ اس کی آنکھوں میں جو نیند کا خمار بھرا ہوا تھا وہ پلک جھپکتے ہی اتر گیا تھا۔ وہ متفکر اور پریشان سی ہو گئی۔

شائستہ نے اپنے کھلے اور بکھرے بالوں کو جُوڑے کی شکل میں سمیٹتے ہوئے پوچھا۔ "کیا وہ لوگ ابھی تک نہیں آئے؟ صبح بھی ہو چکی ہے۔"

"آئے کیوں نہیں؟" اویس نے جواب دیا تو اس کا لہجہ بے روح تھا۔ "وہ آئیں ہم دونوں کی نیند کی حالت سے فائدہ اٹھا کر اپنا سامان لے کر چلتی بنیں۔"

"ایں!" شائستہ اچھل پڑی۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ "تو کیا آپ بھی سو گئے تھے۔ کیا آپ کو ان کے آنے اور جانے کی خبر تک نہ ہو سکی؟"

"مجھے گہری نیند آگئی تھی اور میں نیند سے لڑتے لڑتے سو گیا تھا۔ اگر مجھے ان کی آمد کی خبر ہو جاتی، میری آنکھ کھل جاتی تو ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی میرے ہاتھ سے بچ کر نہ جاتا۔" اویس کے لہجے میں دکھ بھرا ہوا تھا۔ "جس نے بھی کہا سچ ہی کہا ہے کہ جو سویا وہ کھویا...... دیکھ کبیرا رویا۔"

شائستہ اپنا سر پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر درد انگیز تاسف ابھر آیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے کناروں میں موتی دمکنے لگے۔ وہ بے حد غمزدہ سی ہو گئی تھی جیسے اسے پچھتاوا سا ہو رہا ہو۔ اندر ہی اندر اپنی غفلت اور گہری نیند سو جانے پر کڑھ رہی ہو۔ اپنے آپ کو کوس رہی ہو۔

اویس نے محسوس کیا کہ شائستہ نے اس سے بھی کہیں زیادہ جذباتی اثر لیا ہے۔ اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ اس قدر حساس ہے۔ اس کوتاہی کا اتنا اثر لے سکتی ہے۔ شائستہ نے ساڑھی کے پلو میں اپنے آنسو جذب کئے۔ وہ اس کے پاس بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

شائستہ نے چند لمحوں کے بعد اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے کرب سے کہا۔ "اویس صاحب! کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پہلی شرط ہوتی ہے۔ مجھے اس بات کا بہت افسوس اور بڑا دکھ ہو رہا ہے کہ کل کی سارے دن کی محنت، جدوجہد اور دوڑ دھوپ غارت چلی گئی۔ ایسا ہو گا سوچا بھی نہ تھا۔"

"بعض اوقات انسان جو سوچتا ہے وہ پورا نہیں ہوتا ہے۔ تقدیر نے ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ جبکہ منزل پر پہنچ ہی چکے تھے۔"

"اور ہاں...... آپ کو اس بات کا علم کب کیسے اور کیوں کر ہوا کہ وہ آئے اور چلے بھی گئے؟" شائستہ کے چہرے پر استعجاب چھا گیا۔

"تھوڑی دیر پہلے تو میں نیند سے بیدار ہوا ہوں۔ جیسے ہی میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ دن نکل آیا ہے۔ نو بج چکے ہیں۔" اویس نے اسے پھر تفصیل بتائی۔

"اویس صاحب!" شائستہ نے شرمندگی سے اپنا خوشنما سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر ندامت کی سرخی پھیل گئی۔ پھر وہ کسمساتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ "یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں اپنی کوتاہی کی آپ سے کن الفاظ میں معافی مانگوں۔ اس میں سراسر میری اپنی غلطی ہے۔ مجھے اس طرح گھوڑے بیچ کر سونا نہیں چاہئے تھا۔ میں سزا کی مستحق ہوں۔ آپ مجھے جو بھی سزا دیں گے۔ سلوک کریں گے۔ میں اف نہیں کروں گی۔"



"اس میں معافی مانگنے کی کیا بات ہے...... میں آپ کو دوش تو نہیں دے رہا ہوں؟ اس میں سراسر میری بے پروائی یا غفلت کا دخل ہے۔"

"نہیں اویس صاحب! اس میں آپ کی کوئی غلطی نہیں ہے۔" وہ تاسف سے کہنے لگی۔ "آپ مجھ سے پہلے سو گئے تھے۔ مجھ پر لازم تھا کہ آپ کو سوتا ہوا دیکھ کر میں جاگتی رہتی لیکن آپ کو سوتا ہوا دیکھ کر میں کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹی اور ایسی گہری نیند سوئی کہ ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ اگر آپ مجھے نہ جگاتے تو میں شاید سارا دن سوتی رہتی۔ اگر میں آپ کو جگا کر سو جاتی تو ان لوگوں کو فرار کا موقع نہیں ملتا۔ آپ مجھے معاف کریں یا نہ کریں لیکن میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"معلوم نہیں آج کی رات مجھے کیسے ایسی مدہوشی کی سی نیند آگئی ورنہ میری نیند تو اسی روز سے اُڑی ہوئی ہے جب سے میری جانِ آرزو شگفتہ مجھ سے چھین لی گئی۔ میں اس کے فراق میں جاگتا رہتا ہوں۔ کتنی راتیں ٹھیک سے سو بھی نہیں سکا ہوں۔" اویس نے ایک گہری سانس لی۔

شائستہ اس کی بات سن کر چونکی پھر بولی۔ "کاش! شگفتہ کو آپ کی اس محبت کا احساس ہو جائے۔ وہ امی کو چھوڑ کر سیدھی چلی آئے۔"

"اسے میری محبت کا احساس کیوں نہیں ہوا ہو گا۔ میری محبت کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ میں نے اس کی ہر شرط پوری کی۔"

"شاید اس نے یہ تاثر لیا ہو گا کہ آپ نے جو شرائط پوری کیں محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ حسن و شباب کی وجہ سے...... کیونکہ وہ بہت حسین ہے۔ اس کا شمار دنیا کی حسین ترین لڑکیوں میں کیا جا سکتا ہے۔ اس نے شاید یہ فرض کر لیا ہو گا کہ آپ نے اسے خریدا ہے۔"

"مجھے اس کے حسن و جمال نے ہی نہیں بلکہ اس کی شخصیت، مزاج اور باتوں نے بھی متاثر کیا تھا۔ میں اس کے لئے اور بڑی قربانیاں دے سکتا ہوں۔"

شائستہ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "میں نیچے جا کر معلوم کرتی ہوں کہ وہ لوگ کب آئے تھے اور یہاں سے کہاں گئے ہیں؟"

"آپ ان سے یہ بھی معلوم کریں کہ صرف امی اور شگفتہ آئی تھیں یا ان کے ساتھ کوئی آدمی بھی تھا۔ تھا تو وہ کون شخص تھا؟" اویس نے کہا۔

شائستہ اپنا سر ہلاتی ہوئی غسل خانے میں گھس گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ باہر نکلی تو

اس کے چہرے پر چھائی ہوئی خوابیدگی دور ہو چکی تھی۔ چہرہ تر و تازہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ چہرے پر ایک نکھار سا آگیا تھا۔ وہ تازہ دم سی نظر آرہی تھی۔ پھر وہ برقع پہن کر باہر نکل گئی۔

اس کے باہر جاتے ہی اویس کے ذہن میں خون کی ایک تیز لہر چڑھ گئی۔ اس نے اپنے سینے میں بڑی وحشت سی محسوس کی۔ اس کے اضطراب میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کے دل و دماغ پر جنون کی ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ دیوار سے اپنا سر ٹکرانے لگا پھر پچھتاوے اور شکست خوردگی کے احساس سے فرش پر پیر پٹختا اور اپنے بال نوچتا رہا۔ سوچتا رہا کہ اس بس اس کا قصور کیا ہے.......... اس میں شائستہ کا بھی کوئی دوش نہیں ہے۔ شائستہ نے اس سے معافی مانگ کر اسے خود اپنی نظروں میں گرا دیا تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح جاگتا رہتا تو آج اب بات ہی کچھ اور ہوتی۔

شائستہ کو واپس آنے میں دس بارہ منٹ لگ گئے۔ اس وقت تک اس نے اپنی دگرگوں حالت پر کسی حد تک قابو پا لیا تھا۔ شائستہ آئی تو وہ بجھی بجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے حجلۂ عروسی میں پہنچ کر اپنے آپ کو دھپ سے کرسی پر گرا دیا۔ اسے شائستہ سے کچھ پوچھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا۔ اس نے شائستہ کے پژمردہ چہرے سے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ مایوس کن خبر لائی ہے۔ کچھ پوچھنے سے حاصل نہ تھا۔

شائستہ نے چند لمحوں کے بعد برقع اتار کے بستر پر ڈال دیا پھر بستر پر بیٹھ کر بولی۔
"میری امی اور شگفتہ رات دو بجے شادی کی تقریب سے لوٹی تھیں۔ ان کے پاس سے چابی لے کر اوپر گئی تھیں یعنی اس فلیٹ میں آئی تھیں.......... وہ کوئی دس منٹ کے بعد واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں ایک سوٹ کیس تھا۔ امی نے ان کو فلیٹ کی چابی دیتے ہوئے کہا وہ دونوں اسی وقت ایک برات کے ہمراہ پشاور جا رہی ہیں۔ شگفتہ کے بدن پر عروسی جوڑا تھا۔ وہ دلہن بنی ہوئی تھی۔ سیروں وزن کے زیورات سے لدی پھندی ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ پشاور کیا برات کے ساتھ جا کر واپس آجائیں گی تو امی نے جواب دیا کہ نہیں.......... وہ مستقل طور پر آباد ہو جائیں گی۔ امی نے ان سے میری یا تمہاری فلیٹ میں موجودگی کا ذکر نہیں کیا۔ امی ان سے یہ کہہ کر گئی ہیں کہ وہ فلیٹ کا سامان بیچ کر چابی مالک مکان کو دے دیں۔ سامان سے جو رقم ملے اسے اپنے پاس امانت رکھیں۔"
"تو کیا آپ کو اپنی ماں کی بات کا یقین ہے کہ.......... وہ پشاور جا کر مستقل آباد ہو



جائیں گی؟" اویس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"جی ہاں.......... نہ یقین کرنے والی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ اپنے نئے داماد کے ساتھ گئی ہیں۔ وہ آپ کے خوف سے وہیں بس جائیں شاید۔"
"مگر مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ وہ پشاور کا کہہ کر کسی دوسرے چھوٹے بڑے شہر میں جا بسیں گی تاکہ زندگی بھر کوئی ان کا سراغ نہ لگا سکے۔"
"اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ وہ کہیں بھی جا کر رہ سکتی ہیں۔ ان سے کوئی بات بعید نہیں ہے لیکن وہ ہمارے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے نکل گئی ہیں۔ وہ شاید ہی اب اس شہر میں کبھی لوٹ کر آئیں اس لئے کہ انہوں نے رات مجھے آپ کے ساتھ دیکھ کر سمجھ لیا ہو گا کہ میں شگفتہ کی تلاش میں آپ کی مدد کر رہی ہوں لہٰذا اب کہیں اور چل کر رہیں تاکہ ان پر کوئی آنچ نہ آئے۔"
"مگر اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں.......... کیونکہ اب میری زندگی میں پچھتاوے اور کرب کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔ میری زندگی تو شگفتہ کے بغیر ادھوری رہے گی اور جہنم بن جائے گی۔ آپ کی امی نے مجھے ایک دردناک جہنم میں دھکیل دیا ہے۔"
"کیا آپ واقعی شگفتہ کو اس قدر شدت سے چاہتے ہیں؟" شائستہ نے پھر اپنا یہ سابقہ سوال دہرایا۔ "میں دوبارہ یہ سوال اس لئے کر رہی ہوں کہ کبھی شگفتہ ملے تو اس سے کہہ سکوں کہ اس نے آپ کے ساتھ زندگی نہ گزار کر اپنی زندگی کی بدترین غلطی کی ہے۔"
"جی ہاں۔" اویس نے بڑے کرب سے سر ہلا کر اقرار کیا۔ "معلوم نہیں میں اس کے بغیر جی بھی سکوں گا کہ نہیں۔ میرا دل ٹوٹ گیا ہے۔"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو شگفتہ سے حسین لڑکی مل جائے اور آپ کی محبت شگفتہ سے نہ رہے۔ آپ دوسری لڑکی سے شادی کر لیں؟"
"نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مجھے شگفتہ کے حسن و جمال سے نہیں اس کی روح سے' دل سے' وجود سے محبت ہے۔ حسن اور شباب سے جو دل لگایا جاتا ہے وہ جلد ہی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ اس سے نظروں کی پیاس تو بجھ سکتی ہے لیکن محبت نہیں ہو سکتی ہے۔"
"میں آپ کی طرح مایوس نہیں ہوئی ہوں۔" شائستہ کرسی سے نکل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا ہے کہ شگفتہ کو ہر قیمت پر آپ کے قدموں میں لا

ڈالوں گی۔ میں شوہر کو کسی دن اپنے ہمراہ لے کر پشاور روانہ ہو جاؤں گی۔ اس نیک کام میں زیادہ دیر نہیں کروں گی۔"

"کیا آپ مجھے جھوٹی تسلی دے کر امید پر زندہ رکھنا چاہتی ہیں؟ کیا میں ساری زندگی اپنے آپ کو فریب ہی دیتا رہوں؟ اب جبکہ اس کی شادی کسی اور سے ہو چکی ہے تو وہ مجھے کیسے مل سکتی ہے؟ اسے حاصل کرنے اور مقدمہ دائر کرنے کے لئے میرے پاس اپنی شادی کا کوئی ثبوت بھی تو نہیں ہے۔ آپ کی چال باز امی نے مجھے شہ مات دے دی ہے۔ میرے سارے ثبوت مٹا دیئے ہیں۔"

"مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ شگفتہ کی دوسری شادی بغیر طلاق کے ہو گئی ہو گی۔ کیونکہ میری امی اور شگفتہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور وہ ایسی ذلیل اور گھٹیا حرکت نہیں کر سکتی ہیں۔ جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو وہ نکاح کے بعد اپنی ماں کے ساتھ اس طرح گھر سے نہیں آتی ہے۔ ان کے ساتھ کوئی مرد بھی نہیں تھا۔ شگفتہ جو کسی دلہن کی طرح بنی سنوری تھی اس میں حیرت اور شک کی کیا بات ہے۔ آج کل شادی بیاہ' مایوں اور مہندی کی تقریبات میں کون عورت ہے جو سج دھج کر نہیں جاتی ہے۔ آپ مرد ہو کر حوصلہ نہ ہاریں۔ وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اپنی ماں کا کفارہ ادا کرنے اور آپ دونوں کو ملانے کے لئے آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ اس لئے کہ میں ایک عورت کے دل کے گداز اور دکھ کو سمجھتی ہوں۔ وہ گداز آشنا ہوتی ہے۔ یہ گداز محبت سے پیدا ہوتا ہے.......... آپ میں بھی میں محبت کا گداز محسوس کر رہی ہوں۔"

"اگر آپ کی کوششوں سے میری شگفتہ مل گئی تو ساری زندگی آپ کے احسان کے بوجھ تلے دبا رہوں گا اور آپ کی امی کو بھی سچے دل سے معاف کر دوں گا۔"

"اب مجھے اپنے گھر حیدر آباد واپس جانا ہے۔" وہ برقعہ پہنتی ہوئی بولی۔ "آپ مجھے حیدر آباد جانے والی بس میں سوار کرا دیں۔"

"آپ کچھ دیر کے لئے میرے گھر چل کر میرے گھر والوں سے مل لیں۔ وہ لوگ شادی کی تقریب سے واپس آ گئے ہوں گے۔" اویس نے کہا۔

"نہیں' بہت دیر ہو جائے گی۔ پھر کبھی سہی' اور ہاں یاد آیا۔ میں تو آپ کو بتانا ہی بھول گئی کہ جس لڑکے کا آپ کی بہن کے لئے رشتہ آیا تھا وہ کوئی اچھا لڑکا نہیں ہے۔ اس نے بازاری عورت سے شادی کر کے اسے نواب شاہ میں رکھا ہوا ہے۔ وہ بڑا عیاش اور آوارہ مزاج ہے' اس کے علاوہ شراب اور جوئے کی بھی لت ہے۔ آپ اس کی ملازمت



اور شکل و صورت پر نہ جائیں۔"

اویس کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ اسے آئینہ دکھا رہی ہے۔ وہ اسی انداز سے بولا۔

"بہت بہت شکریہ' آپ نے میری بہن کو تباہی سے بچا لیا۔"

اویس' شائستہ کے ساتھ اس عمارت سے باہر آیا تو اس کے دل پر ایک بوجھ تھا۔ وہ اندر سے بجھا بجھا سا تھا۔ ایک جانب اس کی حالت ایک جواری کی سی ہو رہی تھی جو ایک بازی جیت کر بھی اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر ہار چکا تھا۔ اب تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہا تھا کہ زندگی کا جوا پھر سے کھیلے اور داؤ پر لگا دے۔ دوسری جانب وہ شائستہ کی رفاقت میں بیتا ہوا ایک ایک لمحہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جیسے اس کے دل پر نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ شگفتہ نے اپنے حسن' وقار اور تمکنت سے اس کے دل کی دنیا پر قبضہ کر لیا تھا۔ ادھر شائستہ کا خلوص اور اس کی اپنائیت اس کے دل میں کچھ ایسی گھر کر گئی تھی کہ اسے شائستہ سے جدائی سے ایک نامعلوم سے صدمے کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی کہ ایک حسین اور پُرکشش اور شادی شدہ جوان عورت سارا دن اور ساری رات اس کے ساتھ رہی تھی۔ اس عورت نے ایک انجانے مرد پر بھروسا کیا تھا اگر اس کی نیت میں فتور آ جاتا' وہ اپنے انجانے راستے پر چل پڑتا تو شائستہ کیا کرتی؟ مرد کا پیر پھسلتے کتنی دیر لگتی ہے؟ پھر بھی اس عورت نے بہت بڑا خطرہ مول لیا۔ اس کی ذات پر جو اعتماد کیا تھا وہ بہت بڑی بات ہے۔

ایک ٹیکسی کر کے وہ دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ راستے میں اس نے شائستہ کا چہرہ دیکھا۔ شائستہ کے چہرے پر چھائی ہوئی افسردگی سے اس نے محسوس کیا کہ شائستہ اب بھی پچھتاوے کی آگ میں جل رہی ہے۔ وہ ایک جذباتی سی عورت تھی۔ مخلص اور ہمدرد بھی تھی۔

چونکہ صبح ان دونوں نے ناشتا نہیں کیا تھا' اویس نے راستے میں ایک ریسٹورنٹ سے سینڈوچز اور پیٹیز اور دو ڈبے کولڈ ڈرنک کے لے کر دے دیئے تاکہ راستے میں کھاتی ہوئی چلی جائے۔ بس اسٹاپ پر ٹیکسی سے اتر کے اس سے بولی۔ "آپ اپنا دل چھوٹا نہ کریں۔ حوصلہ نہ ہاریں۔ ناکامی ہی کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔ میں حیدر آباد پہنچ کر ایک دن بھی چین سے نہیں بیٹھوں گی۔ امی اور شگفتہ کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دوں گی۔ اگر آپ کو امی نظر آ جائیں تو مجھے فوراً اطلاع دے دیں.......... اور ہاں کسی دن اپنی امی اور بہنوں کو لے کر حیدر آباد ضرور آئیں۔ میں ان کا انتظار کروں گی۔ ان سب

کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیں۔"

اویس ٹیکسی میں آکر بیٹھ گیا۔ اس وقت تک ٹیکسی میں بیٹھا اسے دیکھتا رہا تھا جب تک وہ بس میں سوار نہیں ہو گئی۔ شائستہ نے بس میں کھڑکی کے پاس بیٹھ کر اسے دیکھا تو اویس نے محسوس کیا شائستہ کی بڑی بڑی جھیل سی آنکھوں سے اداسی جھانک رہی ہے۔ اس کی آنکھوں کے کناروں میں موتی دمک رہے ہیں۔ پھر شائستہ نے جلدی سے اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر ان موتیوں کو چھپا لیا جو اس کی آنکھوں سے ڈھلکنے والے تھے۔

☆======☆======☆

اویس گھر پہنچا تو اس کا بڑی بے چینی سے انتظار ہو رہا تھا۔ گھر والے پڑوسی سے اس کا پیغام ملنے کے باوجود پریشان تھے۔ اسے دیکھ کر سبھی نے اطمینان کا سانس لیا۔ ماں نے پوچھا۔ "تم کل سارا دن اور رات کہاں غائب رہے تھے؟ شادی میں بھی نہیں آئے؟"

اویس نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی من و عن سنا دی اس کی کہانی سن کر سب سے پہلے نجمہ بولی۔ "ہائے اللہ! شائستہ باجی آئی تھیں.......... بھائی جان! آپ سے اتنا بھی نہیں ہوا کہ آپ ٹیکسی کا رخ گلشن اقبال کی طرف موڑ دیتے' ہم انہیں دیکھ لیتے۔ مل تو لیتے جیسا کہ آپ نے حیدر آباد سے آکر بتایا تھا کہ وہ ہو بہو بھابی کی ہم شکل ہیں اس روز سے تجسس اور اشتیاق بڑھتا جا رہا ہے۔"

"سارا دن تو شگفتہ اور اس کی خبیث ماں کی تلاش میں غارت ہو گیا اس لئے کل اس طرف آنا بہت مشکل تھا۔ ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔"

"مگر آج تو تم اس غریب کو پانچ منٹ کے لئے گھر لے کر آسکتے تھے؟" زیب النساء نے اسے ڈانٹا۔ "اس نے دل میں کیا سوچا ہو گا کہ ہم لوگ بھی کس قدر خود غرض اور بد اخلاق ہیں۔ سچ پوچھو تو شائستہ کی میرے دل میں بہت عزت بڑھ گئی ہے۔ کون کسی کے لئے اتنا خوار ہوتا ہے؟ بلاشبہ وہ ایک عظیم عورت ہے۔ اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے مگر تم نے اس ہیرے کی کوئی قدر نہیں کی۔"

"اس نے کسی اور دن آنے کا وعدہ کیا ہے۔ تب اس سے سب ہی مل لیں۔ اگر وہ نہیں آئی تو میں کسی دن آپ سب کو حیدر آباد لے جا کر اس سے ملا کر لے آؤں گا۔ اس نے ہم سب کو حیدر آباد آنے کی دعوت دی ہے اور میں نے اس سے وعدہ بھی کر لیا ہے۔"

اویس کا ایک کام کے سلسلے میں دفتر جانا بے حد ضروری تھا۔ وہ جلدی سے نہا کر اور



تیار ہو کر دفتر پہنچا۔ دفتر پہنچ کر وہ اپنے کام اور فائلوں میں اس قدر الجھا رہا کہ اسے شائستہ اور کل کے تازہ ترین واقعہ کے بارے میں سوچنے اور سر کھجانے تک کی فرصت نہیں ملی تھی۔ وہ دوپہر کے وقت اپنے کام اور کھانے سے فارغ ہوا تو اس کا جی سگریٹ پینے کو چاہ رہا تھا۔ اس نے کچھ دنوں سے سگریٹ پینا تقریباً بند کر دیا تھا۔ اس نے چپراسی سے ایک سگریٹ منگوایا۔ وہ سگریٹ کے کش لیتا ہوا ٹانگیں پسار کے کل کے واقعہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ کل رات کا منظر اس کی نظروں کے سامنے لہرا رہا تھا جو شائستہ کے سونے کا تھا۔ اس کا توبہ شکن سراپا' ساڑھی کا بکھرا ہوا پلو' گہری سانس کا زیر و بم اور زاویہ جس نے منظر کو ہیجان خیز بنا دیا تھا۔ وہ منظر اس کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ وہ اس میں کھو سا گیا۔

اس کے دفتر کے ساتھی نذیر نے آکر اس کے خواب کا شیرازہ بکھیر دیا۔ "صبح صبح سید صاحب آئے تھے اور آپ کو پوچھ رہے تھے۔ شاید وہ کل پھر آئیں۔"

سید صاحب کے ذکر پر اسے اچانک یاد آیا کہ وہ اسے ایک لفافہ دے گئے تھے اس لفافے میں ایک لڑکی کی دو تصویریں تھیں۔ جس کے لئے سید صاحب اس کا رشتہ لگانا چاہتے تھے۔ اسے یاد آیا کہ اس نے وہ لفافہ اپنی میز کی دراز میں رکھا تھا۔ اس نے فوراً ہی میز کی دراز کھول کر دراز میں لفافہ تلاش کر کے باہر نکالا پھر اس نے بڑے اطمینان سے لفافہ چاک کیا۔ اس نے سوچا تصویریں دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ پھر لڑکی میں کوئی نقص نکال کر سید صاحب کو ٹالنا بھی تھا۔ اس لفافے میں سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ اور دو تصویریں برآمد ہوئیں۔ اس کاغذ کے اوپر کچھ لکھا ہوا تھا۔ خط پڑھنے سے پہلے تصویریں ضرور دیکھیں۔ اگلے لمحے اس کے ہاتھوں میں جیسے برقی رو دوڑ گئی۔ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھیں دھندلا سی گئیں۔ اس کے ہاتھ سے تصویر چھوٹ کر گرتے گرتے بچی۔ اس پر سکتہ سا چھا گیا۔ وہ دونوں تصویریں شگفتہ کی تھیں۔

یہ دونوں تصویریں مختلف پوز کی تھیں۔ پہلی تصویر جو پوسٹ کارڈ سائز کی تھی اس تصویر میں شگفتہ اپنے مخصوص سفید لباس میں ملبوس تھی۔ وہ سمندر کے کنارے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ سفید دوپٹے کے محراب میں اس کا حسین چہرہ تقدس لئے ہوئے تھا۔ اس پر نور برس رہا تھا۔ اس تصویر کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ شگفتہ اس کی نظروں کے سامنے کھڑی دل فریب انداز سے مسکرا رہی ہے۔ اس کے موتی سے دانت چمک رہے تھے۔

دوسری تصویر بھی اسی سائز کی تھی مگر اس تصویر میں پورے چہرے کا کلوز اپ تھا۔ اس تصویر میں چہرہ اور آنکھیں ہیرے کی طرح دمک رہی تھیں۔ اویس کے کان سائیں

سائیں کر رہے تھے اور آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھند جیسے اور گہری ہو رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ اس کے دماغ کی گلیوں میں بڑے زور کی آندھی چل رہی تھی۔ وہ لمحوں کے بعد اس کیفیت سے نکل کر چونکا پھر اس نے دونوں تصویروں کو باری باری دیکھا کہیں یہ اس کا واہمہ تو نہیں تھا پھر اس نے تہہ کئے ہوئے کاغذ کو کھول کر پڑھا اس پر لکھا ہوا تھا۔

”میرے سرتاج‘ میری جانِ تمنا‘ میری روح اویس صاحب!

آپ میرا یہ خط دیکھ کر بہت حیران ہوں گے۔ بہت خوش بھی ہوں گے۔ میرے خلاف آپ کے دل میں جو شکایت شکوہ‘ نفرت‘ غم و غصہ ہو گا.......... جو کثافت ہو گی اس خط کو پڑھنے کے بعد وہ ایک دم سے ڈھل جائے گی۔ جو کچھ آپ کے ساتھ ہوا اسے بھول جائیں گے۔ میں چوبیس تاریخ بروز جمعہ کو ایک کنیز اور آپ کی جانِ وفا بن کے منتظر رہوں گی۔ سہ پہر سے آٹھ بجے تک آنکھیں فرشِ راہ کئے رہوں گی۔ اگر آپ اس روز اور مقررہ وقت کے اندر نہیں پہنچے تو میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاؤں گی کہ آپ مجھ سے اس دن کے واقعہ کے بعد سے نفرت کرنے لگے ہیں اور آپ نے اس ناچیز کو دل سے نکال پھینکا ہے۔ آپ کے دل میں اب میرے لئے کوئی جگہ نہیں رہی ہے۔ آپ مجھ سے نفرت کرنے میں حق بجانب ہیں۔ میں آپ کی مجرم ہوں۔

آپ ملیں گے تو میں آپ کو ساری تفصیل سچائی سے بتاؤں گی کہ آپ کے ساتھ یہ سب کچھ کس لئے کیا گیا تھا؟ اس کی اصل اور بنیادی وجہ کیا تھی؟ اگر آپ نہیں آئے تو میرے دل کو جو شدید صدمہ اور گھاؤ پہنچے گا اس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ آپ سے کب مل سکوں گی اور کبھی آپ سے ملنا ہو گا بھی کہ نہیں۔ جب دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے اور اپنے سرتاج کے قدموں میں جگہ نہ ملے تو میں اپنی سوراخوں والی جھولی پھیلا کر کیا کروں گی؟ پھر کس آس‘ کس امید اور کس توقع پر آپ کے در پر آؤں؟ جو دروازہ ایک بار بند ہو جاتا ہے پھر وہ کہاں کھلتا ہے؟

آپ کے نہ آنے پر میں یہی سمجھوں گی کہ آپ نے اس بدنصیب



اور بدبخت کو معاف نہیں کیا ہے لہٰذا میں اپنی ساری زندگی آپ ہی کا نام لے کر جیتی اور آہیں بھرتی رہوں گی۔ اپنی ہی اذیت اور اپنے ہی جہنم کی آگ میں جلتی رہوں گی۔

میں اپنے اس فلیٹ میں ایک کمرے کو حجلۂ عروسی بنا رہی ہوں۔ اسے خصوصی طور پر سجاؤں گی۔ تر و تازہ اور مہکتے پھولوں سے آراستہ کر دوں گی۔ آپ کو کلیاں اور پھول بہت پسند ہیں۔ آپ دیکھیں گے تو بہت خوش ہوں گے۔ میں نے اپنے کپڑوں کا ایک سوٹ کیس بھی تیار رکھا ہوا ہے۔ دو دن گزارنے کے بعد اس سوٹ کیس کو لے کر آپ کے سنگ آپ کے گھر جاؤں گی۔

آپ کی صرف آپ کی شگفتہ اویس

شگفتہ کے نام کے نیچے جو پتا لکھا ہوا تھا وہ اسی فلیٹ کا تھا جہاں وہ شائستہ کے ساتھ تلاشِ بسیار کے بعد پہنچا تھا۔ شائستہ اسے اسی منزل پر لے کر پہنچی تھی۔ شگفتہ نے اپنے خط میں حجلۂ عروسی کے کمرے کا جو ذکر کیا تھا وہ بالکل ویسا ہی تھا۔ اس خط سے تمام باتیں صاف ہو گئی تھیں۔ دل میں جو خدشات اور شک و شبہات پیدا ہوئے تھے وہ ختم ہو گئے تھے۔ اس خط نے اویس کو خالی الذہن کر دیا تھا۔ اس نے سراسیمگی سے ٹیبل کیلنڈر کی طرف دیکھا۔ کل کا گزرا ہوا دن ہی ۲۴ تاریخ کا دن تھا۔ وہ رات نو بجے کے بعد تو شائستہ کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ تاخیر ہو گئی تھی اس لئے اسے شگفتہ نہیں ملی تھی۔ اس کی اس سے بڑی بدبختی اور نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کے ہاتھ سے خط اور دونوں تصویریں چھوٹ کر فرش پر بکھر گئی تھیں۔ پہلے تو ں نے اپنا سر پیٹ لیا کہ یہ اس سے کیا حماقت ہوئی تھی کہ اس نے اس وقت لفافہ ہاک کر کے ان تصویروں کو کیوں نہیں دیکھا تھا۔ اس پر ایک جنونی سی کیفیت سوار ہو ئی۔ اس نے غصے میں آ کر مٹھیاں بھینچ کر میز پر دو تین مکے مارے تو فائلیں اور کاغذات چھل کر فرش پر گرے اور بکھر گئے۔ اتفاق سے اس کے کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اگر ں کی جنونی کیفیت کو کوئی دیکھتا تو اسے پاگل سمجھ کر فوراً اسپتال لے جاتا۔ اس کا دل چاہ ہتا تھا کہ وہ اپنی کرسی اٹھا کر کھڑکی کی راہ سے سڑک پر پھینک دے۔ آخر میں وہ بھی ڑکی سے نیچے کود کر خود کشی کر لے۔ اس اذیت ناک اور سسکتی زندگی سے تو موت بہتر ہے جو ابدی سکون بخشتی ہے۔ اس کی کوتاہی‘ بے پروائی کی وجہ سے شگفتہ نے اسے ٹھکرا

دیا تھا۔ اسے اذیت کے جہنم میں پھینک دیا تھا۔

اس کے دماغ میں جو بھونچال آیا ہوا تھا اس پر قابو پا کر سنبھلنے کی کوشش کرنے کے لئے کمرے میں پاگلوں کی طرح ٹہلنے لگا۔ پھر اس نے کمرے کے باہر ہال میں اپنے دفتر کے ساتھیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں۔ وہ کسی بات پر ہنستے' قہقہے لگاتے اور گپیں ہانکتے ہوئے داخل ہوئے تھے۔ ان کے قدموں کی چاپیں بہت قریب سنائی دے رہی تھیں۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے کمرے میں داخل ہونے والے ہوں۔ وہ سب ایک ساتھ ایک مرغے کی مہربانی سے ایک ہوٹل سے شان دار قسم کا لنچ کرکے آئے تھے۔

اویس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ فرش پر جھک کر شگفتہ کا خط' اس کی دونوں تصویریں اٹھائیں اور انہیں دراز میں رکھ لیا۔ پھر اس نے جلدی سے میز کی دراز مقفل کر دی' اور فرش سے کاغذات سمیٹنے لگا۔ اس نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ کوئی بھی اس کے کمرے میں داخل نہیں ہوا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دفتر کا کوئی شخص اس کے کمرے میں آکر اس کے چہرے سے اس کی ہیجانی کیفیت کا اندازہ کرلے۔

اویس نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر فائلیں ایک جانب رکھیں اور ان کاغذات کو میز پر پھیلا کر ترتیب سے رکھنے لگا جو فرش پر گر کر الٹ پلٹ ہو گئے تھے۔ وہ اس قدر الجھا ہوا تھا کہ کاغذات کو صحیح طور پر ترتیب دے کر رکھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے اب کیا کرنا چاہئے۔ اس کے سینے میں سانسوں کا ہیجان بھرا ہوا تھا اسے اس پر قابو پانا بہت دشوار ہو رہا تھا۔ اسے اپنا سینہ شق ہوتا لگ رہا تھا۔ کبھی وہ کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگتا کبھی کرسی پر بیٹھ کر اپنا سر پکڑ لیتا اور مٹھیاں بھینچنے لگتا۔

امجد جو دفتر میں اسی کے گریڈ کا تھا وہ ایک فائل پر دستخط لینے آیا تو اس کی شکل دیکھ کر چونک پڑا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ اویس کے کندھے پر اور دوسرا ہاتھ میز پر رکھا۔ پھر وہ اس پر جھک گیا۔ اس نے ہمدردانہ لہجے میں سرگوشی کی۔ "سائیں! خیریت تو ہے نا؟ بہت پریشان دکھائی دے رہے ہو؟"

"خیریت ہی خیریت ہے۔" اویس نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور زبردستی مسکرایا پھر وہ فائل کھول کر اسے دیکھنے لگا۔

"سائیں! تم مجھ سے اپنی پریشانی چھپا رہے ہو۔ بولو کیا بات ہے؟ شاید میں کچھ تمہاری مدد کرسکوں؟" امجد نے بڑی اپنائیت سے کہا۔



"مجھے جھوٹ بول کر کیا کرنا ہے اگر پریشانی ہوتی تو ضرور بتاتا۔ بس کچھ طبیعت دو ایک دن سے ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری کی جا رہی ہے۔ تمہاری زبان جھوٹ بول رہی ہے۔ یہ چہرہ اور آنکھیں سچ بول رہی ہیں۔" امجد نے کہا۔

"میں نے تم سے کہا نا کہ دو ایک دن سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں دو تین راتوں سے سو نہیں پایا ہوں۔ اس وجہ سے طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اس کا بے خوابی اور طبیعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میری بات کا یقین نہیں آرہا تو ذرا آئینے میں اپنی شکل تو دیکھو۔"

امجد نے اسے مشورہ ہی دینے پر نہیں اکتفا کیا بلکہ ملحقہ غسل خانے میں لے جا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ چپراسی امجد کی تلاش میں باتھ روم میں آیا کہ اسے بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔ امجد چلا گیا تو اویس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ وہ اپنا چہرہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اسے اپنی نظروں پر یقین نہیں آیا کہ یہ اسی کا چہرہ ہے جو ایک دم پہچانا نہیں جا رہا ہے اور جو کسی قدر بدلا ہوا سا بھی ہے۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں وحشت بھری ہوئی تھی چہرہ سفید پڑا ہوا تھا جیسے اس کے جسم سے آخری قطرۂ خون تک نچوڑ لیا گیا ہو۔ اس کی حالت مردے سے بھی بدتر ہو رہی تھی۔

اویس نے اپنا منہ صابن سے خوب رگڑ کر دھویا۔ بکھرے ہوئے سر کے بالوں میں کنگھی کر کے انہیں درست کیا۔ پھر اس نے چپراسی سے ایک گلاس ٹھنڈا پانی منگوا کر پیا تو تب اس کے حواس قابو میں آئے۔ اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو پہلے سے بہتر لگا۔ کچھ سکون سا بھی محسوس ہوا۔ پھر اس نے جلدی سے امجد کی فائل دیکھی۔ ایک لفافے میں پانچ ہزار روپے تھے جو اس کے دستخط کے لئے تھے۔ اس نے رقم جیب میں رکھ کر ایک کاغذ پر دستخط کر دیئے۔

اس کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا تھا۔ اب کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ کل اس نے صغیر سنٹر میں جو حجلۂ عروسی کا کمرا دیکھا تھا وہ اس خط کے پڑھنے سے پہلے تک اس کے سینے میں پھانس بن کر گڑا ہوا تھا لیکن شگفتہ کے خط نے اس معمہ کو حل کر دیا تھا۔ پھانس نکال دی تھی۔ شگفتہ کل ہی اس پُراسرار اور سنسنی خیز کھیل کا ڈراپ سین کرنا چاہتی تھی مگر اس کی حماقت کی وجہ سے نہیں ہو سکا تھا۔ ایک خوبصورت کلائمکس نہ ہو سکا تھا۔ اس نے اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے سوچا۔ شگفتہ نے اس کا کل کتنی بے تابی سے

انتظار کیا ہوگا؟ اس کے لئے انتظار کی یہ گھڑیاں کرب ناک اور سوہانِ روح بن گئی ہوں گی۔ وہ تصور میں شگفتہ کو تڑپتا ہوا دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سوچا........ کیا شگفتہ نے یہ فرض کرلیا ہوگا کہ وہ اس کی ذات سے نفرت کرنے لگا ہے اور اسی لئے وہ اس کے فلیٹ پر نہیں پہنچا؟ شگفتہ نے یہ کیسے سوچ لیا اور فرض کرلیا کہ اس نے شگفتہ کو اپنے دل کے نہاں خانوں سے نکال دیا ہے؟ کیا وہ ایسا کرسکتا ہے؟ شگفتہ کو اس بات کی خبر ہی نہیں کہ اس نے خط اور تصویر بھی کسی وجہ سے آج ہی دیکھی ہے۔ ورنہ وہ سر کے بل چلتا ہوا حسن کے دربار میں پہنچ جاتا اور اپنی منزل پالیتا۔

لیکن بہت ساری باتوں اور سوالوں کے بیچ ایک اور سوال بھی آکھڑا ہوا تھا۔ جب شگفتہ رات دو بجے فلیٹ میں آئی تھی تو وہ الٹے قدموں اپنا سوٹ کیس اور تصویر لے کر واپس کیوں چلی گئی جبکہ وہ موجود تھا؟ یہ کیا اسرار تھا؟ اس میں کیا راز پوشیدہ ہو گا؟ آخر وہ کس لئے کترا گئی؟ آخر اسے کس بات کا خوف و خدشہ تھا جو اپنی ماں کے ساتھ چلی گئی؟ اگر شگفتہ کا دل صاف ہوتا تو وہ اسے فلیٹ میں جگا سکتی تھی۔ بلکہ اس کے قدموں میں بیٹھ کر اپنا سر اس کے زانو پر رکھ سکتی تھی اگر اسے اتنی شدید محبت تھی۔ اس طرح تو چلی نہیں جاتی۔

ان سوالوں کے بیچ ایک شبہے نے اپنا سر ابھارا۔ کہیں شگفتہ اسے اپنی بہن شائستہ کے ساتھ اس فلیٹ میں دیکھ کر بدک تو نہیں گئی؟ ایک جوان عورت چاہے اس کا رشتہ کچھ بھی ہو۔ ایک بیوی اپنے شوہر کو کسی بھی عورت کے ساتھ دیکھ کر بدظن ہوسکتی ہے۔ اس کی موجودگی اسے شک میں مبتلا کرسکتی ہے۔ شگفتہ نے ان دونوں کی موجودگی سے غلط نتیجہ اخذ کیا ہوگا۔ مگر دوسرے لمحے اس نے اس شک کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اویس کسی نتیجے پر پہنچ نہیں سکا تھا۔ وہ جتنا ان پہلوؤں پر سوچتا رہا تھا اس کا دماغ اتنا ہی چکرا رہا تھا۔ آخر وہ بڑی دیر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ اس خبیث عورت نے اپنی بیٹی کو کٹھ پتلی بنا رکھا ہوگا۔ اس کی ڈوری اس کی ماں کے ہاتھ میں ہوگی۔ شگفتہ اپنی ماں کی وجہ سے بے بس ہوگئی ہوگی۔ اس کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئی ہوں گی۔ ورنہ شگفتہ کب کی ان زنجیروں کو توڑ کر اس کے پاس پہنچ چکی ہوتی۔

وہ سید صاحب سے ملنے کا فیصلہ کرکے دفتر سے نکلا۔ گو اسے امید نہیں تھی کہ سید صاحب سے شگفتہ اور اس کی ماں کا سراغ لگ سکے گا۔ اس لئے وہ کوئی توقع اور امید باندھ کر سید صاحب کے پاس نہیں جا رہا تھا مگر پھر بھی اسے ایک آس تھی کہ شاید ان کا



کچھ اتا پتا مل جائے۔

سید صاحب اپنے دفتر میں اکیلے بیٹھے ان لڑکیوں اور عورتوں کی تصویریں دیکھ رہے تھے جن کے رشتوں کے لئے وہ دن رات کوشاں رہتے تھے۔ سید صاحب اسی دیکھتے ہی مسکرائے اور بولے۔ "آؤ میاں! کیا بات ہے؟ آج کل دفتر دیر سے آرہے ہو؟ میں چائے پینے اور تم سے بات کرنے آیا تھا۔"

اس نے سید صاحب سے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ "گھر میں کچھ ایسا ضروری کام آن پڑا تھا کہ مجھے آج دفتر پہنچنے میں دیر ہوگئی۔"

"بھئی اس رشتے کا کیا ہوا؟ کیا وہ لڑکی پسند آئی جس کی تصویریں دے گیا تھا؟ کیا آپ نے وہ تصویریں دیکھی تھیں؟"

"اسی سلسلے میں تو حاضر ہوا ہوں۔" اویس نے کہا۔ "آپ جو مجھے تصویریں دے گئے کیا آپ نے وہ تصویریں دیکھی تھیں؟"

"نہیں میاں!" سید صاحب نے اپنا سر کھجاتے ہوے جواب دیا۔ "ایک خاتون تشریف لائی تھیں۔ برقع میں تھیں مگر کسی قدر صحت منداور چاق و چوبند لگ رہی تھیں۔ چہرہ نقاب میں تھا لیکن آنکھیں بے نقاب تھیں۔ اپنے گورے ہاتھوں اور آنکھوں کی وجہ سے خوبصورت اور چالیس برس کے لگ بھگ لگ رہی تھیں۔ سرو قامت بھی تھیں۔ بڑی شائستہ اور نفیس مزاج کی تھیں،لیکن کچھ تیز و طرار اور طرح دار سی بھی لگیں۔"

اویس سمجھ گیا کہ کون ہوسکتی ہے۔ افروزہ بیگم کا برقع میں آنا تعجب خیز تھا۔ اس نے پوچھا۔ "خاتون نے آپ کو اپنا نام بتایا تھا؟"

سید صاحب کچھ سوچتے اور سر کھجاتے ہوئے بولے۔ "اپنا کوئی اچھا سا نام بتایا تھا۔ بڑا خوبصورت نام تھا۔ فیروزہ بیگم یا افروزہ بیگم' ہاں افروزہ بیگم بتایا تھا۔ موصوفہ نے تمہارا نام و پتا بتاتے ہوئے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ اویس صاحب سے کرنا چاہتی ہوں اگر آپ ان سے میری بیٹی کا رشتہ طے کرادیں گے تو میں آپ کو ایک ہزار روپے دوں گی.........

پھر اس خاتون نے اپنے پرس سے ایک سنہری لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا اور بولیں۔ اس لفافے میں میری بیٹی کی دو مختلف تصویریں ہیں۔ آپ اسے کھولیں گے نہیں۔ آپ یہ لفافہ اویس صاحب کے دفتر میں پہنچ کر اویس صاحب ہی کو دیں۔ یہ لفافہ ان کے علاوہ کسی اور شخص کے ہاتھ نہ لگے۔ اویس صاحب میری بیٹی سے شادی کرنے پر اپنی آمادگی ظاہر کریں تو آپ میرا انتظار کریں میں کچھ دنوں کے بعد آپ کے دفتر حاضر ہو کر اویس

صاحب کا منشا معلوم کرلوں گی۔"

دو دن کے بعد وہ خاتون میرے دفتر میں تشریف لائی تھیں۔ میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ اویس صاحب نے وہ لفافہ میز کی دراز میں ڈال دیا تھا۔ کیونکہ اس وقت کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کچھ دنوں کی مہلت مانگی ہے جواب دینے کے لئے۔ یہ بات سن کر وہ برہم سی ہو گئیں۔ پھر بولیں۔ "کل ہی آپ اویس صاحب سے ملیں۔ ان کی رائے معلوم کریں۔ اگر انہیں لڑکی پسند نہیں آئی ہے تو وہ تصویریں واپس لیتے آئیں۔ میں دو ایک دن کے بعد آکر معلوم کرلوں گی۔ اس لئے آج مجھے سویرے سویرے تمہارے دفتر تمہاری خدمت میں حاضر ہونا پڑا۔"

"کیا افروزہ بیگم نے آپ کو اپنے گھر کا پتا یا محلے وغیرہ کے بارے میں کچھ بتایا؟" اویس نے بے تابی سے پوچھا۔ "آپ نے پتا لکھا تھا؟"

"نہیں۔" سید صاحب نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔ "محترمہ نے بڑی مشکل سے اور کسی قدر جھجکنے پر اپنا نام بتایا تھا۔ بھلا وہ اپنا پتا کیا بتاتیں۔ میں نے رسمی طور پر پتا پوچھا تھا۔ انہوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ آپ گھر پر آکر تنگ کرتے رہیں گے۔ انہوں نے مجھے اس کام کے عوض دو سو روپے دیئے۔"

"اب ان سے ملاقات کب کہاں اور کیسے ہو سکتی ہے؟ میں ان سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہوں۔ آج ابھی اور اسی وقت ملنا چاہتا ہوں۔"

"ان کا اتا پتا بھی جانتا ہوتا تو تمہیں ساتھ لے کر ابھی نہیں پہنچ جاتا؟ شاید وہ جواب لینے کے کل یا پرسوں دن میں آئیں۔ اگر وہ آگئیں تو ان کا مکمل پتا وغیرہ لے کر رہوں گا۔" انہوں نے توقف کر کے پوچھا۔ "کیا تمہیں ان کی بیٹی پسند آگئی ہے جو فوراً ملنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں۔" اویس شادی کا خواب دیکھنے لگا۔ "ان سے کہہ دیجئے کہ رشتہ منظور ہے۔ جتنا جلد ہو سکے شادی کی تیاری کریں۔ میں ایک دن کے نوٹس پر بھی شادی کے لئے تیار ہوں۔"

"ایں!" سید صاحب کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ وہ اگلے لمحے بولے۔ "کیا لڑکی بہت حسین و جمیل ہے جو تم چٹ پٹ شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"وہ لڑکی نہیں کوئی آسمانی حور ہے سید صاحب!" اویس نے کہا۔ "ایسی لڑکیاں لاکھوں میں ایک ہوتی ہیں۔ ایسی حسین لڑکی شاید آپ نے اپنی زندگی میں بھی نہیں دیکھی



ہوگی۔ اگر آپ اسے ایک بار دیکھ لیں تو دل میں جوان ہونے اور اسے پانے کی حسرت بیدار ہو جائے گی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم اس لڑکی کی تصویر دیکھتے ہی شاعر ہو گئے ہو۔" وہ ہنس پڑے۔ "اگر اس سے تمہاری شادی ہو گئی تو تم ساری زندگی اس کے غلام بنے رہو گے۔"

"اس کا غلام بن کر رہنا بھی نصیب کی بات ہے۔ آپ بھی اس لڑکی کی تصویر دیکھتے تو میری بات کی تائید کرتے......... اس پر شاید فریفتہ بھی ہو جاتے۔ اتفاق سے میں اس کی تصویریں لانا بھول گیا ہوں........." اویس، شگفتہ سے اپنی شادی کے بارے میں انہیں بتانا نہیں چاہتا تھا۔

☆======☆======☆

ثمرین جب گھر پہنچی تو اس کی حالت ایک شکست خوردہ سپاہی کی سی ہو رہی تھی۔ اسے اب اس وقت احساس ہوا تھا کہ اویس نے اسے پھر بے وقوف بنایا ہے۔ اس نے سلطانہ کو کچھ نہیں بتایا۔ اس نے یہ کہہ کر بات گول کر دی کہ اس نے سارا دن اور رات اپنی ایک سہیلی کے ہاں گزاری۔ اویس سے ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت پریشان اور متفکر ہے۔ چونکہ وہ ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔ تھکن سے چُور اور نڈھال تھی اس لئے سو گئی تھی۔

رات جب وہ سونے کے لئے لیٹی تو اس کا دل جیسے شدتِ غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کی نگاہ کھڑکی کی جانب اٹھ گئی۔ باہر سیاہ سنسان رات کا اندھیرا تھا۔ ایسا ہی اندھیرا اس کے سینے میں بھی تھا۔ وہ کمرے کا دروازہ بند کئے اندھیرے میں لیٹی ہوئی گھٹ گھٹ کر یوں رو رہی تھی جیسے کوئی بہو اپنے سسرال میں روتی ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو یوں بہہ رہے تھے جیسے مرگِ نہاں پر رو رہی ہو۔ آج اویس نے اسے پھر بے وقوف بنایا تھا۔ محبت کے نام پر فریب دیا تھا۔ وہ بھی کیسی بے وقوف تھی کسی پکے پھل کی طرح اس کی جھولی میں جا گری تھی۔ اس کی محبت' نقش اور لمحات کو جیسے اس نے دل کے نہاں خانوں میں کسی انمول سرمائے کی طرح محفوظ رکھا تھا۔ اسے اویس نے نکال پھینکا تھا۔ اس کی محبت کو شہر مفتوح کی طرح تاخت و تاراج کر کے اپنی فتح و نصرت کا نشان ایک مسخ شدہ لاش کی صورت میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ لاش اس کی اپنی ہی تو تھی۔ اس کے دل کے زخم سے رستا ہوا لہو اسے اپنے آپ پینا پڑ رہا تھا۔ وہ پیتی چلی آ رہی تھی۔ اس کی ویران اور بھیگی آنکھیں خلا میں جمی ہوئی تھیں۔

اس دنیا میں اس کا دوست اس کا دل ہی تو تھا۔ غم خوار تھا۔ غم گسار تھا۔ اس دلِ ناداں نے اس سے کئی بار کہا تھا اور آج بھی جیسے کہہ رہا تھا۔ ثمرین! وہ مرد ناقابل اعتبار ہوتا ہے جو کسی بھونرے کی طرح لڑکیوں اور عورتوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ پھر تم کتنی احمق' سیدھی سادی اور بے وقوف ہو۔



تمہاری عمر کے دن یوں ہی تمام ہو رہے ہیں۔ اویس کو اپنانے کی ہر کوشش ناکام ہو رہی ہے۔ تم ابھی بھی جوان ہو۔ پُرکشش اور حسین بھی ہو اور پھر باہمت اور ذہین بھی ہو۔ خود رونے اور مجھے رلانے سے کیا حاصل ہو گا؟

دیکھو......... اس دنیا میں مکر و فریب کا راج ہے۔ جو جھوٹ بولتا ہے۔ ریاکاری اور منافقت سے کام لیتا ہے وہی اس دنیا میں جیتتا ہے اور اپنی منزل پا لیتا ہے۔ اگر تمہیں اویس کو سدا کے لئے پانا تھا تم نے اس کے چہرے پر تیزاب کیوں نہیں پھینکا؟ تم شب کے اندھیرے کو اور سنہرے موقع کو غنیمت جان کر اس کے چہرے پر تیزاب پھینک دیتیں تو اویس کا چہرہ بدنما اور مکروہ ہو جاتا۔ پھر شگفتہ تو کیا دنیا کی بدصورت سے بدصورت لڑکی بھی اسے اپناتی نہیں پھر وہ تمہارے قدموں میں آ گرتا۔ تمہیں تو اس کی صورت سے نہیں اس کی روح اور وجود سے محبت ہے نا؟ اس کی ظاہری شکل سے کیا کام تھا۔ وہ بدصورت ہو جاتا تو تمہاری ٹھوکر میں ہوتا۔ یہ تُو نے کیا کیا پگلی.........؟

ثمرین کو یک لخت جیسے ہوش آ گیا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے پچھتاوا سا ہو رہا تھا کہ اس نے کتنی بڑی غلطی کی جو اس نے اویس کے چہرے پر تیزاب نہیں پھینکا۔ پھر اس نے اپنے رخساروں سے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے سوچا۔ اب رونے سے کیا حاصل ہے؟ وہ بھی اویس کو ریاکاری اور منافقت سے حاصل کر کے رہے گی۔ کیوں نہ وہ اویس کو پھانسنے کے لئے شگفتہ کا چارہ ڈالے؟ اس طرح اویس شگفتہ کو پانے کے لئے اس کے آگے پیچھے گھومتا رہے گا۔ اب وہ اویس کو دھوکا دے گی۔ اویس' شگفتہ کی چاہت میں پاگل ہو رہا ہے۔ وہ شگفتہ کا خیال آخری دم تک دل سے نہیں نکالے گا۔ آج بھی اویس کی سب سے بڑی کمزوری شگفتہ ہے جبکہ شگفتہ اسے سبق دے چکی ہے۔

وہ صبح گھر سے نکل کر اویس کے گھر کی طرف جا رہی تھی تو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اویس سے کس طرح رابطہ قائم کرے۔ تاہم ایک تدبیر اس کے ذہن میں موجود تھی کہ وہ محلے کے کسی لڑکے سے اویس کو ایک چٹ بھجوا دے گی۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے گلیوں میں کرکٹ کھیلتے رہتے ہیں کوئی تو اس کا کام کر دے گا۔ وہ رشوت کے طور پر کسی لڑکے کو پانچ روپے کا نوٹ دے گی تو اس کا کام فوری طور پر انجام پا جائے گا۔

جس وقت وہ مین روڈ پر رکشا سے اتر کے کرایہ ادا کر رہی تھی تب اس نے اویس کے گھر کی ماسی کو دیکھا جس سے پرسوں رات اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اسی کی معلومات پر تو وہ اویس کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اس نے ماسی کو روک کر سلام دعا کے بعد

پوچھا۔ "کیا صاحب کے گھر والے صبح آگئے تھے؟"

"جی نہیں.........." اس نے جواب دیا۔ "کل صبح گیارہ بجے جب میں اویس صاحب کے ہاں کام کے لئے بس اسٹاپ پر اتری تو میں نے اویس صاحب کو ایک برقع پوش عورت کے ساتھ ٹیکسی میں سوار ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس عورت کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی اس لئے اسے پہچان نہ سکی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا یہ صاحب کی بہنوں میں سے کوئی نہیں تھی۔ نہ ہی ان کی کوئی سہیلی معلوم ہوتی تھی۔ میں ان کی تمام سہیلیوں کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ قد سے ایک اونچے قد کی عورت تھی۔ اس کے گورے گورے اور خوبصورت ہاتھوں سے لگتا تھا کہ یہ عورت نوجوان اور بہت خوبصورت بھی ہے۔ اس نے اودے رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔ میں نے اس کا نقاب اڑنے سے ایک جھلک دیکھی تھی۔ میں نے اتنی پیاری عورت بہت کم دیکھی ہے۔"

ماسی اسے اویس کے بارے میں بتا کر آگے بڑھ گئی لیکن وہ چند لمحوں تک غم و صدمے سے مورت بنی کھڑی رہی لیکن جلد ہی سنبھل گئی۔ اس لئے کہ اویس نے اب تک اس کے وجود پر جو انگارے رکھے تھے وہ جن غموں سے گزر چکی تھی اس کے بعد کوئی غم اب بڑا غم نہیں رہا تھا۔ وہ جیسے چبھن اور زخموں کی عادی ہوچکی تھی۔ پھر وہ نہ جانے کیا سوچ کر کسی جوشیلے بچے کی طرح اویس کے گھر کی طرف بھید لینے کے لئے بڑھی۔ اس لئے کہ اس کے ذہن میں ایک خیال شک و شبہات کے بھنور میں چکرا رہا تھا۔ اویس کے مکان والی گلی میں لڑکے کرکٹ کھیلنے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ وہ مکان کے سامنے پہنچی تو اس کا شک درست ثابت ہوا۔ اویس کے مکان پر تالا لگا ہوا تھا۔ وہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

پھر اس نے ایک لڑکے سے پوچھا۔ "اویس کے گھر والے کہاں گئے ہوئے ہیں۔ اس پر تالا کیوں پڑا ہوا ہے؟"

"یہ لوگ تو تھوڑی دیر پہلے ہی کسی رشتہ دار کے ہاں گئے ہیں۔ آج رات ولیمہ ہے۔ کوئی آکر انہیں گاڑی میں لے گیا ہے۔"

ثمرین سمجھ گئی کہ پرسوں رات اویس نے اسے اپنے گھر والوں کی آمد کا خوف دلا کر چلتا کر دیا تھا۔ اس لئے وہ سورج نکلنے سے ذرا پہلے چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے شاید تھوڑی دیر کے بعد کوئی برقع پوش عورت آئی تھی۔ دونوں دن کے گیارہ بجے تک گھر میں بند رہے۔ اویس کا یہ گھر بھی عشرت کدہ بن گیا ہے۔ اب وہ بے خوف ہو کر اور گھر والوں



کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اپنے گھر میں رنگ رلیاں منانے لگا ہے۔ کاش! وہ کل صبح اس گھر سے نہ جاتی۔ وہ دیکھتی کہ وہ کون عورت ہے۔ کیسی ہے۔ پھر اسے خیال آیا کہ اویس گھر پر نہیں ہے۔ اس عورت کے ساتھ وہ اس فلیٹ پر ہوگا۔ وہاں کی تنہائی سے فائدہ اٹھا رہا ہوگا۔ کیوں نہ وہ وہاں جاکر ان دونوں کو رنگے ہاتھوں دھر لے۔

اس کے پاس بھی اس فلیٹ کی چابی تھی۔ وہ فلیٹ میں داخل ہوئی تو اس میں کوئی نہ تھا۔ وہ ایئر کنڈیشنر آن کر کے بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے سوچا تھوڑی دیر ستا کر وہ چلی جائے گی۔ وہ بہت تھک گئی تھی۔ ابھی تک اس کی رات کی تھکن پوری طرح اتری نہیں تھی۔

وہ گہری نیند سو گئی تھی۔ بیدار ہوئی تو ایک بج رہا تھا۔ اسے نہانے کی خواہش ہوئی۔ اویس نے باتھ روم خصوصی طور پر بنایا ہوا تھا۔ بہت خوبصورت اور کشادہ بھی تھا۔ ٹب اور شاور بھی تھے۔ وہ جب اویس کے ساتھ رہتی تھی تو نہانے میں بڑا وقت صرف کرتی تھی۔ پھر وہ ٹب میں بیٹھ کر بڑی دیر تک اور آزادی سے نہاتی رہی۔ جب وہ نہا کر نکلی تو اس کی ساری تھکن اور کسل مندی دور ہوچکی تھی۔ وہ اپنے آپ کو تروتازہ محسوس کر رہی تھی۔

پھر کچھ سوچ کر فلیٹ سے باہر آکر اس نے رکشا لیا اور اویس کے دفتر کی طرف روانہ ہوگئی۔ جب دفتر کے قریب پہنچی تو اس نے اویس کو موٹر سائیکل پر جاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے غیر محسوس انداز سے رکشا کو موٹر سائیکل کے تعاقب میں لگا دیا۔ اویس سید صاحب کے دفتر کے باہر گاڑی کھڑی کر کے اندر چلا گیا۔ ثمرین نے رکشا چھوڑ دیا اور دفتر کے باہر کسی قدر فاصلے پر اس کا انتظار کرنے لگی۔

کچھ دیر کے بعد وہ سید صاحب کے ہاں سے نکلا تو ثمرین لپک کر اس کے پاس پہنچی۔ وہ ثمرین کو دیکھتے ہی چونک پڑا۔ "تم؟"

"جی ہاں.......... آداب عرض ہے میرے سرتاج!" ثمرین نے اسے لکھنوی انداز سے سلام کیا۔ "حضور کے مزاج کیسے ہیں؟"

"ثمرین!" اویس نے اپنے غصے اور آواز کو دباتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"میں.......... کچھ نہیں.......... میں ادھر سے گزر رہی تھی کہ آپ کی موٹر سائیکل دیکھ کر رک گئی۔ میں نے سانس بھی نہیں لیا تھا کہ آپ کو شادی کے دفتر سے باہر نکلتے

ہوئے دیکھا۔ سوچا کہ کیوں نہ سلام کر لوں۔ آپ کی خیریت معلوم کرلوں کیئے.........
آپ کیسے ہیں؟ آپ سے ملاقات نصیب سے ہی ہوتی ہے۔"

اویس نے گردوپیش کا جائزہ لیا اور تلخ لہجے میں بولا۔ "ثمرین! دیکھو مجھے تماشا بنانے کی کوشش نہ کرو۔ میں بہت برا آدمی ہوں۔"

"شگفتہ نے بھی مجھ کو ایک بار آپ کا یہی جملہ سنایا تھا۔ دو دن پہلے وہ مجھ سے ملی تو اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ہم دونوں کے ایک تاج کا کیا حال ہے؟"

"تو کیا تم اور........." وہ بولتے بولتے کسی خیال کے زیر اثر یک لخت خاموش ہوگیا۔ اپنا جملہ دانستہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"تم دونوں ایک دوسرے سے ملتی رہتی ہونا.........؟ تم یہی کہنا چاہتے ہونا.........؟" ثمرین نے اس کے دل کی بات اچک لی تھی۔

"ہاں۔" اویس نے سرہلا کر اعتراف کیا۔ "کہاں رہتی ہے وہ.........؟ تم اس سے آخری بار کب ملی تھیں؟"

"جس روز میں تمہارے ہاں سے رات گزار کر نکلی تھی' اس روز میری اس سے ملاقات ہوگئی تھی۔ دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ وہ ایک پھولوں کی دکان پر آرڈر دینے جارہی تھی۔ پھولوں کا آرڈر دینے کے بعد وہ مجھے اپنے گھر لے گئی۔ میں نے شگفتہ اور افروزہ آنٹی کے ساتھ لنچ کیا۔ یوں تو ہماری دیرینہ سلام دعا ہے لیکن اس دن ہم دونوں میں گہری دوستی ہوگئی۔ ذہنی ہم آہنگی اور خوش حال زندگی گزارنے کے لئے آپس میں دوستی اور محبت بے حد ضروری ہے۔ اس لئے کہ آخر ایک دن ہم دونوں کو تمہارے سائے میں زندگی گزارنا ہے۔ ہم ابھی سے ذہنی طور پر اس کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہی ہیں۔"

وہ توقف کرکے مسکرائی پھر بے نیازی سے بولی۔ "اچھا اب میں چلتی ہوں سانوریا!"

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں اگر تم پسند کرو تو کہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔ میں نے لنچ نہیں کیا۔ ہم کسی شاندار ریسٹورنٹ میں چل کر لنچ کرتے ہیں۔"

"میرے سرتاج! کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں۔" وہ شوخی سے بولی۔ "آج سورج معلوم نہیں کہاں سے طلوع ہوا ہے؟"

"پلیز! ثمرین مذاق نہیں کرو......... میں سنجیدہ ہوں۔ تم بھی سنجیدہ ہوجاؤ۔ تم میرے ساتھ چل رہی ہونا؟" اویس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میرا نام سنجیدہ نہیں ثمرین ہے۔ میں ثمرین ہوں' ثمرین ہی رہوں گی۔ میں اس



وقت تمہارے ساتھ ہوٹل نہیں جاؤں گی۔ فلیٹ پر آکر ملوں گی۔ رات وہیں گزاروں گی۔ وہیں باتیں ہوں گی۔ اس لئے کہ مجھے تم سے ضروری باتیں کرنا ہیں۔ میں عورت ہوں اویس! کوئی کھلونا نہیں' بے جان پتھر نہیں۔"

"ٹھیک رات نو بجے تم فلیٹ پر پہنچ جانا۔ گل زمان خان کے پاس فلیٹ کی چابی ہے اس سے لے لینا۔" اویس نے جواب دیا۔

"کیا تم مجھ سے مل کر شگفتہ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو؟" ثمرین نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ "اسی لئے رات کو بلا رہے ہو؟"

یہ سوال اویس کے دل میں بھالے کی طرح چبھ گیا۔ اس نے فوراً سنبھل کر بات بنائی۔ "یہ تم شگفتہ کا ذکر درمیان میں کیوں لا رہی ہو؟"

"اس لئے کہ شگفتہ کا نام زبان پر آتے ہی تمہارا چہرہ دمک اٹھتا ہے۔ آنکھوں میں اس کا عکس نظر آتا ہے۔ تمہاری باچھیں کھل جاتی ہیں۔"

"یہ تمہاری نظروں کا فریب اور وہم ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں اس وقت مجھے ایک ضروری کام سے دفتر جانا ہے۔" اویس نے کہا۔

"اب میں تمہیں روکوں گی نہیں' اس لئے کہ مجھے بھی جلدی ہے۔ تم سے رات کو ملاقات ہوگی۔ ٹھیک نو بجے نا.........؟" ثمرین نے تصدیق چاہی۔

"ہاں......... ٹھیک نو بجے......... تم سیدھی فلیٹ پر آجانا۔ میں نہ پہنچوں تو تم چابی چوکی دار سے لے لینا۔ اچھا اب میں چلا۔"

اویس اپنی موٹر سائیکل کا انجن اسٹارٹ کرکے نظروں سے اوجھل ہوگیا تو وہ چہرے پر نقاب ڈال کر اسٹاپ کی طرف بڑھ گئی۔ پھر وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ "اویس! آج تک تو تم نے مجھے کھلونا بنا کر کھیلا ہے۔ اب میں تمہیں کھلونا بناؤں گی۔ پھر........."

اویس' ثمرین سے رخصت ہوکر اپنے دفتر کے دوست امجد کے گھر پہنچا جو طارق روڈ پر رہتا تھا۔ امجد گھر پر نہیں ملا تو وہ اس کی تلاش میں صدر کی جانب نکل گیا۔ وہ سندھی مسلم سوسائٹی سے نکل کر چوراہے پر رک گیا۔ وہاں سگنل تھا اس وجہ سے وہ رک کر سبز بتی جلنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کی نگاہیں مین روڈ سے گزرتے ہوئے ٹریفک کے اژدھام پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک سے ایک گاڑیوں کا سیلاب تھا جو تھمنے میں نہیں آرہا تھا۔ شام کے وقت تو اس سیلاب میں بہت اضافہ ہوجاتا تھا۔

اس کی نظروں کے سامنے سے جیسی گاڑیاں گزر رہی تھیں ان گاڑیوں میں ایسی ہی

حسین و جمیل اور پُرکشش عورتیں اور لڑکیاں بھی نظر آرہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھ رہا تھا کہ یکایک اس کی نظروں کے سامنے ایک کوندا سا لپکا تو اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی۔ اس نے ایک ساعت میں جو کچھ دیکھا اس نے اسے اپنی نظروں کا وہم سمجھا۔ ایک گاڑی' گاڑیوں کے ہجوم میں جاتی ہوئی نظر آئی۔

اویس نے چشم زدن میں جو کچھ دیکھا تھا وہ اس کے لئے ناقابل یقین سا تھا۔ ایک نئے ماڈل کی سفید رنگ کی مرسیڈیز کی پچھلی نشست پر کھڑکی کے پاس شگفتہ بیٹھی ہوئی تھی۔ کسی شہزادی کی طرح پُروقار انداز سے۔ اس کے بیٹھنے کے اس انداز میں تمکنت بھی تھی۔ اس کی نظریں دھوکا نہیں کھا سکتی تھیں۔ وہ شگفتہ ہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تھی۔ سفید لباس میں ملبوس' چہرہ سفید دوپٹے کی محراب میں چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ دوپٹے کی محراب میں چاندنی جیسے منجمد ہوگئی تھی۔ وہ مخالف سمت میں دیکھ رہی تھی۔ اگر شگفتہ کی نظریں بائیں سمت اٹھی ہوئی ہوتیں تو شاید ان کی نظریں چار ہوتیں۔ مگر وہ تو شام کی رونقوں میں کھوئی ہوئی سی تھی۔ اسے گردوپیش کا کوئی خیال ہی نہیں تھا۔

اویس نے گاڑی کی اگلی نشست پر دو مردوں کو دیکھا تھا۔ ان میں ایک ڈرائیور تھا جو سفید وردی میں ملبوس تھا۔ گاڑی چلا رہا تھا۔ دوسرا شخص ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مگر وہ ان دونوں مردوں کے چہرے ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ تمیز نہ کرسکا تھا۔ اگر اسے ایک لمحہ بھی ملتا تو وہ اس ایک لمحے میں چاروں کی شکلیں دیکھ لیتا اور اس کے ذہن نشین بھی ہوجاتیں۔

اویس کی رگوں میں زن زن کرتی ہوئی کوئی چیز اتر گئی تھی۔ وہ چند ثانیوں کے لئے سن سا ہو کر رہ گیا۔ دوسرے لمحے وہ حواس باختہ ہو کر چونک سا گیا۔ اس کے ہاتھ پیروں میں بجلی کا سا اثر آگیا تھا۔ اس نے اپنی موٹر سائیکل بائیں جانب سے نکال کر مین روڈ پر لے جانا چاہی مگر اس کی گاڑی دوسری گاڑیوں کے ہجوم میں ایسی گھری ہوئی تھی کہ وہ ایک انچ اِدھر اُدھر بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اگر وہ گاڑی سگنل کے پاس کھڑی ہوئی ہوتی تو اپنی گاڑی وہیں چھوڑ کر اس گاڑی کی طرف لپکتا مگر وہ گاڑی تو اس کی نظروں سے اوجھل ہوچکی تھی۔ اسے حصار میں لی ہوئی گاڑیوں پر غصہ آرہا تھا۔ وہ بے کل ہو رہا تھا۔ اس کی رگوں میں لہو ابل رہا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ ان گاڑیوں کو بم سے اُڑا کے رکھ دیتا۔

جیسے ہی سبز بتی جلی اس نے کسی قاعدے اور قانون کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس نے گاڑیوں اور موٹر سائیکل کو اوور ٹیک کرکے اپنی گاڑی بائیں جانب نکالی اور اسے مین روڈ



پر ڈال دیا۔ اس لمحے وہ کار کے حادثے میں بال بال بچ گیا۔ جیسے ہی وہ مین روڈ پر آیا اس نے پوری رفتار سے گاڑی چلانا شروع کردی۔ وہ سفید مرسیڈیز گاڑی کے تعاقب میں روانہ ہوگیا تھا۔ اس مرسیڈیز کا رخ ائرپورٹ کی سمت تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس مرسڈیز کی منزل ائرپورٹ نہیں ہے۔ اس شاہراہ اور ائرپورٹ کے درمیان اور اطراف میں اعلیٰ رہائشی بستیاں آباد تھیں۔ ان بستیوں کے عالی شان گھروں میں جو مکین رہتے تھے وہ ایسی ہی بیش قیمت اور شاندار گاڑیوں کے مالک تھے۔ وہ خطرناک حد تک تیزی سے ناک کی سیدھ جاتے ہوئے دائیں بائیں کی گلیوں اور سڑکوں میں بھی اسی خیال سے جھانک رہا تھا وہ کار کسی گلی یا سڑک میں مڑ تو نہیں گئی ہے؟

اویس کسی قیمت پر یہ بازی ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر اُڑا جارہا تھا۔ اسے کسی بات کا ہوش اور خیال نہیں رہا تھا۔ صرف ایک ہی جنون سوار تھا کہ وہ اس کار کو جالے۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے اور دماغ کے اندر ایک انتشار سا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ شگفتہ کا کیسا روپ ہے۔ کل وہ اس کی منتظر تھی۔ شاید اس نے اپنے ہی ہاتھوں سے بڑے ارمانوں سے حجلۂ عروسی بھی سجایا تھا۔ سہاگ کی رات کے خوابوں میں کھوئی ہوئی اس کا انتظار کرتی رہی تھی۔ اسے تو خبر بھی نہ تھی۔ حالات نے اسے بڑی تاخیر سے فلیٹ پر پہنچایا تھا۔ وہ بڑی تاخیر سے آئی تھی جب وہ گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ مگر اسے گہری نیند میں پاکر اس طرح چلی گئی جیسے سدا کے لئے روٹھ گئی ہو۔ شگفتہ کی ذات اس کے لئے ناقابلِ فہم اور ایک معمہ بن گئی تھی۔ اس معمے کا حل اس کے پاس نہ تھا۔

شگفتہ کا ایک انتہائی قیمتی کار میں غیر مردوں کے ساتھ موجود ہونا' سفر کرنا' نہ صرف ناقابلِ یقین تھا بلکہ شک و شبہات میں مبتلا کر رہا تھا۔ شگفتہ کی ماں نے اسے اور شائستہ کو غلط راہ پر ڈالنے کے لئے رشتہ داروں کو بتایا تھا کہ وہ شگفتہ کے ساتھ ایک شادی میں شرکت کرنے کے لئے بس سے پشاور جارہی ہے۔ یہ سفید جھوٹ تھا۔ یہ جھوٹ سامنے آگیا تھا۔ ماں بیٹی کراچی ہی میں تھیں۔

کوئی ایک میل کا فاصلہ برق رفتاری سے طے کرنے کے بعد اسے سفید مرسیڈیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اب وہ کار اس سے نصف فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ بڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کررہی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی کی رفتار میں کوئی کمی آنے نہیں دی۔ اس نے جلد ہی کار کو جالیا تھا۔ وہ اس کار کے اس قدر قریب جا پہنچا تھا کہ کار

کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو بڑی آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔ ان کی شناخت کر سکتا تھا۔ پچھلی نشست پر شگفتہ تھی۔ شگفتہ کے ساتھ جو عورت بیٹھی ہوئی تھی وہ ادھیڑ عمر کی تھی۔ بیگم صاحبہ ٹائپ کی تھی۔ بال گردن تک بڑی نفاست سے ترشے ہوئے تھے۔ چہرے پر گہرا میک اپ تھا۔ اس نے بھورے رنگ کی ساڑھی اور اسی رنگ کا بغیر آستینوں کا اور نیچی تراش کا بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ اس عورت کا لباس' چہرہ اور ظاہری حالت اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ اس کا تعلق کسی اعلیٰ گھرانے سے ہے۔ وہی اس کار کی مالک بھی نظر آرہی تھی۔ اگلی نشست پر ڈرائیور کے ساتھ مرد نہیں ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے دھوکا ہوا تھا۔ وہ عورت کوئی اور نہیں تھی۔ افروزہ بیگم تھیں۔ افروزہ بیگم کو دیکھتے ہی اس کا غصہ اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ افروزہ بیگم سکڑ کر اور سمٹ کر کسی پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کار کو رکوا کر سب سے پہلے افروزہ بیگم سے سختی سے بازپرس کرے گا۔ انہیں سرراہ رسوا کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالے گا۔ کیونکہ ساری کارستانیاں انہی کی وجہ سے تھیں۔ انہوں نے ہی اس کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دی تھی۔

سفید مرسیڈیز کار کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ اسے جالینا یا ساتھ ساتھ چلنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے جا تو لیا تھا مگر اس کے برابر پہنچنا بہت مشکل ہو رہا تھا لیکن وہ تو اپنی جان ہتھیلی پر لئے برابر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ کار میں اس کی منزلِ مراد تھی اور وہ منزل کے قریب پہنچ چکا تھا۔

شگفتہ یا کار میں بیٹھے ہوئے کسی شخص نے اس کی جانب دیکھا نہیں تھا اور نہ ہی انہیں اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ کوئی ان کے تعاقب میں ہے۔ سبھی اس کے تعاقب سے بے خبر اور بے نیاز اپنی اپنی سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چند لمحوں کے بعد صرف ڈرائیور نے محسوس کیا تھا۔ اس نے عقبی آئینے میں اویس کو تیز رفتاری سے موٹر سائیکل چلا کر آتے ہوئے دیکھا تو وہ یہی سمجھا کہ یہ کوئی شوریدہ سر آدمی ہے۔ اسے معلوم تھا کہ بعض موٹر سائیکل سوار خطرناک حد تک تیزی سے موٹر سائیکل چلا کر اپنی حماقت کا ثبوت دیتے ہیں۔ ایک اور خیال اس کے دل میں پیدا ہوا کہ کہیں یہ شگفتہ کو دیکھ کر اس پر ریشہ خطمی تو نہیں ہو گیا ہے۔ وہ شاید اس طرح اپنی نظروں کی پیاس بجھانا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ اُڑا ہوا چلا آرہا ہے۔ ایسی باتیں اس کے لئے نئی نہیں تھیں۔ اسے روز ہی ایسے جوانوں سے واسطہ پڑتا تھا۔ وہ حماقتوں کے نئے مظاہرے بھی دیکھتا رہتا تھا۔ اس نے دانستہ



طور پر اویس کی اس حرکت کا کوئی اثر نہیں لیا۔ وہ منہ لگانا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ البتہ اس نے کار کی رفتار میں اور اضافہ کر دیا۔

کار کی رفتار میں اور تیزی دیکھ کر اویس نے اپنی موٹر سائیکل کی رفتار اور بڑھا دی۔ کسی وجہ سے کار کی رفتار میں کمی آئی تو اس نے کار کو جالیا۔ وہ اس کھڑکی کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جہاں شگفتہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی نگاہیں خلا میں کچھ دیکھ رہی تھیں اور سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ شگفتہ کو پھر بھی کچھ احساس نہیں ہوا۔ گو وہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ ایک موٹر سائیکل کار کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ پھر بھی اس نے اس جانب دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ کوئی توجہ نہیں دی۔ اویس نے اپنی گاڑی کی رفتار کو قابو میں کر کے اپنا توازن برقرار رکھ کر اسے پکارا۔ "شگفتہ! شگفتہ!"

شگفتہ نے کسی مرد کو اپنا نام لے کر پکارتے ہوئے سنا تو وہ چونک کر خیالوں کی دنیا سے نکل آئی۔ اس نے پہلے تو اپنی سماعت کا فتور سمجھا۔ پھر اس کی نظر بائیں جانب اٹھی۔ اس کی نظر جیسے ہی اویس پر پڑی وہ اچھل سی پڑی۔ اسی لمحہ اس کی بڑی بڑی حسین آنکھوں میں حیرانی بھر گئی۔ اگلے ہی لمحے اس کا حسین چہرہ متغیر سا ہو گیا۔ وہ اویس کو دیکھ کر بری طرح سٹ پٹا گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ اسے اس لمحے میں کیا کرنا چاہئے؟ اسے چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا اور اس کے فرار کی تمام راہیں جیسے مسدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ اویس اپنا ایک ہاتھ فضا میں بلند کر کے اسے کار روکنے کے لئے کہہ رہا تھا اور اس کا تعاقب جاری تھا۔ شگفتہ حد درجہ خائف اور سراسیمہ سی ہو گئی تھی۔ اس نے آگے جھک کر اپنی ماں سے کچھ کہا۔ افروزہ بیگم نے جیسے ہی کچھ سنا تو انہوں نے سرعت سے اپنی گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اویس کو دیکھتے ہی ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ ان کا چہرہ فق ہو گیا اور ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ ان کا دماغ بھی چکرا رہا تھا۔ اویس نے محسوس کیا کہ افروزہ بیگم نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا ہے۔ پھر انہوں نے ڈرائیور سے سرگوشی کے انداز میں کچھ کہا۔

معلوم نہیں افروزہ بیگم نے ڈرائیور سے کیا کہا تھا۔ ڈرائیور نے چونک کر اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے وہ کوئی لوفر یا بدمعاش ہو۔ اس نے اچانک ہی کار کی رفتار تیز کر دی۔ جیسے ہی ایک چوراہا آیا تو اس نے اپنی کار کو کاٹا۔ کار کے آگے نکلنے اور موڑ کاٹنے کی کوشش غیر متوقع تھی۔ اویس کی گاڑی کا اگلا پہیہ کار کے پچھلے حصے سے ٹکرایا۔ اس کی گاڑی ڈگمگائی۔ اویس نے فوراً ہی اپنی گاڑی کی رفتار کم کر لی۔ مگر وہ اپنا توازن برقرار نہ

رکھ سکا۔ اس کی گاڑی سڑک پر گر کر پھسلتی چلی گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی جانب تیزی سے گرتا چلا جارہا ہے۔

☆======☆======☆

اویس نے اپنی زندگی میں شاید کسی کے ساتھ کوئی نیکی کی تھی۔ اسے کسی نے بھی کوئی دعا دی تھی۔ وہ دعا آج اس کے کام آگئی تھی یا پھر اس روز موت اس کے مقدر میں لکھی ہوئی نہیں تھی۔ ایک معجزہ ہی تھا جو وہ زندہ بچ گیا تھا۔ وہ سڑک پر اس طرح سے گرا تھا کہ اس کا سر چٹخنے سے بال بال بچ گیا تھا۔ اگر وہ سر کے بل گرتا تو اس کے پیچھے جو تیز رفتار گاڑیوں کا سیلاب تھا اسے کچل کر اس طرح روند ڈالتا کہ اس کی لاش بھی پہچانی نہیں جاتی۔

وہ اسپتال میں پٹیوں میں لپٹا پڑا ہوا تھا۔ زندگی اور موت میں زبردست کشمکش ہو رہی تھی۔ ان دونوں میں سے جیت کس کی ہوگی کوئی دعوے سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ ڈاکٹروں نے موت کے خلاف اپنا محاذ بنا لیا تھا۔ اس کی جان بچانے کے لئے وہ سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی اہم تھی۔ انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ یہ جان بلب مریض کون ہے۔

ایک فرشتہ صفت شخص نے لپک کر اویس کو بے ہوشی کی حالت میں اٹھایا تھا اس کی نگاہ اس پرس پر پڑی تھی جو اویس کی جیب سے گر گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی وہ پرس اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ کیونکہ پولیس یا کسی راہ گیر کے ہاتھ لگنے سے وہ بغیر ڈکار لئے ہضم ہو جاتا۔ اس نے ایدھی والوں کو ٹیلی فون کر کے ایمبولینس منگوائی۔ پھر وہ بھی اسپتال پہنچ گیا۔ اسے ایمرجنسی میں لے جایا گیا تھا۔ اس شخص نے اویس کے پرس کا جائزہ لیا۔ وہ چھوٹے بڑے نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں اویس کا شناختی کارڈ' اس کے گھر کا ٹیلی فون نمبر ایک چھوٹی سی نوٹ بک میں لکھا ہوا تھا۔ اس نے پرس میں سے پانچ ہزار روپے نکال کر کاؤنٹر پر جمع کرا دیئے۔ کیونکہ پیسے کے بغیر کوئی ڈاکٹر اور کسی بھی اسپتال میں مریض کو دیکھا نہیں جاتا تھا۔ پھر اس نے اویس کے ہاں ٹیلی فون کر کے اس کے ایکسیڈنٹ کی اطلاع دے دی۔

زیب النساء کو جیسے ہی اویس کے ایکسیڈنٹ کی خبر ملی ان پر کوئی بجلی سی آگری تھی۔ وہ یہ خبر سنتے ہی بے ہوش ہوگئی تھیں۔ دونوں بہنوں پر غشی سی طاری ہوگئی تھی۔ غم



وصدمہ نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ صرف ایک رشید تھا جس نے حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ اس نے بڑی ہمت سے کام لیتے ہوئے خود کو قابو میں رکھا تھا۔ اس نے اپنی ماں اور بہنوں کو سہارا دینے کے لئے اپنا دل پتھر کر لیا تھا۔ بظاہر تو اس نے اپنے حواس قابو میں رکھے تھے لیکن اس کا دل اندر سے پھٹا جارہا تھا۔ اسے بھی تو اپنے بھائی سے شدید محبت تھی۔ آخر اس کا دنیا میں ایک ہی بھائی تھا جس کی محبت اس کے دل کے تمام گوشوں میں موجود تھی۔ اگر وہ حوصلہ ہار دیتا تو پھر اس کے لئے اپنی ماں اور بہنوں کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔

جب ماں اور بہنوں کی حالت قدرے سنبھلی تو وہ انہیں اپنے ہمراہ لے کر اسپتال پہنچا۔ اس فرشتہ صفت شخص نے اویس کا پرس جو بطور امانت رکھا تھا اس کے حوالے کیا۔ اس نے رشید کو بتایا کہ اس نے اتنی رقم خرچ کی ہے۔ وہ حساب دے کر انہیں کمرے تک پہنچا کر چلا گیا۔ رشید' اس کی ماں اور بہنیں اس کا شکریہ تک ادا نہیں کر سکیں یا اس نے انہیں اس بات کا موقع نہیں دیا تھا۔ اویس کی حالت دیکھ کر ان کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ انہیں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ پڑوس میں جو خالہ بی رہتی تھیں وہ اور ان کے میاں بھی اسپتال پہنچ گئے۔ محلے کے دو تین لوگ اور آگئے تھے۔ اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر ان کا دل بھر آیا۔ زیب النساء رونے لگیں۔

رشید ڈاکٹر سے مل کر آیا تو خالہ بی نے اس سے پوچھا۔ "ڈاکٹر کیا کہتا ہے.........؟ اویس کی طبیعت کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے؟"

"ڈاکٹر زیادہ پُرامید نہیں ہیں۔" رشید نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "وہ کہہ رہے ہیں کہ اب دعا ہی کوئی معجزہ دکھا سکتی ہے۔"

"خدا کی ذات سے مایوس نہ ہوں۔" خالہ بی نے دلاسا دیا۔ "جب ہر طرف مایوسی کے بادل نظر آتے ہیں۔ اندھیرا ہی اندھیرا ہر سمت دکھائی دیتا ہے۔ تب اس اندھیرے کو دور کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں جھکنا پڑتا ہے۔ اسے سچے دل سے گڑگڑا کے پکارو تو وہ ضرور سنتا ہے اگر اس نے سن لیا تو تمہارے بیٹے کو زندگی مل جائے گی۔ چلو.......... ہم سب اس کی بارگاہ میں جھولی پھیلاتے ہیں۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے۔"

"مگر خالہ بی! ڈاکٹروں نے تو بھائی جان کی زندگی سے ناامیدی کا اظہار کر دیا ہے۔ اب دعا سے کیا ہوگا؟" خالدہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

"دعا تو موت کو بھی ٹال دیتی ہے۔ ڈاکٹر خدا نہیں ہے لیکن ڈاکٹر بھی دوا سے زیادہ

دعا پر یقین رکھتے ہیں۔" خالہ بی نے کہا۔

اسپتال کے کمرے کے باہر راہ داری میں رشید' زیب النساء اور دونوں بہنیں خالہ بی کے ساتھ اویس کی زندگی اور سلامتی کے لئے دعا مانگ رہی تھیں۔ وہ سجدے میں بھی گر گئی تھیں۔ اسے پکارنے کے لئے وقت اور کسی مخصوص جگہ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں ان سب نے اپنی اپنی جھولی پھیلا دی تھی۔ آنسوؤں کے سیلاب نے ان کے وجود کو بھگو دیا تھا۔ ان کے دل کے تمام گوشوں سے بیٹے کی زندگی اور سلامتی کے لئے التجائیں کی جارہی تھیں۔ ماں کی ممتا بیٹے کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ وہ اس کے حضور میں اس طرح گڑگڑا رہی تھیں کہ ان کے ساتھ آئے ہوئے تمام لوگوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ زیب النساء نے دعا مانگنے کے بعد اپنے آپ کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کیا۔

ڈاکٹر نے انہیں دوبارہ اویس کو صرف ایک نظر دیکھنے دیا تھا۔ سب کو باہر نکال دیا تھا۔ صرف ایک شخص کو اندر رہنے دیا تھا۔ وہ اویس کے رشتہ دار جمیل احمد تھے۔ وہ ایکسیڈنٹ کی اطلاع پاکر پہنچ گئے تھے۔ ان کی آمد سے زیب النساء کو بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔

ایک نرس نے ڈاکٹر کے چیمبر سے باہر آکر رشید کی جانب ایک پرچہ بڑھایا۔ جب رشید نے اس کے ہاتھ سے پرچہ لے لیا تو وہ بولی۔ "مسٹر اویس کے گروپ کا خون بڑا نایاب ہے۔ اتفاق سے ہمارے پاس صرف ایک بوتل تھی جو ہم نے انہیں چڑھا دی ہے۔ یہ گروپ کہیں اور نہیں مل رہا ہے شہر میں اور بھی بلڈ بینک ہیں شاید وہاں مل جائے۔ صرف ایک بوتل خون کی ضرورت ہے۔ اس خون سے ہی ان کی جان بچ سکتی ہے۔"

رشید' اس کی بہنوں نے اور رشتہ داروں نے اپنا اپنا خون ٹسٹ کروایا تھا تاکہ جلد سے جلد خون مل جائے اور اس کی تلاش میں وقت ضائع نہ ہو۔ اتفاق سے ان میں سے کسی کے خون کا گروپ اویس کے گروپ سے میچ نہیں ہوا تھا۔ رشید اسکوٹر پر اپنے ایک دوست کے ہمراہ جاکر شہر کے سارے ہی بلڈ بینکوں سے ہو آیا اور اس نے کچھ دوستوں سے بھی رابطہ کیا۔ نہ خون ملا اور نہ ہی کسی دوست کا یہ گروپ تھا۔ رشید کوئی چار گھنٹے کے بعد اسپتال واپس پہنچا تو اس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غم کی پرچھائیاں تھیں۔ ان سب نے جو امیدوں کی شمعیں جلا رکھی تھیں وہ بجھتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ خون نہ ملنے کا مطلب یہ تھا کہ اویس کی زندگی کا چراغ کسی بھی لمحے گل ہو سکتا تھا۔



جمیل صاحب نے اسپتال کے بیرونی دروازے پر اسی وقت جب رشید اپنے دوست کے ساتھ خون لانے نکلا تھا ایک گتے پر خون کی ضرورت ہے لکھ کر لگا دیا تھا۔ گروپ بھی لکھ دیا تھا۔ کسی شخص نے رابطہ قائم نہیں کیا جب کہ ایک ہزار کی رقم کے معاوضے کا بھی اعلان تھا۔

اویس کے کمرے کے برابر جو کمرہ خالی تھا' اس کمرے میں سب جمع تھے۔ کچھ لوگ لان میں باہر تھے۔ ایک کہرام سا مچا ہوا تھا۔ حیرت اور غم کی بات یہ تھی کہ اتنے بڑے شہر میں یہ گروپ نہیں ملا۔ بہنوں پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ ماں کا دل ڈوب رہا تھا۔ اب دوا کا نہیں دعا کا وقت تھا۔ ان کی آنکھوں سے بہتا ہوا ایک ایک قطرہ بھی جیسے دعا کر رہا تھا۔ جمیل صاحب نے رشید سے کہا۔ "تم فوراً ریڈیو پاکستان پہنچو اور خون کی ضرورت کی اطلاع نشر کروا دو۔ کوئی نہ کوئی اللہ کا نیک بندہ خون دینے پہنچ جائے گا۔"

رشید نکلنے والا تھا کہ نرس کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ "آپ لوگوں کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ مریض کا گروپ مل گیا ہے۔ میں مریض کو خون کی بوتل لگا کر آرہی ہوں۔ اب وہ خطرے سے باہر ہیں۔"

"سچ!" سب نے ایک دوسرے کی طرف حیرت و خوشی سے دیکھا۔ انہیں جیسے یقین نہیں آیا۔ سب نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ ماں سجدے میں گر پڑیں۔ بہنوں کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ سب اس کے کمرے سے نکل کر اویس کے کمرے کی طرف جانے لگیں تو نرس نے انہیں روکا۔ "ایک ایک کرکے جائیں اور دیکھ کر فوراً آجائیں کوئی ایک ان کے پاس رہ سکتا ہے۔ جمیل صاحب ہی کو ان کے پاس رہنے دیں.......... مسٹر اویس کو ہوش میں آنے میں دو سے تین گھنٹے لگ سکتے ہیں۔" نرس نے کہا۔

ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔ وہ اپنی غرض اور خوشی میں اندھے ہو کر اویس کے کمرے کی طرف لپکے تھے۔ کسی نے نرس سے یہ پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ یہ خون کس نے دیا؟ کہاں سے آیا؟ کیسے ملا..........؟ ان کا محسن کون ہے؟

زیب النساء کو معاً خیال آیا تو اس نے رشید سے پوچھا۔ "اس گروپ کا خون اسپتال والوں کو کہاں سے مل گیا؟ کس نے دیا ہوگا؟"

"کہیں نہ کہیں سے تو مل گیا ہوگا۔" رشید نے جواب دیا۔ "کوئی نہ کوئی ضرورت

مند آکر خون دے گیا ہوگا۔ لوگ پیٹ بھرنے کے لئے بھی تو اپنا خون بیچتے پھرتے ہیں۔"

"لیکن جس نے بھی خون دیا ہے وہ اس کا معاوضہ لینے نہیں آیا؟" زیب النساء نے کہا۔ "معلوم کرو بیٹا کہ کس نے یہ خون بطور عطیہ کے دیا ہے؟ وہ کون فرشتہ ہے جس نے میرے بچے کو موت کے منہ سے نکالا ہے؟ ہم سب پر اس نے احسان کیا ہے۔"

"کوئی بھی ہوگا۔" رشید نے بے پروائی سے کہا۔ "آپ اس سے مل کر کیا کریں گی؟ اسپتال والوں نے اسے اس خون کی قیمت چکا دی ہوگی۔ میں نے کاؤنٹر پر کہہ دیا تھا کہ کوئی خون دینے آئے اور وہ جو بھی معاوضہ مانگے اسے دے دیا جائے۔ آپ کو فکر کیوں ہو رہی ہے؟"

"تم اپنے بھائی کی زندگی بچانے والے کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے ہو؟ یہ کیسی خودغرضی ہے بیٹے! تم نہ ملو لیکن میں اس نامعلوم محسن سے ملنا چاہوں گی جس نے میرے بیٹے کو ہی نہیں بلکہ ماں اور ممتا کو بھی ایک نئی زندگی دی ہے۔ میں اسے اپنی طرف سے بھی کچھ دینا چاہتی ہوں۔ اگر میں اس کے قدموں میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی ڈال دوں وہ بھی بہت کم ہوگی۔ اس لئے کہ بیٹے کی زندگی اور اس کی سلامتی کیا ہوتی ہے۔ یہ تو ایک ماں ہی اچھی طرح جانتی ہے۔ اسے معلوم ہوتی ہے بیٹے کی قدر و قیمت۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں امی!" رشید کو ماں کی باتوں سے اپنی خودغرضی کا احساس ہوا۔ "خون نہ ملنے سے ہم کس قدر پریشان تھے۔ خون ملتے ہی خوشی سے خودغرض ہوگئے۔ خون نہ ملتا تو ہم پر قیامت گزر جاتی۔ اللہ نے ہماری سن لی۔ ہمیں اس کا اور اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔"

اس وقت نرس کسی کام سے آئی اور کمرے میں جانے لگی تو زیب النساء نے اسے روک کر پوچھا۔ "نرس! تم نے بتایا نہیں کہ میرے بیٹے کے گروپ کا خون کس نے دیا؟ خون کہاں سے ملا؟ کیا یہ خون کسی نے عطیہ کے طور پر دیا ہے یا اسے بیچا ہے؟"

"یہ خون جس کسی نے بھی دیا ہے اس نے انسانیت کے جذبے کے تحت دیا ہے۔" نرس نے جواب دیا۔ "اس نے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔"

"وہ کون ہے جس نے میرے بیٹے کو نئی زندگی دی؟ نرس! اس کا نام بتاؤ۔ مجھے اس سے ملاؤ۔ میں اور میری دونوں بیٹیاں اس سے ملنا چاہتی ہیں۔ میں اسے اپنی طرف سے کچھ پیش کرنا چاہتی ہوں۔ اس کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتی ہوں۔"

"مگر وہ تو کوئی صلہ نہیں چاہتی۔ اس نے یہاں تک سختی سے تاکید کی ہے اس کا نام



بھی راز میں رکھا جائے۔ آپ لوگوں کو پتا تک نہ چلے۔"

"کیا وہ کوئی عورت ہے؟" زیب النساء بھونچکی سی رہ گئیں۔ "ایک عورت نے میرے بیٹے کو خون دیا ہے؟ یقین نہیں آرہا ہے۔"

"جی ہاں......... وہ ایک عورت ہی ہے۔" نرس نے اپنا سرہلایا۔ "اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟ عورتیں بھی خون دیتی رہتی ہیں۔ وہ عورت اویس صاحب کے بارے میں معلوم کرنے اسپتال آئی تھی۔ جب اسے اویس صاحب کی حالت بتائی گئی کہ خون نہ ملنے کی وجہ سے ان کی زندگی خطرے میں ہے تو اس نے اپنا خون ٹیسٹ کروایا۔ اتفاق سے اس کا گروپ اویس صاحب کا گروپ نکلا۔ پھر ان کی جان بچ گئی۔"

"وہ عورت کون ہوسکتی ہے؟" زیب النسا نے اپنے ذہن پر بہت زور دیا۔ بہت سوچا لیکن اسے جان نہ سکیں۔

پھرانہوں نے اپنی بیٹیوں کی شکلیں دیکھیں۔ وہ بھی حیران تھیں کہ یہ عورت کون ہوسکتی ہے؟ لیکن وہ بھی بتانے سے قاصر تھیں۔ حیران تھیں کہ یہ کون عورت ہے جس نے سامنے آئے بغیر خون دیا اور پھر اپنے آپ کو پردے میں رکھنا چاہتی ہے۔

پھر وہ نرس سے لجاجت سے بولیں۔ "بٹی! خدا کے لئے ہمیں اس محسنہ کا نام پتا تو بتاؤ تاکہ ہم اسے اس کے جذبے کا صلہ تو دے سکیں؟ اگر اس سے ملاقات نہ ہوئی اور اس کا شکریہ ادا نہیں کیا تو پھر ساری زندگی بڑا افسوس رہے گا۔ ہم پر تمہارا احسان بھی ہوگا۔"

نرس ایک لمحے کے لئے تذبذب میں پڑ گئی۔ اسے تامل سا ہورہا تھا۔ وہ ایک عجیب دوراہے پر آکھڑی ہوئی تھی پھروہ بولی۔ "اتفاق سے وہ عورت ابھی تک کمرا نمبر پچیس میں موجود ہے۔ وہ اس لئے رک گئی ہے کہ اویس صاحب کو مزید خون کی ضرورت تو نہیں ہے۔ وہ ان کی طبیعت پوری طرح سنبھلنے تک رکنا چاہتی ہے۔ آپ اس سے جاکر مل لیں لیکن اس سے میرا نام مت لیجئے گا۔"

زیب النساء، نرس، رشید اور دونوں بیٹیوں کو لے کر کمرے پر پہنچیں۔ نرس باہر ہی سے لوٹ گئی وہ اندر داخل ہوئیں۔ انہوں نے اپنی محسنہ کو دیکھا جو اپنی آنکھیں موندے بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔ بہت حسین تھی۔ عورت نہیں بلکہ کسی دوشیزہ کی طرح لگ رہی تھی۔ اس نے چاپ سن کر اپنی آنکھیں کھول دیں انہیں دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور اپنا دوپٹا درست کرنے لگی۔

زیب النساء، رشیدہ، نجمہ اور خالدہ اس کی شکل دیکھتے ہی حیرت سے اچھل پڑیں۔ پھران کے چہروں کے تاثرات تیزی سے بدلنے لگے۔ پھر حیرت کی جگہ غصے نے لے لی۔ انہیں یقین نہیں آیا کہ یہ لڑکی ان کی محسنہ ہوسکتی ہے۔ ان کے جسموں پر نفرت سنسنی بن کر دوڑ گئی۔

"تم؟ آخر تم ہو کون جو میرے بیٹے کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہو؟" زیب النساء نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "اس روز تم نے میرے بیٹے کو ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔" زیب النساء نے سانس لینے کے لئے توقف کیا۔ ان کے سینے میں سانس پھول رہی تھی۔ "آج تم نے میرے بیٹے کی جان بچائی؟ آخر یہ سب کیا ہے؟"

ثمرین نے فوری طور پر ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے ان سب کے چہرے باری باری دیکھے۔ وہ بڑی پُرسکون تھی۔ بڑی پُراعتماد اور بے خوف سی تھی۔ پھر وہ کہنے لگی۔ "آپ کے بیٹے کو میں نے اس روز ذلیل و رسوا نہیں کیا' بلکہ آپ کے پیارے بیٹے نے مجھے ذلیل و رسوا کیا ہے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ عورت کی عزت اور اس کے تقدس پر دھبا لگایا ہے' میں آپ کے بیٹے کی بیوی ہوں۔ آپ کی بہو ہوں' میں نے اویس کی زندگی اس لئے بچائی ہے کہ وہ میرا سہاگ ہے' میری زندگی ہے۔ میرا سرمایہ ہے' میرا سب کچھ ہے۔ ان کی زندگی سے میری زندگی کا چراغ روشن ہے۔ اگر اویس کو خدانخواستہ کچھ ہوجاتا تو پھر یہ زندگی میرے لئے بے معنی ہو کر رہ جاتی۔" وہ جذباتی ہوگئی۔

زیب النساء نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی آنکھوں سے' لہجے سے سچائی ٹپک رہی تھی۔ اس روز اویس نے ان سے کہا تھا کہ یہ لڑکی پاگل ہے' نفسیاتی مریضہ ہے' اسٹیج کی اداکارہ ہے لیکن ایسی کوئی بات اس کی کسی بات سے ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو کہ اویس نے تم سے شادی کی؟" زیب النساء نے بے یقینی سے پوچھا۔ "مجھے سچ سچ بتاؤ' جھوٹ بالکل بھی نہیں بولنا۔"

"جی ہاں.......... اویس نے مجھ سے شادی کی۔ میں قانونی اور شرعی طور پر ان کی بیوی ہوں۔ میرے پاس تو اس کا ثبوت بھی ہے۔ میں جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے جھوٹ بول کر کرنا بھی کیا ہے۔ میں آپ کو اس شادی کا ثبوت وکیل اور گواہ بھی پیش کرسکتی ہوں۔"

زیب النساء نے نرم پڑ کر شدید حیرانی سے پوچھا۔ "اویس سے تمہاری شادی کو کتنے



برس ہو رہے ہیں؟ کیا تمہاری کوئی اولاد بھی ہے؟"

"میری شادی کو ایک سال سے اوپر ہو رہا ہے۔" ثمرین نے جواب دیا۔ "میری کوئی اولاد نہیں ہے۔" ثمرین کا چہرہ سرخ سا ہوگیا۔

"حیرت کی بات ہے کہ ہمیں اس شادی کی ہوا بھی نہیں لگی۔" نجمہ بولی۔ "بھائی جان نے اس روز کہا تھا کہ وہ ایک پاگل لڑکی ہے۔ افروزہ بیگم نے رنگ میں بھنگ ڈالا ہے' بے وقوف بنانے اور پریشان کرنے کے لئے یہ کھیل کھیلا ہے۔ ساری کارستانی اس عورت کی ہے۔"

"بھائی جان نے شادی کی ہوئی ہوتی تو یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی جب کہ ان کی شادی کو یہ ایک سال سے اوپر کا عرصہ بتا رہی ہیں۔" خالدہ نے اپنی ماں سے کہا۔ "میرے بھائی جان ایسے نہیں ہوسکتے ہیں۔ یہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ مجھے ان کی کسی بات کا یقین نہیں ہے۔"

"یہ کہہ رہی ہیں کہ ان کے پاس شادی کا نکاح نامہ بھی ہے۔ وہ شادی کے وکیل اور گواہ بھی پیش کرسکتی ہیں۔" رشیدہ نے کہا۔

"اس روز کیا بھائی جان نے نہیں کہا تھا کہ جعلی نکاح نامے سو دو سو روپے میں مل جاتے ہیں۔ تصویروں میں کمپیوٹر سے بڑی آسانی سے جعل سازی ہوجاتی ہے۔"

خالدہ نے کہا۔ "کیوں کہ یہ ذہنی مریض ہیں اسی لئے جھوٹ بول رہی ہیں۔ بھائی جان کو کیا ضرورت تھی ان سے شادی کرنے کے بعد دوسری شادی کریں؟"

"آپ کے بھائی جان درحقیقت ایسے نہیں ہیں جیسے نظر آتے ہیں۔" ثمرین تلخی سے کہنے لگی۔ "صرف ایک میں ہی ان کے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنی ہوں اویس نے مجھ جیسی کتنی ہی بدنصیب لڑکیوں سے شادیاں کیں' جب ان سے جی بھر گیا' کوئی دوسری نئی حسین اور جوان لڑکی نظر آگئی تو اپنی بیوی کو دھوکے اور فریب سے طلاق دے دی۔ پھر دوسری لڑکی سے شادی کرلی۔ میں ان لڑکیوں کو خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ وہ آزاد تو ہوگئیں مگر مجھے اویس نے طلاق نہیں دی اس لئے کہ ان کے پاس نکاح نامہ کی دونوں کاپیاں نہیں۔ انہیں خدشہ تھا کہ میں طلاق دینے کی صورت میں ان کی راہ میں رکاوٹیں نہ ڈالوں۔ اویس مجھے ایک طرح سے سزا دینا چاہتا ہے کیونکہ میں نے ایک بہت ہی غریب حسین اور چودہ برس کی لڑکی کو ان کے ہاتھوں شکار ہونے سے بچالیا تھا۔ اس واقعے کے بعد انہوں نے مجھے اس لئے طلاق نہیں دی اور نہ ساتھ رکھا کہ میں ساری زندگی تڑپتی

رہوں۔ تنہائی کی آگ میں جلتی رہوں.......... وہ مجھ سے آج بھی انتقام لے رہے ہیں۔ اب مجھے ان کے انتقام کی کوئی پروا نہیں رہی ہے میں نے بھی دل میں فیصلہ کرلیا ہے کہ اپنے شوہر کو ہر قیمت پر حاصل کرکے رہوں گی۔ اس لئے کہ اویس پر میرا حق ہے صرف میرا حق.........."

زیب النساء اور دونوں بیٹیاں سکتے میں آگئیں۔ پھر اس کی بات میں سچائی اس لئے بھی نظر آ رہی تھی کہ ان کا بیٹا ہفتے میں تین چار راتیں دفتر کے کام کے بہانے سے باہر گزارتا تھا۔ انہیں کبھی شک نہیں ہوا تھا اور نہ ہی بیٹے کے کردار کا یہ پہلو کبھی ان کے سامنے آیا تھا۔ یہ بڑا بھیانک پہلو تھا۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کا بیٹا بدکردار بن گیا ہے ایسا گھناؤنا کھیل کھیل رہا ہے۔ آج بیٹے کا اصل چہرہ سامنے آگیا تھا۔

زیب النساء نے چند ثانیوں کی گہری خاموشی کے بعد اپنا شک دور کرنے کے خیال سے پوچھا۔ "یہ کہیں تم میرے بیٹے پر گھناؤنا الزام اس لئے تو نہیں لگا رہی ہو کہ وہ ایک افسر ہے جس کے پاس دولت ہے۔ شاید دولت کی وجہ سے تم اسے اپنانا چاہتی ہو۔ تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ میرے بیٹے نے غریب لڑکیوں سے شادیاں کیں اور پھر انہیں طلاق دے دی۔ یہ سراسر بہتان بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"میں آپ کو چند ایک ایسی بدنصیب لڑکیوں سے ملا سکتی ہوں جن کی زندگیاں آپ کے بیٹے نے خراب کردیں۔ دوسرا میں آپ کو اس فلیٹ پر لے چلنے کے لئے تیار ہوں جو اس مقصد کے لئے آپ کے بیٹے نے خرید رکھا ہے اسے ایسا آراستہ و پیراستہ کیا ہوا ہے کہ جو دیکھتا ہے دیکھتا رہ جاتا ہے۔ تمام کمرے ایئر کنڈیشنڈ ہیں۔ تمام کمروں کے فرش پر قالین بچھے ہوئے ہیں پھر اس بلڈنگ کا چوکی دار' اس قاضی اور گواہوں سے بھی آپ کو ملا سکتی ہوں جو میری اور ان بدقسمت لڑکیوں کی شادی کی گواہی دیں گے۔"

زیب النساء آخر ایک عورت تھیں۔ ثمرین نے جو کچھ بھی کہا وہ ایک ایسا بھیانک سچ تھا جس نے انہیں نادم اور شرمسار کردیا تھا اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہ تھا۔ اس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ زہریلے ڈنک کی طرح تھا جس نے ان کا سارا وجود چھلنی کرکے رکھ دیا تھا۔ اس نے زیب النساء کو اس طرح گھیر لیا تھا کہ ان کے لئے فرار کی راہ نہیں رہی تھی۔ وہ ان باتوں کو جھٹلا تک نہیں سکتی تھیں' رشید اور اس کی بہنوں پر بھی سکتے اور ندامت کی سی کیفیت طاری تھی۔ ان کے چہرے زرد پڑ گئے تھے ان کی نگاہوں میں اتنی تاب نہیں تھی کہ ثمرین سے نظریں ملا سکیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے اور بیٹیوں سے



کہا۔ "تم لوگ کمرے سے باہر جاؤ اور اویس کے کمرے کے سامنے رہو' مجھے ثمرین سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

جب وہ تینوں کمرے سے نکل گئے تو انہوں نے کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا پھر وہ بستر پر اس کے پاس آبیٹھیں۔ وہ اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کرکے ندامت بھرے لہجے میں کہنے لگیں۔ "بیٹی! مجھے نہیں معلوم تھا تم اس قدر عظیم ہو.......... تم کتنی دکھی ہو اس کا مجھے پورا احساس ہے۔ تمہارے دل کے درد کو بھی محسوس کر رہی ہوں اس لئے کہ میں بھی ایک عورت ہوں مگر میں کیا کروں بیٹی! وہ تو اس ڈائن کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے جس نے اسے زبردست فریب دیا۔ ہم سب کو ذلیل و رسوا کردیا۔ دونوں ہاتھوں سے لوٹ لیا ہمیں اس ڈائن نے کسی قابل نہیں رکھا ہے۔ ایسی شیطان عورت ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ اس کی ماں تو سب سے بڑی شیطان ہے۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم سے ڈرامائی انداز سے اتفاقیہ ملاقات ہوگئی۔ تم نے ہماری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا۔ بیٹے کا اصل چہرہ دکھا دیا۔ کاش! اس روز میں اپنے بیٹے کی باتوں میں نہ آتی۔ سُوجھ بُوجھ' ضبط و تحمل اور عقل سے کام لیتی' جذبات کی رو میں نہ بہہ جاتی۔ ایک بات تم ذہن نشین کرلو بیٹی! جب تک اس ڈائن سے نجات نہیں ملے گی اس وقت تک وہ تمہیں قبول نہیں کرے گا۔"

ثمرین کو اپنی سماعت پر فتور کا احساس ہوا۔ اسے یہ سب کچھ کسی خواب کی طرح لگا۔ یہ ایک حقیقت تھی۔ کوئی خواب نہ تھا۔ اسے اپنے کانوں میں امرت ٹپکتا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے کتنی حیرت سے' کتنی خوشی سے اور یقین نہ آنے والی نظروں سے زیب النساء کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ ان کے لہجے میں جیسے ریاکاری اور دل میں کوئی منافقت نہ تھی۔ چہرہ صاف و شفاف تھا۔ چہرہ تو دل کی غمازی کرتا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ ان کی آنکھوں میں اس کے لئے محبت کا پُرجوش سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ زیب النساء اس کے لئے مسیحا بن گئی ہیں جو اس کے زخموں پر مرہم رکھ رہی ہیں۔ اس کے زخموں میں جانے کب سے جو ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اب وہ بند ہوگئی تھیں۔ اب اس کے دل میں جیسے کوئی درد نہیں اٹھ رہا تھا جو زخم تھے وہ جیسے مندمل ہوگئے تھے۔ اس کے سارے وجود میں بے پایاں خوشی کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

"امی!" ثمرین خوشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر بولی تو اس کی آواز بھرا سی رہی تھی۔ "آپ نے آج اپنے دل میں مجھے جو عزت' محبت اور جگہ دی ہے ساری زندگی آپ

کے اس عظیم احسان کو فراموش نہیں کر سکوں گی۔ مجھے دولت اور آسائش کی کوئی تمنا نہیں ہے اور نہ کبھی تھی۔ بس میں تو اس محبت کی بھوکی اور گھنے سائے کو ترس رہی تھی۔ اس کے لئے پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی۔ اب مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی منزل پالی ہے۔ مجھے تحفظ مل گیا ہے' سہارا مل گیا ہے۔ اب مجھے اویس کی بے رخی کی کوئی پروا نہیں رہی ہے۔ میں اس کی ہر نفرت اور ہر ستم کو ہنسی خوشی سہہ لوں گی۔ میں اسے محبت کے پورے جذبے سے چاہتی رہوں گی چاہے وہ مجھ سے کیسا ہی سلوک کرے۔"

زیب النساء اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ اس کی محبت اور جذبے کو محسوس کر رہی تھیں۔ اس بدبخت لڑکی کو یک ٹک دیکھ رہی تھیں جو حسین تھی' پُرکشش اور جوان بھی تھی۔ ہر لحاظ سے ان کے بیٹے کا جوڑ تھی۔ ان کے بیٹے کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی ایک تصویر تھی جس کا رنگ اُڑ سا گیا تھا مگر اب ان کی محبت بھری نظروں سے اس تصویر میں رنگ بھرنے لگے تھے۔ وہ بہت پیاری اور خوبصورت سی لگنے لگی تھی۔

"کاش! اس نے شگفتہ کے بجائے تمہیں بہو بنانے کے لئے کہا ہوتا' تمہارے ساتھ بڑا ظلم اور ناانصافی ہوئی ہے بیٹی!" وہ تاسف سے بولی۔

"امی اب آپ کسی بات کی فکر نہ کریں۔ دراصل اویس کی کوئی غلطی بھی نہیں ہے۔ شگفتہ کا حسن و جمال ہی کچھ ایسا غضب کا ہے کہ وہ مردوں کو اپنا دیوانہ بنا لیتا ہے جس پر اس کا جادو ایک مرتبہ چل گیا وہ آسانی سے نہیں اترتا ہے۔ میں شگفتہ کو کوئی دوش نہیں دیتی ہوں۔ وہ جتنی حسین ہے اتنی ہی نیک دل' معصوم اور بہت پیاری سی لڑکی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اویس اس کے حسن و جمال کے اندھے جنون میں مبتلا ہیں معلوم نہیں کیوں میں شگفتہ سے نفرت نہیں کر سکی ہوں۔ شگفتہ نے میرے دل میں کچھ ایسی جگہ بنالی ہے کہ میں اسے دل سے نکال نہ سکی۔"

"تو تمہیں اویس اور ہماری دشمن سے محبت ہے؟ اپنے دل سے پوچھو کیا ایک مکار' عیار اور مکرو فریب کی پتلی محبت کے لائق ہے؟"

"امی' نفرت تو اس سے کی جاتی ہے جو واقعی بہت بری ہو۔ میرے نزدیک تو شگفتہ بے قصور اور بے گناہ ہے۔ اس نے پہلے اپنی ماں کے توسط سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ اسے اس بات کا خوف و خدشہ تھا کہ کہیں اس کی ماں کوئی گل نہ کھلائے......... اویس نے جیسے قسم کھالی تھی کہ وہ ہر قیمت پر اس سے شادی کر کے رہیں گے۔ بادل نخواستہ



شگفتہ تیار ہوگئی۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ یہ ساری کارستانیاں تو مجھے اس کی ماں کی معلوم ہوتی ہیں۔ اگر مجھے شگفتہ مل گئی تو میں اس سے آپ کی لاکھوں روپے کی دولت حاصل کر کے آپ کے قدموں میں لا ڈالوں گی۔ اس کا ایک بار ملنا شرط ہے وہ میری کوئی بات ٹالتی نہیں ہے۔ وہ اپنی ماں کی فطرت سے مختلف ہے' اخلاص و محبت کا پیکر ہے۔"

"ماں اور بیٹی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔" وہ نفرت سے بولیں۔ "اگر شگفتہ نیک لڑکی ہوتی تو مکان فروخت نہ کرتی۔ فکسڈ ڈیپازٹ کی رقم ہضم نہ کرتی۔"

"امی' اس کی عیار ماں نے شگفتہ کو دھوکا دیا ہوگا۔ اس ظالم ماں نے بیٹی کو مجبور کیا ہوگا؟ اس لئے شگفتہ اپنی شکل چھپاتی پھر رہی ہے۔" ثمرین نے سمجھایا۔

☆======☆======☆

اویس نے دو دن تک زندگی بچانے کے لئے موت سے جو جنگ کی تھی آخر جدوجہد کے بعد جیت لی تھی اسے دوبارہ نئی زندگی مل گئی تھی۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے نیا جنم لیا ہو۔ زندگی اس پر مہربان ہوگئی تھی مگر وہ اچھی طرح صحت یاب نہیں ہوا تھا۔ وہ زخموں سے چُور اور کمزوری کے باعث اس قدر نڈھال ہوگیا تھا کہ اپنے جسم کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ اس پر ایک بے بسی سی طاری تھی جیسے وہ ایک شیر خوار بچہ ہو۔ ویسے بھی اس سنگین حادثے نے اسے بری طرح سہما دیا تھا۔ اس کے ہاتھ پیروں کی ہڈیاں ٹوٹنے سے بال بال بچ گئی تھیں۔ اب وہ صرف بستر پر بے حس و حرکت سا لیٹا رہ سکتا تھا۔ ذرا سی حرکت پر' ذرا سا بدن پر یا کسی حصے پر زور پڑنے سے شدید درد اٹھتا تھا۔ درد کی یہ لہر کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی تھی۔ اس کا جیسے پورا وجود ہلا کر رکھ دیتی تھی اور اس کے منہ سے ایسی دردناک چیخ نکل جاتی تھی کہ وہ رو پڑتا تھا۔

وہ اسپتال کے سب سے شاندار مہنگے کمرے میں زیر علاج تھا۔ ایک معذور کی طرح پڑا تھا۔ اس پر نقاہت طاری تھی۔ اس کی کوئی بات سننے کے لئے تیماردار یا ملاقاتی کو اس کے منہ کے پاس کان لے جانا پڑتا تھا۔ اس کے لئے ہونٹوں کو حرکت دینا بھی دشوار لگتا تھا۔

یہ بدترین اور سنگین حادثہ اس کے ساتھ کیسے اور کیوں پیش آیا کسی کے علم میں نہیں تھا۔ جس فرشتہ صفت انسان نے اسے یہاں پہنچایا تھا اس نے رشید کو خاص تفصیل نہیں بتائی تھی۔ ہر کوئی اپنی دانست میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اویس کی تیز رفتاری سے موٹر سائیکل چلانے کی عادت نے آخر کار اسے اس نوبت تک پہنچا دیا تھا' گھر والے اور دوست

احباب بھی اسے تیز رفتاری پر ٹوکتے رہتے تھے۔

زیب النساء نے جب اسے خطرے سے باہر دیکھا تو تب اس سے کہا۔ "بیٹے! میں نے تم سے ہزار بار کہا تھا کہ اس تیز رفتاری سے گاڑی نہ چلایا کرو مگر تم اپنی عادت سے باز نہیں آئے۔ تم نے کبھی کسی کی بات نہیں سنی۔ آخر کیا ہوا؟ آخر وہی ہوا جس کا میرے دل کو دھڑکا لگا رہتا تھا۔"

اویس چاہتا تھا کہ اپنی ماں کو کسی نہ کسی طرح اس لرزہ خیز حادثے کا پس منظر بتا دے۔ انہیں بتائے کہ اس نے شگفتہ اور اس کی خبیث ماں کو دیکھا تھا۔ اس خبیث عورت کی وجہ سے یہ حادثہ پیش آیا ہے۔ وہ نظر نہ آتی اور گاڑی میں نہ ہوتی تو یہ واقعہ کبھی رونما نہ ہوتا۔ وہ اپنی ماں سے کہہ کر حیدر آباد سے شائستہ کو بلانا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ اس کے سینے میں ایک پھانس سی گڑ گئی تھی۔ وہ پھانس جب ہی اس کے سینے سے نکل سکتی تھی جب وہ سارا واقعہ شائستہ کو سنائے۔ کراچی میں شگفتہ کی موجودگی کے بارے میں بتائے مگر زبان اس کا ساتھ نہیں دیتی تھی۔ وہ اپنی زبان سے دو ایک الفاظ بھی بول نہیں پاتا تھا کہ اس کی سانس سینے میں پھولنے لگتی تھی۔ الفاظ سانسوں میں اٹک جاتے تھے۔

ثمرین اسی دن کچھ سوچ کر اپنے گھر چلی گئی تھی اس لئے بھی کہ اس نے اپنی سلطانہ آپا کو کوئی خبر بھی نہیں کی تھی۔ اس کے گھر نہ پہنچنے پر سلطانہ آپا پریشان اور خوف زدہ ہوجاتیں اور پھر اس روز تو اویس کے رشتہ داروں کا تانتا لگا ہوا تھا۔ اسے زیب النساء کا خوف دامن گیر تھا کہ وہ اسے رشتہ داروں کی وجہ سے اویس کے پاس رہنے نہیں دیں گی۔ رشتہ دار اسے دیکھ کر زیب النساء پر سوالات کی بوچھاڑ کر دیتے۔ وہ اپنے بیٹے کی طبیعت کی وجہ سے بھی پریشان تھیں اور پھر زیب النساء کو یہ جان کر بھی کہ وہ اس گھر کی بہو اور اویس کی بیوی ہے ایک جھٹکا ہی لگا تھا اور پھر اویس کے پاس رہنے کے لئے زیب النساء کی اجازت اور رضامندی بھی تو ضروری ہے اور وہ اس کی اجازت دے نہیں سکتی تھیں۔

ثمرین دوسرے دن رات دس بجے اویس کو دیکھنے کے لئے اسپتال پہنچی تو اویس دواؤں کے زیر اثر گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس وقت زیب النساء گھر سے جو ٹیلی فون آیا تھا اسے سننے کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ ثمرین بستر پر اس کے پاس کھڑی اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرتی رہی پھر جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ اس نے پھر اویس کا نام لے کر پکارا۔ اویس ہوش میں تھا کہاں جو اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا۔



کمرے کے باہر آہٹ سن کر وہ تیزی سے بستر کے پاس سے ہٹ گئی اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ آج رات اویس کے پاس کون ہے۔ وہ اس خیال سے آئی تھی کہ گھر والوں میں سے کوئی ہونے پر وہ اسے بھیج دے گی اور صبح تک اویس کے پاس رہے گی۔ زیب النساء کمرے میں داخل ہوئیں۔ وہ اسے دیکھ کر بڑے زور سے چونکیں اور اس سے تحیر زدہ لہجے میں بولیں۔ "ثمرین بیٹی! تم؟ اس وقت؟"

"جی امی!" ثمرین نے اپنا سر ہلایا۔ "میں اسی لئے آئی ہوں کہ جب تک اویس ٹھیک نہیں ہوجاتے' پوری طرح صحت یاب ہوکر گھر نہیں چلے جاتے میں اسپتال میں رہ کر ان کی خدمت کروں۔ آپ لوگوں کو بھی آرام کرنے کا موقع دوں۔ میں گھر میں رہ کر کیا کروں؟"

"نہیں بیٹی!" وہ چونک کر بولیں ان کے چہرے پر زردی سی چھا گئی۔ "میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتی اس لئے کہ اس سے ہماری بڑی بدنامی ہوگی۔ لوگ کیا کہیں گے؟ کتنی باتیں ہوں گی؟ تم نے یہ بات بھی سوچی ہے؟"

"مگر امی! اس میں کسی کے کچھ کہنے اور اعتراض کی کیا بات ہے۔ میں اویس کی بیوی ہوں۔ کوئی غیر نہیں ہوں۔ پھر آپ نے مجھے اپنی بہو مان کر ہی تو عزت بخشی ہے۔"

"یہ بات اپنی جگہ سولہ آنے درست ہے بیٹی! مجھے اس سے انکار بھی نہیں ہے لیکن یہ بات کہ تم میری بہو اور اویس کی بیوی ہو صرف میرے گھر والے جانتے ہیں اور ان کے سینوں میں یہ راز ہے۔ ابھی میں نے یہ راز کسی پر ظاہر نہیں کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اویس پوری طرح صحت یاب ہوجائے تو تمہارے بارے میں اس سے بات کر کے تمہیں باعزت طریقے سے گھر لے آؤں۔ اگر دنیا کو اس چوری چھپے کی شادی کا علم ہوگیا تو پھر تم ساری زندگی ان کے طنز کا ہدف بنتی رہو گی۔ پھر تمہیں ہمارے خاندان میں وہ عزت نہیں ملے گی جس کی تم مستحق ہو۔"

ثمرین کی سمجھ میں ان کی باتیں آگئیں' انہوں نے جو کچھ بھی کہا تھا وہ نیک نیتی سے کہا تھا۔ وہ بولی۔ "جیسا آپ چاہتی ہیں میں اسی پر عمل کروں گی۔"

"تم ہم میں سے کسی کی بھی موجودگی میں اویس سے ملنے اور اسے دیکھنے نہیں آؤ گی۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم اسپتال ہی نہ آؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں دیکھ کر اسے غصہ آجائے اور اس کی نفرت بڑھتی جائے۔ پھر وہ تمہاری شکل تک دیکھنے کا روادار نہ رہے گا۔"

"شکل دیکھنا تو وہ اب بھی گوارا نہیں کرتے ہیں۔" ثمرین نے ایک گہری سانس لی۔
اس نے سوچا کہ زیب النساء کو بتا دے کہ اویس شگفتہ کے چکر میں اسے فریب دے رہا تھا۔ اتفاق سے اس کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ وہ بولی۔ "خیر کوئی بات نہیں ویسے میں آپ لوگوں کی غیر موجودگی میں اویس کو دیکھ کر اور اس سے مل کر جاؤں گی تاکہ میرے دل کو چین و سکون مل سکے۔"

☆======☆======☆



جب اویس کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو اس نے کچھ سوچ کر حادثے کا سبب اپنی ماں کو نہیں بتایا۔ کیونکہ اس حادثے میں اس کی اپنی بھی غلطی تھی جو اس نے خطرناک حد تک تیز رفتاری سے موٹر سائیکل چلائی تھی۔ اب اسے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا کہ اس نے غیر محسوس انداز سے اس گاڑی کا تعاقب جاری کیوں نہیں رکھا؟ کیا ضرورت تھی اسے شگفتہ کو پکار کے متوجہ کرنے کی؟

ادھر زیب النساء نے اپنے بیٹے کی حالت کو قدرے بہتر پایا تو وہ دو تین گھنٹے کے لئے اپنے گھر چلی گئی تاکہ نہا کر کپڑے بدل کر اور ستا کر چلی آئیں۔ وہ مسلسل پانچ دنوں سے اسپتال ہی میں موجود تھیں۔ ایک گھنٹے کے لئے گھر نہیں گئی تھیں اور نہ ہی کسی کو ٹھہرنے دیا تھا۔ اب زیادہ فکر اور پریشانی کی بات بھی نہیں تھی۔ ایک تو اسپتال بھی اعلیٰ قسم کا تھا اس اسپتال کے وی آئی پی اور ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں وہ کسی شہزادے کی طرح رہ رہا تھا پھر اس اسپتال میں اس کی دیکھ بھال اور علاج بہت اچھا کیا جا رہا تھا۔ نرس اور وارڈ بوائے اس کی نگہداشت اور تیمارداری کے لئے ہمہ وقت موجود رہتے تھے۔ کسی بات اور تردد کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نرس سے کہہ کر گھر چلی آئیں۔ ڈاکٹر نے بیٹے کو ہر قسم کا کھانا کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی پسند کی کوئی ڈش تیار کر کے لے جانا چاہتی تھیں۔

سہ پہر کے وقت اویس نیند سے بیدار ہوا تو معاً اس کی نظر نرس کی کرسی پر پڑی جو خالی تھی۔ نرس کمرے میں موجود نہ تھی۔ دوا کا وقت ہو رہا تھا۔ اسے اس وقت انجکشن لگایا جاتا تھا اور دوائی پلائی جاتی تھی۔ وہ چند لمحوں تک خالی الذہن چھت کو گھورتا رہا۔ اس نے دفعتاً ایک آہٹ محسوس کی تو اس کی نظریں دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔ چند ثانیوں کے بعد دروازہ بے آواز کھلا۔ وہ سمجھا کہ نرس اندر داخل ہو رہی ہے مگر وہ نرس نہیں تھی۔ وہ کوئی عورت تھی' صحت مند' خوبصورت اور دراز قد............ اس عورت کو پہچانتے ہی اس کے سارے جسم اور زخموں میں سنسنی سرد لہر بن کر اتر گئی۔ اس نے اپنے

جسم پر جھرجھری سی محسوس کی۔ یہ افروزہ بیگم تھیں۔ شگفتہ کی ماں۔ وہ دروازہ کھول کر دہلیز پر کھڑی ہوگئیں.......... اور اس کی طرف اس طرح دیکھ رہی تھیں جیسے شکار اپنے شکاری کو دیکھتا ہے۔

اویس کو اس لمحے ان کے چہرے پر درندگی دکھائی دی جو کسی پیشہ ور قاتل کی سی تھی۔ ان کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔ ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ ان کے چہرے سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ آگے بڑھ کر اس کا گلا گھونٹ دیں گی۔ اس لئے وہ دروازے کے پاس کھڑی ہوئی موقعے کی تلاش میں تھی۔ وہ جائزہ لے رہی تھی کہ کمرے میں اس کے سوا کوئی اور موجود تو نہیں ہے۔

اویس کی نگاہیں جیسے ہی افروزہ بیگم کی وحشیانہ چمک والی آنکھوں سے دوچار ہوئیں اس کا بدن دہشت سے لرزنے لگا۔ اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ افروزہ بیگم اس کی موت کا فرشتہ بن کر آسکتی ہیں۔ اس کے نزدیک اب اس بات میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ یہ خبیث عورت اسے قتل کرنا چاہتی ہے تاکہ اپنی بیٹی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی ذات اور بوجھ سے نجات دلا دے تاکہ اس کی بیٹی اس کی ساری دولت کی مالک بن جائے۔ شگفتہ کو تو کیا ساری دنیا کو کبھی بھی یہ معلوم نہ ہوسکے گا کہ اس کا قاتل کون ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں دستانے بھی پہن رکھے تھے۔ اس وقت اس کی حالت ایسی تھی کہ اسے ایک بچہ بھی آسانی سے قتل کر سکتا تھا۔ بس اب چند لمحوں کی دیر تھی۔ یہ عورت اسے قتل کرکے فرار ہونے والی تھی اس وقت اسے موت کے منہ سے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔ افروزہ بیگم کے لئے راستہ صاف تھا۔

اویس کا ذہن بھیانک خیالات کی لپیٹ میں آتے ہی ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ موت کے خوف نے اس پر ایک کپکپی سی طاری کر دی تھی۔ اس میں اتنی سکت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ اپنا ہاتھ سرہانے کی طرف بڑھا کر ایمرجنسی گھنٹی کا بٹن ہی دبا دے۔ یوں بھی داہنا ہاتھ اس لئے اس جانب بڑھا ہی نہیں سکتا تھا کہ افروزہ بیگم کی خون خوار نگاہیں اس کی حرکات و سکنات پر جمی ہوئی تھیں۔ اگر وہ اپنا ہاتھ غیر محسوس انداز سے گھنٹی کے بٹن کی طرف بڑھاتا بھی تھا تو افروزہ بیگم اسے بالکل بھی مہلت نہیں دیتیں۔ وہ لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیتیں۔

اب اس کی نظروں میں اتنی تاب بھی نہیں تھی کہ ان خون خوار نگاہوں سے اپنی



نگاہیں چار کر سکیں۔ پھر اس نے جیسے موت کے خوف سے اپنی آنکھیں بند کرلیں پھر دل میں گڑگڑا کے خدا سے دعا مانگنے لگا کہ کاش! اس وقت کوئی آجائے۔ امی آجائیں‘ رشیدہ آجائے‘ ثمرین آجائے.......... ثمرین کی یاد اسے کیسے آگئی.......... کیوں آگئی.......... وہ ششدر رہ گیا۔

اویس کو اپنی دعا کی قبولیت کی امید نظر نہیں آرہی تھی۔ اس لئے بھی کہ اس نے کبھی بھولے سے بھی خدا کو یاد نہیں کیا تھا۔ آج مصیبت کی گھڑی میں یاد کر رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ بے حس و حرکت لیٹا اندر ہی اندر بری طرح لرز رہا تھا۔ بیدِ مجنوں کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس کا سارا بدن اور چہرہ پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ کمرے میں جو گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا اس کے سکوت میں اسے اپنے دل کی صدا سنائی دے رہی تھی جو خوف سے کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ موت کا فرشتہ دبے پاؤں آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھ رہا ہے۔

کتنے ہی جاں گسل لمحے کرب ناک اذیت سے گزر گئے۔ اسے احساس ہی نہ ہوسکا۔ ایک ایک پل اس پر بھاری ہو رہا تھا۔ جیسے تختۂ دار کی طرف اسٹریچر پر ڈال کر لے جایا جارہا ہو۔ اس نے سوچا کہ اس طرح مرنے سے تو بہتر ہے کہ اس خبیث اور کمینی اور احسان فراموش عورت کی نظروں سے نظریں ملا کر اور پوری قوت مجتمع کرکے کیوں نہ چیخ پڑے۔ چیخ چیخ کر اس عورت سے کہے کہ دیر کیوں کر رہی ہو؟ میں اب مزید انتظار نہیں کرسکتا ہوں‘ مجھے مار ڈالو.......... جلدی سے قتل کردو.......... مجھے قتل کرکے اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لئے مجھ سے نجات دلا دو۔ میری ساری دولت ہڑپ کرلو۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری.......... ذلیل‘ کمینی‘ احسان فراموش عورت.......... ڈائن!

وہ صرف سوچ کر رہ گیا تھا۔ اس میں اتنا حوصلہ بھی نہیں رہا تھا کہ آنکھیں کھول کر موت کے فرشتے کو دیکھ سکے اس کے سینے میں بیٹھی ہوئی موت کی دہشت نے اسے اور بے جان کرکے رکھ دیا تھا۔ یک لخت اپنی بے بسی پر اس کی بند آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہنے لگا۔ اب اس کے پاس رونے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ اس بات پر بھی شرم محسوس کر رہا تھا کہ ایک عورت کے ہاتھوں بزدلوں کی موت مر رہا ہے۔

اس نے کس قدر عذاب ناک انتظار کے بعد محسوس کیا تھا کہ موت کا فرشتہ اس کے سر پر آپہنچا ہے اور اس پر جھک کر گہری سانسیں لے رہا ہے۔ صرف پل بھر کی دیر ہے۔ اس کی روح قبض کی جانے والی ہے۔ اب اس کے بچنے کی امید نہیں رہی تھی۔

اس کی دعا مستجاب نہیں ہوئی تھی۔ خدا اس سے ناراض تھا۔ یہ عورت اس پر بالکل ہی ترس نہیں کھا سکتی تھی اس لئے کہ وہ اس کی راہ کا پتھر تھا۔

پھر اس نے اگلے لمحے محسوس کیا کہ اس کی نتھنوں میں بھینی بھینی مہک داخل ہو رہی ہے۔ ایک ایسی خوشبو جو کسی پھول یا عطر کی نہ تھی۔ ایک عجیب اور دل موہ لینے والی سی خوشبو تھی۔ اس نے دل میں سوچا......... کیا موت کا فرشتہ ایسی ہی خوشبو لئے ہوئے روح قبض کرنے آتا ہے.........؟ دوسرے لمحے اسے نرس کا خیال آیا جو نوجوان تھی۔ بہت حسین تو نہ تھی لیکن بے حد پُرکشش تھی۔ پُرشباب تھی۔ وہ ہر وقت مہکتی رہتی تھی۔ اس نے فوراً ہی جھٹلا دیا' کیونکہ وہ نرس کے لباس سے پھوٹتی خوشبو سے مانوس تھا۔ ایسی خوشبو نرس میں دور دور تک نہ تھی پھر اس نے ہاتھ کا بوجھ اپنے سر پر بندھی پٹیوں پر محسوس کیا تو وہ جیسے تھرا اٹھا تھا۔ اس کے سر کے زخموں میں درد کی شدید لہریں اٹھیں تو باوجود ضبط کے اس کے منہ سے کراہیں نکل گئیں۔ وہ ہاتھ سر سے ہوتا ہوا چہرے پر آیا تو وہ سمجھ گیا کہ وہ ہاتھ اس کے گلے کی طرف بڑھ رہا ہے مگر وہ ہاتھ چہرے پر جیسے ٹک گیا تھا۔ وہ ہاتھ سخت نہ تھا۔ نرم و گداز ہاتھ تھا۔ اس میں ایک تپش سی تھی تو اس کے لمس میں انوکھا پن بھی تھا۔ پھر اس ہاتھ کی تپش سے ایک لطیف احساس اس کی رگوں میں فرحت بن کر اترنے لگا۔ وہ ہاتھ اس کے رخساروں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھنے لگا۔ وہ بھونچکا سا ہو گیا۔ کیا موت کا فرشتہ اتنا نرم دل ہے؟ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے کانوں میں ایک کھنکتی ہوئی آواز نے سارے جہاں کا رس جیسے انڈیل دیا تھا۔ "اویس صاحب! اویس صاحب!"

یہ آواز اسے نئی زندگی کی نوید سنا رہی تھی۔ یہ موت کے فرشتے کی آواز نہ تھی۔ مانوس سی آواز تھی۔ اس نے فوراً ہی اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے اپنی آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا تو ہر چیز دھندلی دھندلی سی نظر آرہی تھی۔ جب دھند چھٹی تو اس نے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے شائستہ کھڑی ہوئی تھی۔ آج وہ سفید سوتی ساڑی جو سرخ بارڈر کی تھی اور سفید بلاؤز میں ہی ملبوس تھی۔ اسے ایسا لگا تھا جیسے پورے کمرے میں دودھیا چاندنی چٹکی ہوئی ہو۔ وہ چاند کے مانند' دریا کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی چاند سی پیشانی پر زخم کا نشان چاند کے داغ ہی کی طرح لگ رہا تھا۔ آسمان کا چاند اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ اس کے کمرے میں جیسے اتر آیا تھا۔ وہ شائستہ کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سب کچھ بھول بیٹھا تھا۔ اس کے حسن کے طلسم میں کھو سا



گیا تھا۔ وہ شگفتہ کی طرح لگ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پر زخم کا نشان نہ ہوتا تو وہ اسے شگفتہ ہی سمجھتا۔ شائستہ نے سفید لباس پہن کر اس کا زخم جیسے تازہ کر دیا تھا۔

شائستہ اسے محویت سے اپنی طرف دیکھتا پا کر گلابی سی ہو گئی۔ پھر سنبھل کر بولی۔ "اویس صاحب! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو ڈاکٹر کو بلا لاؤں......... ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں پسینہ کیسا؟ آپ رو کیوں رہے ہیں؟ کیا زخم درد کر رہے ہیں؟"

اویس کو فوراً ہی شگفتہ کی ماں کا خیال آیا جو چند لمحے پہلے اس کی موت کا فرشتہ بن کر اس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اس نے چونک کر کمرے کا جائزہ لیا جب افروزہ بیگم دکھائی نہیں دیں تو اس نے نہایت آہستگی سے کہا۔ "آپ اپنا کان قریب لائیں میں بتاؤں کیا بات ہے؟"

شائستہ بغیر کسی تذبذب اور جھجک کے اس پر جھک گئی۔ اس کی گرم گرم سانسیں اویس کے چہرے کو جھلسانے لگیں۔ شائستہ کا حسین چہرہ کسی انگارے کی طرح دہکتا محسوس ہو رہا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ بہک جاتا۔ اس نے ایک عجیب سی راحت محسوس کی۔

اویس نے اس کے حسین چہرے پر نگاہیں مرکوز کر کے سرگوشی میں دھیمی آواز میں بولا۔ "آپ کی امی مجھے قتل کرنے کے لئے آئی تھیں۔"

"کیا.........؟" شائستہ ایک دم سے چونکی پھر سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی' اس نے متحیر ہو کر کمرے کا جائزہ لیا اور پوچھا۔ "کہاں ہیں میری امی؟"

شائستہ کو اس کی بات سننے کے لئے پھر جھکنا پڑا۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "دو منٹ پہلے وہ اس کمرے میں موجود تھیں۔"

شائستہ نے ملحق غسل خانے کی طرف جا کر اس کا دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہو کر اس کا جائزہ لیا پھر وہ پلنگ کے پاس آکر بولی۔ "میری امی آئی تھیں کیا.........؟ لیکن وہ نظر نہیں آرہی ہیں۔ میں نے انہیں کمرے سے باہر بھی نہیں دیکھا۔ شاید آپ کا وہم ہو گا؟"

اویس نے نفی کے انداز میں بڑی آہستگی سے سر ہلایا۔ شائستہ اس کی آنکھوں کا اشارہ پا کر جھکی تو وہ بولا۔ "میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"اوہ......... اچھا........." شائستہ دلکش انداز سے مسکرائی۔ اسے ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ

ایک چالیس بیالیس برس کی عورت تھی اس عورت کی صورت پر اسے افروزہ بیگم کا دھوکا ہوا تھا۔ وہ اس کی بہن دکھائی دے رہی تھی۔ وہ پلنگ کے پاس کھڑی ہو کر زیر لب مسکرائی اور اویس سے بولی۔ ”میں نے انہیں یہ دیکھنے کے لئے آپ کے کمرے میں بھیجا تھا کہ آپ اس کمرے میں ہیں یا آپ کو کسی اور کمرے میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اسپتالوں میں بعض اوقات ایسا ہوتا رہتا ہے۔“

”اوہ! میرے خدایا۔“ اویس نے دل میں سکون کا گہرا سانس لیا۔ اس کی جان میں جان آگئی تھی۔ کیا یہ اس کا واہمہ تھا جو اس عورت کو افروزہ بیگم سمجھ کر دہشت زدہ ہو گیا تھا؟

”میں ان صاحبہ کے ساتھ حیدر آباد سے ابھی ابھی آئی ہوں۔“ شائستہ بڑی بے تکلفی سے پلنگ پر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی پھر وہ مترنم لہجے میں بولی۔ ”میں نے اخبار میں آپ کے ایکسیڈنٹ کی خبر اور تصویر دیکھی تو یقین نہیں آیا۔ سچ پوچھئے میں بھونچکی سی ہو کر رہ گئی۔ میں تو سارے راستے آپ کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہی۔ آپ کو دیکھا تو دل میں خدا کا شکر بجا لائی ہوں۔ اس نے آپ کو نئی زندگی دی ہے۔“

وہ چند ثانیوں کے بعد بولی۔ ”میں نے ڈاکٹر سعید احمد سے ملاقات کی تھی جس کے آپ زیر علاج ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اندرونی چوٹ نہیں آئی۔ لہٰذا آپ کو سخت آرام کی ضرورت ہے۔ آپ بالکل بات نہ کیا کریں۔ اس لئے آپ صرف میری سنیں اور آپ ایک لفظ بھی نہ بولیں۔“

اویس کا دل شائستہ کے خلوص اور اپنائیت پر بھر آیا تھا۔ اس کی آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔ دو آنسو اس کی آنکھوں سے ڈھلک کر اس کے رخساروں پر دمکنے لگے تو شائستہ انہیں اپنے رومال میں جذب کر کے اسے دلاسا دینے لگی۔ ”کیا آپ کو خدا کی ذات پر بھروسا نہیں رہا جو ناامید ہو رہے ہیں؟“

اویس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو اپنی آواز حلق میں رندھی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے چند لمحات گزر جانے کے بعد شائستہ کو اشارہ کیا کہ وہ اپنا کان اس کے منہ کے پاس لا کر اس کی بات سنے۔ وہ اب بھی زور سے، بلند آواز سے بات کرنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ مختصر الفاظ میں کسی نہ کسی طرح اس واقعے کے بارے میں بتانا چاہتا تھا جو حادثے کا سبب بنا تھا اور شگفتہ اور افروزہ بیگم کی کراچی میں موجودگی کی خبر دینا چاہتا تھا۔ شائستہ اس پر جھکی تو وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پایا۔ ”شگفتہ........ میں نے........“ پھر سانس



نے آواز کا ساتھ نہیں دیا۔

”اوہ شگفتہ!“ شائستہ کی آنکھوں میں شوخی اتر آئی۔ وہ اویس کی طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھتی ہوئی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

پھر وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔ ”آپ شگفتہ کے بارے میں فکر مند ہو رہے ہیں؟ جی! آپ چنداں فکر نہ کریں، آخر آپ کی شگفتہ کب تک چھپی رہے گی، آپ جلد ٹھیک ہو جائیں گے تو ہم دونوں........ نہیں ہم تینوں یعنی میں اور میرے شوہر بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ ان دونوں کی کھوج میں........ ہم چل کر چپہ چپہ چھان ماریں گے، کیوں ٹھیک ہے نا؟“

اویس جز بز سا ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح شائستہ کو بتائے، سمجھائے کہ شگفتہ اور تمہاری امی پشاور نہیں گئی ہیں بلکہ وہ کراچی ہی میں موجود ہیں جب اس نے دوبارہ شائستہ کو قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ جیسے نظرانداز کرتی ہوئی شکایتی لہجے میں بولی۔ ”دیکھئے اویس صاحب! ایک تو آپ کو دیکھنے کی اجازت ہی بڑی مشکل سے ملی ہے کیونکہ میں ناوقت آئی ہوں۔ ڈاکٹر نے مجھے سختی سے تاکید کی ہے کہ میں آپ سے زیادہ گفتگو نہ کروں۔ آپ کے آرام کو مدِنظر رکھتے ہوئے میرے لئے یہ بات مناسب ہوگی کہ میں ابھی چلی جاؤں........ انشاء اللہ کچھ روز کے بعد پھر آؤں گی........ اس وقت تک آپ پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔“

اویس نے اسے اشارے سے جانے کے لئے منع کیا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ شائستہ کچھ دیر اور رک جائے تاکہ وہ اس حسین عورت کو نظر بھر کے دیکھ سکے اور پھر موقع پا کر شگفتہ کے بارے میں بتا دے۔ اس کے آنے سے جیسے چپکے سے بہار آگئی تھی۔ اس کے دل کو بڑی ڈھارس بندھی تھی۔ تقویت سی ہوئی تھی جبکہ اور کسی عیادت کرنے والے کی آمد سے دل خوش نہیں ہوا تھا۔

اور پھر وہ اپنے گھر والوں کو بھی شائستہ سے ملانا چاہتا تھا۔ اس کے گھر والے بھی شائستہ سے ملنے کے لئے بہت بے چین تھے۔ اس کا حادثہ نہ ہوا ہوتا تو وہ انہیں شائستہ سے ملانے حیدر آباد لے جا چکا ہوتا۔ اسے اپنے گھر والوں پر سخت غصہ آرہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر برہم ہو رہا تھا۔ سہ پہر کا وقت ہو گیا تھا ابھی تک اس کے گھر سے کوئی اسپتال نہیں پہنچا تھا۔ ماں کے نہ پہنچنے پر بھی وہ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

”میں آپ کے پاس صرف ایک شرط پر ہی کچھ دیر ٹھہر سکتی ہوں۔“ شائستہ کی بڑی

بڑی حسین آنکھوں میں چمک سی کوندی۔

اویس کی آنکھوں کی زبان نے سوالیہ انداز سے اس سے جیسے پوچھا۔ "کیسی شرط ہے میرے حضور.........؟"

"آپ اب ایک لفظ بھی نہیں بولیں گے۔ بالکل چپ رہیں گے۔" شائستہ نے بڑی شگفتگی سے کہا۔ "مردوں کے لئے یہ ایک معمولی سی شرط ہے۔ بولئے منظور ہے؟"

اویس کے لبوں پر بے اختیار ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے اپنے سر کو جنبش دی جیسے اس نے شائستہ کی شرط منظور کرلی۔

شائستہ بستر سے اتر کر ایک کرسی کھینچ کر پلنگ کے قریب بیٹھ گئی پھر وہ اویس کو دلچسپ قصے کہانیاں اور پُرلطف لطیفے سناتی رہی۔ اس عرصے میں نرس آگئی تو اس نے نرس کو اشاروں سے سمجھا کر شائستہ کے لئے چائے منگوائی جبکہ شائستہ انکار کرتی رہی تھی۔

جتنی دیر شائستہ اس کے پاس بیٹھی رہی اتنی دیر اس کا دل بہلتا اور خوش ہوتا رہا تھا۔ ایک حسین صورت آنکھوں کے راستے دل میں اتر کے اسے شگفتہ کی یاد دلاتی رہی۔ وہ اس وقت اپنے آپ کو کسی قدر صحت مند اور توانا محسوس کرنے لگا تھا۔ شائستہ کو شگفتہ کے بارے میں بتانے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ اس قدر مجبور اور بے بس تھا کہ کمزوری کی وجہ سے بلند آواز سے بول بھی نہیں سکتا تھا نہ اس کے ہاتھوں میں اتنی سکت تھی اور اس قابل تھے کہ وہ ایک حرف بھی لکھ سکیں۔ وہ بھی پٹیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ اس کی حالت اس وقت ایک لاش کی مانند ہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد شائستہ رخصت ہونے لگی تو اویس کا دل بجھ سا گیا۔ اس کی آنکھوں سے حزن و ملال جھانکنے لگا۔ شائستہ نے کرسی سے کھڑے ہو کر اس کے ہاتھ کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ کے زخم مندمل ہوگئے ہیں۔ ان میں ٹھنڈک پڑ گئی ہے۔

پھر وہ جیسے اس کی سانسوں میں خراماں خراماں اترتی ہوئی بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے آپ کو بتایا بھی ہے کہ میری مجبوری کیا ہے؟ میں اپنی بیمار بچی کو حیدر آباد میں چھوڑ کر آئی ہوں اگر وہ بیمار نہ ہوتی تو یقیناً دو ایک دن رک کر آپ تیمارداری کرتی۔"

شائستہ نے محسوس کیا کہ اویس اس سے کچھ کہنا چاہتا ہے' وہ جھکی تو اویس نے اس سے کمزور لہجے میں پوچھا۔ "پھر آپ کب آرہی ہیں؟ مجھے آپ کا انتظار رہے گا۔"



"آپ سے جو رشتہ ناتا ہے اس ناتے سے جلد ہی آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونا پڑے گا۔" شائستہ زیرلب مسکرائی۔ "اب میں اپنی بچی کو لے کر آؤں گی اور کچھ دن رک کر جاؤں گی۔" پھر وہ گھومنے سے پہلے بولی۔ "خدا حافظ! خدا نے چاہا تو آپ جلد ہی ٹھیک ہوجائیں گے۔"

"خداحافظ!" اویس نے اپنے دل میں بڑے صدمے سے کہا۔ اس کا سینہ جیسے کٹ گیا تھا۔ اس کے ہونٹ پھڑپھڑا کے رہ گئے۔

اویس حسرت بھری نظروں سے شائستہ کو کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھتا رہا۔ شائستہ کے خوب صورت پُرشباب جسم پر ستارے چمک رہے تھے۔ اس کی مستانہ خرامی اویس کے دل پر بجلی بن کر گری تھی۔ اس نے ایک پل کے ہزارویں حصے میں سوچا کہ کسی وجہ سے اسے شگفتہ نہیں ملی تو وہ کوئی جوڑ توڑ کر کے شائستہ کو طلاق دلوا کر اس سے شادی کرلے گا۔ شائستہ شاید اس سے محبت کرنے لگی ہے۔ اس لئے وہ دو مرتبہ اس سے ملنے آئی ہے اور پھر وہ اس سے کس قدر فری ہو کر اور محبت بھرے اور شوخ انداز سے باتیں کرتی رہی ہے۔ وہ رشتے میں اس کی سالی ہے لیکن کوئی سالی اس طرح ملنے کے لئے نہیں آسکتی ہے۔ شاید اس کا شوہر خوبصورت اور وجیہہ نہ ہوگا اس لئے وہ اس پر مرمٹی ہے۔ اب اسے صحت مند ہونے کے بعد شگفتہ کی تلاش میں خوار ہونے کے بجائے شائستہ پر ڈورے ڈالنا چاہئیں۔

شائستہ نے باہر نکلنے سے پہلے دروازے کے پاس کھڑے ہو کر ساڑھی کا پلو سینے اور شانے پر درست کیا تو اس کی آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔ اس کی مرمریں بانہوں نے اویس کو مسحور کر دیا تھا۔ پھر شائستہ نے اس کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا جن میں بہت کچھ تھا۔ بہت سے انجانے وعدے تھے اس لمحے اویس کے دل کی دھڑکن رک گئی۔ اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ شائستہ اس کی محبت میں گرفتار ہوگئی ہے۔ شائستہ کی آنکھوں کی زبان نے جو کچھ کہا تھا اس کی تصدیق ہوگئی تھی کہ وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے۔ جاتے جاتے وہ اپنا وجود اور مہک ہی نہیں چھوڑ گئی تھی' بلکہ اپنا دل بھی جیسے اس کے قدموں میں چھوڑ گئی تھی۔

نرس نے اس کے بازو میں سوئی چبھوتے ہوئے کہا۔ "کتنی سویٹ عورت تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں شاید ہی اتنی حسین عورت دیکھی ہوگی۔"

☆======☆======☆

اویس چار پانچ دنوں میں بڑی تیزی سے روبہ صحت ہوگیا تھا۔ زخم بھی بھر گئے تھے اب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تھا۔ کمرے میں چہل قدمی کرلیتا تھا۔ اسے دو ایک دن میں اسپتال سے چھٹی ملنے والی تھی۔ اسے یکایک ایک روز یہ خیال آیا کہ اس کے گھر والوں نے اس قدر مہنگا کمرا کرائے پر کیوں لیا' عام قسم کے پرائیویٹ اسپتالوں میں پرائیویٹ کمرا یومیہ تین چار سو روپے سے کم قیمت پر نہیں ملتا تھا۔ جب کہ یہ کمرا ایئرکنڈیشنڈ اور کسی امیرزادے کی خواب گاہ کی طرح آراستہ و پیراستہ بھی تھا۔ ٹیلی ویژن بھی تھا۔ ٹیلی فون بھی تھا۔ شہر میں جو دو تین بہت بڑے اسپتال تھے ان ہی میں سے ایک یہ اسپتال بھی تھا۔ یہاں کمرا اور علاج بھی بہت مہنگا تھا۔ یہاں علاج کرانا عیاشی کے مترادف تھا۔ اس کے گھر والوں کو کیا سوجھی کہ انہوں نے وی آئی پی روم لے لیا۔ ایک عام قسم کا کمرا بھی تو لیا جاسکتا تھا۔ اسے یہ شاہ خرچی بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

اس نے زیب النساء سے پوچھا۔ "آپ نے مجھے اس اسپتال میں داخل کیوں کیا؟ اب تک کل کتنی رقم خرچ ہوگئی؟"

"جہاں تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا یہ اسپتال قریب تھا۔" زیب النساء نے جواب دیا۔ "ایک فرشتہ صفت شخص نے بروقت تمہیں اس اسپتال میں لاکر طبی امداد دلوائی پھر اس نے ہمیں اطلاع دی۔ تمہارے بٹوے میں جو رقم تھی اسپتال میں ڈپازٹ کروائی۔ ابتدائی اخراجات بھی کئے پھر اس نے باقی رقم اور بٹوہ واپس کردیا۔ رشید نے جو خون خریدنے کے لئے رقم جمع کروائی تھی اس شخص نے جو کاؤنٹر پر رقم جمع کروائی تھی اسپتال والوں نے تیسرے دن واپس کر دی۔ عام کمرے سے اس کمرے میں تمہیں منتقل کر دیا تمہارا خصوصی طور پر علاج کیا جارہا ہے۔ اسپتال والوں نے آج تک ہم سے نہ تو ایک پیسہ طلب کیا اور نہ ایک پیسہ خرچ ہوا ہے۔ تمہارا خاص خیال رکھا جارہا ہے۔"

"کیا کہا؟" اویس بھونچکا ہوگیا۔ "پھر یہ سارے شاہانہ اخراجات کون برداشت کر رہا ہے؟ اس کمرے کا یومیہ کرایہ چار ہزار روپے ہے۔ ڈاکٹر جو آکر مجھے دن میں دو مرتبہ دیکھ جاتا ہے اس کی فیس صرف آٹھ سو روپے روز کی ہوتی ہے۔ نرس جو ڈیوٹی پر کمرے میں موجود رہتی ہے اس کی فیس بھی الگ ہے۔ میرے اندازے کے مطابق ڈیڑھ ایک لاکھ روپے سے کم کا بل نہیں بنے گا۔"

"تم فکر کیوں کرتے ہو؟ تمہارے دفتر کی طرف سے شاید تمہارے علاج معالجے پر رقم خرچ کی جارہی ہے۔" زیب النساء نے کہا۔



"حکومت سرکاری ملازموں کے علاج ومعالجے پر جو رقم دیتی ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔" اویس نے کہا۔ "حادثے کے وقت میں بے ہوش پڑا تھا۔ مجھے ذرا بھی ہوش ہوتا تو میں اس اسپتال میں نہ آتا۔ مجھے دو دن کے بعد تو پوری طرح ہوش آیا تھا۔ اس شخص نے مجھے یہاں داخل کیوں کرایا؟"

"معلوم نہیں وہ کون شخص تھا جس نے تمہیں یہاں داخل کرا دیا۔ جو بھی تھا وہ نیک شخص تھا پھر اس نے اپنی شکل نہیں دکھائی۔"

"وہ کوئی راہ گیر تھا شاید........ خدا ترس تھا' اس نے میری جان بچانے کے لئے کسی بات کی پرواہ نہیں کی فوراً یہاں پہنچا دیا۔"

"لیکن اس نے اچھا نہیں کیا۔" زیب النساء بولیں۔ "وہ تمہیں کسی بھی سرکاری اسپتال لے جاسکتا تھا۔ بل آئے گا تو ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔"

"امی جان! بہت ساری باتیں نہ صرف میری سمجھ سے بالاتر ہیں بلکہ بڑی پُراسرار سی لگ رہی ہیں۔ پرائیویٹ اسپتال والے کوئی ایکسیڈنٹ کیس نہیں لیتے ہیں اس لئے کہ پولیس کی دردِسری مول لینا پڑتی ہے۔ میرے ساتھ جان لیوا حادثہ پیش آیا' کسی پولیس والے نے سن گن تک نہیں لی' جیسے اس حادثے کی کسی نے رپورٹ تک نہیں کی ہو۔ اسپتال والوں نے اس شخص کے اثر و رسوخ کی بنا پر میرا کیس لیا ہے۔ اس قسم کے اسپتالوں میں جب بھی کوئی کیس آتا ہے تو ایک بڑی رقم پیشگی لی جاتی ہے اور اسے واپس نہیں کیا جاتا ہے بلکہ بل میں وضع کرلیا جاتا ہے۔ پانچ ہزار کی پیشگی رقم واپس کرنا' مزید رقم نہیں لینا اور بل کی ادائیگی کا تقاضا نہیں کرنا تعجب خیزبات ہے۔ ناقابل یقین ہے' کہیں ایسا تو نہیں کہ اسپتال والے کسی غلط فہمی کا شکار ہوں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے دنوں تک کمرے کا کرایہ' ایکسرے' ٹیسٹ اور دواؤں کی قیمت وصول کرنے کا خیال اسپتال والوں کو نہ آیا ہو۔ میں سوچ سوچ کر چکرا رہا ہوں۔"

زیب النساء اس کی باتیں سن کر الجھن میں پڑ گئیں۔ وہ چند لمحوں تک سوچتی رہیں۔ ان کی پیشانی پر شکنیں گہری ہوگئیں۔ پھر وہ چونک کر بولیں۔ "کہیں یہ اس کمینی عورت افروزہ بیگم کی کوئی چال تو نہیں ہوگی ہمیں پھنسانے کی؟ مجھے اس کا کوئی چکر لگتا ہے۔"

اویس کا چہرہ سکڑ گیا۔ اس نے اپنا سر ہلایا۔ "نہیں امی! افروزہ بیگم کو کیا ضرورت پڑی یہ چکر چلانے کی۔ اتنا کچھ خرچ کرنے کی........ مجھے تو کوئی اور ہی بات معلوم ہو

رہی ہے۔ اس میں کسی اور کا ہاتھ ہے۔ اسپتال والے ایسی کوئی دردسری نہیں پالتے ہیں۔"

"کوئی کیوں ہمارا خرچ اٹھانے لگا؟ آج کل تو کوئی مصیبت میں دس روپے بھی خرچ نہیں کرتا ہے۔" زیب النساء بولیں۔

"اس کا سراغ نرس سے مل سکتا ہے۔" اویس نے کہا۔ "ابھی نرس آنے والی ہے میں اس سے پوچھ لیتا ہوں' آپ فکر نہ کریں۔"

تھوڑی دیر کے بعد نرس آئی تو اویس نے اس سے پوچھا۔ "مس یاسمین! آپ یہ تو بتائیں کہ میرے علاج معالجے کے اخراجات کون برداشت کر رہا ہے؟"

"کیا واقعی آپ کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ اخراجات کون برداشت کر رہا ہے؟"

"اگر ہمارے علم میں ہوتا تو آپ سے دریافت کیوں کرتا؟" اویس نے لاعلمی ظاہر کی۔ "آپ بتادیں تو بڑی نوازش ہوگی۔"

"گو کہ مجھے اس کی اجازت نہیں ہے اور مجھے سختی سے اس بات کی ہدایت ہے کہ میں کسی حالت میں ان کا نام آپ لوگوں کو نہیں بتاؤں گی' آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ میرا نام نہیں لیں گے' اس صورت میں آپ کو ان کا نام بتا سکتی ہوں۔"

"میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کا نام نہیں آئے گا۔" اویس نے کہا۔ وہ دل میں حیران ہو رہا تھا کہ اس کا محسن اپنا نام اور شخصیت راز میں کیوں اور کس لئے رکھنا چاہتا ہے۔ آج کے دور میں تو کوئی ذرہ برابر احسان کرے تو ساری زندگی جتاتا رہتا ہے۔

"آپ کو اسپتال میں داخل کروانے اور علاج کے تمام اخراجات کرنے والے مسٹر ذیشان علی ہیں۔ وہی آپ کے محسن اور ہمدرد بھی ہیں۔"

"مسٹر ذیشان علی؟" اویس سوچ میں پڑ گیا۔ یہ نام اس کے لئے نیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی اس شخص کا نام نہیں سنا تھا اور نہ ہی اس سے ملا تھا۔ اس نے اپنے ذہن کے تمام گوشوں میں جھانک لیا تھا کسی کونے کھدرے میں اس شخص کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ وہ شخص جو کوئی بھی تھا وہ شاید اس کی شکل سے دھوکا کھا گیا تھا لیکن یہ بات سمجھ سے بالاتر تھی کہ وہ اپنی شخصیت کو سات پردوں میں کیوں چھپا رہا ہے۔

اس نے استعجاب آمیز لہجے میں کہا۔ "میں ان صاحب کی شناخت نہیں کر سکا ہوں' آپ ذرا تفصیل سے بتائیں کہ یہ کون بزرگ ہیں؟"



"مسٹر ذیشان علی کی کار سے ہی آپ کو یہ سنگین حادثہ پیش آیا تھا۔" نرس نے سرگوشی کے انداز میں جواب دیا جیسے در و دیوار ہمہ تن گوش ہوں۔ وہ کچھ زیادہ ہی محتاط تھی۔ "دراصل وہ اپنے ڈرائیور کی غلطی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں اور پھر اس کا کفارہ بھی ادا کر رہے ہیں۔ انہوں نے بڑی سختی سے ہمیں تاکید کی تھی کہ ان کا نام آپ پر ظاہر نہ ہو اور تقریباً روز ہی وہ ٹیلیفون پر آپ کی خیریت معلوم کر کے یہ کہتے رہتے ہیں کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے دیں اور نہ ہی علاج معالجے کی فیس کے لئے آپ سے ایک پیسہ بھی طلب کیا جائے۔"

"مسٹر ذیشان علی کیا کرتے ہیں؟ وہ کوئی اسمگلر ہیں یا کسی ریاست کے شہزادے ہیں جو انہوں نے میرے علاج پر پانی کی طرح پیسہ بہایا ہے۔"

"آپ تو ایک اہم سرکاری محکمے کے آدمی ہیں' کیا آپ انہیں نہیں جانتے ہیں؟ ان کا شمار ملک کے بڑے صنعت کاروں اور دولت مندوں میں ہوتا ہے۔"

ذیشان علی کی شخصیت کا ایک صنعت کار کی حیثیت سے تعارف ہوتے ہی اس کی نظروں میں ایک مقبول ترین برانڈ کا واٹر کولر ابھر آیا۔ بلاشبہ وہ ایک کروڑ پتی شخص تھے۔ ان کے نزدیک ڈیڑھ دو لاکھ روپے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے مگر اس شخص نے اس قدر خلوص اور گہرے جذبے کا اظہار کس لئے کیا؟ یہ سوال اس کے دل میں کسی زہریلے ڈنک کی طرح لگا۔ آخر کون سا جذبہ کارفرما ہو سکتا ہے؟ غلطی اس کی اپنی تھی یا کار ڈرائیور کی؟ مگر ذیشان علی نے اس کی زندگی پر ترس کس لئے کھایا؟ پولیس بھی تو اسے زخمی حالت میں پہنچا سکتی تھی۔

اویس کے دل میں جیسے ایک سنسناتا ہوا تیر آکر پیوست ہو گیا۔ آج سے ہی نہیں بلکہ اس حادثے والے روز سے جو اس کے دل میں دماغ میں اس طرح پیوست ہو گیا تھا وہ ابھی نکلا نہیں تھا۔ حادثے کے بعد جب اس کا ذہن سوچ کے قابل ہوا تھا اس نے تب بھی سوچا تھا اور آج بھی سوچ رہا تھا کہ آخر شگفتہ کا اس اعلیٰ گھرانے سے کیا تعلق تھا؟ وہ اس عورت اور اپنی ماں کے ہمراہ کہاں جا رہی تھی؟ کس لئے جا رہی تھی؟ آخر یہ کیا معما ہے؟ حادثہ سے ایک روز قبل شگفتہ اس فلیٹ میں دلہن بن کر اس کی راہ تک رہی تھی۔ منتظر تھی۔ جب وہ مقررہ وقت پر نہیں پہنچا تو وہ اسے وہاں دیکھ کر بھی چلی گئی جیسے وہ انتظار میں نہیں تھی۔ ایک فریب تھا اور پھر اپنے رشتہ دار سے جھوٹ کہہ کر گئی تھی کہ پشاور جا رہی ہے لیکن دوسرے ہی دن کار میں نظر آئی۔ کیا زندگی میں نشیب و فراز اس تیزی

سے آتے ہیں؟ کسی سنسنی خیز فلم اور جاسوسی کہانیوں کی طرح؟ وہ شائستہ کو شگفتہ کا اصل چہرہ دکھانا چاہتا تھا مگر شائستہ تو اس سے ملنے آئی تھی بھی تو ایسے وقت میں جب اس کی زبان اور جسم میں اتنی توانائی نہیں رہی تھی کہ وہ اسے سارا قصہ سنا سکے۔ اس نے کسی قدر صحت یاب ہونے کے بعد نجمہ سے خط لکھوا کر شائستہ کو بلوایا تھا مگر شائستہ نہیں آئی اور نہ ہی اس نے نجمہ کے خط کا جواب دیا تھا جیسے شائستہ کو خط نہ ملا ہو۔ اس نے خط میں کوئی تفصیل نہیں لکھوائی تھی۔ ویسے اس نے پھر خود سے ایک خط شائستہ کو لکھا تھا۔ خط کا انداز بڑا دوستانہ سا تھا۔ اس طرح کا خط لکھنا مناسب نہیں تھا کیونکہ وہ اس کے شوہر کو مشکوک کر سکتا تھا۔

اس کے دل و دماغ میں منفی خیالات کی یلغار ہو رہی تھی۔ وہ یہ سب سوچ سوچ کر پاگل سا ہوا جارہا تھا کہ شگفتہ کی ماں نے اب بلندی اور بلندی کی جانب دیکھنا شروع کیا ہے۔ وہ جیسے آسمان کی بلندیوں کو چھو لینا چاہتی ہو۔ اس کمینی عورت کے پاس بلندیوں پر پہنچنے کے لئے ایک ذریعہ تھا۔ وہ شگفتہ تھی۔ شگفتہ کا حسن و شباب اور دلکش سراپا بڑی آسانی سے ذیشان علی کو پاگل بنا سکتا تھا۔ شاید ہوا بھی ایسا ہی ہوگا۔ بے پناہ دولت کے مالک ایسے حسین چہروں اور شعلہ مجسموں کے پیچھے اپنی دولت پانی کی طرح بہانے سے دریغ نہیں کرتے ہیں' بخل نہیں کرتے ہیں اور شگفتہ تو لاکھوں میں ایک ہی تھی۔ ایسے بے مثل حسن کی دیویاں خال خال ہی دکھائی دیتی تھیں۔ شگفتہ جیسی پری پیکر کو دیکھ کر ذیشان کا ریشہ خطمی ہوجانا فطری امر تھا۔ افروزہ بیگم نے شاید اپنی بیٹی کا سودا ہی کیا ہوگا' اس لئے وہ اس گاڑی میں شگفتہ کے ساتھ جا رہی تھی۔ کار میں جو عورت بیٹھی تھی وہ ذیشان علی کی ماں یا بہن ہو سکتی تھی اگر ذیشان علی سے کوئی وابستگی یا سودا طے نہ ہوا ہوتا تو شگفتہ اسے دیکھ کر یوں سراسیمہ نہ ہوجاتی۔ اس کے چہرے کا رنگ نہ اُڑتا۔ پھر افروزہ بیگم بھی تو کیسی ہونق ہو کر رہ گئی تھیں۔ انہوں نے ڈرائیور سے جانے کیا کہا تھا کہ ڈرائیور نے کار کی رفتار ایک دم سے اور تیز کردی تھی جس کے نتیجے میں یہ حادثہ پیش آیا تھا۔

اویس دو دن کے بعد اسپتال سے رخصت ہو کر اپنے گھر آیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر صحت مند ہوگیا تھا اور اس کی توانائی بھی لوٹ آئی تھی مگر وہ ذہنی مریض ہو کر رہ گیا تھا۔ جسم پر جو زخم تھے وہ تو مندمل ہوچکے تھے مگر اس کے دل کے زخموں سے تو لہو رس رہا تھا۔ اگر شگفتہ کسی اور کی دسترس میں ہوتی تو وہ لمحے بھر کی بھی تاخیر نہ کرتا۔ وہ اس شخص کے در پر پہنچ کر اس کا گریبان پکڑ لیتا۔ ایسا کرنے میں وہ پوری طرح حق بجانب تھا۔ کیونکہ



شگفتہ اس کی بیوی تھی۔ وہ کوئی بکاؤ مال تو نہیں کہ جس کی مرضی میں آئے اسے خرید کر اپنی زندگی کی زینت بنالے۔ اس کے لئے ذیشان علی جیسے دولت مند سے ٹکر لینا آسان نہیں تھا اور پھر ذیشان علی اس کا محسن بھی تھا اس کی وجہ سے اسے نئی زندگی ملی تھی۔ وہ اس کی بدولت تو سانس لے رہا تھا۔ اگر ذیشان علی اس کی پروا نہیں کرتے اور پولیس اسے کسی سرکاری اسپتال لے جاتی تو اس کی کارروائی میں اتنی تاخیر ہوجاتی کہ وہ راستے میں ہی دم توڑ دیتا اور پھر کسی سرکاری اسپتال میں اسے فوری طور پر طبی امداد بھی نہیں ملتی۔ آج اس کی لاش قبر میں گل سڑ چکی ہوتی۔ ذیشان علی نے اسپتال کے اخراجات تک ہی دریا دلی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنی فیاضی کا ایک اور مظاہرہ کیا تھا جب وہ اسپتال سے گھر پہنچا تو ایک بالکل نیا اسکوٹر اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی موٹر سائیکل حادثے میں بالکل ناکارہ ہوچکی تھی۔ وہ کباڑیے کی دکان پر ہی بیچی جاسکتی تھی۔ وہ تو معجزانہ طور پر بچ گیا تھا ورنہ اس کا حشر بھی اس گاڑی سے مختلف نہ ہوتا۔

وہ اندھیرے میں تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ شگفتہ کی شادی ذیشان علی سے ہوگئی ہے یا منگنی ہوئی ہوگی؟ اسے ایک خیال اور بھی ستا رہا تھا کہ شگفتہ ذیشان علی کے ذریعے اسے اپنے احسانات سے زیربار کرنا چاہ رہی ہے تاکہ کل وہ اس کے آگے سر نہ اٹھا سکے اور اسے طلاق دینے پر مجبور ہوجائے۔ وہ اس خیال کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے گرد ایک حصار قائم کیا جارہا ہے جو روز بروز تنگ ہوتا جارہا ہے۔ وہ اس حصار کو توڑ کر نکلنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پا رہا تھا۔

اویس کئی دنوں سے ایک ذہنی کرب و اذیت ناک سوچوں کے عذاب میں مبتلا رہا تھا۔ ایک طرف تو وہ شائستہ کے بارے میں سوچتا تھا کہ کیوں نہ وہ اس سے راہ و رسم بڑھائے پھر اسے محبت میں تبدیل کردے پھر اسے مجبور کرے کہ وہ اپنے شوہر سے طلاق لے لے۔ اسے امید تھی کہ شائستہ اس کے لئے ٹپکے کا آم ثابت ہوگی لیکن جب اس کے اور نجمہ کے خط کا جواب نہ آیا تو وہ اس سے مایوس ہوگیا۔ شگفتہ کی تصویر دیکھ کر اس کے جذبات و احساسات بھڑک اٹھے تھے۔ شگفتہ کو وہ کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ شائستہ ذرا ٹیڑھی کھیر تھی پھر ایک روز اس کے ذہن میں ایسی تدبیر آئی جس پر عمل کرنے سے وہ ذہنی اذیت سے نجات پا سکتا تھا۔

اویس نے دل میں فیصلہ کیا تھا کہ وہ سب سے پہلے ذیشان سے جاکر ملاقات کرے گا۔ اس کے عظیم احسانات کا شکریہ ادا کرنے کے بہانے وہ باتوں ہی باتوں میں شگفتہ کے

بارے میں ٹوہ لے گا۔ اگر اس کمینی عورت نے کوئی نیا چکر چلایا ہوا ہو اور شگفتہ اب تک
ذیشان علی کی بیوی نہیں بنی ہے تو وہ بے کم وکاست ذیشان کو اصل حقیقت سے آگاہ
کردے گا۔ شگفتہ کو اپنی بیوی ثابت کرنے کے لئے اس کے پاس شادی کی تصویریں نہ
سہی نکاح نامہ کی ایک بھی کاپی نہ سہی اس کے پاس نہ قاضی صاحب کے پاس سہی، مگر کچھ
گواہ ہیں۔ قاضی صاحب گواہ ہوں گے اور پھر اس سچائی کو شگفتہ اور اس کی ماں بھی جھٹلا
نہیں سکتی ہیں۔ انہوں نے اقرار نہیں کیا تو وہ اس سے قرآن پر حلف لے گا۔ شائستہ بھی
اس کے لئے بڑی مددگار ثابت ہوسکتی ہے......... اگر پھر بھی ذیشان علی راہ راست پر
نہیں آئے تو وہ کسی اخبار میں ان کے خلاف اسکینڈل کھڑا کرکے بدنام اور بلیک میل کرے
گا۔ ہر دولت مند اور کاروباری آدمی اسکینڈل سے گھبراتا ہے۔

دوسرے ہی دن اویس حوصلہ کرکے بڑے مضبوط ارادوں کے ساتھ گھر سے نکلا اور
ذیشان علی کے دفتر پہنچا۔ وہ دفتر کے اندر قدم رکھ کر مرعوب سا ہوگیا تھا۔ دفتر کی شان و
شوکت اور ماحول نے اس پر شاہی دربار جیسا دبدبہ طاری کر دیا تھا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا
کہ ذیشان علی بڑا نفاست پسند اور باذوق شخص ہے۔ اسے ایک اور چیز نے ذیشان علی کی
فطری کمزوری اور رنگین مزاجی کا احساس دلایا تھا۔ اسٹاف میں مردوں کے مقابلے میں
نوجوان لڑکیاں اکثریت میں تھیں۔ جتنی لڑکیاں تھیں وہ نہ صرف طرح دار اور حسین
تھیں بلکہ شوخ و شنگ بھی لگ رہی تھیں۔ ان کے لباس بھڑکیلے اور چست تھے جس سے
ان کا حسن و شباب اور نمایاں ہورہا تھا۔ ان کا انتخاب کرتے وقت ان کے حسن و جمال کو
بھی مدِ نظر رکھا گیا تھا۔ فضا طرح طرح کی خوشبوؤں سے مہک رہی تھی۔ ان حسین اور
جوان اور پُرشباب لڑکیوں کے باعث دفتر کا ماحول بڑا رنگین اور خواب ناک سا ہوگیا تھا۔
جب ہی اس حسن پرست شخص نے شگفتہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس نے شاید شگفتہ کو دفتر کی
زینت بنانے کے بجائے گھر کی زینت بنانے کے لئے انتخاب کیا ہوا تھا۔ اس نے شاید ہی
کسی دفتر میں ساری کی ساری حسین عورتیں دیکھی تھیں۔

اویس کے قدم اس راہ پر جیسے ڈگمگائے اور اس کے ارادے متزلزل ہونے لگے۔
اس نے سوچا کہ الٹے قدموں لوٹ جائے۔ وہ ایک چیونٹی بن کر ہاتھی کے سامنے جارہا
تھا۔ ذیشان علی کا قد اس سے اتنا اونچا محسوس ہورہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بونا محسوس کر رہا
تھا۔ وہ کراچی شہر میں رہتا تھا اسے خبر تھی کہ کراچی شہر میں ایک دولت مند کس قدر
طاقتور' بارسوخ اور بااثر ہوتا ہے۔ وہ واپس جانے کے لئے سوچ رہا تھا کہ استقبالیہ کاؤنٹر پر



بیٹھی ہوئی لڑکی نے اسے مخمور نگاہوں سے اس طرح دیکھا تھا جیسے اس کی شخصیت نے
لڑکی کو مسحور کرلیا ہو۔ آخر کیوں نہ ہو مردانہ وجاہت کا نمونہ جو تھا۔ لڑکی نے کھنکتی ہوئی
آواز میں پوچھا۔ ”آپ کو کس سے ملنا ہے؟“

کچھ دیر کے بعد اس نے ذیشان علی کے کمرے میں جوں ہی قدم رکھا تو اس کی
آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ کمرہ کیا تھا جنت کا کوئی گوشہ۔ اس نے کبھی
کوئی دفتر ایسا آراستہ و پیراستہ نہیں دیکھا تھا۔ اسے ایسے لگا جیسے وہ کسی طلسم کدے میں
آگیا ہو۔

جیسے ہی اس کی نظر ذیشان علی پر پڑی وہ چونک گیا۔ وہ کوئی بے حد جوان شخص نہیں
تھا۔ اس کی عمر کسی بھی طرح پچاس پچپن برس سے کم کی دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن
اس کی صحت جوانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ قابل رشک تھی۔ وہ بڑا اسمارٹ اور
پُروقار لگ رہا تھا اور وہ اس وقت ایک فائل دیکھنے میں منہمک تھا۔ اویس جیسے جیسے اس
کی میز کے قریب ہوتا جارہا تھا' ویسے ویسے اس کا وجود ریزہ ریزہ ہوا جارہا تھا۔ جس وقت
وہ میز کے پاس پہنچ کر رکا تو ذیشان علی نے یک لخت اپنا سر اوپر اٹھایا اور فائل بند کرکے میز
پر رکھی اور اٹھ کھڑا ہوا جس کی اسے توقع نہ تھی۔ ذیشان علی نے اس سے بڑی گرمجوشی
سے مصافحہ کیا۔ اویس نے محسوس کیا کہ وہ بڑا بااخلاق اور ملنسار شخص ہے۔

”نئی زندگی اور صحت یابی مبارک ہو مسٹر اویس۔“ وہ خوش دلی سے بولا اور اس
نے ملاقاتیوں کے لئے رکھی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو ذیشان علی
نے بھی اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”آخر اسپتال والوں کے پیٹ میں میری بات نہ رہ
سکی۔ میرا راز افشا کر دیا۔ یہ لوگ بھی عجیب وغریب شے ہیں۔ سچ پوچھئے تو ان لوگوں نے
آپ کی نظروں میں مجھے ایک طرح سے گرا دیا ہے۔“

”نہیں سر!“ اویس کو ذیشان کی باتوں میں تصنع محسوس ہوا اس کے دل میں نفرت کی
سی لہر اٹھی۔ اس نے بظاہر خوش دلی سے جواب دیا تھا مگر اسے اپنی آواز کھوکھلی سی محسوس
ہورہی تھی۔ ”میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کی نوازشات اور احسانات کا شکریہ
ادا کرسکوں۔ آپ ہی کی وجہ سے مجھے ایک نئی زندگی ملی ہے اور آپ میری نظروں میں
بہت ہی عظیم شخص بن گئے ہیں۔“

”اس میں شکریے کی کیا بات ہے؟“ ذیشان علی نے کہا۔ ”رہی احسان اور نوازشات
کی بات......... میں نے کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اگر میں ایسا نہ

کرتا تو میرے ڈرائیور کی حماقت سے ایک زندگی اجڑ جاتی۔ ایسا ہوتا تو شاید میں کبھی اپنے آپ کو معاف نہ کرتا۔"

"کیا آپ نے مجھے اسپتال پہنچایا تھا؟" اویس نے حیرت سے پوچھا۔ "مگر آپ اس گاڑی میں نہ تھے جس میں صرف خواتین تھیں۔"

"بعض اوقات ایسے عجیب وغریب اتفاقات پیش آتے ہیں کہ آدمی سوچ کر حیران رہ جاتا ہے۔" ذیشان علی نے جواب دیا۔ "اس روز اس جگہ میری گاڑی خراب ہوگئی تھی جہاں حادثہ پیش آیا تھا۔ اس وقت میرے پاس دو تین سو روپے سے زیادہ بھی نہ تھے۔ میں نے جب دیکھا کہ میری بیوی کی گاڑی کی وجہ سے حادثہ پیش آگیا ہے اور سراسر ڈرائیور کی غلطی ہے تو مجھے ڈرائیور پر سخت غصہ آیا۔ اتفاق سے حادثے کی جگہ میں اکیلا کھڑا ہوا تھا۔ آپ گر کر بے ہوش اور شدید زخمی ہوگئے تھے کیونکہ سڑک کے کنارے کچے میں پتھر وغیرہ پڑے ہوئے تھے۔ آپ کا بٹوہ بھی معلوم نہیں کیسے جیب سے نکل پڑا تھا۔ میں نے بٹوا فوراً قبضے میں کیا۔ کیونکہ پولیس سب سے پہلے بٹوہ نکالتی ہے پھر اپنی کارروائی کرتی ہے۔ میں نے موبائل ٹیلیفون پر ایدھی والوں سے رابطہ قائم کیا اور قریب ترین اسپتال پہنچا۔ آپ کے بٹوے میں سے رقم نکال کر ڈپازٹ کروائی تاکہ اسپتال والے کارروائی کریں۔ آپ کو فوری طبی امداد فراہم کریں۔ بغیر پیسے کے ڈاکٹر مرتے ہوئے مریض کو بچانے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔ آج کل ڈاکٹر ایک یہودی بنئے کی طرح ہوگئے ہیں۔ انتہائی کمرشل خودغرض اور سنگ دل ہوگئے ہیں۔"

"آپ نے قدم قدم پر مجھ پر احسان کئے ہیں۔ میں کس کس کا شکریہ ادا کروں۔ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ شکریہ ادا کرسکوں۔"

"اچھا اب آپ اس موضوع پر بات کرکے مجھے شرمندہ نہ کریں۔ یہ بتائیں کہ آپ چائے پئیں گے کہ ٹھنڈا؟"

اویس کو پیاس تو لگ رہی تھی۔ پھر بھی اس نے تکلف سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نے مجھے شرفِ ملاقات بخشا۔ اپنا قیمتی وقت دیا۔ میں بہت شرمندہ ہوں کہ میں نے آپ کو کام کے وقت آکر ڈسٹرب کیا.......... آئی ایم سوری۔"

"کچھ تو پی لیں۔ اس بہانے میں بھی پی لوں گا۔ میرے خیال میں موسم کے لحاظ سے کچھ پی لیا جائے۔ میں فریش لیمن جوس منگوا لیتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "آپ مجھے اپنا



سمجھیں۔ آپ کا جب اور جس وقت دل کرے مجھ سے ملنے کے لئے آسکتے ہیں۔ میری مصروفیت کا کچھ خیال مت کیجئے۔ یہ تو روز کا معمول ہے۔"

ذیشان علی نے انٹرکام پر لیمن جوس کا آرڈر دیا اور ذیشان علی کا یہ جملہ کہ.......... آپ مجھے اپنا سمجھیں.......... ہتھوڑے کی ضرب کی طرح اس کے ذہن پر لگا۔ اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے اپنے دل میں بڑی نفرت اور حقارت سے ذیشان علی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ذیشان علی! میں تمہیں اپنا کیسے سمجھ سکتا ہوں؟ تم تو ایک زہریلے سانپ ہو جو مجھے ڈس لینا چاہتے ہو۔ تم تو میری راہ کی دیوار بن گئے ہو۔ مگر تم بھی اندھیرے میں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ساتھ کیا گھناؤنا کھیل کھیلا جارہا تھا۔" ذیشان علی نے ٹھنڈے مشروب کا آرڈر دینے کے بعد اس سے کہا۔ "اگر اس روز کار میں شگفتہ نہیں ہوتی تو پھر.........."

ذیشان علی کو اپنی بات ادھوری چھوڑنا پڑی کیونکہ دفعتاً ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تھی۔ اس نے اویس سے معذرت کرکے ریسیور اٹھایا پھر وہ ٹیلیفون پر کسی سے کاروباری باتیں کرنے لگا۔ اس نے جس انداز سے شگفتہ کا نام لیا تھا اس نے اویس کو اندر ہی اندر کھولا دیا تھا۔ اس کے سینے میں نفرت کی لہر اٹھی۔ ذیشان علی نے جلد ہی ٹیلی فون کا سلسلہ منقطع کردیا تھا۔ پھر وہ کریڈل پر ریسیور رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ دروازے پر ہلکی اور مخصوص انداز سے دستک ہوئی۔ ذیشان علی نے دروازے کی طرف دیکھا تو اس نے غیرارادی طور پر اس سمت دیکھا۔ دروازہ کھلا ایک بہت ہی حسین اور نوجوان لڑکی کا سراپا ابھرا۔ اس کے خیالات منتشر ہونے لگے۔ اس کے لبوں پر ایک میلی سی مسکراہٹ ابھر کے گم ہوگئی۔ اس لڑکی کا سراپا اس کی آنکھوں میں جذب ہونے لگا۔ وہ ٹرے میں فریش لیمن جوس لے کر آئی تھی۔ لڑکی نے میز کے پاس پہنچ کر اسے دل فریب مسکراہٹ سے سلام کیا اور ٹرے آگے کی تو حسن کی کرشمہ سازیاں کچھ اور واضح ہوگئی تھیں۔

پھر اس نے ذیشان علی کے سامنے میز پر جوس کا گلاس رکھ دیا۔ جس طرح آئی تھی اسی طرح چلی گئی۔ اس کے دل میں یہ شک وشبہ جڑ پکڑ رہا تھا کہ ذیشان علی رنگین مزاج واقع ہوا ہے۔ حسین لڑکیوں کو ہی اس نے ہر کام کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ پھر اس نے سوچا' اس میں اور ذیشان علی میں کوئی فرق بھی نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی میدان کے کھلاڑی ہیں۔ جس وقت وہ لیمن جوس کا ترش گھونٹ حلق سے اتار رہا تھا تب ذیشان علی

نے اس سے نگاہیں ملاتے اور اپنی پشت کرسی سے ٹکاتے ہوئے تعریفی لہجے میں کہا۔ "یہ شگفتہ کتنی حسین اور پیاری لڑکی ہے۔ ویری سویٹ۔" اس نے اپنا جملہ مکمل کرکے گلاس منہ سے لگایا۔

اویس کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے جوس میں زہر ملا ہوا ہے۔ اس نے جوس کا ایک گھونٹ حلق میں اتارنے کے بعد اپنی بات جاری رکھی۔

"میں نے اپنی زندگی میں کبھی شگفتہ جیسی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔ قدرت نے اسے نہ صرف ظاہری حسن سے نوازا ہے بلکہ باطنی حسن سے بھی سرفراز کیا ہے۔ اس کی سیرت بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے اس کے ذہن' سوچ' صلاحیت اور قابلیت کی تعریف کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے ہیں۔ گو قدرت نے اسے معمولی گھرانے میں پیدا کیا ہے لیکن وہ ایک شہزادی کی طرح ہے جس کا ذکر قصہ کہانیوں میں ہوتا ہے۔ قدرت نے جیسے اسے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔

"سچ پوچھئے تو شگفتہ نے مجھ پر ایک طرح سے جادو کرکے رکھ دیا ہے۔ میں ہر اس شخص سے جو کسی نہ کسی طرح شگفتہ کو جانتا ہے اس سے ایک بار ملا یا کہیں دیکھا ہو اس کے سامنے شگفتہ کی تعریف کرنے پر مجبور ہوجاتا ہوں۔ جی تو یہ چاہتا ہے کہ اس کی باتیں کرتا رہوں۔ خوب تعریفیں کروں۔"

ذیشان علی جیسے جلتی پر تیل چھڑک رہا تھا۔ اس کے زخموں پر نمک پاشی کر رہا تھا۔ اس کے منہ سے اس انداز سے شگفتہ کے حسن وجمال اور سیرت کی تعریفیں سن کر اویس کا اندرونی اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان تعریفوں کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما ہے۔ کیا ذیشان علی دانستہ اس لئے تعریفیں کر رہا ہے کہ وہ جل کر رہ جائے؟ وہ شگفتہ کو کیا پانے والا تھا کہ ابھی سے اس کا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ وہ متکبرانہ اور فاتحانہ باتیں کرکے شاید یہ جتا رہا تھا کہ شگفتہ اب اس کی ہے۔

ادھر اویس کے دل میں جیسے کرچیاں چبھ رہی تھیں۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ ان باتوں میں کوئی بات ضرور پوشیدہ ہے۔ اس کا ایک انجانے شخص کی طرح مدد کرنا اور اسپتال کے تمام اخراجات اٹھانا کیا معنی رکھتا ہے؟ وہ کیوں اسے جلائے جارہا ہے؟ اویس کو خاموش پاکر ذیشان علی نے کہا۔ "اگر آپ کسی کو پرکھنا چاہتے ہیں تو اسے بدترین حالات میں آزمایئے۔"

اویس اس کی بات نہیں سمجھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے ذیشان علی کی طرف دیکھا



تو اس نے میز پر دونوں کہنیاں ٹیک دیں۔ "اس حادثے والے روز میں شگفتہ کی ذات کی تہہ میں پہنچا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ شگفتہ اس قدر عظیم ہے.......... اتنی اونچی ہے.......... اس روز میری زندگی میں شادی کے موقع پر ایسا اتفاق اور تجربہ ہوا تھا۔ آدمی کی پہچان ایسے ہی موقع پر کی جاتی ہے۔"

"شادی؟" اویس اپنی جگہ سے اچھل پڑا اس کے دل کے نہاں خانوں میں ایک چھناکا سا ہوا۔ اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔ اس نے بدحواس ہوکر دل میں سوچا۔ کیا اسی روز شگفتہ کی شادی ذیشان علی سے ہورہی تھی اور یہ شادی ہوگئی؟

"جی ہاں شادی!" ذیشان علی نے سرہلایا اور مسکرا دیا۔ اسے ذیشان علی کی یہ مسکراہٹ بڑی زہر لگی تھی۔ اس کے دل کو کسی خنجر کی طرح کاٹ گئی تھی۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آپ حادثے کے بعد بہت ساری پچھلی باتیں بھول گئے ہیں۔ کیا آپ کو حادثے کے دن کی تاریخ یاد ہے؟"

اویس کا وجود تو اندر سے ریزہ ریزہ ہورہا تھا۔ اس کے وجود کو ذیشان علی کی باتیں بڑی بے رحمی سے کاٹ رہی تھیں۔ ذیشان علی کسی بے رحم قاتل اور خوں آشام بھیڑیئے کی طرح اس کی لاش کو جیسے روند رہا تھا۔ پامال کررہا تھا اس کی قوتِ برداشت جواب دیتی جارہی تھی۔ اس نے جوس کا گلاس میز پر رکھ دیا۔ اس نے چاہا کہ اٹھ کر کھڑا ہوجائے مگر اسے ایسا لگا جیسے اس کی طاقت سلب کرلی گئی ہو۔

"۲۵ مارچ!" ذیشان علی کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا تھا۔ "میں اپنی زندگی کے اس یادگار اور بہت اہم دن کو کیسے اور کیوں کر فراموش کر سکتا ہوں جس نے میرے دامن میں خوشیاں ہی خوشیاں بھردی ہیں۔ اس روز میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری ہو رہی تھی۔ مگر وہ دن آپ کے لئے کس قدر منحوس ثابت ہوا تھا۔ قدرت کے بھی کیسے عجیب وغریب کھیل ہوتے ہیں۔ کہیں غم' کہیں خوشی.......... میں نے چاہا بھی تھا کہ اس روز میں شادی کی تقریب ملتوی کردوں مگر شگفتہ نے میری ایک نہ سنی۔ وہ مصر رہی کہ شادی کی تقریب ملتوی نہ کی جائے۔ آخر اس نے اپنی ضد پوری کرکے دکھائی۔ آخر کار شادی کی تقریب بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ مجھے اسی روز اس بات کا احساس ہوا کہ شگفتہ کا جگر کتنا بڑا ہے۔ وہ کیسی مضبوط اعصاب کی ہے۔ کتنی حوصلہ مند ہے۔"

اویس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے جسم پر ہزاروں گاڑیاں اسے کچلتی' روندتی اور اس پر سے دندناتی ہوئی گزری جارہی

ہوں۔ وہ خون میں لت پت سڑک پر پڑا ہوا ہے۔ اس کے چہرے کی زردی سفیدی میں بدلتی جارہی تھی۔ جیسے ایک ایک قطرہ نچوڑا جارہا ہو۔ اسے اپنی اس کیفیت پر قابو پانا بہت دشوار سا لگ رہا تھا۔

ذیشان علی اس کی یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا سا گیا۔ اس نے سراسیمگی سے پوچھا۔ ”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟ کہئے تو میں کسی ڈاکٹر کو یہیں بلالوں یا پھر کسی اچھے اور قریبی کلینک میں لے جاکر ڈاکٹر کو دکھادوں؟ لگتا ہے آپ پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئے ہیں؟“

”جی! جی!“ اویس نے جلد ہی خود کو کسی حد تک سنبھال لیا پھر اس نے ذیشان علی کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے یہ تاثر دیا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے اندر کی ہر چیز مردہ ہوگئی تھی۔ مسکراہٹ بھی اس کے بس میں نہیں رہی تھی۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ یہاں سے کسی طرح سے ابھی اور اسی وقت نکل کر چلا جائے مگر اس کی حالت اندر سے بڑی غیر ہو رہی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ اٹھ بھی تو نہیں سکتا ہے۔ اسے کوئی سہارا دے کر اٹھائے تو ہی وہ اٹھ کر کھڑا ہوسکے گا۔ اس میں جان ہی نہیں رہی۔

”آپ ادھر اسپتال میں موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ ادھر شگفتہ اپنے حسین خوابوں کی تعبیر دیکھ رہی تھی۔ اپنی منزل مراد پا رہی تھی۔“

ذیشان علی کا ایک ایک لفظ اس کے زخموں پر نمک پاشی کر رہا تھا۔ ”شگفتہ نے جس ضبط و تحمل کا ثبوت دیا تھا اس کی جگہ میں ہوتا تو شاید ایسا نہیں کرسکتا.......... جب کہ میں ایک بزنس مین ہوں۔ بزنس مین میں جو صبر و ضبط اور تحمل ہوتا ہے وہ عام آدمی میں نہیں ہوتا۔“

اویس نے اپنے سائیں سائیں کرتے ہوئے دماغ کو سنبھالا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی استہزائیہ لہجے میں بولا۔ ”ہر شخص اپنی خوشیوں میں اندھا اور خود غرض ہوجاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے.......... میں بھی ایسے کئی امتحانوں سے گزر چکا ہوں۔“

”آپ سچ کہہ رہے ہیں۔“ ذیشان علی نے سر ہلاتے ہوئے تائیدی لہجے میں کہا۔ ”میں تو اپنی خوشیوں میں اس قدر اندھا اور خود غرض ہوچکا تھا کہ اس کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا تھا کہ میں نے کیسی گری ہوئی حرکت کی۔ کیا آپ کے نزدیک یہ بڑی بات نہیں ہے کہ ایک عورت پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو‘ وہ اپنی بات‘ وعدہ اور دوستی نبھانے کے لئے کسی کی بے پناہ مسرتوں میں شریک ہونے کے لئے اپنے ہی ہاتھوں اپنے ہی جذبات و



احساسات کا گلا گھونٹ دے۔ شگفتہ نے جو کچھ بھی کیا تھا وہ اپنی مثال آپ تھا۔“

”شگفتہ نے کیا کیا؟“ اویس کا منہ حقارت سے بن گیا۔ اسے ذیشان علی کا پہیلیاں بجھوانا گراں گزر رہا تھا۔ ”یہی نا کہ اس نے..........“

ذیشان علی کی میز پر رکھا ہوا ٹیلی فون بج اٹھا تھا۔ وہ گھنٹی بجنے کی وجہ سے اپنی بات پوری نہ کرسکا تھا۔ ذیشان علی نے پھر ایک بار اس سے معذرت کی۔ چند لمحوں تک وہ ٹیلی فون پر بات کرنے کے بعد ریسیور رکھ کر اس سے کہنے لگا۔ ”آپ شگفتہ کے اس عظیم جذبے کو سراہنے کے بجائے اسے نفرت کی نگاہ سے اس لئے دیکھ رہے ہیں کہ آپ شاید سرے سے ہی کوئی جذبہ محسوس نہیں کرسکتے ہیں۔ شاید آپ کو پوری طرح احساس اس لئے نہیں ہورہا ہے کہ وہ میری بیٹی فرح ناز کی بچپن کی سہیلی ہے۔ اس نے فرح سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کی شادی کے موقع پر اسے اپنے ہاتھوں سے دلہن بنائے گی‘ سنوارے گی۔ شگفتہ کی یہ سب سے بڑی آرزو تھی۔ اسی لئے تو اس نے ایسے نازک وقت اپنا وعدہ پورا کیا.......... ایک ایسے موڑ پر کہ اسے اپنے سہاگ کے بچنے کی ذرا سی بھی امید نہیں رہی تھی۔ کیا شگفتہ کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ اپنے سینے پر ضبط کی اتنی بڑی سل رکھ سکتی تھی؟ آپ کیسے شوہر ہیں جو ایسے نایاب اور انمول ہیرے کی اس طرح ناقدری کررہے ہیں؟ کیا ایسی مثال آپ کے دور میں مل سکتی ہے؟“

”جی.......... جی..........“ اویس حیرت اور خوشی سے جیسے بوکھلا سا گیا۔ اسے جیسے گھپ اندھیرے سے نکال کر روشنی میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اسے جیسے گم گشتہ جنت مل گئی تھی۔ اس کے من کے تمام گوشوں میں جیسے خوشی کے نغمے گونجنے لگے تھے۔ اس میں شگفتہ کا نام شامل تھا۔ اسے یقین نہیں آیا تھا کہ شگفتہ نے اسے اپنے شوہر کی حیثیت سے ذیشان علی سے متعارف کرایا ہوا ہے۔ وہ آج اب بھی شوہر کی حیثیت سے ہی ہے۔

”ناقدری کی بات نہیں ہے سر!“ اویس نے سرشاری کے لہجے میں کہا۔ ”کوئی ایسی بیوی کی ناقدری بھی کرسکتا ہے جو لاکھوں میں ایک ہو۔“ ذیشان علی نے اس کے چہرے پر جو یک لخت خوشی پھوٹتی دیکھی تو وہ اسے سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔ اسے اس اچانک تغیر پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ پھر وہ یہی سمجھ سکا کہ اویس نے بات بنانے کی کوشش کی ہے۔

”اصل بات یہ ہے کہ شگفتہ نے مجھے کبھی یہ بات بتائی نہیں تھی کہ فرح ناز اس کی اس قدر عزیز سہیلی ہے۔ ورنہ میں شگفتہ..........“

ذیشان علی نے درمیان میں سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "مسٹر اویس! شگفتہ نے تو مجھے آپ کے بارے میں کچھ اور ہی بتایا تھا۔"

اویس' ذیشان کی بات سن کر مطلق نہیں گھبرایا۔ اس نے خود کو قابو میں رکھتے ہوئے پوچھا۔ "شگفتہ نے آپ کو میرے بارے میں کیا بتایا تھا؟" اگلے لمحے دل میں پریشان سا ہوگیا کہ اس کے بارے میں ماں بیٹی نے کون سی کہانی گھڑ کے ذیشان علی کو سنائی ہوگی۔

"مجھے فرخ ناز نے بتایا تھا کہ آپ حادثے سے کچھ دن پہلے میری بیٹی شگفتہ سے کسی بات پر سخت ناراض ہوگئے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ آپ اپنی اس شیشے جیسی بیوی سے ناراض ہوگئے۔ وہ ایسی ہرگز نہیں ہے کہ کسی بات پر اس سے ناراض ہوا جائے۔"

اویس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ اس نام نہاد ناراضگی کے بارے میں کیا عذر پیش کرے۔ ذیشان علی نے اس ناراضگی کا کوئی سبب بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ کوئی گول مول سی تاویل پیش کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ذیشان علی ٹیلیفون کی طرف متوجہ ہوا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے سوچا ذیشان علی جیسے ہی ٹیلی فون پر بات کرکے فارغ ہوگا وہ اجازت لے کر رخصت ہوجائے گا۔ کیونکہ اب ہر بات صاف ہوگئی تھی۔ شک و شبہات کے بادل چھٹ گئے تھے۔ آسمان صاف ہوگیا تھا۔

وہ ذیشان علی کی گفتگو سننے لگا۔ وہ ٹیلی فون پر کہہ رہا تھا۔ "نہیں بیٹی! اس میں احسان اور شکریے کی کیا بات ہے؟ کیا میں تمہاری خاطر اتنا بھی نہیں کرسکتا ہوں؟ میں تمہارے لئے کیا کچھ کرنا چاہتا ہوں لیکن تم ہو کہ مانتی ہی نہیں ہو۔ میری سنتی ہی نہیں ہو.........."

دوسری جانب سے کچھ کہا جارہا تھا جسے سن کر ذیشان علی مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے جواب میں کہا۔ "میں کل ہی جاکر ان اسپتال والوں کی ایسی خبرلوں گا کہ وہ بھی کیا یاد کریں گے۔ میں نے ان لوگوں سے رازداری کا وعدہ لیا تھا مگرانہوں نے وعدہ خلافی کی۔ اگر تم نے احسان اور شکریہ کا لفظ بھی زبان سے نکالا تو میں تم سے ناراض ہوجاؤں گا۔ میں نے تمہیں ہمیشہ فرح کی طرح سمجھا.......... آج بھی سمجھتا ہوں۔"

دوسری طرف سے معلوم نہیں اس لڑکی نے کیا کہا تھا۔ ذیشان علی نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا۔ پھر وہ ایک دم سے چونک پڑا تھا۔

ذیشان علی نے ماؤتھ پیس پر اپنا ہاتھ رکھ کر اور اپنا منہ ہٹا کر اس سے سرگوشی میں آہستگی سے کہا۔ "شگفتہ کا ٹیلی فون ہے۔ وہ بھی اپنی طرف سے شکریہ ادا کر رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ دونوں نے مل کر پہلے ہی شکریہ ادا کرنے کی سازش کی ہوئی تھی۔ اگر



میں اس سازش کی ذرا سی بھی بو سونگھ لیتا تو آپ کو میں اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا اور شگفتہ سے ٹیلی فون پر بات بھی نہیں کرتا.........."

"شگفتہ کا ٹیلی فون ہے؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔ وہ حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ اور پھر اسے حدِ آداب کا کچھ خیال آگیا ورنہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ذیشان علی کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹ لیتا۔ وہ اپنی جگہ کسی قدر بے بس اور بے چین سا ہوکر ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے سنتا رہا تھا۔ ذیشان علی نے اس کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے اشارے سے دریافت کیا۔ "کیا آپ بھی بات کرنا چاہتے ہیں؟"

اویس نے فوراً ہی اپنا سر اثبات میں ہلایا۔ دل میں کہا۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ وہ اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتا تھا۔

ذیشان علی نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے شگفتہ سے کہا۔ "سنو بیٹی! اتفاق سے اس وقت تمہارے شوہر مسٹر اویس بھی میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ بھی شکریہ ادا کرنے آئے تھے.......... کیا اچھا ہوتا تم دونوں ساتھ ہی آجاتے تو دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھا لیتے.......... تم ایسا کرو مسٹر اویس سے بات کرکے پروگرام طے کرلو.......... آج میری طرف سے مسٹر اویس کی صحت یابی کی خوشی میں ایک چھوٹی سی دعوت.........."

ذیشان علی نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا تو اس کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہو رہی تھیں اور ہاتھ جیسے خوشی سے کانپ رہے تھے۔ اس نے ریسیور ذیشان علی کے ہاتھ سے لے کر کان سے لگاکر ہیلو.......... ہیلو کہا تو شدت جذبات سے اس کی آواز بھرا سی گئی۔

"اویس صاحب!" شگفتہ کی آواز سات سُر بن کر اس کے دل میں اتر گئی۔ "آپ کیسے ہیں..........؟" پھر اس نے کھٹ کی سی آواز سنی جیسے شگفتہ نے دانستہ گفتگو کا سلسلہ منقطع کرنے کے لئے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ وہ کریڈل پر ہاتھ مار مار کر ہیلو کہنے لگا۔ دوسری طرف سکوت سا تھا۔

"کیا لائن کٹ گئی ہے؟" ذیشان علی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کان سے لگا کر سنا اور پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ "لائن کٹ گئی ہے۔"

"آپ دونوں کسی دن ٹیلی فون کرکے میرے گھر پر آجائیں.......... پھر ہم تینوں باہر چل کر ڈنر کریں گے۔ پھر ساحل سمندر پر چلیں گے۔ چاندنی رات میں پروگرام بنائیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ فرح بیٹی جیسے ہی ہنی مون سے واپس آئے گی تو پھر میں آپ دونوں کو

ایک شاندار پارٹی دوں گا۔"

اویس کے دل میں جو امید کی شمع روشن ہوئی تھی وہ فرح کی غیر موجودگی کی خبر سن کر بجھ گئی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کے دن شام کے وقت فرح ناز سے مل کر شگفتہ سے رابطہ قائم کرے گا۔ مگر وہ تو ہنی مون منانے گئی ہوئی تھی۔ شاید یورپ وغیرہ گئی ہوئی تھی۔ جب ہی وہ ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔

"اچھا اب مجھے اجازت دیں۔" اویس رخصت ہونے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں نے آپ کا بڑا قیمتی وقت لیا پھر ایک بار آپ کا شکریہ۔"

اویس ذیشان علی کے دفتر سے گھر جاتے ہوئے ایک طرف بہت خوش تھا کہ شگفتہ اسے اپنا شوہر اور اس کی ماں اسے اپنا داماد تسلیم کر رہی ہے۔ ابھی رشتہ ناتا ٹوٹا نہیں ہے۔ شگفتہ نے اسے کتنے محبت بھرے لہجے میں مخاطب کیا تھا۔ دوسری جانب اسے اس بات کا صدمہ تھا کہ شگفتہ نے اس سے بات کرنے سے انکار کیوں کر دیا تھا؟ کہیں شگفتہ کی خبیث ماں اس کے سر پر مسلط تو نہیں تھی؟ اس بات کا امکان تھا۔ شاید اس ذلیل عورت نے شگفتہ کی زبان سے میرا نام سنتے ہی ریسیور چھین کر رکھ دیا ہوگا۔ اس لئے لائن کٹ گئی تھی۔

اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ ساری دولت ہڑپ کرنے کے بعد بھی اسے تگنی کا ناچ کیوں نچایا جا رہا ہے؟ کاش! افروزہ بیگم اسے کہیں صرف ایک بار تو مل جائے.......... وہ اسے اس قدر ذلیل کرے گا وہ اس دن کو کبھی بھی بھول نہ سکے گی..........

☆======☆======☆



وہ دوسرے دن سے شگفتہ کی تلاش میں پھر سے سرگرداں ہو گیا تھا۔ اسے ایک روز بوہری بازار میں ثمرین نظر آ گئی۔ ثمرین کو دیکھتے ہی اسے یاد آیا کہ وہ اس حادثے سے ایک گھنٹہ پہلے ملی تھی اور اسی دن رات کے وقت فلیٹ پر ملنا طے پایا تھا۔ اس نے یہ پروگرام اس لئے ترتیب دیا تھا کہ اسے ثمرین کی باتوں سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ شگفتہ کا پتا جانتی ہے۔ اس نے اسی روز یہ سوچا تھا کہ وہ ثمرین کو بہلا پھسلا کر غیر محسوس انداز سے، مکرو فریب اور محبت کا جال بچھا کر شگفتہ کا پتا معلوم کر لے گا۔ وہ ثمرین کی کمزوری سے واقف تھا کہ محبت کی بھوکی ہے۔ وہ جھوٹی محبت جتا کر' سبز باغ دکھا کر اسے بے وقوف بنا سکتا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا سکوٹر ثمرین کے پاس لے جا کر روک دیا۔

ثمرین نے اویس کو اپنی نظروں کے روبہ رو پایا تو اسے ایسا لگا کہ وہ کوئی سندر سپنا دیکھ رہی ہے۔ وہ فرط خوشی سے کسی پھول کی طرح کِھل اٹھی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے اس کی خوشی پر جیسے اوس پڑ گئی تھی وہ سمجھ گئی تھی کہ اویس اس سے اپنی غرض اور مطلب براری کے لئے مل رہا ہے۔ ثمرین کو اس روز والی بات یاد آ گئی تھی۔ اگر اس روز حادثہ پیش نہ آیا ہوتا تو وہ فلیٹ میں ملنے والے تھے۔ اویس نے اسے فلیٹ پر رات نو بجے بلایا تھا تاکہ رات گزاری جا سکے۔ باتیں کی جا سکیں۔ وہ آج پھر اس ملاقات کا اعادہ کر رہا تھا۔

اویس نے اسے نہ تو اپنے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتایا تھا اور نہ ہی ثمرین نے پوچھا تھا اور شکایت کی تھی کہ وہ رات کیوں نہیں پہنچا تھا۔ وہ دونوں ہی انجان اور بے گانے سے بنے رہے تھے۔ نہ اویس بتانا چاہتا تھا اور نہ ہی ثمرین اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھی۔ دونوں کے درمیان اجنبیت کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ ثمرین یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اویس کے دل میں اس کے لئے جگہ ہے بھی یا نہیں۔ اگر ہے تو کتنی اور کس لیے؟

ثمرین نے زیب النساء کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے اویس کو رات کے وقت آ کر دیکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ رات کسی اور نرس کی ڈیوٹی ہوا کرتی تھی۔ وہ جب

اویس کو دیکھنے کے لئے پہنچتی' اویس دواؤں کے زیر اثر سو رہا ہوتا تھا۔ وہ کبھی جاگتے میں اویس کے سامنے نہیں گئی تھی۔ نہ ہی اویس کو اس بات کی خبر تھی کہ ثمرین نے بروقت اپنا خون دے کر اس کی جان بچائی ہے اور پھر وہ اپنا یہ احسان جتا کر اس کا دل جیتنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ صرف محبت سے اس کا دل جیتنا چاہتی تھی لیکن یہ مہم سر کرنا اسے اتنا آسان بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

جب اس نے ثمرین سے آج کی رات کا پروگرام ترتیب دیا تو ثمرین کے سارے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ اویس نے اسے ہوٹل میں لے جا کر چائے بھی پلائی تھی۔ اس ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات میں اویس نے اپنی زبان سے شگفتہ کا نام نہیں لیا تھا تاکہ وہ تہہ میں نہ پہنچ جائے۔

ثمرین ٹھیک رات نو بجے فلیٹ پر پہنچی تو اویس موجود نہیں تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ نو بجے سے پہلے پہنچ جائے گا لیکن نہ پہنچا تھا۔ اویس کے نہ آنے کے اندیشے کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اویس تو کیا اویس کے فرشتے بھی آئیں گے۔ کیونکہ اسے شگفتہ کا پتا چاہیے۔

ثمرین نے خوب اچھی طرح سے غسل کیا۔ پھر اس نے الماری سے شب خوابی کا لباس نکال کر پہنا جو بڑی حد تک نامناسب تھا۔ اسے پہننے میں عار اس لئے نہیں تھا کہ وہ اویس کی بیوی تھی۔ اس نے اپنے لباس پر خوشبوؤں کا چھڑکاؤ اس دریا دلی سے کیا کہ صرف کمرا ہی نہیں بلکہ پورا فلیٹ ہی مہک اٹھا تھا۔ پھر اس نے ہلکا سا میک اپ کیا پھر وہ کچھ دیر تک آئینے کے سامنے کھڑی مختلف زاویوں سے اپنا جائزہ لیتی رہی۔ پھر ان ہتھیاروں کو دیکھا جن سے وہ لیس تھی اور اسے امید تھی کہ اویس ان کے حملوں سے اپنے آپ کو بچا نہیں سکے گا۔

پھر وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ پھر اس نے سوچا کہ اویس کے ساتھ ان ملاقاتوں کا سلسلہ دراز ہونا چاہیے۔ اس طرح اویس ایک دن اس کے قابو میں آجائے گا۔ وہ اس بات سے بھی پُرامید ہو گئی تھی کہ اویس کے گھر والے اس راز سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اس لئے بھی اویس پر یہ راز ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ مناسب وقت کے انتظار میں تھے۔ یہ بات ایک روز نجمہ نے اسے ٹیلی فون پر بتائی تھی۔

ثمرین نے اٹھ کر بتی بجھائی پھر اس نے کھڑکی کھول دی۔ پھر وہ بستر پر لیٹ گئی۔ وہ اویس کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ نیند نے اسے دبوچ لیا۔ اویس کو کسی وجہ سے



فلیٹ پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی۔ وہ رات سوا دس بجے پہنچا تھا۔ اس نے باہر ہی سے ٹی وی لاؤنج کی بتی روشن دیکھ لی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ ثمرین پہنچ چکی ہے۔ چوکیدار سے بھی تصدیق ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ اس سے ہی فلیٹ کی چابی لے کر گئی تھی۔

مون سون کا موسم تھا۔ دو دن سے مطلع صاف نہیں تھا۔ بارش ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ آسمان پر بکھرے ہوئے کالے کالے بادلوں کے ٹکڑوں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی بھی لمحے برس پڑیں گے۔ چودھویں کی رات تھی چاند کے پورے شباب کی آخری رات تھی۔ پندرھویں شب سے چاند ڈھلنے لگتا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑوں کا کسی سیاہ کار کی طرح دل بھر جاتا تو وہ اسے اپنی آغوش سے نکال دیتے تھے۔ پھر وہ آگے بڑھ جاتے تھے۔

جب اس نے اپنا اسکوٹر عمارت کے زیریں حصے میں کھڑا کیا تو اس وقت چاند بادلوں کے ٹکڑوں سے بہت دور تھا۔ جب وہ اپنے فلیٹ پر جانے کے لئے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو اسے اپنے سینے میں ایک بھٹی سی سلگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ دل کے نہاں خانے میں ایک آتش فشاں دہک رہا تھا۔ جس کا لاوا جیسے صدیوں سے پکتا چلا آرہا تھا۔ اسے بڑا رنج تھا۔ گزرے دنوں کی یادیں اتنی تلخ تھیں اور واقعات ایسے زہریلے تھے کہ ان کا زہر اس کی زندگی میں سرایت کر چکا تھا۔ اس کی رگوں میں لہو ابل رہا تھا۔ وہ شگفتہ کو پانے کے ساتھ ساتھ اس کی ماں سے بھی انتقام لینا چاہتا تھا۔

جب اس نے اپنے فلیٹ میں قدم رکھا تو اندر کے ماحول پر ایک گہری خاموشی طاری تھی اور کسی قدر سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ صرف ٹی وی لاؤنج میں روشنی تھی جو اس نے باہر سے ہی دیکھ لی تھی۔ اس کی خواب گاہ میں چاندنی کسی حسینہ کی طرح جھانک رہی تھی۔ اس نے خواب گاہ کی دہلیز پر کھڑے ہو کر اندر جھانکا۔ بستر پر ایک دوشیزہ بے ترتیبی سے بے سدھ سی سو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اویس کے دل میں ایک ہلچل سی پیدا ہوئی اور جذبات بھڑک اٹھے۔ اگلے لمحے جذبات سرد پڑ گئے۔ ثمرین اس کی بیوی ضرور تھی۔ معلوم نہیں کیوں اب وہ اس میں کشش نہیں پاتا تھا' کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ جب کہ وہ بے حد بھرپور لڑکی تھی۔ ایک ایسی لڑکی جس کا حسن و شباب مردوں کے دلوں پر قیامت ڈھاتا تھا۔ مگر اس کے دل میں نفرت کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وہ جب بھی ثمرین سے ملتا تھا وہ اس سے شکوہ شکایت کرتی تھی۔ وہ اس کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرتی تھی۔

اس نے کمرے میں قدم رکھا تو کمرے میں چاندنی چٹک رہی تھی۔ پورا چاند کھڑکی میں سے جھانک رہا تھا۔ ثمرین کا انگ انگ اس دھلی چاندنی میں نہا رہا تھا۔ اس کی رنگین زندگی میں ایسے لمحات بہت آئے تھے۔ جب ایک بھرپور جوانی اس کی دسترس میں ہو۔ اس نے گہری نظروں سے ثمرین کو دیکھا۔ وہ اس کے انتظار سے اکتا کر گہری نیند سو گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا بے ہوشی سی طاری ہو۔ یہ جوانی کی نیند تھی۔ پھر اسے ثمرین بہت اچھی لگی۔ اس چاند کی طرح جو آسمان پر اپنی پوری رعنائیوں سے جلوہ گر تھا۔ پھر اس کے خیالات منتشر ہونے لگے۔ پھر اس پر ایک نشہ سا طاری ہونے لگا۔

ثمرین اس کی اپنی بیوی تھی۔ اس سے آج بھی رشتہ ناتا تھا۔ وہ ثمرین کو چھو سکتا تھا۔ اسے سرفرازی کا اختیار بھی تھا۔ یہ اس کا حق تھا جو اسے قانون اور شریعت نے دیا تھا۔ اس نے ثمرین کو یہاں اس لئے نہیں بلایا تھا کہ اپنے جذبات کی تسکین کرے۔ وہ ثمرین کو محبت کا فریب دے کر غیر محسوس انداز سے شگفتہ کا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ثمرین کے پاس بیٹھ کر اس کا بازو ہلایا۔ "اٹھو ثمرین! ثمرین.........! ثمرین.........!"

ثمرین نے بھری نیند میں انگڑائی کیا لی اس کے دل پر قیامت گزر گئی۔ گویا ثمرین میں ایسی بجلیاں چھپی ہوئی تھیں کہ وہ اسے خاکستر کر سکتی تھیں۔ شب خوابی کے لباس نے اس کے جادو کو اور بڑھا دیا تھا۔ اس وقت وہ شعلہ مجسم بنی ہوئی تھی۔

ثمرین بے دار ہوگئی۔ اس کی نظر جیسے ہی اویس پر پڑی وہ زیر لب مسکرا دی۔ پھر وہ ایک جمائی لیتی ہوئی اٹھ بیٹھی پھر وہ دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ "میرے سرتاج! آج آپ نے بڑی دیر لگا دی.........؟ کہاں رہ گئے تھے.........؟ میں تو ناامید سی ہوگئی تھی۔"

"ایک دیرینہ دوست مل گیا تھا۔ اس کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے دیر ہوگئی۔" اویس نے جوتے اتارتے ہوئے جواب دیا۔ "آئی ایم سوری۔"

"میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اس روز کی طرح آج رات بھی انتظار کر کے صبح گھر نہ جانا پڑے۔" وہ اویس کی آنکھوں میں جھانکتی ہوئی بولی۔

"اس رات مجھے اچانک اور فوراً ہی اپنے دفتر کے کام سے اسلام آباد جانا پڑ گیا تھا۔ مجھے اتنا موقع بھی نہیں مل سکا تھا کہ تمہیں اطلاع دے سکوں۔ وہاں مجھے کچھ زیادہ دن ہی ٹھہرنا پڑ گیا تھا۔ میں کل ہی لوٹا ہوں۔" اویس نے کہا۔ "تم نے اس رات میرا بہت انتظار کیا ہوگا۔ بڑی راہ دیکھی ہوگی۔ اس کا مجھے بہت افسوس ہے۔" اویس نے توقف کر کے



اس کا رخسار تھپتھپایا۔ "مجھے تم سے بہت شرمندگی ہے۔ تم نے معاف کر دیا نا؟"

"میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے۔" ثمرین نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ "آپ آئندہ سے مجھ سے کسی بات پر معافی مت مانگا کریں۔ اچھا آپ نے مجھے کس لئے یاد کیا؟"

"ثمرین.........!" اویس نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا پھر اس کا نرم و نازک اور خوبصورت سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ثمرین نے اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا۔ وہ چھڑاتی بھی کیوں؟ وہ تو دل کی گہرائیوں سے یہی چاہتی تھی کہ اویس سدا اس کا ہاتھ اسی طرح تھامے رہے۔ اس کے سارے بدن میں ایک میٹھی سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ اویس کو خود سپردگی کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اویس اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں جھانک کر خجل سا ہوگیا۔ پھر اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ "ثمرین! میں نے تمہیں یہاں اس لئے بلایا ہے کہ میں تم سے اپنے ظلم و ستم کی معافی مانگوں۔"

"میں نے آج تک آپ سے کوئی شکوہ شکایت نہیں کی......... پھر آپ کس بات کی معافی مانگ رہے ہیں؟" وہ درمیان میں بات کاٹ کر بولی۔

"اس ظلم و ستم کی جو میں نے تم پر روا رکھا......... میں اپنے دل میں اپنے کئے پر سخت نادم اور شرمندہ ہوں۔ تم میری ندامت کا اندازہ میرے الفاظ سے نہیں کر سکتی ہو۔ میں تمہیں بتا بھی نہیں سکتا ہوں۔ مجھے اس کے اظہار کے لئے الفاظ بھی نہیں مل رہے ہیں۔"

"یہ آپ اس وقت کیا باتیں لے بیٹھے......... آپ مجھے بھی شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ نادم ہوگئے میرے لئے یہی بہت ہے۔"

"مجھے آج کہنے دو......... مجھے کہنے سے روکو نہیں۔" اویس جذباتی لہجے میں کہنے لگا۔ "میں نے تمہاری محبت کی کبھی کوئی قدر نہیں کی۔ ہمیشہ تمہارے جذبات اور احساسات کو بڑی بے دردی سے روندا۔ غرض کہ جنون میں اندھا ہو کر تم سے بے رخی برتی۔ تمہیں کھلونا سمجھ کر تم سے کھیلتا رہا۔ تم سے نفرت اور حقارت کا سلوک کیا بلکہ کرتا رہا' جبکہ تم مجھے ٹوٹ کر چاہتی رہی ہو' مجھے معاف کرو ثمرین.........! گو کہ میں معافی کے قابل ہرگز نہیں ہوں......... پھر بھی مجھے معاف کر دو۔ تم نے مجھے معاف نہیں کیا تو میں اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکوں گا۔ نہ خدا معاف کرے گا۔"

"آج تو آپ بہت زیادہ ہی جذباتی ہو رہے ہیں میرے سرتاج! آپ مجھے ابھی تک

سمجھے نہیں ہیں۔ آج آپ مجھ سے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟"

"میں ایک تلخ حقیقت کا اعتراف کر رہا ہو۔ لگتا ہے کہ تم نے مجھے معاف نہیں کیا۔ اس لئے مجھے آپ.......... آپ کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔"

"مجھے آپ کو تم کہتے ہوئے کچھ اچھا نہیں لگتا ہے۔ آپ یا تم کہنا اس کا انحصار میرے موڈ پر ہوتا ہے۔" وہ ہنس کر بولی۔

ثمرین نے اس کا تاسف انگیز چہرہ دیکھا تو اس کے دل پر ذرہ برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ اسے اویس کے ایک ایک لفظ سے مکر و فریب کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اس اداکاری اور ڈرامے کا پس منظر جانتی تھی۔ اس نے بظاہر بڑے افسردہ لہجے میں جذباتی ہو کر کہا۔ "نہیں اویس نہیں! میں اس قابل تھی کہ مجھ سے نفرت کی جاسکے۔ میں نے تمہارا دل دکھایا' میں ہمیشہ تمہاری راہ کی دیوار بنی رہی۔ تمہیں شگفتہ اور اس لڑکی کو بھی اپنانے نہیں دیا جو تیرہ برس کی تھی۔ شادی والے دن شگفتہ کی ماں کے منصوبے کو کامیاب کرنے کے لئے شگفتہ کی جگہ دلہن بن کر آگئی۔ میری اس حرکت کی وجہ سے نہ صرف ہماری بلکہ تمہارے خاندان کی بدنامی اور جگ ہنسائی ہوئی۔ معلوم نہیں کیوں میں نے اتنی گھٹیا حرکت کی۔"

اویس نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ "ہم دونوں نے جو کچھ بھی کیا اب اسے بھول جانا چاہئے۔ اب پچھتاوے سے کیا حاصل؟"

"میں کیسے بھول سکتی ہوں تمہیں ذہنی اذیت اور روحانی تکلیف پہنچا کر کبھی خوش نہیں رہی' کاش! میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا ہوتا؟"

"تم نے جو کچھ بھی کیا وہ میرے لئے اور مجھے پانے کے لئے کیا تھا.......... اس لئے تمہارا قصور قابل معافی ہے۔ میرا قصور نہیں.......... کیونکہ میں بھنورہ بن کر کلیوں کے پیچھے بھاگتا رہا۔ تمہاری محبت اور اعتماد کو مجروح کیا.......... پامال کیا۔ تم نے مجھے روشنی دکھانے کی بہت کوشش کی تھی مگر میں کالی راتوں کا مسافر بن گیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اپنا گھر بسالوں۔ تمہاری رفاقت میں ایک نئی زندگی کا آغاز کردوں۔"

ثمرین کے لئے یہ باتیں نئی تو نہ تھیں۔ وہ نہ تو چونکی تھی اور نہ ہی مسکرائی تھی اور پھر اسے کوئی حیرت اور خوشی بھی نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ وہ اپنے اس مرد سے واقف تھی۔ وہ چند لمحوں تک آنکھیں بند کئے سوچوں میں گم رہی پھر اس نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔ "کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی ہوں۔"



اویس نے اس کے شانے تھام کر نظروں کے عین سامنے کر لیا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بکھرے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔ "ثمرین..........! کیا تمہیں میری بات اور میری سچائی کا یقین نہیں آرہا ہے؟ تمہیں میری محبت پر اب بھی کوئی شک و شبہ ہے..........؟"

"اتنے صدمے سہنے اور ٹھوکریں کھانے کے باوجود بھی مجھے تم پر آج بھی اسی طرح بھروسا ہے جس طرح کل تھا۔ مگر اویس کیا تم واقعی سنجیدہ ہو..........؟ کیا تم مجھے ایک بیوی کی حیثیت سے گھر لے جاؤ گے یا پھر کسی پنچھی کی طرح اس فلیٹ میں پہلے کی طرح مقید رکھو گے؟"

"میں تمہیں فوری طور پر اپنی بیوی کی حیثیت سے گھر نہیں لے جاسکتا۔" اویس نے اس کے شانے چھوڑ دیئے اور اس کے چہرے سے بال ہٹاتا ہوا بولا۔ "اس لئے کہ گھر کی فضا تمہارے لئے ہموار کرنا ہوگی' کیونکہ گھر کے تمام لوگ تمہاری اس روز کی گھٹیا حرکت کی وجہ سے تم سے سخت نفرت کرنے لگے ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو میں تمہارے ساتھ چل کر تمہاری ماں اور بہنوں سے معافی مانگ لوں گی۔ ان کے قدموں پر گر پڑوں گی۔" وہ بولی۔

"نہیں.......... اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تم ان کی نفرت اور غصے کا اندازہ نہیں کر سکتی ہو' وہ آج بھی مشتعل ہیں۔" اویس بولا۔

"لیکن مجھے امید ہے کہ وہ معاف کردیں گے.......... کیونکہ تم میرے ساتھ ہو گے تم ان سے کہو گے' شہادت دو گے کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"

"میں مناسب موقع محل دیکھ کر تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔" اویس نے کسمساتے ہوئے کہا۔ کیونکہ اس نے کچھ دنوں سے محسوس کیا تھا کہ اس کی ماں اور بہنیں دبی زبان اور غیر محسوس انداز سے ثمرین کا تذکرہ کر رہی تھیں۔ جب وہ اسپتال میں زیر علاج تھا تب ثمرین کا ذکر ضرور آتا تھا۔ ان کی باتوں سے وہ ایسا محسوس کرتا تھا جیسے انہوں نے ثمرین کی غلطی کو معاف کر دیا ہو۔ ایک دن اس کی امی رو میں کہہ گئی تھیں کہ اگر ثمرین سے واقعی شادی کی ہوئی ہے تو اسے کیوں نہ گھر لے آیا جائے؟ اس لئے کہ وہ عورت ہے اور سچی محبت کرتی ہے۔ پھر وہ بلا کی حسین بھی ہے۔ ایثار و وفا کی پتلی بھی معلوم ہوتی ہے۔ وہ ششدر سا ہوا تھا کہ آخر کس بات نے اس کی ماں اور بہنوں کو ثمرین سے محبت کرنے پر مجبور کیا ہے؟ ان کے دلوں میں ثمرین سے محبت کا جذبہ کیسے پیدا ہو رہا

ہے؟ اتنی ہمدردی کس لئے؟ اس کی اصلی وجہ کیا ہے؟

اویس کو اپنے کسی سوال کا جواب نہیں ملا تھا نہ ہی اس نے کبھی کریدنے کی کوشش کی تھی۔ وہ صرف سن کر انجان سا ہو کر رہ جاتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ اگر اس نے اس موضوع پر ان سے بات کی تو ایسا نہ ہو کہ وہ اس کے گلے پڑ جائے۔ گھروالوں کے تیور بھی ایسے ہی تھے۔ وہ اس امکان کو خارج نہیں کرسکتا تھا کہ اگر ثمرین نے جاکے اس کے گھروالوں سے معافی مانگ لی تو نہ صرف اسے معافی مل جائے گی بلکہ وہ اس کے گھر کی بہو بن جائے گی مگر وہ تو شگفتہ کا اسیر تھا۔ دیوانہ تھا۔ اس کے لئے پاگل ہو رہا تھا پھر اس نے سوچا کہ اسے ثمرین کو سمجھا دینا چاہئے۔

"جہاں تم نے اتنے دن صبر کیا کچھ اور دن صبر کرلو' فی الحال اس فلیٹ میں رہو' جلد بازی سے کام بگڑ بھی سکتا ہے۔" اویس نے کہا۔

"اگر اس عرصے میں شگفتہ تمہارے گھر آگئی تو اس دن تم مجھے دودھ میں گری مکھی سمجھ کر نکال کر پھینک دو گے.......... شگفتہ کا کوئی بھروسا نہیں ہے' وہ کسی بھی دن تمہاری زندگی میں بہار بن کر آسکتی ہے۔"

"اب تو میں اس کی منحوس شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا ہوں۔ میں اس کی تلاش میں اس لئے ہوں کہ اسے طلاق نامہ دے دوں.......... اس کے علاوہ مجھے اپنی لاکھوں کی رقم بھی ملنا چاہئے۔ میں اس سے اپنی ایک ایک پائی وصول کر کے رہوں گا۔"

"سچ!" ثمرین کا چہرہ دمک اٹھا۔ "واقعی تم اسے طلاق دینا چاہتے ہو؟" اویس نے اپنا سراثبات میں ہلایا تو وہ بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی۔

"تو پھر اویس! تم ابھی اور اسی وقت شگفتہ کے نام طلاق نامہ لکھ کر دے دو۔ میں طلاق نامہ لے کر اس کے اور اس کی امی کے پاس جاؤں گی۔ ان کے مکروہ چہروں پر دے ماروں گی.......... شگفتہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ تم اس کے انتظار میں آس لگائے بیٹھے ہو۔"

اویس اس لمحے بری طرح گھبرا سا گیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ثمرین اسے یوں گھیر لے گی۔ اس انداز سے شہ دے گی۔ اسے لگا کہ بس اب مات ہونے والی ہے۔ اس نے فوراً ہی سنبھل کر کہا۔ "میں طلاق نامہ تو ابھی اور اسی وقت لکھ کر دے سکتا ہوں لیکن مجھے اس کی ماں سے اپنی رقم بھی تو لینا ہے۔"

"میں شگفتہ کی ماں افروزہ بیگم سے مل کر بات کرتی ہوں۔ پھر میں شگفتہ پر بھی زور



دوں گی کہ وہ رقم لوٹا دیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ میری بات مان لیں گی۔ تمہاری رقم واپس مل جائے گی۔ میں جیسے ہی تمہیں رقم لا کر دوں گی ویسے ہی ایک طلاق نامہ لکھ کر مجھے دے دو گے۔ یہ سودا اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کے مصداق ہوگا۔"

"وہ تمہاری بات کیوں ماننے لگیں..........؟" اویس اندر ہی اندر جزبز ہوگیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ثمرین اسے شگفتہ کا پتا بتانا نہیں چاہتی ہے۔ وہ فریب اور چالاکی سے کام لے رہی ہے۔ اس کی چال کو سمجھ گئی ہے۔ اس نے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ "پہلے تم اپنی کوشش کر کے تو دیکھو.......... اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو مجھے شگفتہ اور اس کی امی سے ملا دینا۔ میں اس کمینی اور ذلیل عورت سے نمٹ لوں گا.......... تم افروزہ بیگم سے کب مل رہی ہو..........؟ اصل میں یہ پنچ اور گھٹیا قسم کی عورت ہے۔ جتنا جلد ہوسکے یہ نیک کام کر کے میرا بوجھ ہلکا کردینا۔"

"کل ہی میں کسی وقت جاکر مل آؤں گی۔" ثمرین کہنے لگی۔ "میں بہت دنوں سے ان کی طرف نہیں گئی ہوں۔ وہ مکان بدلتی رہتی ہیں۔ معلوم نہیں وہ آج کل کہاں ہوں گی۔ اگر وہ اسی مکان میں ہوئیں تو پھر کل ہی ان سے ملاقات ہوگی تم فکر نہ کرو۔ پریشان نہ ہو۔"

اویس کو اندازہ ہوچلا تھا کہ اب ثمرین پہلے والی ثمرین نہیں رہی ہے۔ وہ اس شخص کی طرح نظر آرہی تھی جو کچی گولیاں نہیں کھیلتا ہے۔ اس نے شگفتہ تک پہنچنے کے لئے جو بساط بچھائی تھی اس کا کھیل ابھی باقی تھا اور پھر ثمرین کو شکست دینے اور راستے سے ہٹانے کے لئے اسے ابھی بہت ساری چالیں چلنا تھیں۔ اسے کسی نہ کسی طرح اعتماد میں لینا تھا۔ اپنی محبت کا ثبوت دینا تھا۔

آج جو طوفان ثمرین کی زندگی میں آیا وہ بڑا زبردست اور غیر متوقع تھا۔ کشتی کو بادبان سمیت بہا کر لے گیا تھا۔ مرد اپنی سرفرازی پر ہمیشہ نازاں رہتا ہے۔ وہ اپنے سے کمزور نازک اور خوبصورت شے کو تسخیر کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا معرکہ سر کرلیا ہے۔ کامیابی کا نشہ بڑا تیز ہوتا ہے۔ مگر عورت کھو کر بھی اتنا کچھ پالیتی ہے کہ مرد اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا ہے۔ یہ اس کی شکست نہیں ہوتی ہے' توہین نہیں ہوتی ہے' یہ عورت کی فتح ہوتی ہے۔ جسے مرد اپنی طاقت کے گھمنڈ میں فتح سمجھتا ہے' یہ تو عورت کی محبت کی معراج ہوتی ہے۔ اس کے دل میں محبت کا جو چراغ اپنے مرد کے لئے روشن ہوجاتا ہے اس کی لو اور بڑھ جاتی ہے اور پھر روشنی ہر سمت بکھر جاتی ہے۔ ہوا بھی یہی

تھا۔ اویس کے دل میں تو کھوٹ تھا۔ اس نے اپنی ریاکاری اور منافقت کو بھرپور چاہت اور گرم جوشی کے پردے میں چھپانے کے لئے اپنی پُرجوش محبت کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی یہ چال جیسے بہت کامیاب رہی تھی۔ ان لمحات نے ثمرین کو اس کا دیوانہ بنا دیا تھا۔ وہ ہزار نفرتوں کے باوجود اویس سے جو ٹوٹ کر محبت کر رہی تھی اس محبت پر جیسے ایک مہر ثبت ہوگئی تھی۔

ثمرین بہت خوش تھی۔ اس نے کبھی اویس کی محبت اور دیوانگی محسوس نہیں کی تھی۔ اسے یقین سا ہو چلا تھا کہ اویس کے دل کے کسی کونے میں اس کے لئے محبت چھپی ہوئی ہے۔ آج سے پہلے اس کے اور اویس کے درمیان ایک دیوار کھڑی تھی۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ کسی دیوار کو گرانے کے لئے جس محبت اور قوت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس میں موجود ہے۔ پھر وہ خاموش تماشائی بنی رہی تھی تو اسے ایسا لگتا تھا کہ وہ دیوار اونچی ہی ہوتی جارہی ہے۔ اس کے اور اویس کے درمیان فاصلہ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ آخر وہ اس کی نظروں سے اس طرح اوجھل ہوگیا تھا جیسے برسوں بعد نظام شمسی کا کوئی سیارہ زمین کے قریب آجاتا ہے اور پھر دور چلا جاتا ہے۔

اویس اس شہر میں اور اس کی زندگی سے بہت قریب رہ کر بھی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ خواب کتنے دغاباز ہوتے ہیں اس بے پناہ فاصلے میں اس کا وجود کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ پھر اس نے اپنے اویس کو پانے کے لئے اس فاصلے کو مٹانے کی کوشش کی تھی اس لئے کہ دھیرے دھیرے اس کی ذات اس کا وجود اور شخصیت اس خلا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ مگر آج وہ فاصلہ مٹ گیا تھا اس لئے اس پر سرشاری کی ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی کہ اس کے جھوٹ نے اویس کو اس کے قدموں میں جھکا دیا تھا۔ ایک چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی تھی۔

جیسے ہی چاند پر سے گھٹا ہٹی کمرے میں دودھیا چاندنی چٹک سی گئی اویس نے دیکھا ثمرین بے سدھ سی پڑی نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہ سو چکی تھی اور سوتے میں اس کے ریشمی سیاہ بال عارض پر بکھرے ہوئے تھے جیسے ستارہ سحری کی طرح جھلملانے والا آویزہ دامن سحاب میں روپوش ہوچکا ہو۔ وہ پلکوں کے دریچے بند کئے خوابوں کے نگر آباد کئے اس کی بچھائی ہوئی بساط سے بے خبر تھی۔ وہ جاگ رہا تھا۔ اس کی نظر ثمرین کے چہرے پر مرکوز تھی.......... آج اسے ثمرین بہت حسین اور پہلی رات کی دلہن کی طرح لگ رہی تھی۔ اتنی حسین کہ جیسے اس کے ان گنت روپ ہوں۔ ہر روپ حسین اور انتہائی دلکش



تھا۔ پھر اس کی نظروں میں ایک چاند چہرہ طلوع ہوا۔ اس کے چہرے پر چودھویں کے چاند کی سی نرماہٹیں اور لطافتیں تھیں۔ وہ نکھرا نکھرا سا چہرہ.......... وہ چہرہ ثمرین کے چہرے پر چھا گیا۔ ثمرین کا چہرہ' بالکل ہی چھپ گیا۔ اس لمحے وہ ثمرین کے سحر سے نکل کر شگفتہ کے سحر میں کھو گیا۔ ایک جادو دوسرے جادو پر غالب آگیا تھا۔

اویس نیند سے بیدار ہوا تو ثمرین کے چہرے پر اس کی نظر پڑی۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا نکھار آیا ہوا تھا۔ عجیب بہار دے رہا تھا۔ رخساروں پر پھولوں کی سی شگفتگی اور تازگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہزاروں طاقتور برقی قمقموں کی روشنی تھی۔ اس کے کھلے اور بکھرے ریشمی سیاہ بالوں سے سوندھی سوندھی سی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ ثمرین کا یہ روپ اتنا سندر' اتنا دل فریب تھا کہ وہ ایک لمحے کے لئے یک ٹک دیکھتا رہ گیا۔ مبہوت سا ہوگیا۔ وہ پہلی رات کی دلہن سے کہیں حسین لگ رہی تھی۔ معاً اس کے دل میں خیال آیا کہ.......... عورت کو من کی خوشی مل جائے تو وہ بہت حسین ہی نظر نہیں آتی ہے بلکہ یکسر بدل جاتی ہے۔ وہ پیا کا پیار پا کر سب کچھ پالیتی ہے۔

اویس نے ثمرین کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا۔ بساط تو بچھی ہوئی تھی۔ مکر و فریب کا کھیل جاری تھا۔ ابھی بازی ختم نہیں ہوئی تھی۔ لوہا بہت گرم تھا۔ صرف دو ایک ضربیں کافی تھیں۔ اسے ابھی شروعات کے لئے بہت ساری چالیں چلنا جو تھیں۔ کھیل تو اب شروع ہوا تھا۔

ثمرین نے اس کا ہاتھ بڑی محبت اور گرم جوشی سے تھام لیا پھر وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "حضور! صبح کے گیارہ بج رہے ہیں' رات نہ تو مجھے سونے دیا اور نہ خود سو سکے۔ ساری رات آپ میرے کانوں میں محبت کا رس ٹپکاتے رہے لہٰذا اٹھئے' چل کر نہا لیجئے اتنی دیر میں' میں ناشتہ لگادیتی ہوں۔ جناب! ناشتے میں کیا کھانا پسند فرمائیں گے؟؟"

اویس نے اسے شوخ نظروں سے دیکھا تو وہ سرخ ہوگئی۔ "آپ زہر بھی کھلا دیں تو کھالیں گے اس لئے کہ زہر بھی امرت بن جائے گا"

"کیا آپ کو دفتر نہیں جانا ہے؟" وہ کسما کر بولی۔ "اگر آپ بہکتے رہے تو پھر آج دفتر گول ہوجائے گا۔"

"آج دفتر نہیں جاؤں گا۔" اویس نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی دے کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کے ہونٹ اور پلکیں تھرتھرا رہی تھیں۔

"آج ہماری ڈیوٹی اس دفتر میں لگی ہے بھلا اس دفتر کی بات اس دفتر میں کہاں آئے گی!"

"یہ دفتر نہیں ہے گھر ہے۔" وہ شوخی سے بولی۔ "جلدی سے نہا کر آئیں مجھے بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے۔ رات بھی تو میں نے کچھ نہیں کھایا تھا۔"

ثمرین یہ کہتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔ وہ ثمرین کو دیکھتا رہ گیا۔ رات سے وہ ثمرین کو کتنے ہی رنگ روپ میں دیکھ رہا تھا۔ اسے آج ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہر عورت اپنے اندر ایک جدا حسن رکھتی ہے۔ ایسا حسن جس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا ہے چاہے دوسری عورت اس کے مقابلے میں کتنی ہی حسین اور پُرکشش کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے حسن سے منفرد بن جاتی ہے۔ عورت کا ظاہری حسن خوبصورتی میں نہیں ہوتا بلکہ اس کا حسن تو اس کی اپنی ذات کی گہرائیوں میں پنہاں ہوتا ہے جو کسی نہ کسی مرحلے پر ظاہر ہو جاتا ہے۔

اویس نے بستر سے نکل کر اپنے فلیٹ کا جائزہ لیا تو اس کا ایک ایک کونا آئینے کی مانند چمک رہا تھا۔ جن دنوں ثمرین اس کے ساتھ رہتی تھی ان دنوں اس کا گھر مثل صاف و شفاف آئینہ ہوتا تھا۔ پھر سے وہ کل آج بن گیا تھا۔ جب وہ نہا دھو کر میز پر آیا تو اس نے میز پر بڑا پُرتکلف ناشتہ چنا ہوا دیکھا۔ ثمرین میز پر اس کے انتظار میں رکابیاں لئے بیٹھی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ تبسم رقصاں تھا۔

اویس کو اس لمحہ اس کا حسن نیا زاویہ لئے نظر آرہا تھا۔ وہ اسے ایک قطعی مختلف عورت نظر آرہی تھی۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے ثمرین کو پہلے کبھی اتنے دلکش انداز میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر ثمرین کو محویت سے دیکھنے لگا۔

ثمرین کے ہونٹوں پر ایک شوخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ "جناب ناشتہ میز پر چنا ہوا ہے' میرے چہرے پر نہیں۔"

"تمہیں دیکھ کر میری بھوک مر گئی ہے.......... بس جی چاہ رہا ہے کہ تمہیں دیکھتا رہوں اور تم سدا کے لئے میری نظروں کے سامنے بیٹھی رہو۔"

"اگر میں پتھر کی مورتی ہوتی تو سدا تمہارے سامنے بیٹھی رہتی۔ تم ایسا کرو مجھے دیکھتے رہو' میں ناشتہ کرتی ہوں۔ بھئی مجھے تو بڑی سخت بھوک لگ رہی ہے۔"

"ثمرین!" اویس نے حیرت آمیز لہجے میں پوچھا۔ "سچ سچ بتاؤ تم نے اپنا یہ روپ اب تک میری نظروں سے چھپا کر کیوں رکھا تھا؟ میری نظروں سے اوجھل کیوں تھا؟ مجھے آج ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ تم میرے لئے ایک نئی عورت ہو جو کسی کسی کو بڑے نصیب سے



ملتی ہے' جسے پانے کے لئے بہت دور تک جانا پڑتا ہے۔"

"میرے حسن کی تعریفیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ پہلے ناشتہ کیجئے۔ ناشتہ ٹھنڈا ہو گیا تو پھر میں اپنی محبت کی تعریف سے محروم ہو جاؤں گی۔ عورت اپنے ہاتھ کے پکائے ہوئے پکوان کی تعریف بھی بڑے شوق سے سنتی ہے' یہ تو میری بھی کمزوری ہے۔"

اویس نے میز پر ایک نظر ڈالی۔ پھر ثمرین کی طرف دیکھا تو وہ ایک انداز سے مسکرا رہی تھی۔ وہ متعجب ہو کر بولا۔ "گھر میں یہ ساری چیزیں تو تھیں نہیں؟ کہاں سے آئیں.......... کس سے منگوائیں؟ اور پھر تم نے نہ صرف پورے گھر کی صفائی کر کے اسے چمکا دیا ہے بلکہ نہایت عمدہ اور پُرتکلف ناشتہ بھی تیار کر دیا ہے.......... آخر تم کس وقت بیدار ہوئی تھیں؟"

"فجر کی اذان سے کچھ دیر پہلے میری آنکھ کھل گئی تھی۔" ثمرین کہنے لگی۔ "میں نہا کر فوراً ہی اپنے رب کے حضور سجدے میں چلی گئی۔ میں نے شکرانے کی نماز بھی پڑھی تھی اس لئے کہ میرا کھویا ہوا وجود مجھے مل گیا۔ پھر میں نے گھر کی صفائی کی۔ پھر بازار جا کر سودا سلف لے آئی۔ پھر جلدی سے ناشتہ تیار کیا۔ یہ ہے آج صبح کی رپورٹ.......... کیوں' اب جناب کی تسلی ہوئی؟"

"ناشتا کرنے کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہے؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اویس نے توس پر مکھن لگاتے ہوئے پوچھا۔ "تم کیا کہیں جاؤ گی؟"

"پہلے تم اپنا پروگرام بتاؤ.......... کیا بارہ بجے دفتر جاؤ گے؟" اس نے آملیٹ کی پلیٹ اویس کی طرف بڑھائی۔ "مجھے ایسا لگتا ہے کہ تمہارا ارادہ دفتر جانے کا نہیں ہے۔"

"کون بدذوق ہو گا جو اپنی دلہن کو اس عالم میں گھر پر چھوڑ کر دفتر جائے گا۔ آج دفتر کی چھٹی ہے۔ میں اپنے دفتر اور گھر اب کل ہی جاؤں گا۔"

معاً اطلاعی گھنٹی بجی تو اویس اپنی جگہ سے اٹھا۔ "شاید زمان خان چوکیدار آیا ہو گا۔ تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

اس وقت چوکیدار زمان خان کے علاوہ کسی اور کے آنے کی توقع نہیں تھی اس کے فلیٹ پر اس کا اسکوٹر دیکھ کر ہی وہ چلا آتا تھا۔ خبرگیری کرنے یا کوئی کام ہو تو اسے انجام دینے.......... اس کے علاوہ کوئی اور نہیں آتا تھا۔ دوبارہ اطلاعی گھنٹی بجی تو دروازے کے پاس پہنچ کر کھولنے سے پہلے بولا۔ "ایک منٹ صبر کیوں نہیں ہو رہا ہے؟"

اویس نے دروازہ کھول دیا۔ اگلے لمحے وہ بھونچکا سا ہو گیا۔ اسے جو اس وقت جھٹکا

لگا وہ برقی جھٹکے سے کہیں شدید تھا۔ اس پر کوئی بجلی ہی تو آگری تھی۔ اس پر سکتہ سا چھا گیا تھا۔ اس میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ اپنی جگہ سے جنبش تک کر سکے۔

اس کی بہن نجمہ اس کی نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اپنی پلکیں جھپکائے بغیر اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ اویس کی زبان‘ حلق اور ہونٹ تک خشک ہو گئے تھے۔ حلق میں گرہیں پڑ گئی تھیں۔ اس نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ نجمہ بھی اس کے فلیٹ پر آسکتی ہے۔ اس نے نجمہ کو مخاطب کیا تو اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ ”نجمہ......... تم؟“

نجمہ نے اپنی خوبصورت گردن ہلائی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی جیسے وہ اس کا بھید جان لینے کا عزم لے کر پہنچی ہو۔ وہ زیر لب مسکرائی۔ وہ شوخی سے بولی۔ ”بھائی جان! مجھے اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں؟ کیا اندر آنے کی اجازت نہیں ہے؟“

اویس نے ایک طرف ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔ نجمہ اندر داخل ہوئی۔ اویس دل میں ششدر تھا کہ نجمہ یہاں کیسے پہنچی؟ اس کے گھر کے کسی فرد کے فرشتوں کو بھی اس فلیٹ کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔ نجمہ کے داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔

”تم یہاں کیسے؟“ اویس کے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے۔ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اس کا دماغ چکرا سا گیا تھا۔ ”تمہیں کس نے اس فلیٹ کا پتا بتایا؟“ پھر یکایک اس کی رگوں میں خون جیسے کھول اٹھا۔ ”تم یہاں کیوں آئی ہو؟“ وہ تیزی سے بولا۔

”میں تو اپنی ایک سہیلی فرحانہ سے ملنے آئی تھی جو کچھ دنوں سے اس عمارت کے چوتھے فلور پر شفٹ ہوئی ہے۔“ نجمہ نے جواب دیا۔ ”میں نے اس عمارت کے احاطے میں آپ کا اسکوٹر کھڑا دیکھا تو مجھے یقین نہیں آیا۔ پھر میں نے اپنی تسلی کرنے کے لئے چوکیدار سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس عمارت میں آپ کا اپنا ایک فلیٹ ہے۔ پھر اس نے مجھے آپ کا فلیٹ نمبر بتایا۔ میں نے سوچا کہ جب آئی ہوں تو آپ سے بھی کیوں نہ مل لوں اور پوچھ لوں کہ آپ تو سکھر کا کہہ کر گئے تھے مگر یہاں کیسے؟ سکھر تو آپ گئے نہیں‘ شاید.........“ نجمہ نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کی نگاہیں مخالف سمت اٹھ گئی تھیں۔ وہ اس سمت حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اویس نے پلٹ کر دیکھا۔ ثمرین دروازے پر کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

کھانے کی میز پر تینوں بیٹھے تھے۔ اویس کی حالت اس مجرم کی سی تھی جسے رنگے



ہاتھوں پکڑ لیا گیا ہو۔ اس کے سنگین جرم کا ایک معتبر عینی گواہ بھی تو موجود تھا۔ اسے اس بات کا بڑا رنج و قلق تھا کہ اسے ثمرین کے ساتھ دیکھ لیا گیا ہے۔ ثمرین کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اسے کوئی پروا اور خوف نہ ہوتا وہ تو اس عورت کے ساتھ اس گھر میں موجود تھا جس عورت کو اس نے اپنے گھر والوں کے سامنے اپنی بیوی تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس عورت کے کارن اس کے گھر کی رسوائی ہوئی تھی۔ اس راز کے انکشاف کے بعد وہ مجرم تھا اپنی ماں کا‘ چھوٹے بھائی کا اور اپنی بہنوں کا......... خاندان والوں کا۔ یہ سب کچھ سوچ سوچ کر اس کا ذہن انتشار اور اذیت سے دوچار تھا۔ اس کے چہرے پر خوف‘ تاسف اور ندامت کی لکیریں کھنچ گئی تھیں۔ وہ جس جگہ بیٹھا تھا وہاں گڑا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری پھر اس نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔ ”اب جب کہ تم نے ہم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ لیا ہے اس لئے میں تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ ثمرین میری بیوی ہے۔“ اس کی آواز مرتعش ہو رہی تھی جیسے وہ کسی مجبوری کے تحت اقبالِ جرم کر رہا ہو۔ پھر وہ دبی زبان میں کہنے لگا۔ ”میں نے ڈیڑھ برس پہلے ثمرین سے چوری چھپے شادی کی تھی۔ اس فلیٹ میں ہم دونوں نے چھ ماہ تک بڑی خوشگوار زندگی گزاری تھی مگر اس کے بعد کسی بات پر آپس میں ناچاقی ہو گئی۔ تب ثمرین مجھ سے روٹھ کر چلی گئی۔ تم اس راز کو اپنے سینے میں دفن رکھنا۔ گھر میں کسی کو بھی اس کی بو نہ لگے۔“

جس وقت اویس کپڑے تبدیل کرنے اپنے کمرے میں گیا۔ تب ثمرین نے ہرن کی طرح چوکنا ہو کر متجسس نظروں سے اویس کے کمرے کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے میز پر جھک کر اور نجمہ کے قریب ہو کر سرگوشی کی۔ ”امی جان! کیوں نہیں آئیں؟ وہ بھی ساتھ اگر آجاتیں تو زیادہ اچھا ہوتا۔“

نجمہ نے جواب دینے سے پہلے پلٹ کر کمرے کی طرف دیکھا۔ اس کا دروازہ بند دیکھ کر اس نے سرگوشی میں جواب دیا۔ ”انہیں اچانک تیز بخار چڑھ آیا تھا۔ وہ سردی سے کانپ رہی تھیں ورنہ ہم سب مل کر یہاں آرہی تھیں۔“

ثمرین نے اپنا ہاتھ بڑھا کر نجمہ کی پشت پر رکھ دیا۔ وہ بولی تو اس کی آواز بھرا سی گئی۔ ”میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھولوں گی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ مجھے اپنی عزت‘ مقام‘ محبت اور میری منزل مل گئی ہے۔ ایک عورت کو اس کا تقدس مل گیا ہے۔“ وہ آگے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ اس کی خوبصورت آنکھوں کے کناروں میں

موتی دمکنے لگے۔

☆------☆------☆

زیب النساء نے اویس پر بیتے ہوئے حالات و واقعات کو سامنے رکھ کر اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا تو ان کی سمجھ میں ایک ہی بات سما رہی تھی کہ اس معمے کا حل شائستہ کے ہاتھ میں ہے۔ شگفتہ کی موجودگی کراچی میں ثابت ہو چکی ہے۔ اس بات کا خطرہ تھا کہ ماں اور بیٹی اس، شہر میں روپوش ہو جائیں۔ وہ اتنی بڑی رقم ہڑپ کرنے کے لئے بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ وہ کراچی میں اب اس لئے بھی نہیں رہ سکتی ہیں کہ ان کا سامنا اویس سے ہو چکا ہے۔ دوسری مرتبہ بھی یہ اتفاق پیش آسکتا ہے۔ دوسری مرتبہ سامنا ہونے پر اس کی شکل اور ہو سکتی ہے لہٰذا ان باتوں کے پیش نظر ماں بیٹی کے بوریا بستر لپیٹنے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ماں اور بیٹی کو اس بات کا بھی خدشہ ہو گا کہ کہیں ذیشان علی اویس کی مدد کو نہ پہنچ جائے۔

وہ اور ان کی لڑکیاں شائستہ کو دیکھنے اور اس سے ملنے کے لئے بے چین ہو رہی تھیں۔ وہ نہ صرف اس معمے کو حل کرنے بلکہ اخلاقاً حیدر آباد جا کر شائستہ سے ملنا چاہتی تھیں۔ شائستہ دو بار کراچی آئی تھی۔ ایک بار ان سب کی غیر موجودگی میں گھر پر اور دوسری بار اسپتال اویس کی عیادت کرنے کے لئے۔ اتفاق سے دونوں مرتبہ ہی شائستہ سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

چھٹی والے دن اویس اپنی امی اور دونوں بہنوں کو ساتھ لے کر حیدر آباد روانہ ہوا۔ شائستہ کے گھر پر پہنچے تو سہ پہر کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ لوگ اس کے گھر پر پہنچ کر ٹھٹک گئے' دروازے پر ایک بڑا سا قفل پڑا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔

قفل دیکھ کر زیب النساء بولیں۔ "میں نے تم سے کہا تھا کہ روانگی سے پہلے ایک خط لکھ کر ہم سب کی آمد کی اطلاع دے دو۔ تم میں سے کسی نے ایک خط لکھنا گوارا نہیں کیا۔ میں نے اس لئے کہا تھا کہ شاید چھٹی والے دن کہیں چلی نہ جائے' آخر ایسا ہی ہوا نا؟"

"وہ اپنی ساس کے گھر گئی ہو گی۔" اویس نے جواب دیا۔ "میں نے تین دن پیشتر ایک خط لکھ کر پوسٹ کر دیا تھا۔ شاید وہ خط نہ ملا ہو۔"

زیب النساء نے اویس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں اس کی ساس کا گھر معلوم ہے؟ اگر ہے تو پھر ہم سب کو وہاں لے چلو۔"



"گھر تو مجھے معلوم نہیں ہے۔" اویس نے جواب دیا۔ "البتہ پڑوس سے معلوم کئے لیتے ہیں۔ شاید انہیں اس کی ساس کے گھر کا پتا معلوم ہو۔"

زیب النساء نے نجمہ سے کہا۔ "تم ساتھ والے مکان کا دروازہ کھٹکھٹا کر دریافت تو کرو کہ شائستہ کہاں گئی ہوئی ہیں؟"

پھر نجمہ نے دروازے پر وقفے وقفے سے دو تین بار دستک دی تو کوئی تین چار منٹ کے بعد اندر سے چاپیں ابھریں۔ دروازہ کھل گیا۔ ان سب نے دیکھا ایک تیس برس کی عورت کا سراپا ابھرا۔ وہ دروازے پر کھڑی انہیں حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل تھیں۔ اس کی پلکوں پر نیند کا غلبہ تھا۔ چہرے پر ناگواری سی تھی جیسے اسے گہری نیند سے جگا کر دوپہر کا آرام غارت کر دیا گیا ہو۔ تاہم وہ بڑی مہذب اور شائستہ سی خاتون لگ رہی تھی۔ صورت بھی بڑی موہنی سی تھی۔ اپنے گھر کے دروازے پر اس قافلے کو دیکھ کر یکلخت اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ وہ دلکش انداز سے مسکرائی پھر بڑی شائستگی سے پوچھا۔ "فرمایئے؟"

"ہم لوگ کراچی سے آرہے ہیں۔" نجمہ سے پہلے خالدہ بول اٹھی پھر اس نے سب کا تعارف کرایا پھر اس نے شائستہ کے مکان کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم آپ کے پڑوس کے مہمان ہیں۔ ان سے ملنے آئے تھے گھر مقفل پایا تو آپ کو زحمت دی۔ معافی چاہتے ہیں۔"

کراچی کا نام سن کر وہ عورت اور زیادہ بااخلاق بن گئی۔ اس نے دروازے سے ہٹ کر ان سب کو اندر آنے کا راستہ دیا۔ "آپ لوگ اندر تشریف لے آئیں۔ باہر سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ آج کا دن تو بہت ہی زیادہ گرم ہے۔ پہلے آپ آرام سے تشریف رکھیں۔ میں آپ لوگوں کے لئے پانی لے کر آتی ہوں۔"

چند لمحوں کے بعد وہ ایک ٹرے میں ٹھنڈے پانی کی بوتلیں اور گلاس لے آئی۔ سب کو گلاس میں پانی بھر بھر کے پیش کیا۔ چاروں نے پانی پیا تو انہیں فرحت سی محسوس ہوئی۔ وہ ٹرے گلاس اور بوتلیں لے کر اندر رکھنے چلی گئی۔

نجمہ نے خالدہ سے کہا۔ "یہ خاتون کتنی بااخلاق ہیں۔ کراچی میں بھلا کوئی اتنے اخلاق سے پیش آسکتا ہے؟ کراچی والوں کو اخلاق چھو کر بھی نہیں گیا ہے۔"

"کراچی سے باہر نکلو تو لوگ بڑے بااخلاق اور مہمان نواز ملتے ہیں۔ وہ مسافروں اور اجنبیوں کے ساتھ بڑی محبت کا سلوک کرتے ہیں جبکہ کراچی میں کوئی کسی مہمان کو گھاس تک نہیں ڈالتا ہے۔ بڑی نفسا نفسی کا عالم ہے۔ مہمان نوازی تو گاؤں والوں کو آتی ہے۔"

زیب النساء بولیں۔

ان کے درمیان آپس میں باتیں اور تبصرے ہو رہے تھے کہ وہ عورت ایک ٹرے میں شربت اور بسکٹ رکھ کر لے آئی تو زیب النساء بولیں۔ "بیٹی! تم ناحق تکلیف کر رہی ہو........ ہم پتا دریافت کرنے آئے تھے۔ تم نے ٹھنڈا پانی پلا دیا۔ یہی ہمارے لئے کافی تھا۔"

"آپ جیسے ان کے مہمان ویسے میرے بھی مہمان!" وہ خوش دلی سے بولی۔ "آپ نے مجھے بیٹی کہا تو پھر یہ گھر آپ کی بیٹی کا ہی ہوا۔"

زیب النساء اس کی محبت اور گہرے جذبے سے بہت متاثر ہوئیں۔ ان تینوں کو بھی بہت بھایا تھا۔ انہیں اس کی توقع نہیں تھی۔ زیب النساء نے اس عورت سے کہا۔ "ہم لوگ شائستہ خلیل کے ہاں آئے تھے وہ کہاں گئی ہوئی ہیں آپ کو کچھ معلوم ہے؟ میرے بیٹے کا کہنا ہے کہ وہ اپنی ساس کے ہاں گئی ہوئی ہوں گی۔ ہمیں ان کی ساس کا پتا معلوم نہیں ہے' کیا آپ ان کی ساس کا پتا جانتی ہیں؟ وہ کہاں رہتی ہیں؟"

"کون شائستہ خلیل؟" اس عورت کے لہجے میں تحیر تھا۔ "میرا خیال ہے اس نام کی کوئی عورت اس گلی اور محلے میں نہیں رہتی ہے۔ اس گھر میں اس نام کی کوئی عورت نہیں ہے۔ میں اس گلی کی تمام لڑکیوں اور عورتوں کے ناموں سے واقف ہوں۔"

اویس نے چونک کر کہا۔ "میں ایک ڈیڑھ ماہ پیشتر آیا تھا۔ ان سے مل کر گیا' اس گھر میں' میں نے کوئی دو ایک گھنٹے گزارے تھے۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ غلطی سے کسی اور گلی اور گھر پر آگئے ہوں۔" عورت بولی۔ "کیونکہ یہاں کے مکان اور گلیاں تقریباً ایک سی ہیں۔"

اویس نے اپنی جیب سے نوٹ بک نکال کر مکان کا نمبر بتاتے ہوئے پوچھا۔ "اس مکان کا نمبر یہی ہے نا؟"

"نمبر تو یہی ہے۔" عورت شش و پنج میں پڑ گئی پھر بولی۔ "میں اس مکان اور محلے میں کوئی دس برس سے ہوں' یہاں شائستہ نام کی کوئی عورت نہیں رہتی ہے۔" عورت نے توقف کرکے اویس سے پوچھا۔ "ان کے شوہر کا پورا نام کیا ہے؟ وہ کیا کرتے ہیں؟"

"شائستہ کے شوہر کا پورا نام سید خلیل احمد ہے' وہ سدرن گیس میں ملازمت کرتے ہیں۔ مجھے شائستہ نے یہی بتایا تھا۔" اویس نے جواب دیا۔

وہ عورت کسی قدر سوچ اور تذبذب میں پڑ گئی۔ اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔



"اس میں دو خواتین رہتی تھیں کوئی ایک ماہ پیشتر مکان خالی کرکے چلی گئیں۔ ان دونوں نے یہ مکان صرف دو تین ماہ کے لئے کرائے پر لیا تھا۔"

"شائستہ کی ایک بیٹی تھی۔ اس کا نام غالباً تزئین احمد تھا اس لڑکی کی عمر بمشکل پانچ چھ برس کی ہوگی۔ میں نے اس کی تصویر دیکھی تھی۔"

"اس مکان میں اس عمر کی کوئی بچی نہیں تھی۔ البتہ ماں بیٹی رہتی تھیں۔" عورت نے توقف کرکے شربت کا گھونٹ لیا۔ پھر بولی۔ "ماں کا نام افروزہ بیگم تھا۔ ان کی بیٹی کا نام شگفتہ تھا وہ بہت ہی حسین تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسی حسین لڑکی نہیں دیکھی اور ہاں اس کی بڑی بہن کا نام شائستہ ہے۔ وہ تو شگفتہ سے عمر میں چھ سات سال بڑی ہے۔ چار بچوں کی ماں ہے وہ۔ دو سال سے مسقط میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ ہے۔ وہ شگفتہ کے برعکس ہے۔ شائستہ سیاہ ہے۔ رات ہے' شگفتہ دن ہے اور چودھویں کا چاند۔ شائستہ اس مکان میں تین برس رہ کر گئی ہے' ٹھہرئیے........ میرے پاس دونوں بہنوں کی ایک تصویر ہے۔ میں آپ کو لاکر دکھاتی ہوں۔"

وہ عورت تصویر لینے اندر چلی گئی۔ جب تصویر لے کر آئی تو ان سب نے باری باری وہ تصویر دیکھی۔ اس تصویر میں شگفتہ اپنے مخصوص لباس میں ملبوس کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس کے ساتھ ایک سانولی رنگت کی لڑکی تھی جس کی شباہت شگفتہ سے ملتی جلتی تھی۔ وہ عورت اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر شگفتہ کی تصویر پر انگلی رکھتی ہوئی بولی۔

"یہ اس کی تصویر ہے۔ یہ اس کی بڑی بہن شائستہ ہے جو یہاں دو سال رہ کر گئی ہے۔" اس نے سانولی لڑکی کی تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن شائستہ کی پیشانی پر مندمل ہوجانے والے زخم کا نشان تھا۔ میں نے دو تین بار دیکھا ہے۔"

"اس نے یہ نشان کسی وجہ سے لگا رکھا تھا۔ وہ جب بھی کسی کام سے کراچی جاتی تھی وہ یہ نشان لگا کر جاتی تھی۔ میں نے اس کی وجہ اس سے کبھی نہیں پوچھی اور نہ اس نے بتایا........ آخر بات کیا ہے؟ مجھے تو کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔" عورت بولی۔

☆-----☆------☆

دوسرے دن رات کے وقت اویس اپنے کمرے میں بیٹھا شگفتہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ شگفتہ کو کہاں اور کیسے تلاش کیا جائے۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ دفعتاً ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اویس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف شگفتہ تھی۔

"شگفتہ.......... تم؟" اویس حیرت اور غصے سے بولا۔ "یہ تم نے میرے ساتھ کیا مذاق کیا ہے؟ تم مجھے کس بات کی سزا دے رہی ہو؟"

"مذاق.........؟" شگفتہ نے جواب دیا۔ "مذاق تو آپ نے معصوم اور غریب لڑکیوں سے کیا.......... ان سے شادیاں کیں' جب ان سے جی بھر گیا تو آپ نے انہیں طلاق دے دی.......... اس بات کی سزا میں نے آپ کو دی.......... کیا میں نے غلط کیا؟"

"تم کون ہوتی ہو مجھے سزا دینے والی؟" وہ بھڑک اٹھا۔ "میں نے تمہارا کیا بگاڑا.......... تمہیں کیا معلوم کہ میں نے انہیں کس لئے طلاق دی؟ شادی کے بعد مجھے پتا چلا کہ وہ لڑکیاں میرے معیار کی نہیں ہیں' میرے لائق نہیں ہیں۔"

"میں اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔" شگفتہ بولی۔ "آپ نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اچھا نہیں کیا.......... زمانے کے اتفاقات دیکھئے کہ ان تمام لڑکیوں سے میری ملاقات ہوئی جو آپ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنیں۔ میں نے ان کی کہانیاں سنیں۔ میری ان سے ملاقات شادی سے پہلے ہوئی تھی' چونکہ آپ کے سارے کرتوت ایک ایک کرکے سامنے آگئے تھے اس لئے میری امی نے میرا رشتہ دینے سے انکار کیا تھا.......... ورنہ کوئی اور بات نہ تھی۔"

"پھر وہ اس لئے تیار ہوگئی تھیں کہ انہیں تم نے شادی کے لئے رضامند کرلیا تھا.......... تم سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں ایک اچھا شخص بن جاؤں گا۔ اس کے باوجود تم نے مجھے فریب دیا' بے وقوف بنایا۔"

"میں جانتی تھی کہ آپ ریاکاری سے کام لے رہے ہیں۔" وہ کہنے لگی۔ "میں۔ آپ سے شادی ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کی تھی' میرا وہ منصوبہ پورا ہوگیا۔"



"تم نے مجھ سے دولت ہتھیانے کے لئے منصوبہ بنایا تھا.......... ہے نا؟" اویس نے جزبز ہوکر کہا۔

"دراصل آپ نے دولت' جائیداد ہتھیانے کے لئے منصوبہ بنایا تھا۔ آپ نے مجھے نذیر احمد خان کی بیٹی سمجھ لیا تھا۔ ان کی بیٹی میری ہم نام تھی' اس خوش فہمی پر آپ نے ایک جوا کھیلا اور ساری دولت میرے نام کردی۔"

"مجھے میری تمام رقم چاہئے.........." اویس نے غصے سے کہا۔ "تمہیں میری بیوی بن کر بھی رہنا ہوگا۔"

"میں نہ تو وہ رقم دے سکتی ہوں اور نہ میں آپ کی بیوی بن کر رہنے کے لئے تیار ہوں.........." وہ بولی۔ "اس لئے کہ امی نے وہ تمام لڑکیوں میں مساوی طور پر تقسیم کردی جو آپ کے ظلم و ستم کا شکار ہوگئیں۔ ان میں ثمرین بھی شامل ہے۔ میں نے آپ سے شادی کے بہانے آپ سے لاکھوں کا جرمانہ ایک طرح سے وصول کیا ہے۔ اس رقم سے ان کے زخم مندمل تو نہیں ہوسکتے ہیں لیکن ان کی شادی کے کام آسکتی ہے۔"

"میں تمہیں جیل کی ہوا کھلا دوں گا.........." اویس بھنا کر بولا۔ "یہ رقم تمہارے باپ کی نہیں تھی' ایک ایک پائی وصول کرکے رہوں گا' تم مجھے نہیں جانتی ہو کہ میں کون ہوں۔"

"آپ اپنے دل کی یہ حسرت بھی پوری کرکے دیکھ لیں۔" شگفتہ کہنے لگی۔ "میں چاہوں تو آپ کو جیل کی ہوا کھلا سکتی ہوں' میرے پاس آپ کی رشوت خوری کے ایسے ایسے ثبوت ہیں کہ آپ اس کا سوچ بھی نہیں سکتے ہیں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ آپ ثمرین کو قبول کرلیں۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے' وہ بہت پیاری لڑکی ہے' ایک اچھی بیوی ثابت ہوگی۔ وہ رقم نہ میرے باپ کی تھی نہ ہی آپ کے باپ کی تھی۔ وہ رشوت کی رقم تھی۔ ایک راشی کی دولت تھی۔ آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ نے وہ رقم مجھے دی.......... بالفرضِ محال آپ نے ثبوت پیش بھی کردیا تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ اتنی رقم کہاں سے آئی؟ پھر آپ رشوت کے الزام میں بھی دھر لئے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا شہد کی مکھیوں کے چھتے میں ہاتھ نہ ڈالیں اور پھر آپ کے پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے کہ میں آپ کی بیوی ہوں۔ میں آپ کو جتنا جانتی ہوں جتنا جان چکی ہوں' شاید ہی کوئی جان سکے۔"

اویس بغلیں جھانکنے لگا۔ اس کے پاس شگفتہ کی کسی بات کا جواب نہیں تھا۔ پھر اس

نے پوچھا۔ "تم کیا چاہتی ہو؟"

"آپ یہ بتائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟" شگفتہ بولی۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے معاف کردو......... مجھے قبول کرلو.........." وہ نرم پڑ کر بولا۔

"میں یہ سب کچھ ایک عورت کے لئے کر رہی ہوں' اب یوں بھی آپ مجھے قبول نہیں کریں گے۔"

"میں تمہیں کیوں قبول نہیں کروں گا؟" وہ حیرت سے بولا۔

"اس لئے کہ آپ کو حسن وشباب سے دلچسپی ہے' میری ذات سے آپ کو کوئی محبت نہیں ہے۔"

"یہ تم نے کیسے کہہ دیا......... مجھے تم سے' صرف تم سے محبت ہے۔" اویس نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو کل صبح نو بجے میں آپ کے پاس پہنچ رہی ہوں' میں یہ دیکھنا چاہوں گی کہ آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آپ اور آپ کے گھر والے مجھے دھتکاریں گے نہیں؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ تم سے کوئی بدسلوکی کرے۔" اس نے کہا۔

صبح نو بجے شگفتہ اس کے گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے سارے گھر والے نشست گاہ میں جمع تھے۔ وہ برقعے میں ملبوس تھی۔ اس کے چہرے پر نقاب پڑی تھی۔ اس کے گورے گورے ہاتھ برقعے سے باہر تھے۔ شگفتہ نے پہلے تو سب کو سلام کیا پھر اس نے نقاب والے حصے کی ڈوری کھینچی پھر اسے ایک جھٹکے سے اتار دیا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر سب اچھل پڑے۔ اویس جو اس کی طرف لپک رہا تھا وہ ایک دم سے ٹھٹک کر رک گیا۔

شگفتہ کا بری طرح جھلسا ہوا چہرہ سامنے تھا۔ اس کی آنکھیں معجزانہ طور پر بچ گئی تھیں۔ اس کا چہرہ اس قدر بھیانک لگ رہا تھا کہ کسی کو اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اگلے لمحے اویس ہیجانی لہجے میں چیخا۔ "یہ تم ہو.........؟"

"ہاں۔" شگفتہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "کچھ دن پہلے میں کھانا پکاتے ہوئے جھلس گئی......... معلوم نہیں اللہ نے مجھے کیوں اور کس لئے بچا دیا۔ کاش! میں مرجاتی' میں زندہ نہ رہتی........." وہ سسک پڑی۔

"تم یہاں سے چلی جاؤ۔" اویس نے ہذیانی لہجے میں کہا۔ "ہم تمہاری صورت دیکھنا



بھی نہیں چاہتے ہیں۔"

"مگر آپ نے تو مجھے بلایا ہے......... آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں آپ کی بیوی ہوں۔"

"میں کہتا ہوں نکلو یہاں سے........." اویس دھاڑا۔ "میں تمہاری بکواس سننا نہیں چاہتا ہوں۔"

"یہ میرا گھر ہے' میں آپ کی بیوی ہوں۔ اس گھر کی بہو ہوں' عزت ہوں' میں یہاں سے کسی قیمت پر نہیں جاؤں گی۔"

"تم کیسے نہیں جاؤ گی.........؟" اویس غضب ناک ہو کر بولا۔ "تمہارا باپ بھی یہاں سے جائے گا۔"

"آپ نے تو مجھ سے کہا تھا کہ مجھے دھتکاریں گے نہیں......... پھر آپ مجھے ذلیل کیوں کر رہے ہیں؟" وہ بلکتی ہوئی بولی۔ "آپ مجھے جان سے کیوں نہ مار ڈالیں' مگر میں یہاں سے ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گی۔"

اویس نے دیکھا کہ شگفتہ ایک بلا بن کر آگئی ہے۔ ٹل ہی نہیں رہی ہے' ان کی باتوں کا شور سن کر اڑوس پڑوس کی عورتیں اور مرد حضرات بھی اندر آگئے تھے پھر اس کے ذہن میں شگفتہ سے چھٹکارا پانے کا خیال آیا تو وہ حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے کہا۔ "شگفتہ سنو......... میں تمہیں طلاق دیتا ہوں' طلاق' طلاق' طلاق........."

☆-----☆------☆

شگفتہ گھر پہنچی تو ثمرین اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی' ثمرین نے پوچھا۔ "کیا رہا؟"

"میرا ڈراما کامیاب رہا........." شگفتہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر میں یہ ڈرامہ نہ کرتی تو وہ مجھے طلاق نہ دیتا۔ اس نے اڑوس پڑوس اور اپنے گھر والوں کے سامنے مجھے طلاق دے دی......... اب تمہارے لئے راستہ صاف ہوگیا ہے۔"

"آپی!" ثمرین اس سے لپٹ گئی۔ "آپ نے میرے لئے کتنی بڑی قربانی دی......... آپ کے اس احسان کو ساری زندگی بھلا نہ سکوں گی......... لیکن کہیں وہ پھر سے غلط رستے پر چل تو نہیں پڑیں گے؟"

"نہیں........." شگفتہ نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے ایسا سبق دے دیا ہے کہ وہ ساری زندگی نہیں بھولے گا اور نہ غلط راستے پر جائے گا۔ تم آج

ہی اس کے ہاں اپنا بوریا بستر لے کر پہنچ جانا........... لیکن نکاح نامہ اور اس کے وہ کاغذات جو رشوت کے ثبوت ہیں انہیں کہیں محفوظ اور جان سے زیادہ عزیز رکھنا۔"

"اچھا آپی..........." وہ ہنس کر بولی۔ "آپ یہ میک اَپ اتار دیں.......... آپ کو اس میک اَپ میں دیکھ کر مجھے وحشت ہو رہی ہے' آپ نے کیا زبردست میک اَپ کیا ہے.......... سچ مچ کا آپ کا چہرہ جھلسا ہوا لگ رہا ہے۔"

"آج یہ مہارت کام آگئی........... اس نے تمہاری زندگی اور مستقبل بنا دیا۔ اگر میں اس میک اَپ میں نہ جاتی تو وہ مجھے ہرگز طلاق نہ دیتا.......... نہ جانے کب تک سُولی پر لٹکی رہتی..........." شگفتہ مسکراتی ہوئی بولی۔

☆------ختم شد------☆